ارالتالیف والترجمہ جامعۃ الرشاد - اعظم گڈھ

سالانہ چندہ ہندوستان سے 50/- خصوصی معاون 100/- قیمت فی پرچہ 5/-	جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ کا ترجمان ماہنامہ جامعۃ الرشاد	سالانہ چندہ غیر ممالک سے پندرہ ڈالر امریکی 15/00 $
جلد نمبر ۲۲	جنوری سنہ ۱۹۹۳ء مطابق رجب سنہ ۱۴۱۳ھ	شمارہ ۵۲

فہرست مضامین

۱	بابری مسجد کے انہدام کا سانحۂ عظیم	مرتب	۲
۲	تاریخ تدوین قرآن مجید مستشرقین کے اعتراضات کے تناظر میں	ڈاکٹر حافظ محمود اختر پنجاب یونیورسٹی لاہور	۸
۳	ٹیپو شہید کے وطن میسور میں آل انڈیا ملی کونسل کا اجلاس	مرتب	۲۲
۴	میسور میں ملی کونسل کی مجلس عمومی کا اجلاس اور اسکی روداد	مرتب	۳۵
۵	اسلامی حکومت اور اسکی معاشی ذمہ داریاں	محمد لطیف اللہ نائب صوبیدار	۴۵
۶	کیا پریشانی اور مصیبت کے وقت روزہ رکھنا بدعت ہے؟	مرتب	۶۰
۷	کتابوں کا اشتہار	مہتمم مکتبہ الرشاد	۶۱

مجلس ادارت

مجیب اللہ ندوی پرنٹر پبلشر وایڈیٹر نے نشاط آفسیٹ پریس ٹانڈہ سے چھپوا کر دفتر جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ سے شائع کیا

رشحات

بابری مسجد کے انہدام کا سانحہ عظیم

بابری مسجد کے انہدام کا سانحہ محض ایک تاریخی مسجد کے انہدام کا حادثہ نہیں ہے بلکہ ہندوستان میں مسلمانوں کی بارہ سو سالہ تاریخ کو بدلنے اسلامی تہذیب و شعائر کو مٹانے کا ایک سوچا سمجھا منصوبہ ہے یہ ہماری اسلامی حمیت اور ملی غیرت کیلئے ایک کھلا ہوا چیلنج ہے اتنا ہی نہیں بلکہ اس واقعہ نے ہندوستان کے سیکولر دستور اور عدالت عالیہ کے وقار کو خاک میں ملا دیا ہے لیکن غور یہ کرنا ہے کہ کیا اس حادثہ کے ذمہ دار صرف دہشت گرد کار سیوک ہیں؟ کیا اس کی ذمہ دار محض وشو ہندو پریشد ہے؟ کیا اس کی ذمہ دار صرف بجرنگ دل، آر ایس ایس اور بھاجپائی حکومتیں ہیں؟ یا اس میں کانگریس کی مرکزی حکومت اور ہمارے ملک کی عدالت عدلیہ بھی ملوث ہے؟

سوال یہ ہے کہ کیا یہ واقعہ اچانک رونما ہو گیا یا اس کے پیچھے ایک سوچا سمجھا منصوبہ تھا؟ ظاہر ہے کہ بابری مسجد پر حملہ کا واقعہ دو برس پہلے بھی آچکا تھا جب صوبہ اور مرکز میں جنتا دل کی حکومت تھی اور ملائم سنگھ اتر پردیش کے چیف منسٹر تھے ملائم سنگھ جنہوں نے اس کے تحفظ کے وہ تمام انتظامات کر ڈالے جو ایک حکومت کر سکتی ہے مگر پھر بھی بابری مسجد کو کچھ نہ کچھ نقصان پہونچ کر رہا۔

اگست ۱۹۹۲ء اجودھیا میں زبردستی جو کار سیوا ہوئی تھی کیا اس کا علم حکومت کو نہیں تھا؟ تین مہینے کی بات چیت کی ناکامی اور ٹال مٹول کے بعد مذکورہ بالا تمام فرقہ پرست جماعتوں کے لیڈر برابر یہ بیان دے رہے تھے کہ عدالت کے فیصلہ کو نہیں مانتے اسلئے کہ یہ معاملہ ہمارے مذہبی جذبات سے جڑا ہوا ہے اس لئے ہم کسی کی بات اور کسی کے فیصلہ

کو ماننے کیلئے تیار نہیں ہیں اور وہ کارسیوا کیلئے ۶ر دسمبر کی تاریخ مقرر کرتے ہیں کیا یہ بات مرکزی حکومت کے علم میں نہیں تھی ؟ پھر سارے ملک سے کارسیوک نہتے نہیں آرہے تھے بلکہ اپنی اپنی بساط کے مطابق مسلح ہو کر آرہے تھے کیا ان باتوں کی ہماری مرکزی حکومت کو اطلاع نہیں تھی ؟ اس نے یہ سب جانتے اور سمجھتے ہوئے اس سیلاب کو روکنے کی کیا کوشش کی ؟ مرکزی حکومت جو ادھر تین چار مہینوں سے بات چیت چلا رہی تھی کیا وہ یہ سمجھ کر چلا رہی تھی کہ یہ ایک صوبہ کا مسئلہ ہے ؟ یا یہ سمجھ کر چلا رہی تھی کہ یہ پورے ملک ہی کا نہیں بلکہ بین الاقوامی مسئلہ بن گیا ہے ؟ پھر اس کے ناکام ہونے کے بعد اس نے کیا جتن کئے ؟ صوبہ نے مرکز سے فوج طلب نہیں کی بلکہ مرکزی حکومت نے اپنی ذمہ داری سمجھ کر فوج بھیجی تو پھر اس کو استعمال کرنے میں وہ کیوں صوبہ کی حکومت کے سامنے بے بس ہو گئی ؟ پھر مسجد کے گرجانے اور صوبہ کی حکومت کے برخاست کر دینے کے بعد مرکزی حکومت کو کیا چیز مانع تھی کہ ۳۲ گھنٹے تک فوج نہیں بھیجی گئی اور کارسیوکوں کو موقع دیا گیا کہ وہ مسجد کا ملبہ صاف کر کے ایک دیوار اٹھا کر سنگ مرمر کا ایک چبوترہ بنا دیں پھر اس میں مورتی رکھ کر واپس جائیں ؟ اجودھیا کا مسئلہ ہماری کانگریس حکومت کا پیدا کردہ ہے اسی نے بابری مسجد کا تالا کھلوایا اسی نے شیلانیاس کروایا اور اسی کی دوہری پالیسی کی وجہ سے مسجد کو مسمار کر دیا گیا مذکورہ بالا سوالوں پر جب بھی کوئی غیر جانبدار آدمی غور کرے گا تو وہ یہی کہنے پر مجبور ہوگا کہ اس سانحہ عظیم میں ہماری مرکزی حکومت پورے طور پر شریک تھی — اسکا اس سے بڑا اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ جب [illegible]

ہاں کہ عدالت عالیہ سپریم کورٹ نے کارسیوا روکنے کا آرڈر ضرور دیا مگر علامتی کارسیوا کی اجازت کیساتھ پھر ریسیور مقرر کرنے میں کیا چیز حائل تھی ؟ اور پھر اس کی طرف سے جو جج صاحب نگراں مقرر کئے گئے تھے وہ برابر خیریت بھیجتے رہے اور سپریم کورٹ مسجد کے گرائے جانے کی تاریخ تک خاموش تماشائی بنی رہی۔

ہائی کورٹ کی لکھنؤ بنچ نے جو فیصلہ ۱۱ر دسمبر کو دیا اگر وہ ۶ر تاریخ کو یا اس

سے پہلے دے دیتی تو کیا اس سے صوبائی حکومت کے سامنے ایک مزید قانونی اڑچن نہ کھڑی ہوتی؟ مقدمے کے فیصلے کو چالیس برس سے لٹکائے رکھا گیا کیا اسے عدالت کی مجرمانہ غفلت نہیں کہا جا سکتا؟

غرض یہ کہ اس سانحۂ عظیم کی ذمہ داری نہ صرف فرقہ پرست جماعتوں صوبائی حکومت کی دہشت گردی اور مجرمانہ طرزِ عمل پر ہے بلکہ ہماری مرکزی حکومت اور ہماری عدالت عالیہ بھی اس میں بڑی حد تک شریک رہی ہے۔ اور اتنا بڑا گھناؤنا جرم دن کی روشنی اور فوج و پولیس کی موجودگی میں ہوا ہے شاید اس کی مثال دنیا کی تاریخ میں نہ ملے۔

مرکزی حکومت اس وقت کشمیر اور پنجاب کے لوگوں کے ساتھ یہ کہہ کر فوجی کاروائی کر رہی ہے کہ وہاں دہشت گردی پھیل رہی ہے مگر پورے ملک سے دہشت گردوں کو بلا کر اجودھیا میں جو دہشت گردی کرائی گئی ہے کیا اس کے ذریعہ پورے ملک میں دہشت گردی پھیلانے کا کام نہیں ہوا؟ اگر ہوا تو اس کی ذمہ داری کس پر ہے؟ جنتا دل کی حکومت میں تو کارسیوکوں کو روکنے کے لئے بہت سی ٹرینوں کو منسوخ کر دیا گیا تھا اور بہت سی دوسری رکاوٹیں بھی کھڑی کر دی گئی تھیں مگر ہماری حکومت نے یہی نہیں کہ کوئی ٹرین منسوخ نہیں کی بلکہ مزید سہولت بہم پہونچانے کی کوشش کی جیسے یہ مجمع کسی بڑے کارِ خیر کے لئے جا رہا ہے۔؟ ابھی تک ہمارا نوجوان دہشت گردی سے رکا ہوا ہے مگر بابری مسجد کے گرانے میں فرقہ پرست جماعتوں نے پورے ملک میں دہشت گردی اور تشدد کی جو فضا پیدا کی ہے اس کے بعد مسلمان نوجوان اپنے اعتدال پسند راہنماؤں کی گرفت سے باہر ہونے لگا ہے ۶ر دسمبر کے حادثہ کے بعد ملک کے اندر جو تشدد رونما ہوا ہے وہ اس طرف صاف اشارہ کر رہا ہے ابھی ہم کشمیر اور پنجاب سے پریشان ہو رہے ہیں اگر خدا نخواستہ یہ صورت پورے ملک میں پیدا ہو گئی تو پھر ملک کو تباہ ہونے سے کوئی نہیں بچا سکے گا۔

اس سانحہ سے نہ صرف مسلمانوں کے دل مجروح ہوئے ہیں بلکہ ملک کے سنجیدہ طبقے اور پوری دنیا کو اس سے تکلیف پہونچی ہے اور سیکولرزم اور جمہوریت کا خون ہوا ہے مگر پورے ملک سے آئے دہشت گرد کارسیوکوں کے خلاف ہماری مرکزی حکومت کی فوج نے ایک گولی بھی نہیں چلائی لیکن مجروح دل مسلمانوں نے جب اس کے خلاف آواز اٹھائی تو ان پر ڈنڈے اور گولیاں برسائی جارہی ہیں اور دہشت گردی کرنیوالی جماعتوں کے ساتھ مسلمانوں کی جماعتوں پر بھی پابندی عائد کی جارہی ہے خاص طور پر جماعت اسلامی پر پابندی تو مارے گھٹنا پھوٹے آنکھ کی مصداق ہے اور مسلمانوں کے ساتھ یہ ظلم و بربریت زیادہ تران صوبوں میں کی گئی ہے جہاں کانگریس اور دوسری سیکولر جماعتوں کی حکومتیں ہیں جیسے مہاراشٹر گجرات اڑیسہ بلکہ یہ ظلم وجور وہاں کم ہوا ہے جہاں بھاجپائیوں کی حکومت ہے۔ البتہ مدھیہ پردیش میں بھاجپا سرکار نے حد سے زیادہ ظلم کیا ہے۔

مرکزی حکومت کے ذمہ دار اور فرقہ پرست جماعتیں جرمنی کی بربریت اور برطانوی حکومت کے ظلم وجور اور تشدد کے نتیجہ کو دیکھ چکی ہیں جو آدھی دنیا پر حکومت کرتے تھے اس وقت وہ اپنے جزیرے میں سمٹ کر رہ گئے ہیں اور روس جو آج سے چند سال پہلے سپر پاور کہلاتا تھا وہ بکھر کر رہ گیا ہے اور دنیا سے اس کے اقتدار اعلیٰ کا نام ونشان تک مٹ گیا ہے انہیں ان حکومتوں کے انجام سے سبق لینا چاہئے ابھی مسلمانوں میں کچھ نہ کچھ اعتدال پسند رہنما موجود ہیں اس لئے مسلمانوں اور خاص طور پر نوجوانوں کو کسی حد تک قابو میں کئے ہوئے ہیں اب اگر ظلم وجور کی یہی صورت حال رہی تو ہو سکتا ہے کہ پورا ملک دہشت گردی کی لپیٹ میں آجائے اور اب اس کی صورت پیدا ہونی شروع ہوگئی ہے۔

مرکزی حکومت اگر واقعی بابری مسجد کے مسئلہ میں مخلص ہے بلکہ یوں کہنا صحیح ہے کہ اگر وہ ملک کو ٹکراؤ سے روکنا چاہتی ہے تو اسے فوری طور پر مسلمان رہنماؤں کی بات

اجودھیا میں بابری مسجد کی تعمیر شروع کر دینا چاہیے اور ساتھ ہی فرقہ پرست جماعتوں پر کم سے کم دس برس تک الکشن میں حصہ لینے کو ممنوع قرار دے دینا چاہیے۔ اگر اس نے یہ دو اقدامات فوری طور پر کر لیے تو اس کی ان غلطیوں کا تلافی ممکن ہے جو اس نے بابری مسجد کے سلسلے میں اختیار کی ہے۔

آخر میں ہم مسلمان رہنماؤں اور علماء و خواص سے بھی یہ گزارش کریں گے کہ آپ سر جوڑ کر ایک جگہ بیٹھیں اور موجودہ غیر یقینی حالات سے نپٹنے کی تدبیروں پر غور کریں اگر اس عظیم سانحہ کے بعد بھی ہم میں ملی حمیت و غیرت بیدار نہ ہوئی اور ہم نے کوئی متحدہ منصوبہ بند پالیسی نہ بنائی اور خارجی حالات کی سازگاری پر تکیہ کئے بیٹھے رہے تو یقین کر لینا چاہیے کہ شاید ہمیں ہماری موت ہی خواب غفلت سے جگائے گی اور ہمیں اس سے زیادہ سنگین صورتحال برداشت کرنے کے لئے تیار رہنا چاہیے اس سلسلہ میں ہمیں دو کام فوری طور پر کرنا ہے ایک یہ کہ اپنے اور اپنی جماعت کے اندر زیادہ سے زیادہ اتحاد واتفاق پیدا کرنے کی نہ صرف کوشش کرنی چاہیے بلکہ مستقبل کے لئے ایک ہمہ گیر منصوبہ بھی بنانا چاہیے دوسرے یہ کہ کانگریس اور بی جے پی اور دوسری فرقہ پرست جماعتوں کو چھوڑ کر سب سیاسی جماعتوں کو ایک سیاسی نقطۂ نظر پر جمع کرنے کی کوشش کرنی چاہیے یوپی میں بہوجن سماج اور سماج وادی پارٹی کے اشتراک کی جو صورت پیدا ہوئی ہے دوسرے صوبوں میں جو پارٹیاں موثر ہیں ان کو بھی اسی ایک نقطۂ نظر پر لانے کی کوشش کرنی چاہیے اس کے لئے مسلم لیگ، مسلم مجلس، اتحاد المسلمین، آل انڈیا ملی کونسل سب کو مل کر کوئی متحدہ اور موثر کوشش کی پہل کرنی چاہیے۔

یہ بات اب پوشیدہ نہیں رہ گئی ہے کہ ہندوؤں میں اس وقت فرقہ واریت کا جو زہر تیزی سے پھیل رہا ہے اس سے ہر مسلمان فکرمند ہے ہمارے رہنماؤں کو اس زہر کے تریاق صورتوں پر غور کرنا چاہیے راقم الحروف کے نزدیک اسکا علاج یہ سمجھ میں آرہا ہے کہ اسکو سیاسی سطح پر پورے طور سے شکست دے دی جائے اس لئے کہ اس کو جب سے سیاسی سہارا ملا ہے اسی

بقیہ صفحہ ۳۲ پر

آل انڈیا ملّی کونسل کے وفد کے دورے

میسور کے اجلاس کے بعد ہم نے طے کیا تھا کہ جلد سے جلد ہم طے شدہ پروگراموں کو عملی جامہ پہنانے کی جدوجہد شروع کر دیں گے مگر اس سے پہلے کہ ہم کوئی عملی قدم اٹھائیں بابری مسجد کے انہدام کا سانحہ پیش آگیا اور اس کے نتیجہ میں پورے ملک میں مسلمانوں کی جان، مال اور عزت و آبرو سے جو ہولی کھیلی گئی اس نے دل و دماغ کو ہلا کر رکھ دیا اس لئے آل انڈیا ملی کونسل نے ضروری سمجھا کہ پہلے ہم ان تمام مقامات پر پہنچکر اپنے مظلوم بھائیوں کے غم میں شریک ہوں اور ان کے زخم پر جس قدر ممکن ہو ہم مرہم رکھ سکیں چنانچہ اس سلسلہ میں کلکتہ، بمبئی، سورت، بھڑوچ، بڑودہ، بھوپال اور بعض دوسرے مقامات کے دورے کا پروگرام بنایا گیا اور بحمد اللہ وہاں وفد نے پہنچ کر جان و مال کی تباہی اور عزت و آبرو کے جو دل ہلا دینے والے مناظر دیکھے، وہ ناقابل بیان ہیں انشاء اللہ اس کی پوری تفصیل جلد ہی آپ کے سامنے آئے گی۔

ہم اس بات پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ ان خونیں حالات کے باوجود مسلمانوں میں کسی طرح کی مایوسی نہیں ہے بلکہ انہوں نے اس معاملہ میں اپنی جانبازی اور سرفروشی کے وہ ثبوت فراہم کئے ہیں جس سے ہم اس ملک میں اپنے مستقبل کے بارے میں حد درجہ پرامید ہیں۔

تاریخ تدوین قرآن مجید
مستشرقین کے اعتراضات کے تناظر میں

ڈاکٹر حافظ محمود اختر، پنجاب یونیورسٹی لاہور

قرآن مجید خدا تعالیٰ کی آخری کتاب ہے جو انسانیت کی ہدایت کیلئے نازل کی گئی۔ اس کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ذمہ لی ہے اور اس کے کسی غلطی یا تغیر و تبدل سے محفوظ و مامون ہونے کا اعلان فرمایا۔ ان تمام الٰہی ضمانتوں کے باوجود مسلمانوں نے عالم اسباب میں بھی حفاظت متن قرآن مجید میں وہ کوششیں کی ہیں جو یقیناً اپنی مثال آپ ہیں اور جن کی نظیر دنیا کی کوئی قوم پیش کرنے سے قاصر ہے۔

قرآن مجید کے مقام و مرتبے کے حوالے سے مشرکین مکہ نے بھی اس کی شدید ترین انداز سے مخالفت کی انہوں نے لوگوں کو اس سے بدگمان کرکے اس سے دور کرنے کی تمام کوششیں کیں کبھی اسے ساحر کا کلام کہا، کبھی کاہن کا، کبھی شاعر کا کلام کہا تو کبھی اسے (نعوذ باللہ) ایک مجنون کی زبان کہہ دیا ان کی ساری کوششیں اسی مقصد کے تحت تھیں کہ لوگوں کو اس سے بدگمان کر دیا جائے۔

مسلمانوں کے سیاسی زوال اور ان پر اہل مغرب کی سیاسی یلغار کے آغاز کے بعد قرآن مجید کو معاندین کے ایک اور گروہ سے واسطہ پڑا یہ گروہ مشرکین مکہ سے کہیں زیادہ تعصب اور انکار حقیقت کے طوفان میں گھرا ہوا تھا۔ یہ گروہ مستشرقین کا گروہ تھا۔ اس نے قرآن دشمنی میں کتمان حق اور مسخ حقائق کی تمام حدود کو تہہ و بالا کرتے ہوئے قرآن مجید کے بارے میں ایسی بے سروپا باتیں کیں کہ فہم و شعور رکھنے والا ہر شخص انگشت بدنداں رہ گیا۔ انہوں نے قرآن مجید کو انسان کا کلام قرار دیا اور اس میں تحریف ثابت کرنے کیلئے دلائل گھڑے۔

آئندہ سطور میں ہم مستشرقین کی اسی جسارت کا تجزیہ دلائل اور شواہد کی بنیاد پر پیش کرینگے۔

مستشرقین نے قرآن مجید میں تحریف ثابت کرنے کے لئے جو دلائل پیش کئے ہیں ان کا خلاصہ ہم یوں

پیش کرتے ہیں۔

۱ ـــــ عہدِ نبوی میں ـــــ قرآن مجید مکمل طور پر لکھا ہوا موجود نہ تھا[۳]

۲ ـــــ باقاعدہ تدوینِ قرآن اور نزولِ قرآن کے درمیانی عرصے میں بہت سا قرآن ضائع ہوگیا[۴،۵]

۳ ـــــ حفاظتِ قرآن کا دارومدار حفظ پر ہی تھا

۴ ـــــ جن اشیاء پر قرآن لکھا جاتا تھا وہ قابلِ اعتبار نہیں تھیں[۶]

۵ ـــــ تدوینِ قرآن کی روایات میں اختلافات ہیں لہٰذا ناقابلِ اعتبار ہیں[۷]۔

۶ ـــــ آپؐ سنے سنائے واقعات لکھا کرتے تھے۔ اس لئے قرآن مجید میں بہت سے واقعات غلط طور پر بیان ہوئے ہیں[۸]۔

۷ ـــــ عہدِ نبوی میں ہی قرآن میں اختلافات پائے جاتے تھے[۹]

۸ ـــــ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ قرآن مجید کی کچھ آیات بکری کھا گئی[۱۰]

۹ ـــــ قرآن مجید کے متن کی تحقیق کے لئے مسلمانوں نے کبھی کوشش ہی نہیں کی اور یہ کام ابھی تک اپنے ابتدائی مرحلے ہی میں ہے[۱۱]

مستشرقین کے یہ اعتراضات اور تاریخِ تدوین قرآن مجید کے بارے میں انکا یہ نقطہ نگاہ تقریباً سبھی مستشرقین میں مشترک طور پر موجود ہے۔ ان لوگوں نے مسلمانوں کی کتب سے ہی بعض ضعیف اور ناقابلِ اعتبار روایات کی بنیاد پر یا بعض روایات کے من مانے معانی کر کے مخصوص نتائج حاصل کئے ہیں۔

ان اعتراضات کے رد اور حقیقتِ حال کی وضاحت کے لئے ہم سب سے پہلے تاریخ تدوین قرآن مجید کے حوالے سے تفصیلات پیش کریں گے تاکہ واضح ہو جائے کہ تحریرِ قرآن کے حوالے سے کیا کیا ذرائع اختیار کئے گئے۔ یہ ذرائع کتابتِ قرآن اور حفظ قرآن کے ذرائع ہیں۔ ان ذرائع کی موجودگی میں اس بات کا امکان باقی نہیں رہ جاتا کہ قرآن کا کوئی حصہ ضائع ہوگیا ہوگا۔

مستشرقین نے اسلامی مآخذ سے روایات حاصل کر کے قرآن پر اعتراضات اچھالے ہیں۔ ہم ان کے نقطہ نگاہ کا رد کرتے ہوئے انہی مآخذ سے روایات پیش کریں گے تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ انہوں نے روایات کا کس طرح یک طرفہ اور جانبدارانہ مطالعہ کیا ہے۔

ہم اپنا جواب مندرجہ ذیل ترتیب کے ساتھ پیش کریں گے۔

۱۔۔۔ قرآن مجید کے شروع دن سے ہی لکھا ہوا ہونے پر اس کے داخلی شواہد۔

۲۔۔۔ تاریخ تدوین قرآن مجید اور اہتمام کتابت۔

۳۔۔۔ عہد نبوی میں قرآن کے مکتوب ہونے پر دلائل و شواہد۔

۴۔۔۔ ان اشیاء پر تحقیقی نظر جو کتابت کے لئے استعمال کی جاتی تھیں۔

۵۔۔۔ عہد نبوی میں قرآن مجید کے اہم مکمل نسخے۔

۶۔۔۔ کیا مسلمانوں نے تدوین قرآن میں صرف حفظ پر ہی بھروسہ کیا؟

۷۔۔۔ تدوین قرآن مجید کے حوالے سے چند متعارض روایات کا تحقیقی جائزہ۔

۸۔۔۔ نامور کاتبان وحی۔

۹۔۔۔ کیا قرآن مجید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سنے سنائے واقعات ہیں؟

۱۰۔۔۔ کیا عہد نبوی میں وحی قرآن مجید میں اختلافات پیدا ہو گئے تھے؟

شروع سے ہی قرآن مجید کے لکھا ہوا ہونے پر اس کی داخلی شہادت

قرآن مجید کی کتابت کا کام نزول وحی کے ساتھ ساتھ ہی سرانجام دیا جا رہا تھا۔ اس پر قرآن مجید کی داخلی شہادت بھی موجود ہے۔

اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْاٰنَهُ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهُ ۱۳

اس قرآن مجید کو جمع کرنا اور پڑھنا ہمارا کام ہے۔ پس جب ہم پڑھنے لگیں تو ہمارے ساتھ پڑھیں۔

اس آیت مبارکہ میں تاکید جملہ کے لئے "اِنَّ" اور حصر کے لئے "عَلَيْنَا" مقدم کیا گیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن جمع کرنا صرف ہمارا ہی کام ہے اور یہ کام ہم ضرور کریں گے۔

جمع کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔

۱۔۔۔ جمع صدر یعنی سینے اور حافظے میں محفوظ کرنا۔

۲۔۔۔ جمع مکتوبی یعنی تحریر کے ذریعے جمع و محفوظ کرنا۔

جمع صدر کے بارے میں قرآن مجید میں ہے۔

بل ھو ایات بینٰت فی صدور الذین اوتوا العلم[۱۳] — یہ کتاب روشن آیات کا مجموعہ ہے جو علم والوں کے سینوں میں موجود ہے۔

کتابت کے بارے میں بھی یوں ارشاد ہے،

والطور ٥ وکتاب مسطور ٥ فی رق منشور[۱۴] — یعنی یہ کتاب قرآن مجید کشادہ اوراق میں لکھی ہوئی ہے۔

سورۃ الواقعہ میں فرمایا،

انہ لقرآن کریم۔ فی کتاب مکنون۔ لا یمسہ الا المطھرون[۱۵]

ترجمہ: قرآن مجید عزت والی کتاب ہے جو محفوظ کتاب میں لکھا ہوا ہے اس کو پاک لوگ چھوتے ہیں۔

اس کے علاوہ اس ضمن میں قرآن مجید کے مندرجہ ذیل مقامات پر بھی اس کے مکتوب ہونے پر دلیل موجود ہے۔

سورۃ عبس ۱۳ - ۱۶ سورۃ البینہ ۲ - ۳ سورۃ البروج ۲۱ - ۲۲ سورۃ الفرقان ۵

قرآن مجید اپنے آپ کو الکتاب سے متعارف کراتا ہے[۱۶]

سورۃ الفرقان میں کفار کا ایک اعتراض نقل کیا گیا ہے کہ قرآن مجید یکبارگی کیوں نہیں نازل کیا گیا اس سلسلے میں قرآن یوں معاملے کی وضاحت کرتا ہے۔

وقال الذین کفروا لولا نزل علیہ القرآن جملۃ واحدۃ کذٰلک لنثبت بہ فؤادک ورتلنٰہ ترتیلا[۱۷] — یہ کافر لوگ کہتے ہیں کہ قرآن مجید یکبارگی کیوں نہیں نازل کر دیا گیا۔ (یہ اس لئے نہیں کیا گیا) تاکہ آپ کے قلب کو تسلی دی جا سکے اور تاکہ ہم اسے ٹھہر ٹھہر کر ادا کریں۔

گویا آہستہ آہستہ نزول قرآن مجید کی دو حکمتیں بیان کی گئیں۔

(۱) قلب محمدی کو تسلی دینا (۲) ترتیل

لغت میں ترتیل "ہم جنس اشیاء کو عمدہ طریقے سے بالترتیب رکھنا" کو کہتے ہیں۔ قاموس میں ہے،

"الرتل حسن تناسق الشیئ"[۱۸]

یعنی ترتیب دینا۔ کلام کو بہتر اور عمدہ طریق سے ادا کرنا۔ خوش الحانی سے پڑھنا۔

اساس البلاغۃ میں اس کا معنی یوں بیان ہوا ہے۔

"حسن التالیف"[۱۹]

اور حسن تالیف کی ایک شکل یہ ہے کہ کلام جن کلمات سے مرکب ہو ان کو مضمون وار مرتب کرتے وقت مناسب موقع و محل پر رکھا جائے۔

عہد نبوی میں کتابت وحی کے بارے میں تفصیلی روایات ملتی ہیں۔ حضرت زید بن ثابت رضؓ فرماتے ہیں۔

کنت اکتب الوحی لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکان اذا انزل علیہ الوحی اخذتہ برحاء شدیدۃ وعرقا مثل الجمان ثم سری عنہ فکنت ادخل علیہ بقطعۃ الکتف اوکسرۃ فاکتب وھو یملی علی فما افرغ حتی تکاد رجلی تنکسر من ثقل القرآن حتی اقول لا امشی علی رجلی ابدا فاذا فرغت قال اقرأ فاقرأہ فان کان فیہ سقط اقامہ ثم اخرج بہ الی الناس "۲۰	میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وحی کی کتابت کیا کرتا تھا۔ جب آپ پر وحی نازل ہوتی تو آپ کو سخت گرمی لگتی تھی اور آپ کے جسم اطہر پر پسینہ کے قطرے موتیوں کی طرح ڈھلکنے لگتے تھے۔ پھر آپ پر یہ کیفیت ختم ہو جاتی تو میں مونڈھے کی کوئی ہڈی یا کسی اور چیز کا ٹکڑا لے کر خدمت میں حاضر ہوتا آپ لکھواتے اور میں لکھتا جاتا۔ یہاں تک کہ جب میں لکھ کر فارغ ہو جاتا تو قرآن لکھنے کے بوجھ سے مجھے ایسا محسوس ہوتا جیسے میری ٹانگ ٹوٹنے والی ہے اور میں کبھی چل نہیں سکوں گا جب میں فارغ ہو جاتا تو آپ فرماتے پڑھو میں پڑھ کر سناتا اگر لکھائی میں کوئی فروگذاشت ہوتی تو آپ اس کی اصلاح فرما دیتے پھر میں اس کو لے کر لوگوں کیطرف آجاتا۔

علامہ طبرانی نے یہ روایت اپنی معجم طبرانی اوسط میں بیان فرمائی ہے اور اس کی سند میں موجود رجال کو ثقہ قرار دیا ہے ۲۱

علامہ نورالدین الہیثمی نے اس سلسلے میں یہ روایت بیان کی ہے۔

"قال عثمان کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما یاتی علیہ الزمان وھو ینزل علیہ السور ذوات العدد	عثمانؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول مبارک تھا کہ جب کبھی ایک یا ایک سے زائد سورتیں نازل ہوتیں تو آپ کسی کاتب کو بلاتے

فـه ...يـه الشيئى دعا بعض من كان يكـتـب فيقول ضعوا هولاء الايات فى سورة التى يذكر فيها كذا وكذا فاذا انزل عليه فيقول ضعوا هذه الأية فى سورة يذكر فيها" ۲۲

اور فرماتے کہ یہ آیات فلاں سورت میں شامل کردیں۔ اس طرح جب کوئی آیت نازل ہوتی تو اس کے بارے میں فرمادیتے کہ اسے فلاں سورت میں شامل کردیں۔

علامہ الہیثمی کی بیان کردہ روایت کے ہم مضمون روایات، بخاری، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، مسند احمد، مستدرک حاکم، صحیح ابن حبان اور الاتقان میں موجود ہیں ۔۲۳

علامہ بدرالدین عینی نے بھی عمدۃ القاری میں تفصیلات کا ذکر کیا ہے۲۴ مسند احمد میں عثمان بن ابی العاص ؓ سے مروی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"میرے پاس جبرئیل آئے اور مجھے حکم دیا کہ میں اس آیت کو جو فلاں سورت کی ہے، اسے فلاں مقام پر لکھ لوں وہ آیت ان اللہ یامر بالعدل والاحسان (النحل۔ ۹۰) تھی ۲۵

اسی طرح ایک روایت بخاری شریف میں بھی ہے۔

لما نزلت لا یستوی القاعدون من المومنین غیر اولی الضرر والمجاهدون فی سبیل الله قال النبی صلی الله علیه وسلم ادع لی زیداً ولیجیٔ باللوح والقلم والکتف اوالکتف والدواة ثم قال اکتب لا یستوی ۲۶

جب آیت لا یستوی القاعدون ۔۔۔۔ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زید کو بلاؤ اور وہ تختی اور قلم لے کر آئیں پھر فرمایا لکھیں لا یستوی القاعدون ۔۔۔۔۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نزول وحی کے بعد جس کام کے لئے سب سے زیادہ مستعد و بے چین ہوتے تھے وہ کتابت وحی کا مسئلہ ہوتا تھا۲۷ ۔ یہ بات بھی ثقہ روایات سے ثابت شدہ ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرآن مجید کا دور فرمایا کرتے تھے اور آخری رمضان المبارک میں دو دو مرتبہ کیا گیا ۲۸ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس بات کا کوئی امکان موجود نہ تھا کہ قرآن مجید کا کوئی ایک گوشہ بھی ایسا ہو سکتا تھا جو ادھر ادھر ہو گیا ہو۔ کیونکہ اگر ایسا ہوا ہوتا تو جبریل

علیہ السلام انہیں ضرور یاد کروا دیتے ہوں گے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آخری وحی کے نزول کے بعد تقریباً نوّے روز تک اس دنیا میں تشریف فرما رہے۔ ان حالات میں اس بات کا بھی کوئی واقعاتی امکان باقی نہیں رہ جاتا کہ آپ نے اتنے طویل عرصے تک قرآن مجید کا کوئی حصہ ویسے ہی چھوڑ رکھا ہوگا۔

آر تھر جیفری کی بیان کردہ اس روایت کی کوئی حقیقت نہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ "حضور کے بستر کے نیچے کچھ آیات ایسی پڑی رہ گئیں جو لکھائی نہیں گئی تھیں اور معلوم نہیں کہ ان آیات کے بارے میں کیا ہوا؟ اور ایک اور روایت یوں بھی ہے کہ قرآن مجید کی کچھ آیات بکری کھا گئی۔[۲۹]

ایک طرف مسلمانوں کی مستند اور ثقہ ترین کتب میں موجود ایسی روایات ہیں جو ایسے کڑے معیار سے گزر کر ان کتب میں محفوظ کی گئی ہیں جن کی نظیر دنیا کی کوئی کتاب پیش نہیں کر سکتی، اور دوسری جانب مستشرقین کی قیاس آرائیاں اور غیر معتبر روایات ہیں۔ ہر ذی شعور اور صاحب فہم و ادراک شخص یہی فیصلہ کرے گا کہ مستند روایات کو زیادہ اہمیت دی جائے گی۔

اس کے ساتھ ہی۔ یہ حقیقت بھی ذہن میں رہے کہ حضورؐ اپنے فرض منصبی کے اعتبار سے بھی لازمی طور پر وہ سب کچھ جو آپ پر قرآن مجید کی صورت میں نازل ہوا، امت تک مکمل صورت میں پہنچانے پر مجبور تھے کیونکہ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

"یایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ" [۳۰]	اے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ پر اپنے رب کی جانب سے جو کچھ نازل کیا گیا آپ اسے لوگوں تک پہنچا دیں۔ اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اپنا فریضۂ رسالت ادا نہیں کیا۔

ان شواہد کے علاوہ بھی ہمارے پاس ایسے دلائل و روایات موجود ہیں جن میں عہد نبوی میں مختلف صحابہ کرامؓ کے پاس مکمل قرآن مجید کے نسخے موجود ہونے کا ذکر ملتا ہے۔

بخاری شریف، مسلم شریف، کنز العمال میں روایات ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس قرآن مجید کا نسخہ موجود تھا۔ بخاری والی روایت میں ہے کہ اس مصحف کی زیارت کے لئے ایک شخص عراق سے مدینہ طیبہ آیا تھا۔[۳۱] مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ ابو یونس مولی حضرت عائشہ

کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے مجھے قرآن مجید لکھ کر دینے کا حکم فرمایا۔[۳۲] کنز العمال والی روایت میں ہے کہ ہشام بن عروہ کہتے ہیں۔ میں نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کے نسخہ قرآن مجید سے تلاوت کی۔[۳۳]

تہذیب التہذیب میں حضرت عقبہ بن عامر الجہنیؓ کے نسخے کا ذکر ہے[۳۴] فتح الباری کی نویں جلد میں بھی اس سلسلے کی تفصیلات پیش کی گئی ہیں[۳۵] مسند احمد میں عبداللہ ابن عمرو ابن العاصؓ کے بارے میں اس طرح کی روایت موجود ہے[۳۶]

حضورؐ کے متعدد فرامین اس سلسلے میں موجود ہیں کہ آپؐ نے قرآن مجید کو ناظرہ پڑھنے کی تلقین و ترغیب فرمائی اس سلسلے میں چند روایات ذیل میں پیش کی جاتی ہیں۔

۱۔ عن عمرو ابن اوس قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم قرأتك نظراً تضاعف علی قراءتك ظاهراً كفضل المكتوبة علی النافلة[۳۷]

عمرو ابن اوسؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا قرآن مجید دیکھ کر تلاوت کرنا اس کی زبانی تلاوت سے وہی نسبت رکھتا ہے جو فرض نمازوں کو نفل نمازوں پر ہے۔

۲۔ عن عبادة بن الصامتؓ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم افضل عبادة امتی قراءة القرآن نظراً[۳۸]

• عبادہ بن صامتؓ سے مروی ہے حضورؐ نے فرمایا میری امت کی افضل عبادت یہ ہے کہ دیکھ کر قرآن مجید پڑھا جائے۔

۳۔ من قرأ القرآن فی المصحف كتب له الفا حسنة ومن قرأ فی المصحف فالف حسنة ۳۹

۴۔ عن عبد اللہ بن زبیر قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من قرأ القرآن ناظراً حتی يختمه غرس اللہ له به شجرة فی الجنة"[۴۰]

جو شخص قرآن مجید دیکھ کر پڑھتا ہے اس کے لئے اللہ تعالیٰ جنت میں ایک درخت لگا دیں گے۔

یہ چند روایات ہم نے مثال کے طور پر پیش کر دی ہیں۔ اس طرح کی متعدد روایات اور کتب حدیث میں بھی موجود ہیں جن سے عہد نبوی میں قرآن مجید کے مکتوب ہونے پر دلائل ملتے ہیں۔

مستدرک حاکم کی روایت ہے کہ حضرت زید ابن ثابتؓ کہتے ہیں۔

"کنا حلوسا عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم نؤلف القرآن فی الرقاع" [41]

ہم حضورؐ کے سامنے بیٹھ کر قرآن حکیم چمڑے کے ٹکڑوں پر جمع کیا کرتے تھے۔

اس روایت کی تشریح میں مولانا مناظر احسن گیلانی لکھتے ہیں۔

"مختلف سورتوں میں وحی کے ذریعے جو اضافے ہوتے رہتے تھے اصحابہ حضورؐ کے سامنے بیٹھے انہیں جوڑتے رہتے تھے اور یوں تدریجاً قرآن کی ان سورتوں کے وہ نسخے جو صحابہؓ کے پاس جمع ہوتے چلے جاتے تھے مکمل ہوتے رہے۔ تالیف کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہؓ صرف نقل ہی نہیں کرتے تھے بلکہ جن جن سورتوں کی متعلقہ آیات اس وقت نازل ہو چکی ہوتیں، ان کو رسولؐ اللہ کے حکم سے ان سورتوں کے ان مقامات پر ترتیب دے کر لکھا کرتے تھے جہاں پر انہیں ہونا چاہئے تھا۔ بیہقیؒ نے تالیف کا یہی مطلب بیان کیا ہے یعنی

"المراد تالیف ما نزل من الایات المفردۃ فی سورھا وجمعھا" [42]

مولانا مناظر احسن گیلانی کے اس بیان سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہؓ کتابت قرآن کا کام خاصے اہتمام سے کرتے تھے۔

اس زمانے میں لکھنے کے لئے جو چیزیں استعمال ہوتی تھیں ان میں رقاع (چرمی قطعات) لخاف (پتھر کی سفید پتلی پتلی تختیاں)، کتف (اونٹ کے مونڈھے کی گول ہڈیاں)، عسیب (کھجور کی جڑ کا وہ حصہ جو کشادہ ہوتا اور جس میں کانٹے اور پتے نہیں ہوتے تھے) وغیرہ شامل تھے۔ بعض حضرات نے ان چیزوں کی اصل کو واضح نہیں کیا۔ جس کی وجہ سے عام آدمی کو حیرت ہوتی ہے کہ ہڈیوں یا پتھر کی سلیٹوں پر کیسے لکھا جا سکتا ہے۔ اس سلسلے میں مولانا مناظر احسن گیلانی لکھتے ہیں۔

بظاہر ایک عام آدمی اس بات پر حیرت کا اظہار کرے گا کہ کیا پتھر یا کھجور کے پتے پر بھی لکھا جا سکتا ہے؟ ادیم (جسے لکھنے کے لئے استعمال کیا جاتا تھا) دراصل باریک کھال ہے دباغت کے بعد ایک کپڑا نما چیز بن جاتی تھی اور عربوں کے ہاں یہ چیز عام بنا جاتی تھی کیونکہ وہ گوشت کھایا کرتے تھے حتیٰ کہ اس سے خیمے بھی بنایا کرتے تھے اسی طرح لخاف ہر معمولی پتھر نہیں ہوا کرتا تھا بلکہ اہل لغت نے بالاتفاق لکھا ہے کہ خصوصی طور پر سفید پتھر کو کاٹ کاٹ کر چوڑی تختیاں

بنائی جاتی تھیں۔ ایسے ہی اونٹ کے مونڈھے کے نزدیک کی گول ہڈی طشتری کی مانند ہوتی ہے اس کو خاص طریقے سے تراش لیا جاتا تھا۔ عسیب، کھجور کی شاخ کو نہیں بلکہ پام قسم کے تمام درختوں کی شاخوں کا وہ حصہ جو تنے سے متصل ہوتا ہے وہ دراصل عسیب کہلاتا ہے۔ (اسی طرح) اقتاب قتب کی جمع ہے۔ اونٹ کے کجاوہ میں استعمال ہونے والی چھوٹی چھوٹی پٹیاں، اقتاب کہلاتی تھیں۔ یہ بڑی تختیوں کو کاٹ کر بنائی جاتی تھیں اور چونکہ مسلسل استعمال کے بعد وہ ملائم ہوجاتی تھیں۔ اس لئے لکھنے کے کام میں آسانی سے لائی جا سکتی تھیں۔ ممکن ہے کسی شخص کا خیال ہو کہ اس قسم کی چیزوں پر لکھا جانا دیر پا نہیں ہوتا۔ اس ابہام کا حل بھی مولانا مناظر احسن گیلانی نے پیش کر دیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں۔

"کچھ عرصہ قبل ہندوستان میں تاڑ کے پتوں پر لکھنے کا عام رواج تھا اور عثمانیہ یونیورسٹی میں مسلم کتب خانہ کے اندر تاڑ کے پتوں پر لکھی ہوئی کتابیں آج بھی موجود ہیں اور کاغذ سے زیادہ بہتر طور پر محفوظ ہیں اور انہیں دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔" ۴۳

عہدِ نبوی میں کتابتِ قرآن حکیم کا محققانہ جائزہ لیں تو پتہ چلتا ہے کہ اس وقت بہت سے نسخے مکمل طور پر معرضِ تحریر میں آچکے ہیں۔

محققین نے ثابت کیا ہے کہ عہدِ نبوی میں کم از کم تیرہ نسخے تو مکمل طور پر موجود تھے۔ جن کی تحقیقات کے مطابق بخاری شریف، مسلم شریف، تہذیب التہذیب، الاستیعاب کے حوالے سے مندرجہ ذیل حضرات نے عہدِ نبوی میں قرآن مجید جمع کیا ہوا تھا۔

(۱) حضرت معاذ ابن جبلؓ (۲) حضرت ابی ابن کعبؓ (۳) حضرت زید ابن ثابتؓ (۴) حضرت ابو زیدؓ ۴۴

ان چاروں کا ذکر "بخاری شریف" جلد سوم باب جمع القرآن اور مسلم شریف جلد سوم باب جمع القرآن میں موجود ہے۔

(۵) حضرت عقبہ بن عامر جہنیؓ ۴۵

(ان کے قرآن جمع کرنے کا تذکرہ "تہذیب التہذیب" جلد ہفتم صفحہ ۲۴۳ میں موجود ہے۔

(۶) حضرت سعد بن عبیدؓ ۴۶

ان کے جمع قرآن کا ذکر "الاستیعاب" جلد دوم صفحہ ۵۶۵ مین کیا گیا ہے۔

(۷) حضرت عثمانؓ (۸) حضرت تمیم داریؓ (۹) حضرت عبادہ بن صامتؓ (۱۰) حضرت ابوایوب انصاریؓ
(۱۱) حضرت علیؓ (۱۲) حضرت ابن مسعودؓ (۱۳) حضرت ابوالدرداءؓ ۴۷
انکا ذکر بھی "الاستیعاب" جلد دوم صفحہ ۴۸۵ پر موجود ہے۔

ان تیرہ نسخوں میں حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کے نسخوں کا ذکر نہیں ہے۔ دونوں حضرات وحی کے کاتب تھے اور دیگر بہت روایات سے پتہ چلتا ہے کہ ان دونوں حضرات نے قرآن مجید حفظ بھی کیا تھا اور لکھا بھی تھا۔

اس کے علاوہ بھی بہت سے نسخے موجود تھے لیکن یہ وہ نسخے ہیں جو مکمل طور پر لکھے گئے تھے اور جن کی موجودگی پایہ تحقیق کو پہنچتی ہے اگر ایک لمحہ کے لئے صرف انہی نسخوں کی موجودگی تسلیم کر لی جائے تو بھی مستشرقین کا یہ دعویٰ محض کم علمی پر مبنی ثابت ہو جاتا ہے کہ قرآن حکیم عہد نبوی میں لکھا نہیں گیا تھا۔ ان لوگوں میں حضرت زید بن ثابتؓ بھی ہیں جو کاتب وحی ہونے کے ساتھ ساتھ حافظ قرآن بھی تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایام آخری میں ان سے قرآن مجید کا دو مرتبہ دور فرمایا تھا۔ حضورؐ سے دور کرنا اس بات کی پختہ دلیل ہے کہ قرآن حکیم کا کوئی حصہ ایسا نہیں تھا جو زید بن ثابتؓ کو یاد نہ ہو۔

علامہ بدرالدین عینی بخاری کی شرح میں لکھتے ہیں۔

"ان الذین جمعوا القرآن علی عھد النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یحصیھم عدد" ۴۸

عہد نبوی میں جن لوگوں نے قرآن مجید جمع کر لیا تھا ان کا کوئی شمار و حساب ہی نہیں ہے۔

الفہرست کے مؤلف ابن الندیم نے مندرجہ ذیل حضرات کے اسمائے گرامی بیان کر کے لکھا ہے کہ انہوں نے حضورؐ کی موجودگی میں قرآن حکیم مکمل طور پر لکھ کر محفوظ کر لیا تھا۔

(۱) علی بن ابی طالبؓ (۲) سعد بن عبیدؓ (۳) ابوالدرداءؓ (۴) عمیر بن زیدؓ (۵) معاذ بن جبلؓ (۶) ابوزیدؓ (۷) ابی ابن کعبؓ (۸) عبید بن معاویہؓ ۴۹

علامہ سیوطی نے بھی ان لوگوں کی فہرست پیش کی ہے جنہوں نے عہد نبوی میں مکمل قرآن لکھ رکھا تھا۔ ۵۰

مصادر و مراجع

۱:- الحجر: ۹ (اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ)

۲:- حٰم السجدہ: ۴۲ (لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ)

3: Burton. J. collection of the quran cambridge.
1977. 1977. P-223
1977-1977. P.223

4: Ibid. P. 223

5: Margoliouth. D. S. MAHAMMADANISM. London 1928. P.4

6: Buhl. First EncycloPedia of Islam
Lieden 1978. P. 40
(Article Koran) PP. 1063–1076.

7: Bell Richard Introduction to the Quran
Edinburgh P 24.

8: Margoliouth D. S Encyclo Pedia of Religion
Edinburgh Ethics.
: Edinburgh 1930. Vol. x. P. 538

9: Jefery Arthur Material for the study of text of the
Quran lieden PP. 5.6.

10: Material for the study of the History of Texte
Of the Quran Lieden. P. 3.

11 Ibid.. P. 1.

۱۲- القیامۃ: ۱۶، ۱۸-۱۳- العنکبوت: ۴۴، ۱۴- الطور: ۱، ۳-

۱۵- الواقعۃ: ۷۷-۷۹- ۱۶- البقرۃ: ۲- —

آل عمران: ۲ ۔ یونس، ھود: ۲ ۔ الرعد: ابراھیم: ۲ ۔ ۱ الحجر: ۲ ۔ الکہف: ۱، ۲ الشعراء، ۱ القصص: ۲، لقمان: ۲ ۔

۱۷: الفرقان: ۳۲ ۔
۱۸: الزاوی، طاہر احمد، قاموس المحیط، بیروت، جلد دوم صفحہ ۱: ۳ ۔
۱۹: زمخشری، محمود، اساس البلاغہ، بیروت ۱۹۷۹ء صفحہ ۱۵۴ ۔
۲۰: الہیثمی، نورالدین، حافظ، مجمع الزوائد و منبع الفوائد، بیروت ۱۹۶۷ء جلد اول صفحہ ۱۵۲
۲۱: بحوالہ تقی عثمانی مولانا علوم القرآن کراچی ۱۹۶۳ء صفحہ ۱۶۸ ۔
۲۲: الہیثمی، نورالدین، مجمع الزوائد و منبع الفوائد، بیروت جلد اول صفحہ ۱۵۲ ۔
۲۳: بحوالہ تقی عثمانی، مولانا، علوم القرآن صفحہ ۱۶۹ ۔
۲۴: ایضاً، صفحہ ۱۶۹ ۔
۲۵: سیوطی، جلال الدین، علامہ، الاتقان فی علوم القرآن، قاہرہ (س ۔ ن) جلد اول صفحہ ۴
۲۶: بخاری، محمد بن اسمٰعیل، الجامع الصحیح، مصر ۱۳۴۸ھ جلد دوم صفحہ ۷۴۰ (باب فضائل القرآن)
۲۷: ایضاً جلد دوم، صفحہ ۸۲۶ ۔
۲۸: ایضاً جلد دوم، صفحہ ۸۲۶ ۔
۲۹: آرتھر جیفری، "قرآن مجید کے متن کی تاریخ کے مطالعہ کا مواد"، صفحہ ۵ ۔ ۶ ۔
۳۰: المائدۃ: ۶۷ ۔
۳۱: بخاری: محمد بن اسمٰعیل، الجامع الصحیح جلد دوم صفحہ ۲۸۸ (باب تالیف القرآن) ۔
۳۲: مسلم بن الحجاج القشیری، امام، الجامع الصحیح، مصر، باب تالیف القرآن ۔
۳۳: علی المتقی کنز العمال، بیروت ۱۹۷۹ء جلد ہفتم صفحہ ۲۲۵ ۔
۳۴: ایضاً ۔ جلد ہفتم صفحہ ۲۲۵ ۔
۳۵: ابن حجر عسقلانی، حافظ، فتح الباری قاہرہ ۱۹۴۸ء جلد نہم صفحہ ۹۶ ۔
۳۶: احمد بن حنبل، امام، مسند احمد، دکن ۱۹۰۸ء جلد دوم صفحہ ۱۶۳ ۔
۳۷: ابن کثیر، عمادالدین، حافظ، تفسیر القرآن العظیم، مطبعہ مصطفیٰ محمد ۱۹۳۸ء جلد چہارم صفحہ ۶۱۷

۳۸: علی المتقی، کنز العمال جلد اول، صفحہ ۵۲۶ ۔

۳۹: ایضاً جلد اول صفحہ ۵۳۶ ۔

۴۰: ایضاً جلد اول صفحہ ۵۴۹ ۔

۴۱: سیوطی، جلال الدین، الإتقان فی علوم القرآن، قاہرہ، جلد اول صفحہ ۸۵ ۔

۴۲: غلام ربانی، مولانا، تدوین قرآن (از افادات مناظر احسن گیلانی) دہلی ۱۹۵۱ء صفحہ ۴۰۔

۴۳: ایضاً، صفحہ ۴۷۔

۴۴: بخاری، محمد بن اسمٰعیل الجامع الصحیح، جلد سوم، باب جمع القرآن ۔ مسلم بن الحجاج القشیری، الجامع الصحیح، مصر ۱۳۳۴ھ جلد سوم، باب جمع القرآن ۔

۴۵: ابن حجر عسقلانی، تہذیب التہذیب، جلد ہفتم صفحہ ۲۴۳ ۔

۴۶: ابن عبد البر، الاستیعاب فی معرفۃ الأصحاب جلد دوم صفحہ ۲۶۵ ۔

۴۷: ایضاً، جلد دوم صفحہ ۴۸۵ ۔

۴۸: عینی، بدر الدین، عمدۃ القاری جلد دہم صفحہ ۲۸ ۔

۴۹: ابن الندیم۔ الفہرست، المصر، صفحہ ۶۶۔

۵۰: سیوطی۔ جلد اول صفحہ ۶۱ ۔

ٹیپو شہید کے وطن میسور میں

آل انڈیا ملی کونسل کا اجلاس

آل انڈیا ملی کونسل کا قیام ۲۳،۲۴ مئی ۱۹۹۲ء کو بمبئی میں عمل میں آیا اور اس نے چھ مہینے میں جس تیزی سے باقاعدہ تنظیمی مراحل طے کیا ہے ہم اس کو اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل وکرم سمجھتے ہیں تین مہینے کے اندر اس نے اپنا جامع دستور تیار کیا اور بحمداللہ ۲۸، ۲۹ نومبر ۹۲ء کو کونسل کی جنرل باڈی کے جو دو سو ایک افراد پر مشتمل ہے اس کا پہلا اجلاس ٹیپو شہید کے وطن میسور میں کر کے کام کا پورا خاکہ تیار کر لیا اب انشاء اللہ جلد ہی اس کی صوبائی شاخیں قائم ہو کر وہ اپنے عملی اقدامات شروع کر دے گی کونسل کے اجلاس کی پوری تفصیل آگے آرہی ہے کونسل کے اجلاس کی تاریخ ۲۸، ۲۹ نومبر مقرر تھی اس لئے اعظم گڈھ سے ۲۶ نومبر کو نکلنے کا ارادہ تھا مگر محترم قاضی مجاہد الاسلام صاحب جنرل سکریٹری ملی کونسل کا ۱۸ نومبر کو پیغام پہونچا کہ آپ اعظم گڈھ سے ۲۳ نومبر کو چلکر ۲۴ کی صبح کو علی گڈھ پہونچ جائیں مسلم یونیورسٹی میں طلبہ و اساتذہ وغیرہ کو خطاب کرنا ہے چنانچہ راقم الحروف نے ریزرویشن کے لئے بنارس آدمی بھیجا تو بنارس سے علی گڈھ کے لئے ریزرویشن نہیں ہو سکا اس لئے کہ بنارس سے صرف ایک ہی گاڑی گنگا جمنا علی گڈھ ہوتے ہوئے جاتی ہے اس لئے جانے والے نے ہمارا ریزرویشن الہ آباد سے پریاگ راج میں کرا دیا جس سے بگونہ خوشی ہوئی اس مبارک سفر کی ابتدا محترم برادرم مولانا قمرالزماں صاحب کی ملاقات سے ہوگی جو ہمارے سفر کے لئے نیک فال ہے چنانچہ پروگرام کے تحت ۲۳ تاریخ کو تقریباً ۱۱ بجے اپنی گاڑی سے الہ آباد روانگی ہوئی اور وہاں عصر سے کچھ پہلے پہونچ گئے عام طور پر الہ آباد میں قیام مدرسہ بیت المعارف میں ہوتا ہے۔ جب تک حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتابگڈھی باحیات تھے ان کی کشش الہ آباد لے جایا کرتی تھی۔

اور کئی کئی دن وہاں قیام رہتا تھا۔ مگر اب بڑی حد تک انکی جگہ برادر محترم مولانا قمر الزماں صاحب نے لے لی ہے اس لئے چار پانچ گھنٹہ ان کے ساتھ قیام رہا اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ سے مسلمانان ہند کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہونچائے۔

پریاگ راج الہ آباد سے ۹ بجے رات میں روانہ ہو کر ۴ ۱/۲ بجے علی گڈھ پہونچ گئے پہلے سے اطلاع ہو چکی تھی اس لئے چند سینیر طلبہ اسٹیشن پر موجود تھے خاص طور پر عزیزی منیر احسن میرے ساتھ یونیورسٹی گیسٹ ہاوس تک آئے فجر کی نماز کا وقت ہو چکا تھا اس لئے تھوڑی دیر بعد ہم لوگ مسجد چلے گئے اور نماز بعد پھر قیام گاہ پر آکر کچھ چائے وغیرہ پی گئی اور پھر تھوڑی دیر کے لئے سو گئے ۹ بجے کے قریب ناشتہ سے فارغ ہی ہوئے تھے کہ ڈاکٹر نفیس صاحب رضی الاسلام صاحب اور کچھ طلبہ آگئے اور دیر تک یونیورسٹی کے حالات پر گفتگو ہوتی رہی اندازہ ہوا کہ جب سے موجودہ وائس چانسلر آئے ہیں وہاں کے نظام میں بہت ڈھیلا پن آگیا ہے اور وہ کچھ ایسے مفاد پرست افراد کے گھیرے میں آگئے ہیں کہ دن بدن یونیورسٹی کے تعلیمی اور انتظامی نظام پر اس کے برے اثرات پڑ رہے ہیں ۲۴ ر نومبر کو مغرب بعد کینڈی ہال میں طلبہ و اساتذہ کا جلسہ ہوا جس میں وائس چانسلر بھی موجود تھے راقم الحروف نے چند منٹ جلسہ سے خطاب کیا پھر محترم قاضی مجاہد الاسلام صاحب نے بڑی تفصیل سے مجمع سے خطاب کیا یہ جلسہ اس واقعہ کے نتیجہ میں سینیر طلبہ کے ذریعہ کیا گیا تھا جو کچھ دن پہلے وہاں پیش آیا تھا جس میں وہاں کے طلبہ میں علاقائی عصبیت کے نتیجہ میں مار پیٹ اور کچھ ناخوشگوار واقعات پیش آگئے تھے بحمد اللہ حضرت قاضی صاحب کی تقریر کا طلبہ و اساتذہ پر اچھا اثر پڑا اور یہ جاہلیت کی خلیج بڑی حد تک پٹ گئی طلبہ نے اس موقع پر جہیز کے خلاف ایک پروگرام بھی پیش کیا جو بڑا عبرت انگیز تھا۔

دوسرے دن یونیورسٹی کے دوسرے ذمہ داروں سے بھی بات کرنے کا موقع ملا اور اسلامک اسٹڈیز اور تھیالوجی ڈیپارٹمنٹ میں جا کر ان کے اساتذہ اور طلبہ سے بڑی خوشگوار فیضانی بات کرنے کا موقع ملا۔

مسلم یونیورسٹی ہمارا ایک بہت بڑا علمی و تہذیبی اور ملی سرمایہ ہے اس میں اگر کوئی شگاف پڑتا دکھائی دے تو ہمیں اس سے تکلیف ہوتی ہے اور ہمارا فرض ہوتا ہے کہ اس کو دور کرنے کی کوشش کریں بحمداللہ یہی جذبہ ہم لوگوں کو وہاں لے گیا تھا۔

۲۵ر نومبر کو ہم لوگ علیگڈھ سے بذریعہ کار دلی کے لئے روانہ ہو گئے اور عصر کے وقت دلی پہونچ گئے ۲۶ر کو وہاں سے میسور کے لئے روانگی تھی چنانچہ پروگرام کے مطابق ۲۶ر کی شام کو ہم لوگ بنگلور پہونچ گئے رات میں مدرسہ سبیل الرشاد میں قیام رہا خدا کا شکر ہے کہ بنگلور کے دینی طبقہ، سبیل الرشاد کے ذمہ دار۔ الامین سوسائٹی اور دوسرے سنجیدہ طبقات سے تعلق رکھنے والے افراد ملی کونسل سے ہمدردی رکھتے ہیں اور اس کے کاموں میں پوری دلچسپی سے حصہ لے رہے ہیں۔

۲۷ر نومبر کو ہم لوگ بذریعہ کار میسور کے لئے روانہ ہوئے جو وہاں سے تقریباً ڈیڑھ سو کلومیٹر ہے میسور میں ملی کونسل کے اجلاس کی جگہ مدرسہ صدیقیہ صدیق نگر میں متعین ہوئی تھی یہ مدرسہ شہر سے بالکل باہر ایک پرفضا مقام پر واقع ہے مدرسہ کی مسجد کے وسیع انڈر گراؤنڈ میں اجلاس کی جگہ رکھی گئی تھی ۲۷ر نومبر کو لوگ اجلاس کے موضوعات سے متعلق گفتگو کرتے رہے جس میں کرناٹک کے دوسرے ذمہ دار لوگوں کے ساتھ اسمبلی کے ممبر اور سابق وزیر جناب عبدالعزیز سیٹھ بھی شریک رہے۔

۲۸ر نومبر ۱۹۹۲ء کو ٹھیک ۹ بجے حضرت مولانا ابوسعود امیر شریعت کرناٹک کی صدارت میں تلاوت کلام پاک سے اجلاس کی کاروائی شروع ہوئی کاروائی شروع ہونے کے بعد محترم مولانا قاضی مجاہدالاسلام صاحب نے ایک جامع اور مؤثر تقریر فرمائی جسمیں ملی کونسل کے قیام کے اسباب اور ضرورت اور اس کے قیام کے نشیب و فراز پر روشنی ڈالی [illegible]

آخر میں انہوں نے فرمایا کہ بمبئی کے اجلاس عام میں بحیثیت کنوینر میرے ذمہ جو کام سپرد کیا گیا تھا وہ میں نے پورا کر دیا یعنی مجلس تاسیسی کو بلا کر اس کا دستور تیار کرا دیا اور کونسل کا اجلاس منعقد کرا دیا تاکہ دستور کی روشنی میں جنرل سکریٹری اور مجلس عاملہ کا انتخاب آپ حضرات کریں چنانچہ سب سے پہلے سکریٹری جنرل کے انتخاب کا مسئلہ تھا اس کے لئے

جناب سلیمان سیٹھ صاحب محترم مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب کا نام پیش کیا جسے کونسل نے متفقہ طور پر منظور کیا گو محترم قاضی صاحب اس کے لئے معذرت کرتے رہے مگر ان پر پورے مجمع کا اتنا دباؤ پڑا کہ چشم پرنم کے ساتھ انہوں نے آخر کار اس کی منظوری دے دی اس کے بعد سکریٹری جنرل کے معاون کی حیثیت مولانا اسرار الحق صاحب اور عبد الرحیم قریشی صاحب انتخاب عمل میں آیا پروفیسر مقیم الدین صاحب علی گڈھ نے اس سلسلہ میں کچھ دستوری اعتراض اٹھائے جسے رفع کر دیا گیا دستور کے مطابق اس کے بعد کونسل کے دو تہائی ایک ممبروں کو جس کو مجلس تاسیسی نے منتخب کر دیا تھا مجلس عاملہ کا انتخاب کرنا تھا مجلس عاملہ کی کل تعداد ۱۴ ہے چنانچہ ۳۶ ارکان کو مجلس عمومی نے منتخب کیا اور ۵ کو مجلس عاملہ کے ۳۶ ارکان نے اپنے صواب دید سے منتخب کیا اندازہ ہوا کہ مجلس عمومی اور مجلس عاملہ میں مزید وسعت دینے کی ضرورت ہے لیکن اس کے لئے دستور میں ترمیم کرنی ہوگی جس کے مجاز ارکان تاسیسی ہیں آئندہ انشاء اللہ ان کی نشست کر کے بقدر ضرورت ارکان عمومی اور مجلس عاملہ میں توسیع کی جائے گی دستور کی ترمیم سے پہلے دس آدمی مجلس عاملہ میں اور ۵۰ آدمی مجلس عمومی میں خصوصی دعوت پر مدعو کئے جاتے رہیں گے یہ نشست تقریباً ۱½ بجے ختم ہوئی دوبارہ ۳½ بجے سے پھر دوسری نشست شروع ہوئی اس میں سب سے پہلے بارہ شعبوں کے سلسلہ میں کیٹیاں بنادی گئیں جن کا ذکر دستور میں موجود ہے مثلاً دینی تعلیم کے لئے کیٹی جدید تعلیم کے متعلق ایک دیگر کمیٹی بنادی گئی اسی طرح ٹیکنیکل تعلیم، اقتصادی امور، سیاسی امور، خدمت خلق، وغیرہ سے متعلق کیٹیوں کی تشکیل کی گئی اور ہر کیٹی کا ایک کنوینر بنا دیا گیا اور ان سے کہا گیا کہ مغرب بعد آپ لوگ الگ الگ بیٹھ کر رات ہی میں اپنی رپورٹ تیار کرلیں اور ان شعبوں میں جو اقدامات کرنے ہیں ان کی سفارات مرتب کر کے ۲۹ نومبر کو صبح کے اجلاس میں پیش کر دیں چنانچہ ہر کمیٹی نے مغرب بعد کئی گھنٹے غور و فکر کر کے اپنی رپورٹ مرتب کر لی اور دوسرے دن اپنی رپورٹ پیش کر دی بحمد اللہ ہر کیٹیوں نے بہت جامع سفارات کی ہیں انشاء اللہ اب اسی کے مطابق منصوبہ بند طریقہ سے پورے ہندوستان میں کام کا نقشہ تیار کرنا ہے

مگر اس سے پہلے جن جن صوبوں اب تک ملی کونسل کی تشکیل عمل میں نہیں آسکی ہیں انہیں جلد مکمل کر لینے کی ہدایات کی گئی ہے یہ کام دسمبر کے آخر تک مکمل کر لینا تھا مگر افسوس ہے کہ ۶ دسمبر کو بابری مسجد کے انہدام کا عظیم حادثہ پیش آگیا جس کے نتیجہ میں پورے ملک میں ایک ہنگامی صورتحال پیدا ہوگئی جس سے یہ کام نہ ہو سکا اللہ تعالیٰ نے اگر حالات درست کر دیئے تو انشاء اللہ جنوری تک صوبائی تشکیل کے بعد ہر شعبہ کے جائزے کا کام شروع ہو جائے گا اور پھر اس کے مطابق عملی کوشش شروع کر دی جائے گی اس اجلاس میں جو رپورٹیں پیش ہوئیں اس میں سب سے افسوسناک صورتحال دعوت و تبلیغ کے شعبہ کی طرف سے پیش ہوئیں جس سے علم ہوا کہ ملک کے بعض حصوں میں عقیدہ کے ارتداد اور بعض جگہ تہذیبی ارتداد کی مہم فرقہ پرست طاقتوں کی طرف سے بڑی تیزی سے چلائی جا رہی ہیں چنانچہ سب سے زیادہ اہمیت اسی کو دی گئی جس کے لئے بمبئی اور کرناٹک کے اہل خیر نے ایک معقول رقم پیش کرنے کا وعدہ بھی کر لیا ہے۔ اس اس اجلاس میں جو تجویزیں پاس کی گئی ہیں وہ اگلے صفحات پر درج ہیں۔

تاثرات

(۱) اس اجلاس کا سب سے زیادہ خوشی و مسرت کا پہلو یہ تھا کہ اس میں ہر شعبۂ زندگی کے ماہرین کی متوازن تعداد موجود تھی اس میں علماء کی اچھی نمائندگی تھی اور جدید تعلیم اور ٹیکنیکل تعلیم کے ماہرین بھی تھے اور اقتصادی اور سیاسی امور کے تجربہ کار بھی موجود تھے اسی طرح صنعت و حرفت سے متعلق ممتاز افراد بھی شریک اجلاس تھے۔ جس کا اندازہ اجلاس کے درمیانی مباحثہ اور کمیٹیوں کی رپورٹوں سے کیا جا سکتا ہے جو اس میں پیش کی گئیں عام طور پر مسلمانوں کا کام بغیر کسی منصوبہ بندی کے ہوتا ہے بحمد اللہ ملی کونسل نے شروع سے سارے کام منصوبہ بند طریقہ سے کرنے کا ذہن بنایا ہے اور وہی ذہن شرکائے اجلاس میں نظر آیا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اسے دوام بخشے اور ان کاموں میں اپنی توفیق اور برکت شامل حال فرمائے۔

۲ ب۔ اس اجلاس میں یہ بات بھی سامنے آئی کہ تمام مشکلات اور موانع کے باوجود مسلمانوں نے آزادی کے بعد ہر شعبۂ زندگی میں پیش رفت کی ہے مگر اب تک ہم اپنی طاقت کو ایک نقطۂ اتحاد پر مرکوز نہیں کر سکے ہیں اس لئے ہمارے پھیلے ہوئے تمام کاموں کا صحیح اندازہ ہم کو نہیں ہے انشاء اللہ یہ کام بھی ملی کونسل کے ذریعہ انجام دینے کی کوشش کی جاری ہے کہ ایک سکریٹریٹ قائم کیا جائے جس میں پورے ملک میں ہونے والے کاموں کا ریکارڈ موجود ہو اس کا ہلکا سا اندازہ اس کلینڈر سے بھی ہو جائیگا جو انسٹی ٹیوٹ کی طرف سے شائع ہوا ہے۔

۳:۔ عام طور سے ہمارے دیار میں اپنے کو اونچا سمجھنے والا طبقہ دینی و ملی کاموں میں آگے بڑھکر بہت کم حصہ لیتا ہے میسور اور بنگلور اور دکن کے دوسرے علاقوں میں یہ دیکھنے میں آیا کہ اونچے حلقہ کے لوگ ملی کاموں میں دور نزدیک سے حصہ نہیں لیتے بلکہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں، میسور میں ایسے درجنوں حضرات ایک معمولی آدمی کی طرح اجلاس کے انتظام اور مہمانوں کی خدمت میں لگے ہوئے تھے جن کو اللہ تعالےٰ نے بے شمار دولت اور دنیادی وجاہت سے نوازا ہے مثلاً سیٹھ ابوبکر صاحب سیٹھ اقبال صاحب اور چاند صاحب وغیرہ، ہم لوگ اگر کچھ خدمت کا کام کرتے بھی ہیں تو اسے ایک کارنامہ سمجھتے ہیں ان کا کام اپنے اوپر ایک احسان محسوس ہوتا ہے مگر وہ اس کام کو اپنا فرض سمجھ کر کرتے دکھائی دیتے ہیں اور وہ بھی کوتاہی کے اعتراف کے ساتھ ان کے کاموں کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ عبدالعزیز سیٹھ اور بعض دوسرے حضرات نے کرناٹک کے مختلف حصوں میں مزدوروں اور غریبوں کے لئے تقریباً سات ہزار مکان تعمیر کرا کے بہت ہلکی قسط پر ان کو دیئے ہیں میسور میں جو ایک ہزار مکانوں کی کالونی بنائی گئی ہے اسمیں ایک شاندار مسجد بھی بنائی گئی ہے جس کے افتتاح میں شریک ہونے کی سعادت ہم لوگوں کو حاصل ہوئی، الامین سوسائٹی نے بھی دوسو ایکڑ زمین اسی مقصد کے لئے حاصل کی ہے اور جلد ہی اس میں کام شروع ہونے والا ہے اتری ہندوستان کے مسلمانوں میں بھی ذرائع

کی کمی نہیں ہے مگر صاحب حیثیت اور صاحب وجاہت افراد میں جذبۂ خدمت کی کمی ہے اگر آج یہ پیدا ہو جائے تو یہاں عوام کو اوپر اٹھانے کا کام بڑی آسانی سے ہو سکتا ہے۔

۴:۔ اس سفر میں دو مدرسوں میں بھی قیام کا موقع ملا، ایک بنگلور کے سبیل الرشاد میں ایک رات ٹھہرنے کا موقع ملا اور دوسرا مدرسہ صدیقیہ میسور جہاں پر یہ اجلاس ہو رہا تھا تقریباً چار روز ٹھہرنے کا موقع ملا تعلیم کے معیار کو تو دیکھنے کا موقع تو نہیں مل سکا مگر طلبہ کے لباس سادگی نمازمیں ذوق وشوق کی حاضری اور ان کے ادب وتہذیب اور خندہ پیشانی اور معصومانہ انداز میں خدمت کرنے کا جذبہ دیکھ کر دل خوش ہو گیا اور یہی صورت اساتذہ کی تھی عام طور پر ہمارے دیار کے مدرسوں میں ادب وتہذیب کا یہ منظر بہت کم دیکھنے کو ملتا ہے ہمارے مدرسے عام طور پر کچھ پڑھے لکھے لوگ تو پیدا ہو جاتے ہیں مگر صحیح معنیٰ میں عالم پیدا نہیں ہوتے یا ہم نہیں کر پاتے۔

۵:۔ ایک مدت سے میسور اور اس کے قرب وجوار میں جانے کی خواہش اس لئے بھی تھی کہ یہ صوبہ سلطان حیدر علی اور ان کے لڑکے سلطان شہید کی سیاسی اور ملی جدوجہد کی آماجگاہ رہا ہے، ہم لوگ وہاں ۲۶ کی شام کو پہونچ گئے تھے، ۲۷ کے دن دوپہر تک ہم لوگ اجلاس کے متعلق ضروری امور پر گفتگو کرتے رہے ظہر کی نماز کے بعد میزبانوں نے سرنگاپٹم جانے کا پروگرام بنا دیا، سرنگاپٹم میسور سے چند کلو میٹر کے فاصلہ پر ہے جہاں سلطان حیدر علی اور ٹیپو سلطان شہید کا مزار اور قلعہ ہے۔ سب سے پہلے ہم لوگ ان کے مزار پر گئے جو ایک خوبصورت روضہ کے اندر ہے وہاں پہونچ کر تمام رفقائے سفر کے دل بے قرار ہو گئے اور ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ آنسوؤں سے سب کی ہچکیاں بندھ گئیں، دامن تر ہو گئے جتنی دیر ہمارے رفقا وہاں رہے ایسی رقت طاری رہی کہ فاتحہ کے ایک ایک لفظ ادا کرنے میں کئی کئی منٹ لگ جاتے تھے دلی اور دوسری جگہوں میں متعدد بادشاہوں کے مزار پر جانے کا اتفاق ہوا ہے وہاں ایک طرح کی بے رونقی محسوس ہوتی ہے

مگر بزرگوں کی مزار کی طرح یہاں پہونچ کر ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ہر طرف نور برس رہا ہے کبھی اپنے زوال کی یاد آتی رہی کبھی یہ حسرت طاری ہوتی رہی کہ اگر سلطنت خداداد کے اس محافظ کو دھوکہ نہ دیا گیا ہوتا تو ہندوستان کی تاریخ کچھ اور ہوتی مزار کے قریب ہی سلطان حیدر علی کی بنوائی ہوئی ایک شاندار مسجد ہے جسے مسجد اقصیٰ کہا جاتا ہے بحمداللہ وہ آباد ہے اور اس میں بھی نورانیت محسوس ہوتی ہے اس کے قریب ہی ان کے دیوان عام کی عمارت ہے اسے بھی دیکھنے کا اتفاق ہوا وہاں سے افتاں وخیزاں ہم لوگ اس جگہ پر گئے جہاں ٹیپو سلطان کی شہادت ہوئی تھی وہاں پہونچ کر مزید رقت طاری ہوگئی اور دیر تک ہم لوگ سکتہ میں کھڑے ان کے لئے دعائے مغفرت کرتے رہے۔ اسی کے قریب ان کی بنوائی ہوئی مسجد ہے جسے مسجد اعلیٰ کہتے ہیں بحمداللہ یہ بھی آباد ہے پھر وہاں سے ہم لوگ اس ڈیم پر گئے جس کی ابتدا ٹیپو شہید نے کی تھی جو تقریباً ڈیڑھ سو کلومیٹر میں پھیلا ہوا ہے وہاں جو داخلہ کا شاندار خوبصورت پتھر کا پھاٹک بنوایا تھا اس پر ۱۷۹۹ء کی تاریخ کندہ ہے معلوم ہوتا ہے کہ شہادت سے کچھ پہلے ہی اس کی ابتدا انہوں نے کی تھی مگر اس ڈیم کا نام ایک ہندو راجہ کے نام سے مشہور ہے غالباً کرشنا ڈیم جسے انگریزوں نے ٹیپو شہید کے بعد اس ریاست کا باجگذار بنا کر رکھا تھا ان مقامات پر روزانہ ہزاروں ہندو مسلمان اور دوسرے ملکوں کے سیاح آتے رہتے ہیں اور وہ اسے تاریخی یادگار بنا کر دیکھتے ہیں۔ اور ہم نے دیدۂ مسرت کے ساتھ ان جگہوں میں اپنی عظمت رفتہ کا مشاہدہ کیا اور اس کے واپس لانے کا ایک بے پایاں جذبہ پیدا ہوا۔

ٹیپو سلطان کا دور اس حیثیت سے بھی ممتاز ہے کہ انہوں نے ہر شعبۂ زندگی کی ترقی کے لئے منصوبہ بنایا کھیتی باڑی کو ترقی دی اور ریشم اور دوسری صنعتوں کو رواج دیا جو آج تک قائم ہے آج بھی وہاں ۸۰ رفیصد دیہاتی اس آبادی سے فائدہ اٹھا رہی ہے جس میں مسلمانوں کا حصہ ۸۰ – ۷۰ فیصد ہے۔

اس دیار میں جو ایک عجیب رونق اور عام آدمیوں میں ایک خاص قسم کی معصومیت محسوس ہوتی ہے اس میں یقیناً ٹیپو سلطان شہید کے قطرات خون کی تابانی

شامل ہے جو اس پورے خطہ میں محسوس ہوتی ہے علامہ اقبالؒ جب وہاں گئے تھے تو انہوں نے چشم گریاں سے جو نظم کہی تھی وہ واقعی حسب حال تھی وہاں بے ساختہ غالب کا یہ شعر بھی زبان پر آیا ؎

سب کہاں کچھ لالہ وگل میں نمایاں ہوگئیں ۔:۔ خاک میں کیا صورتیں ہونگی جو پنہاں ہوگئیں

مشرقی ہندوستان میں سراج الدولہ کی شہادت اور دکن میں ٹیپو سلطان شہید کی شہادت کے بعد ہندوستان میں انگریزوں کو قابض ہونے میں کوئی دوسری طاقت خارج نہیں تھی جو ان کے اقتدار کو روک سکتی چنانچہ یہی ہوا کہ ٹیپو سلطان کی شہادت کے بعد دیگرے پورے ہندوستان میں ان کے اقتدار کا پرچم لہرا گیا۔

اب ہم یہاں سلطان ٹیپو شہید کے متعلق انگریزوں کے کچھ بیان نقل کرتے ہیں جو الفضل ما شھدت بہ الاعداء (فضل وکمال وہ ہے جس کی شہادت دشمن بھی دیں) کے مصداق ہیں۔ یہ اقتباس سید مصطفیٰ جیلانی صاحب کے ایک مضمون سے ماخوذ ہے۔ ۱۷۸۴ء کے حالات میں سر ٹی میز و لکھتا ہے کہ "ہماری فوجی طاقت ایسی ہے کہ موقع دیکھ کر ہم آسانی سے پورے ہندوستان پر قابض ہوسکتے ہیں لیکن ٹیپو کی طاقت اس میں حارج ہے اگر سرنگا پٹم پر قبضہ ہوگیا تو تمام حالات آسان ہوجائیں گے (تاریخ بورنگ صہ ۱۵۰)

بورنگ اپنی کتاب حیدر علی اور ٹیپو سلطان میں لکھتا ہے کہ "یہ تسلیم کرنا پڑیگا ٹیپو نے ان تمام جنگوں میں جو تدابیر اختیار کیں اور جنگی چالیں چلیں ہمارے انگریز جنرل ان کے جواب سے قاصر تھے۔"

دسمبر ۱۷۹۰ء کے آخری دنوں میں حضرت ٹیپو سلطانؒ کی مہارت جنگ اور مسلسل کامیابیوں کے نتیجہ میں صورتحال یہ ہوئی تھی کہ انگریز ہندوستان سے فرار ہونے اور بچے کھچے انگریزوں کو سات سمندر پار بچا لیجانے کی فکر میں تھے۔

بورنگ لکھتا ہے کہ ۲ دسمبر ۱۷۹۰ء کے آخر میں ٹیپو کی مہارت جنگ کی

پے بہ پے کامیابیوں کی وجہ سے انگریزوں کی حالت اس درجہ کو پہونچ گئی کہ ان کی پوری فوجوں کے تباہ ہو جانے کا خطرہ لاحق ہو گیا (تاریخ پورنگ ص ۱۵۱)

لیکن وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے ہندوستان کے لئے غلامی مقدر تھی خود سلطنت خداداد کے منافقوں اور آستین کے سانپوں نے درپردہ غداری کر کے بھگوڑے فرنگیوں کے حوصلوں کو پھر سے تازہ اور ان کے ناپاک ارادوں کو اور مضبوط کر دیا۔ ان آستین کے سانپوں میں سب سے بڑا سانپ خود ٹیپو سلطانؒ ہندو وزیر اعظم اور صادق جیسے غدار قسم کے لوگ تھے۔

گاندھی جی اپنے اخبار (ینگ انڈیا) میں لکھتے ہیں کہ اس عظیم المرتبت سلطان کا وزیر اعظم ایک ہندو تھا نہایت شرم سے لکھنا پڑتا ہے کہ اس کے اس فدائے آزادی کو دغا دے کر دشمنوں کے ساتھ ہو گیا۔ جس سے ان کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ حضرت ٹیپو سلطان کو اندرون مملکت جن ہنگامی حالات، اور ہندوستان کی پر آشوب و مہیب صورتحال میں سلطنت خداداد کی حکمرانی ۱۷۸۳ء سے ۱۷۹۹ء تک ملی تھی ایسے نازک وقت میں بھی مملکت کی خوشحالی اور سلطنت کی ترقی اور ملک میں امن و امان، اور عوام کی پوری دیکھ بھال میں اور لاتعداد فوجیوں اور عہدیداروں کے ذاتی مسائل میں یکسوئی سے پوری دلچسپی لینا یہ اسی مرد مومن مجاہد اعظم کا امتیازی وصف اور کارنامہ ہے امن و امان اور چین و سکون کے ماحول کوئی حکمران اپنے ملک و عوام کی خوشحالی کے لئے جو تدابیر اور منصوبے اختیار نہیں کر سکتا وہ حضرت ٹیپو سلطان نے انتہائی پریشان کن ایام میں اپنی حد درجہ مصروفیات کے باوجود عملاً کر دکھایا۔

کیپٹن لٹل اپنے سفرنامے میں لکھتا ہے کہ "جب ہم اس ٹیپو کے ملک میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ صنعت و حرفت کی ترقی کی وجہ سے نئے نئے شہر آباد ہوئے اور ہوتے چلے جا رہے ہیں رعایا اپنے کاموں میں مصروف ہے زمین کا کوئی حصہ بھی بنجر نظر نہیں آیا قابل کاشت زمین جس قدر بھی مل سکتی تھی اس پر کھیتیاں لہرا رہی ہیں رعایا اور فوج کے دل میں بادشاہ کا احترام اور محبت بدرجہ اتم موجود ہے فوج کی تنظیم

اور اس کے ہتھیاروں کو دیکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ یہ یورپ کی کسی مہذب ملک کی فوج سے کسی حالات میں بھی پیچھے نہیں ہے۔"

میجر ٹارنس لکھتا ہے کہ ٹیپو کے زیر نگرانی میسور تمام ہندوستان میں سب سے زیادہ سرسبز اور اس کے باشندے سب سے زیادہ خوشحال تھے۔

(بحوالہ صحیفہ ٹیپو سلطان صـ ۴۸)

سلطنت خداداد کی خوشحالی کا یہ حال تھا کہ پوری مملکت میں شاید ہی کوئی مسلم اور غیر مسلم شخص بے روزگار رہا ہو مسلم رعایا کے ساتھ تو امتیازی داد و دہش کا آپ کا برتاؤ تھا ہی غیر مسلموں کے ساتھ بھی رحم دلی اور شفقت کا سلوک ہوتا تھا۔

حضرت ٹیپو سلطان مملکت کے تمام قاضیوں کے نام حکمنامے میں تحریر فرماتے ہیں کہ قاضی کو چاہیئے کہ وہ تمام اہل اسلام سے کسب اور ذریعہ معاش کی پوری طرح تحقیق کرے اگر ان میں سے کوئی تجارت میں دلچسپی رکھتے ہوں اور ناداری کی وجہ سے کوئی تجارت نہ کرتے ہوں تو ایسے لوگوں کو پچاس سے سو روپیے تک سرکار سے دلائیں اور انہیں کام پر لگائیں۔ (صحیفۂ ٹیپو سلطان صـ ۲۱۶)

مرد مومن حضرت ٹیپو سلطان کی رحمدلی اور عدل پرور طبیعت اپنی رعایا پر یکساں فیض رساں تھی ملت اسلامیہ کے ساتھ تو آپ کا سلوک ایک بھائی کا تھا غیر مسلموں کے ساتھ بھی آپ کا برتاؤ اس درجہ عادلانہ رحمدلانہ تھا کہ کٹر سے کٹر متعصب دشمن انگریز مورخ بورننگ نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے کہ ایک پورنیا پر منحصر نہیں کہ جو اس سلطان کا وزیر تھا بلکہ بہت سے ہندو تھے جو سلطنت کے اہم اہم عہدوں پر فائز تھے مال گذاری کے تمام عہدے برہمنوں کے ہاتھ تھے (تاریخ بورنگ صـ ۲۱۲)

تاریخ اسلام کا یہ مرد مجاہد مومن کامل عابد و زاہد ولی درویش صفت سلطان تاریخ ہند کا بے مثال عادل و فیاض مجاہد آزادی فدائے وطن حکمران یہ کہتا ہوا اس مکار اور منافق فانی دنیا سے رخصت ہو گیا اور رہتی دنیا تک کے لئے درس عبرت دے گیا کہ "مرنا تو برحق ہے مگر سو سال گیدڑ کی طرح جینے سے شیر کی طرح دو دن کی زندگی

گذارنا پسند کرتا ہوں۔

ان کے مزار کے قریب فارسی کا یہ شعر کندہ ہے جس سے ان کی پوری زندگی کی عکاسی ہوتی ہے ؎

نہ شادی داد سامانے نہ غم آورد تکلیفے بدیں جانباز سلطانے کہ آمد شد مہمانے

ترجمہ:۔ نہ خوشی نے اسے کوئی سامان دیا اور نہ تکلیف نے اسے غم دیا۔ یہ جانباز سلطان ایک مہمان کی طرح اس دنیا میں آیا اور مہمان کی طرح چلا گیا۔

۳۰ر نومبر کو تقریباً بیشتر شرکائے اجلاس وطن واپس ہوگئے۔ صرف محترم قاضی صاحب، اور محترم ڈاکٹر منظور عالم صاحب، مولانا اسرار الحق صاحب مولانا عبداللہ صاحب، مفتی اشرف علی صاحب اور راقم الحروف کچھ ضروری مشورے کے لئے رک گئے تھے تین چار دن کی مشغولیت کی وجہ سے سب لوگ بیحد تھک گئے تھے۔ مگر ابھی کچھ مشورہ باقی تھا اور وہاں ملنے ملانے والوں کا ہجوم کم نہیں ہو رہا تھا۔ اس لئے وہاں کے مقامی میزبانوں نے وہاں سے پچاس ساٹھ کیلو میٹر دور بانڈی کے جنگل میں جہاں مختلف قسم کے جانور آزاد پھرتے ہیں اور وہاں ایک گیسٹ ہاؤس بنا ہوا ہے، چلنے کا پروگرام بنا دیا تاکہ ذہنی سکون مل جائے اور مشورہ بھی ہو جائے، چنانچہ ہم لوگ رات بھر کے لئے وہاں چلے گئے اور وہاں یکسوئی سے بات چیت کا موقع ملا، دوسرے دن علی الصباح میسور واپسی ہوئی، پھر وہاں سے بنگلور آکر دلی کے لئے روانہ ہونا تھا، واپسی میں میسور میں ناشتہ کا پروگرام جناب مشتاق صاحب کے مکان پر تھا، ان کے مکان پر پہونچے تو ان کا پورا گھرانہ سراپا میزبان بنا کھڑا دکھائی دیا اور ان کے بچے پروانہ وار میزبانی کر رہے تھے، یہ منظر ایسا تھا کہ بے ساختہ رفقاء سفر کی زبان سے ان کے اولاد کے پھولنے پھلنے کے لئے دعا خیر نکلی، اللہ تعالیٰ ان کو ہر طرح عافیت میں رکھے۔

[illegible] بنگلور [illegible] "الامین" ایجوکیشنل سوسائٹی کے دفتر میں چند گھنٹے ٹھہرے جہاں اس آفس میں جاکر ایسا محسوس ہوا کہ ہم کسی بڑے سرکاری

آفس میں بھیج گئے ہیں، اس سوسائٹی نے پورے صوبہ میں اپنے کاموں کا جال پھیلا رکھا ہے کئی میڈیکل کالج، اسپتال، انجینئرنگ کالج پالی ٹیکنک آئی ٹی آئی وغیرہ اس کے تحت چل رہے ہیں، وہیں ظہر کی نماز پڑھی گئی اور دوپہر کا کھانا کھایا گیا اور پھر وہاں سے دلی کے لئے روانہ ہوگئے پھر دوسرے دن اعظم گڈھ واپسی ہوئی ۔

بحمداللہ یہ سفر ہر اعتبار سے مبارک ثابت ہوا، مگر اس کے دو تین دن بعد ہی "بابری مسجد" کا سانحہ پیش آگیا جس سے اس سفر کی ساری مسرت غم واندوہ میں تبدیل ہوگئی حضرت قاضی صاحب کو دو دن ٹھہر کر "پٹنہ" جانے والے تھے مگر اس حادثہ نے انھیں تین ہفتہ تک دلی سے باہر جانے نہیں دیا وہ اسی سلسلہ میں ذمہ داروں سے ملتے اور مشورہ کرتے رہے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس سانحہ کی بہتر سے بہتر تلافی کی صورت پیدا فرمائے ۔

بقیہ صـ ۶ کا

وقت سے اس میں زیادہ تیزی پیدا ہوگئی ہے اگر اس کا یہ سہارا کمزور ہو جائے تو یقیناً ایک اچھی خاصی تعداد پر اس کا اچھا اثر پڑے گا اور جب ہی ممکن ہے کہ ہم اپنی صفوں کو پہلے درست کریں اور منڈل کمیشن کو بنیاد بنا کر بائیں بازو کی جو جماعت جہاں مؤثر ہے اس سے مل کر اپنے دو ٹوں کا صحیح استعمال کریں مسلمانوں کی تمام جماعتیں اور سیاسی افراد اگر ایک بار اپنے ذاتی اور جماعتی مفاد سے اوپر اٹھ کر اس کی کوشش میں پورے طور پر لگ جائیں تو یہ ناممکن نہیں ہے اگر ہم نے ایسا نہیں کیا اور سیاسی طور پر فرقہ واریت نے مزید جڑ پکڑ لیا تو یہ وقت ہمارے لئے بہت ہی نازک نہیں بلکہ بھیانک ترین ہوگا ۔

میسور میں ملی کونسل کی مجلس عمومی کا اجلاس اور اس کی روداد

دارالعلوم صدیقیہ صدیق نگر میسور کے وسیع وپرفضا ہال میں جنوبی ہند کے ممتاز و بزرگ شخصیت حضرت مولانا ابوالسعود صاحب امیر شریعت کرناٹک کی صدارت میں ملک کے گوشے گوشے سے آئے ہوئے علماء، دانشور سیاسی وسماجی کارکن، ملی رہنما، اور زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے ممتاز افراد (جن کی تعداد دوسو سے اوپر تھی) کی موجودگی میں آل انڈیا ملی کونسل کی مجلس عمومی کا تاریخی اجلاس منعقد ہوا۔ افتتاحی اجلاس میں کرناٹک کی فعال ومخلص ومعروف شخصیت عزیز سیٹھ نے خطبہ استقبالیہ پڑھا جس میں شرکاء اجلاس کو آگاہ کیا کہ اس وقت ہم اپنی تاریخ ملت کے ایک نازک موڑ پر کھڑے ہوئے ہیں۔ جہاں ہوشمندی سے ہر قدم اٹھانے کی ضرورت ہے اور حقیقت کی دنیا میں رہ کر اپنے مسائل کو حل کرنا ہے۔ موصوف کا پیش خیمہ بن سکتا ہے۔ انہوں نے حضرت ٹیپو سلطان شہید کے ایثار وقربانی کا ذکر کیا کہ اور کہا کہ اس دلیر وملی عزت کے پاسبان دردمند کی روش ہمیں بھی اختیار کرنا چاہئے اس کے بعد مولانا مجاہدالاسلام قاسمی تشریف لائے انہوں نے اپنے مؤثر دردمندانہ اور ہوشمندانہ خطاب میں شرکاء کے سامنے ملی کونسل کے مقصد وجود، ملت کے اتحاد کی ضرورت اور وقت کے تقاضوں پر روشنی ڈالی۔ موصوف نے پوری سنجیدگی اخلاص اور لگن کے ساتھ ملت کی تعمیر نو کی دعوت دی اور ملی کونسل کے ہمہ جہتی پروگرام کو روبہ عمل لانے کی شدید ضرورت کا احساس دلایا۔ ملی کونسل کے دستور کی روشنی میں شرکاء اجلاس نے مولانا مجاہدالاسلام قاسمی کو ملی کونسل کا سکریٹری جنرل منتخب کیا۔ مولانا اسرارالحق اور جناب عبدالرحیم قریشی کا تقرر معاون سکریٹری کی حیثیت سے کیا گیا۔ مولانا اسرارالحق

نے ملی کونسل کی تشکیل سے نومبر تک اس کی سرگرمیوں کی چار ماہ روداد پیش کی۔
اس دوران ملی کونسل نے یوپی میں نصاب تعلیم میں بی جے پی حکومت کے ذریعہ کی گئی ردوبدل اور بہار کے کشن گنج و پورنیہ کے علاقہ میں ہندوستانی شہریوں کو غیر ملکی قرار دینے کی شر انگیز کوششوں کے خلاف لکھنؤ و پٹنہ میں جو اجلاس منعقد کئے ان کی تفصیلات سامنے آئیں۔

مجلس عمومی نے دستور کے مطابق ۴۰ افراد کا عاملہ کے لئے انتخاب کیا جس میں ملک کے ممتاز ماہرین تعلیم، علماء اور دانشور حضرات شامل ہیں۔ ان کے علاوہ ۷ اور حضرات کو مدعوئین خصوصی کے طور پر چنا گیا اجلاس نے کونسل کے دستور کے اہم باب کے تحت اپنی بارہ ذیلی کمیٹیوں کے لئے ایکشن پلان تیار کرنے کی غرض سے مجلس عمومی کے مختلف شعبوں کے ماہرین ممبران کے دس عارضی گروپ بنائے۔ ان ذیلی کمیٹیوں نے کافی غور و خوض کے بعد مفتی اشرف علی نے دعوت و تبلیغ کے لئے مولانا عبداللہ مغیثی نے دینی تعلیم کے لئے، جناب جے ایم خاں نے عصری تعلیم میں مسلمانوں کی پیش رفت کے لئے، جناب قمر الاسلام (گلبرگہ) نے تکنیکی تعلیم میں ملت کے فروغ کے لئے، مولانا مجیب اللہ ندوی نے شعبہ خدمت خلق میں ضروری امور پر توجہ کے لئے، جناب مقصود علی خاں نے حقوق انسانی و انصاف کے، جناب رحمان خاں نے معاشی و اقتصادی امور کے شعبہ کے لئے۔ جناب عزیز سیٹھ نے شعبہ برائے سیاسی امور کے لئے مولانا عرفان حسینی نے شعبہ ذرائع ابلاغ کے لئے، جناب راغب احسن ایڈوکیٹ نے شعبہ لیگل ایڈ کے لئے ترجیحات و اہداف پر مشتمل اپنی مفصل رپورٹ بحیثیت کنوینر پیش کی جسے منظور کیا گیا۔

مجلس عمومی نے ملکی و بین الاقوامی حالات کا جائزہ لیتے ہوئے مختلف اہم امور پر اپنی رائے ظاہر کی اپنے نشانے مقرر کئے اور حکومت و اہل ملک اور افراد ملت سے ضروری اپیلیں کیں۔ سب سے پہلی قرار داد بابری مسجد کے سلسلے میں ڈاکٹر سید عبدالباری نے پیش کی اور اس کے ذریعہ ملی کونسل کے اس موقف کا اعلان کیا گیا کہ

وہ مسلم پرسنل لا بورڈ کے اس مضبوط موقف کی تائید کرتی ہے کہ جس زمین پر ایک بار مسجد بن چکی اس کی حیثیت تبدیل نہیں کی جا سکتی۔ حق و انصاف کا یہ تقاضا ہے کہ بابری مسجد پر غاصبانہ قبضہ ختم کیا جائے اور ایسے مورتیوں سے خالی کر کے مسلمانوں کے حوالے کیا جائے۔ اس قرارداد میں ملک کی ان تمام سیکولر قوتوں کی تحسین کی گئی جو قانون و انصاف کی برتری کے لئے کوشاں ہیں اور ملت سے درخواست کی گئی کہ وہ صبر و تحمل سے کام لے۔

۔۔۔۔۔۔ مولانا مجاہد الاسلام سکریٹری جنرل، آل انڈیا ملی کونسل نئی دہلی

تجویزوں کا متن

(۱) ہندوستانی شہریوں کو حقوق شہریت سے محروم کرنے کی سازش

آل انڈیا ملی کونسل کی مجلس عمومی کا یہ اجلاس ملک کے مختلف سرحدی صوبوں میں ہندوستان کے پشتہا پشت سے آباد شہریوں کو غیر ملکی قرار دینے کی کوششوں اور بے قصور لوگوں پر ظلم کا پہاڑ توڑنے کے افسوسناک واقعات پر تشویش کا اظہار کرتا ہے۔ گذشتہ سالوں میں ملک کی فرقہ پرست تنظیموں بالخصوص بی جے پی نے مسلمانوں کو ہراساں، خوفزدہ، پراگندہ حال اور کمزور بنانے کی جو مسلسل مہم شروع کر رکھی ہے۔ یہ نیا شگوفہ بھی اسکا ایک حصہ ہے۔ اور اس سلسلے میں ایسے بے بنیاد الزامات اور ایسے بے سروپا دلائل پیش کئے جا رہے ہیں جنہیں سن کر عقل حیران رہ جاتی ہے اور دنیا کے مسلمہ ضوابط اور آئین و انصاف کا پیراہن تار تار ہوتا ہوا نظر آتا ہے۔

حالیہ مہینوں میں دہلی ایڈمنسٹریشن نے بنگلہ دیشیوں کو ملک بدر کرنے کی مہم کے تحت جس طرح ۱۳۲ بنگالی مسلمانوں کو جانوروں کی طرح گاڑیوں میں لاد کر بنگلہ دیش بارڈر پر بے یار و مددگار پھینک دیا اور پھر بنگلہ دیش رائفلز نے ان زخمیوں

اپنی سرحد کے اندر داخل ہونے نہیں دیا اور یہ مظلوم جن میں بڑی تعداد میں عورتیں اور بچے بھی شامل ہیں جس کسمپرسی کے عالم میں دونوں ملکوں کے درمیان معلق ہیں اور فاقہ کشی سے ہلاک ہو رہے ہیں، وہ نہایت انسانیت سوز اور دردناک بات ہے۔ اسی طرح دہلی ہائی کورٹ کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہوئے دوبارہ بنگلہ دیشیوں کے پکڑ دھکڑ کے بہانے بے قصور افراد پر ظلم کے پہاڑ توڑے گئے۔ اور عورتوں عصمت دری تک کے شرمناک واقعات رونما ہوئے۔ آج ان بدقسمت لوگوں کی حالت یہ ہے کہ اپنی جھونپڑیوں تک محدود ہونے کے باوجود ان کی عزت و آبرو اور جان محفوظ نہیں۔

اسی طرح ریاست بہار کے شمالی مشرقی اضلاع کشن گنج، کٹیہار، پورنیہ اررِیہ میں جو واقعات گذشتہ مہینوں میں ہوئے ہیں۔ اور جس طرح خوف و دہشت اور بے یقینی کا ماحول پیدا کر دیا گیا۔ وہ نہایت افسوسناک ہے ان اضلاع میں آباد لوگوں کی بھاری اکثریت مسلمانوں پر مشتمل ہے جو یہاں پشتہا پشت سے آباد ہیں۔ اس علاقہ میں ۱۹۴۷ء کے بعد مالدہ اور مرشد آباد سے آکر بہاری مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد بھی آباد ہوگئی تھی اور اس علاقہ کی آبادی کا ایک حصہ بن گئے۔ ۱۹۷۱ء میں بنگلہ دیش بننے کے بعد فرقہ پرستوں کو ایک نیا حربہ ہاتھ آگیا اور ان اضلاع میں بنگلہ دیشی گھس پیٹھیوں کا شوشہ چھوڑا گیا، پمفلٹ، پوسٹر، زہریلے اخباری بیانات کے ذریعہ بھاٹیہ مسلمانوں کے خلاف زبردست پروپیگنڈہ شروع کیا گیا اور بھاٹیہ مسلمانوں کی زمینوں پر سوتاروں کو ناجائز قبضے دلائے گئے اور سوتاروں کی اس قدر حوصلہ افزائی کی گئی کہ وہ مسلمانوں کی زمینوں اور جائدادوں پر قبضہ کرنے کے درپے ہو گئے اب ملک کی فرقہ پرست تنظیموں کے دباؤ میں آکر پھر ووٹر لسٹوں کی از سر نو ترتیب اور مسلمانوں کو اس علاقہ سے بے دخل کرنے اور غیر ملکی قرار دینے کا سنگین ڈرامہ پھر کھیلا جا رہا ہے۔ ستم بالائے ستم یہ ہے کہ غیر ملکی قرار دینے کی راہ میں راشن کارڈ یا پاسپورٹ کا موجود ہونا یا ووٹر لسٹ میں عرصہ سے نام ہونا کافی

نہیں ہے۔ بس بنگلہ دیش کے رہنے والوں کا رنگ و روپ یا غربت و بدحالی اور افلاس سب سے بڑی پہچان ہے۔

اسی طرح آسام میں مسلمانوں کو شہریت کے نام پر ہراساں کرنیکا سلسلہ مدت دراز سے جاری ہے اور حالیہ دنوں میں غیر ملکیوں کے خلاف مہم اور ووٹر لسٹوں کی درستگی کے نام پر جو اندھیر مچا دیا گیا ہے۔ اس کی یہ اجلاس شدت سے مذمت کرتا ہے۔ یہ اجلاس الیکشن کے ذریعہ مقرر کردہ شہریت کے معیار کو تفریق و امتیاز پر مبنی قرار دیتا ہے۔

اسی طرح مغربی بنگال اور تریپورہ میں مسلمانوں کی شہریت کو مشکوک بنانے کا جو ہنگامہ برپا ہے۔ اس کا بھی یہ اجلاس شدید مذمت کرتا ہے۔ یہ اجلاس اس سارے مسئلہ کا جائزہ لے کر ایک مفصل رپورٹ اور سفارشات مرتب کرنے کے لئے ایک کمیٹی تقرر کرتا ہے تاکہ پوری صورتحال سامنے آسکے۔

مولانا محمد اسرار الحق قاسمی کنوینر — جناب حسن الزماں ایڈوکیٹ کلکتہ
جناب عبدالقیوم اختر جے پور — مولانا سید نظام الدین پٹنہ
حافظ رشید احمد چودھری گوہاٹی — جناب حسن عمران کلکتہ

پروفیسر سہیل احمد خاں پٹنہ

(۲)

فرقہ وارانہ صورتحال

آل انڈیا ملی کونسل کی مجلس عمومی کا یہ اجلاس ملک کے فرقہ وارانہ صورتحال پر جو ملک کی فسطائی، تخریب پسند قوتوں کی مسلسل فتنہ سامانیوں کی وجہ سے بد سے بدتر ہوتی جا رہی ہے۔ شدید تشویش کا اظہار کرتا ہے اور ان عناصر کی سخت مذمت کرتا ہے جو اس ملک میں صدیوں سے چلی آ رہی اخوت و یگانگت، انسان دوستی اور بھائی چارہ کی روایات کو مٹانے پر کمربستہ ہیں اور شمالی ہند میں فضا کو مسموم اور حالات کو ناگفتہ بہ بنا رہے ہیں اور انسانوں کے درمیان نفرت کی گہری دراڑیں شمالی ہند میں پیدا کر دینے کے بعد اب یہ طاقتیں جنوبی ہند کی فضا کو خراب کرنے کی سرتوڑ جدوجہد کر رہی ہیں۔

کیرالہ، کرناٹک، تامل ناڈو اور آندھرا پردیش کی ریاستیں اب انکا خاص نشانہ ہیں۔ یہ طاقتیں فرقہ پرستی کی آگ بھڑکانے اور مسلمانوں کو خوف و دہشت کی نفسیات میں مبتلا رکھنے کے لئے کہ وہ دوسرے درجہ کے شہری میں طرح طرح کی افسوسناک حرکتیں کرتی ہیں۔ شہروں کے نام تبدیل کرنا، ایسی عمارتیں اور تاریخی یادگاروں کو منہدم کرنا۔ جن کا تعلق اسلامی کلچر اور مسلم عہد کی تاریخ سے ہے نصاب تعلیم میں سے ایسے اجزاء کو خارج کرنا جن کا مسلمانوں کی تاریخ و تہذیب اور مذہب سے ہے۔ اور میڈیا کی مدد سے مسلمانوں کے کلچر، ثقافت، عقائد اور اقدار کا مذاق اڑانا اور ان کی تصویر کو بگاڑ کر پیش کرنا آئے دن کا مشغلہ ہے۔ یہ سب آثار ہیں کہ نفرت کا وہ ماحول اس ملک میں پیدا کر دیا جائے جس میں مسلمانوں کے لئے باعزت زندگی بسر کرنا محال ہو جائے۔ جنوب میں فرقہ پرستی کے بڑھتے ہوئے آثار اس بات سے عیاں ہیں کہ تامل ناڈو کی وزیر اعلیٰ جے للیتا نے شمال کی فرقہ پرست قوتوں سے ہاتھ ملا کر اپنے صوبہ کی اور ملک کی فاسسٹ قوتوں کو جو غیر معمول مدد پہنچائی ہے اس کی بھی شدت کے ساتھ مذمت کرتی ہے۔

اسی سلسلے میں یوپی ایس سی کے مقابلے کے امتحانات سے عربی و فارسی کو نکالدینے کا جو فیصلہ حال میں منظر عام پر آیا ہے۔ اس کو بھی اقلیتوں کو خاص طور پر مسلمانوں کے ساتھ ایک امتیازی سلوک تصور کرتا ہے جس سے ملک کی تمام فرقہ پرست قوتوں کو مدد بھی ملے گی اور اقلیتوں کی نئی نسلوں کا اس ملک کی دو اہم زبانوں سے رشتہ کو برقرار رکھنے میں رکاوٹ بنے گی اجلاس یوپی ایس سی کے تازہ فیصلہ کو جلد از جلد کالعدم کرنے کا مطالبہ کرتا ہے۔

(۳) بابری مسجد آل انڈیا ملی کونسل کی مجلس عمومی کا یہ اجلاس بابری مسجد کے مسئلہ پر اپنے اس واضح موقف کا اظہار کرتا ہے۔ کہ بابری مسجد ۱۵۲۸ء میں تعمیر ہوئی ہے۔ مسجد ہے اور یہ وہ سچائی ہے جو تاریخی حقائق اور واقعات سے پوری طرح ہم آہنگ ہے۔ یہ اجلاس مسجد کی شرعی حیثیت

کے بارے میں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے اس فیصلہ کا اعادہ اور تائید کرتا ہے کہ جس زمین پر ایک بار مسجد بن چکی اس کی حیثیت تبدیل نہیں کی جا سکتی۔

آل انڈیا ملی کونسل کی مجلس عمومی کا یہ اجلاس اپنے ان احساسات کا اظہار کر دینا ضروری سمجھتا ہے کہ جارح اور فرقہ پرست قوتوں نے مسجد اور قبرستان کی سرزمین پر رام مندر کی تعمیر کے سلسلے میں جو موقف اختیار کر رکھا ہے۔ اس کا مقصد مندر کی تعمیر نہیں بلکہ مذہب کا سیاسی استحصال اور اقتدار پر قابض ہونے کی سازش ہے۔

آل انڈیا ملی کونسل کا یہ اجلاس یہ سمجھتا ہے کہ قانون انصاف اور حق کا تقاضا یہ ہے کہ مسجد پر غاصبانہ قبضہ ختم کیا جائے۔ اور اسے مورتیوں سے خالی کر کے ۲۲ر دسمبر ۱۹۴۹ء سے پہلے کی پوزیشن میں یہ مسجد مسلمانوں کو واپس کی جائے۔

یہ اجلاس اپنے اس احساس کا اظہار بھی ضروری سمجھتا ہے کہ بابری مسجد کا مسئلہ اصلاً ملک میں دستور کے احترام، جمہوریت اور مذہبی غیر جانبداری کی اعلیٰ قدروں کی حفاظت کا مسئلہ ہے۔ جارحانہ فرقہ پرستی نے جو رخ اختیار کیا ہے وہ ملک میں دستور اور قانون کے احترام کو ختم کر کے ملک کی سالمیت کو نقصان پہنچانے کا منصوبہ ہے اور یہ مسئلہ صرف مسلمانوں کا نہیں بلکہ ملک کے تمام انصاف پسند شہریوں کا مسئلہ ہے جو ملک کی اعلیٰ جمہوری روایات کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔

یہ اجلاس تمام سیکولر پارٹیز کی اس جدوجہد کی تحسین کرتا ہے جو پارلیمنٹ بیرون پارلیمنٹ اور قومی یکجہتی کونسل میں ان جماعتوں نے ملک میں قانون و انصاف کی برتری کے لیے اختیار کیا ہے۔ یہ اجلاس یقین رکھتا ہے کہ حکومت ہند جارحانہ فرقہ پرستی کے سامنے نہیں جھکے گی۔ بلکہ عزم و ہمت کے ساتھ حق و انصاف قائم رکھنے کی راہ میں مضبوط چٹان ثابت ہوگی یہ اجلاس سپریم کورٹ کے فیصلے کو بنظر تحسین دیکھتا ہے اور اس کا خیر مقدم کرتا ہے۔

آل انڈیا ملی کونسل کا یہ اجلاس ملت اسلامیہ درخواست کرتا ہے کہ وہ اس

نازک اور صبر آزما مرحلہ میں صبر و تحمل سے کام لینے اور کسی اشتعال میں مبتلا ہو کر فرقہ پرستوں کا آلۂ کار نہ بنے۔

نوٹ:۔ یہ ریزولیشن بابری مسجد کے انہدام کے پہلے پاس ہوا ہے، اب حالات بدل گئے ہیں اس میں مرکزی گورنمنٹ براہ راست اور سپریم کورٹ رسیور نہ مقرر کر کے اس عظیم حادثہ میں شریک ہو گئی ہے۔

(۴) ظالمانہ ٹاڈا قانون کا مسلمانوں پر مسلسل اطلاق

پنجاب، کشمیر اور آسام وغیرہ صوبوں میں تخریب کاری اور اینٹی نیشنل کارروائیوں کو روکنے کے لئے ٹاڈا قانون کا نفاذ کیا گیا تھا۔ لیکن ملک کی بعض ریاستوں مثلاً راجستھان اور گجرات میں فرقہ وارانہ فساد کے دوران گرفتار بے گناہ مسلمانوں پر اس کا اطلاق کیا گیا جس کی وجہ سے بے قصور مسلمانوں جس میں بچے اور بوڑھے لوگ مدرس اور پیش امام، مزدور دستکار وغیرہ شامل ہیں تین سال سے جیل میں بند ہیں اس میں سے کچھ لوگوں کی ضمانت ہو چکی ہے۔ اور کچھ لوگوں کی پیروی اور ضمانت کی درخواست مسترد کر دی گئی ہے کچھ کی کارروائی ہنوز شروع نہیں ہو سکی جس کی وجہ سے سپریم کورٹ میں اپیل دائر کرنے کے لئے بھاری رقم کی ضرورت ہوگی۔ اور قانونی پیچیدگیوں میں الجھنا پڑیگا۔

یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ اور حال ہی میں پچھلے ہفتہ جیلیر ضلع کے ناچنہ کے دو عالم دین معمولی شبہ کی بنا پر ٹاڈا میں گرفتار کر لئے گئے ہیں اور اس طرح مسلمانوں کو خوف و ہراس میں مبتلا رکھا جا رہا ہے۔

یہ اجلاس پرزور طریقہ پر ٹاڈا میں گرفتار بے قصور اور بے گناہ مسلمانوں کے غیر مشروط رہائی کا مطالبہ کرتا ہے۔ ساتھ ہی مسلسل ظلم و بربریت کے ساتھ قانون کو جاری و ساری رکھ کر بے گناہ مسلمانوں کو ٹاڈا میں مقامی طور پر جو گرفتار کیا جا رہا ہے۔ اس کی شدت سے مذمت کرتا ہے۔ اور مزید مطالبہ کرتا ہے۔ کہ ان بے قصور مسلمانوں کو کسی ٹھوس ثبوت اور شہادتوں کے بغیر ٹاڈا قانون میں نہ پھنسایا جائے۔

(۵) بوسنیا ہرزی گوویناکے مسلمانوں پر مظالم

آل انڈیا ملی کونسل کا یہ اجلاس بوسنیا ہرزی گوویناکے مسلمانوں پر سربیا کی ظالم فوجوں اور جنگجو عوام کے ذریعہ توڑے جانے والے مظالم کی شدت کے ساتھ مذمت کرتا ہے اور اپنے ان مظلوم بھائیوں کے لئے خدا سے دست بدعا ہے کہ وہ ان کی حفاظت کرے اور ظالموں کے ظلم سے ان کو نجات بخشے۔

یہ اجلاس عالمی برادری سے اپیل کرتا ہے کہ وہ بوسنیا کے مسلمانوں کی ہر طرح کی امداد کے لئے فی الفور سامنے آئے۔ خاص طور پر ہم اپنی حکومت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ بین الاقوامی سطح پر بوسنیا کے مسلمانوں کی حمایت و دستگیری میں کسی بھی ممکن اقدام سے گریز نہ کرے۔

(۶) اقلیتی صنعتی و تعلیمی اداروں کو شمالی ہند کی ریاستی حکومتوں کے ذریعہ منظوری نہ حاصل ہونیکا مسئلہ

آل انڈیا ملی کونسل کی مجلس عمومی کا یہ اجلاس شمالی ہند کی ریاستوں کے اس غیر دستوری طرز کی شدت سے مذمت کرتا ہے۔ انہوں نے اقلیتوں کے ذریعہ صنعتی و تعلیمی اداروں کو سرکاری طور پر منظوری نہ عطا کرنے کا موقف اختیار کر رکھا ہے۔

ماضی قریب میں یوپی، بہار، مغربی بنگال، ہریانہ اور دہلی میں مسلمانوں کی تنظیموں نے صنعتی اداروں کے قیام اور ان کی حکومت سے منظوری کی جدوجہد کی لیکن یہ افسوسناک حقیقت ہے کہ ان کو ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ ان ریاستی حکومتوں کے اس غیر دستوری طرز عمل کی وجہ سے مسلمانوں کی اقتصادی و تعلیمی ترقی میں زبردست رکاوٹ پیدا ہو گئی ہے۔

یہ اجلاس حکومت ہند سے مطالبہ کرتا ہے کہ اس معاملہ میں جلد از جلد مداخلت کرے اور متعلقہ ریاستی حکومتوں کو اس معاملہ میں ہدایت دے کہ وہ اقلیتوں کے قائم

کردہ صنعتی و تعلیمی اداروں کو دستور ہند کی دفعہ ۳۰ (۱) کے تحت منظوری عطا کریں۔

(۷) علی گڈھ مسلم یونیورسٹی کے احوال پر اظہار تشویش

آل انڈیا ملی کونسل کی مجلس عمومی کا یہ اجلاس مسلم یونیورسٹی علی گڈھ میں طلبہ کے تعلیمی معیار، ڈسپلن اور نظم و انتظام کے احوال میں روزافزوں زوال پر تشویش کا اظہار کرتا ہے۔ اور وہاں کے احوال کے مفصل جائزے لینے ان اسباب کی نشاندہی کرنے جو اس ادارہ کے معیار کو متاثر کررہی ہیں اور اسی صورتوں کی نشاندہی کرنے کے لئے جن سے ملت اسلامیہ کے اس اہم تعلیمی و ثقافتی مرکز کے حالات کو درست کیا جا سکے اور اس کی ماضی کی شاندار روایات کی بازیافت کی جا سکے۔

اجلاس مندرجہ ذیل حضرات کا نام اس کمیٹی کے لئے تجویز کرتا ہے۔

(۱) جناب ابراہیم سلیمان سیٹھ ایم پی۔ (۲) عزیز سیٹھ صاحب بنگلور
(۳) مسٹر ہدایت اللہ خاں پٹنہ (۴) پروفیسر شاہ منظور عالم صاحب سابق وائس چانسلر کشمیر یونیورسٹی (۵) وسیم احمد صاحب رکن اکزیکیٹو علی گڈھ مسلم یونیورسٹی (۶) عزیز قریشی صاحب بھوپال

(۸) منڈل کمیشن کی سفارشات کا نفاذ

آل انڈیا ملی کونسل کی مجلس عمومی کا یہ اجلاس منڈل کمیشن کی سفارشات کے نفاذ کے سلسلہ میں سپریم کورٹ نے جو فیصلہ دیا ہے۔ اس کا استقبال کرتا ہے اور اپنے اس احساس کا اظہار ضروری سمجھتا ہے کہ منڈل سفارشات کے نفاذ سے اس ملک میں سماجی و اقتصادی عدل کی راہ ہموار ہوگی اور مدتوں سے آبادی کے پسماندہ طبقات کے ساتھ جو بے انصافیاں ہوتی رہی ہیں امید کرتا ہے کہ اس کا ازالہ ہو سکے گا۔

یہ اجلاس مسلمانوں کو معاشی، تعلیمی اور معاشرتی پسماندگی کے پیش نظر ضروری سمجھتا ہے کہ ان کو اس سماجی انصاف میں ان کا قرار واقعی حق دیا جائے۔

اسلامی حکومت اور

اور اس کی معاشی ذمہ داریاں

جناب محمد لطیف اللہ نائب صوبیدار

اسلامی حکومت کے فرائض میں جہاں امر بالمعروف ونہی عن المنکر، اسلامی تعلیم وتربیت، دفاع، دعوت الی الحق اور اس سلسلہ میں اگر ضرورت پڑے تو جہاد، عدل و قسط اور امن وامان کے قیام کے ذریعے جان ومال اور عزت و آبرو کا تحفظ کرنا سرفہرست ہے۔ وہاں اس کی معاشی نوعیت کی ذمہ داریاں بھی بنیادی اہمیت کی حامل ہیں۔ کیونکہ معاشی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوئے بغیر وہ اپنے وسیع مقصد میں کامیاب وکامران نہیں ہوسکتی۔ اسلامی حکومت کی معاشی ذمہ داریوں میں اعداد وشمار اور کفالت عامہ، معاشی تعمیر وترقی کا انتظام اور تقسیم دولت میں پائے جانے والے تفاوت اور فرق کو کم کرنا شامل ہے۔ زیر موضوع مقالہ میں اسلامی حکومت کی ذمہ داریوں کے ان ہی پہلوؤں پر مفصل بحث کی جائے گی۔

اعداد وشمار اور کفالتِ عامہ

اسلام کے معاشی نظام میں اعداد وشمار بظاہر دخیل نظر نہیں آتا لیکن بنیادی طور پر معاشی مسائل میں اعداد وشمار کو بہت بڑی اہمیت حاصل ہے۔ کیونکہ جب تک کسی ملک کی صحیح مردم شماری نہ کی جائے اور پھر عوام کی معاشی زندگی کے درجات یعنی برسرِ روزگار، بے روزگار، تاجر، کاریگر، نیز معذور، فقیر، صاحبِ مرض اور صاحبِ حاجت افراد کے صحیح اعداد وشمار مرتب نہ ہوں اور زمین، کارخانے، معدنیات یعنی محاصل ومصارف کی تعین میں اعداد وشمار کا لحاظ نہ رکھا جائے تو پھر کوئی حکومت نہ اس مقصد کی تکمیل کرسکتی ہے کہ قلمروِ حکومت میں ایک فرد بھی محروم المعیشت نہ رہے اور نہ وہ معاشی عدل و

انصاف کا حقیقی توازن قائم رکھ سکتی ہے۔ اسی اہمیت کے پیش نظر جب فاروق اعظمؓ کے زمانہ میں اسلامی فتوحات کا سلسلہ بہت وسیع ہوگیا تو اعداد و شمار کو خاص اہمیت دے کر خلافت کے مختلف مسائل میں ان سے مدد لی گئی۔ چنانچہ جب مفتوحہ ممالک سے کثیر مال و دولت حاصل ہوا تو آپ نے صحابہؓ کے مشورہ سے عطایا اور وظائف کے سلسلے میں مردم شماری کے رجسٹر قبائل اور منازل کے لحاظ سے مرتب کرائے اور حضرت عثمانؓ نے تو اس کی اہمیت بیان کرتے ہوئے یہ فرمایا:

"اریٰ مالاکثیراً یسع الناس وان لم یحصوا حتی تعرف من اخذ ممن لم یأخذ خشیت ان ینتشر الامر" [1]

ترجمہ:۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ مال اب اس قدر کثرت کے ساتھ حاصل ہو رہا ہے کہ لوگوں کے لئے وسعت کے ساتھ کفایت کرسکتا ہے۔ سو اگر لوگوں کا شمار کر کے ان کی تعداد کا احاطہ نہ کیا گیا تاکہ پانے والے اور نہ پانے والے کا صحیح پتہ معلوم ہوسکے تو مجھ کو خوف ہے کہ اس معاملہ میں انتشار نہ پیدا ہو جائے۔"

حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت عثمانؓ کی اس رائے کو شرفِ قبولیت سے ہمکنار کیا:

وکتب الناس علی قبائلھم وفرض لھم العطاء۔ [2]	اور لوگوں کی قبائل وار فہرست بنائی اور ان کے روزینے مقرر کئے۔
فدعا عقیل ابن ابی طالب و مخرمہ بن نوفل وجبیر بن مطعم وکانوا من نساب قریش فقال اکتبوا الناس علی منازلھم [3]	حضرت عمرؓ نے عقیل بن ابی طالب، مخرمہ بن نوفل اور جبیر بن مطعم کو بلایا اور یہ تینوں قریش کے نسب کے ماہر تھے اور فرمایا کہ لوگوں کا شمار انکے مکانات کے اعتبار سے کرو۔

اعداد و شمار کی اہمیت کے یہی اسباب تھے جن کی بدولت تدوینِ دواوین کا افتتاح ہوا۔

---

[1] طبری جلد ۵ ص ۲۲-۲۳ [2] ایضاً [3] ایضاً

والسبب في تدوين الدواوين ان عامل عمر على البحرين اتاه يومًا بخمس مائة الف درهم فاستعظمها وجعل عليها حراسًا في المسجد فاستشار عليه بعض من عرفوا فارس والشام ان يدون الدواوين يكتبون فيها الاسماء وما لواحد واحد وجعل الارزاق مشاهرة۔ ؎۱

ابتدا میں اعداد شمار کے رجسٹروں کی ترتیب کا سبب یہ پیش آیا کہ بحرین کے گورنر کے پاس سے پانچ لاکھ درہم موصول ہوئے حضرت عمرؓ نے اس کو بڑی تعداد سمجھتے ہوئے مسجد میں اس پر محافظ مقرر کر دیئے اور صحابہؓ سے مشورہ کیا اور بعض صحابہؓ نے جو فارس وشام کے حالات سے واقف تھے یہ مشورہ دیا کہ رجسٹروں کی ترتیب کی جائے جن میں لوگوں کے نام اور ان سے متعلق روزینہ کا تذکرہ ہو اور روزینہ کا معاملہ ماہواری ہو جائے ۔

حضرت بلالؓ جب بحرین سے مال کثیر لے کر آئے تو حضرت عمرؓ نے مجلس مشاورت طلب فرمائی اور ارشاد فرمایا :

ايها الناس انه قد جاء مال كثير فان شئتم ان نكيل لكم كيلا وان شئتم ان نعد لكم عددنا وان شئتم ان نزن لكم وزنا لكم فقال رجل من القوم يا امير المؤمنين دون للناس دواوين يعطون عليها فاشتهى عمر ذالك ؎۲

لوگو یہ مال کثیر آیا ہوا ہے پس اگر تم چاہو تو میں پیمانہ سے ناپ کر تمہیں بانٹ دوں اور اگر تمہاری یہ خواہش ہو کہ گن کر دوں تو شمار سے بانٹ دوں اور اگر یہ مرضی ہو کہ وزن کر کے دوں تو اس طرح تول کر دوں۔ قوم میں سے ایک آدمی کھڑا ہوا اور اس نے کہا امیر المؤمنین لوگوں کے شمار کے لئے رجسٹر مرتب کرائیے تاکہ اسکے مطابق وظائف دیا کریں حضرت عمرؓ نے اس کو پسند کیا ۔"

؎۱ اشہر مشاہیر الاسلام جلد ۲ صفحہ ۳۶۴ ؎۲ کتاب الخراج صفحہ ۴۵

اسی سلسلہ میں حضرت عمرؓ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

لئن عشت ساد ثالیاتین الراعی نصیبہ من ھذا المال بالیمن ودمہ فی وجہہ ؎	بلال اگر یہ سچ ہے کہ روپیہ کی مقدار وہ ہے جو تم بتا رہے ہو تو پھر یمن کے رہنے والے چرواہے تک کا اس مال میں حصہ ہے بایں حالت کہ سفر کی وجہ سے اسکا چہرہ تمتماتا ہوا ہو۔

اس جگہ یہ اندیشہ ہو سکتا ہے کہ اعداد و شمار اور رجسٹروں کی ترتیب کا یہ سلسلہ تو ہر ایک حکومت میں ہوتا ہے اور مختلف ضروریاتِ حکومت میں سے یہ بھی ایک اہم ضرورت ہے خواہ وہ حکومت سرمایہ دارانہ نظام کی حامی ہو یا اس کی مخالف و معاند ہو اس کا صالح معاشی نظام کے بنیادی مسائل سے کیا تعلق ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بلاشبہ اعداد و شمار اور اس سے متعلق دواوین و سجلات کا ہر قسم کی حکومت کے ساتھ تعلق ہے اور کسی خاص طرز حکومت کے ساتھ مخصوص نہیں لیکن اس سلسلہ میں صالح معاشی نظام اور فاسد معاشی نظام کے درمیان یہ فرق ہے کہ جس حکومت کا نظام ایسے اصول پر قائم ہے کہ ان سے مذموم سرمایہ داری عالم وجود میں آتی ہے تو اس نظام حکومت میں اعداد و شمار کی اہمیت اس لئے ہوگی کہ اس سے معلوم کیا جائے کہ ملک میں سرمایہ داری اور سرمایہ داروں کی ترقی کی صورت کیا ہو اور کس طرح اس ناپاک مقصد کو ترقی دینے کے لئے عوام اور غریب طبقے کو آلہ کار بنایا جائے اور اس کے برعکس جس حکومت کا طرز و طریق سرمایہ داری کے خلاف خلق خدا کی فلاح و بہبود پر قائم ہے اس کے نظام معاشی میں اس مسئلہ کی اہمیت اس طرح کارفرما نظر آئے گی کہ ہر ممکن طریقے سے اس کو عوام و خواص سب کے حاجت روائی کے لئے ذریعہ بنایا جائے۔ خصوصاً محروم المعیشت افراد کی حق رسی کا بہترین وسیلہ ثابت ہو۔

؎ کتاب الخراج ص ۴۶

اسلام میں اعداد و شمار کی اہمیت ان ہر دو نظریوں میں سے دوسرے نظریے کے پیش نظر ہے اس لئے معاشی نظم و انتظام کے لحاظ سے ضروری ہے کہ اولی الامر اپنے قلمرو میں مردم شماری کا انتظام کرے اور مسلم و غیر مسلم کی تفصیلات کو جدا جدا رجسٹروں میں درج کرائے تاکہ کفالتِ عامہ کی عظیم ذمہ داری سے سرخرو ہو سکے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ کفالتِ عامہ سے کیا مراد ہے؟ دراصل کفالتِ عامہ کا یہ مفہوم لیا جاتا ہے کہ دارالاسلام کے حدود کے اندر رہنے والے ہر انسان کی بنیادی ضروریاتِ زندگی کی تکمیل کا بندوبست کیا جائے یہ بندوبست اس درجہ تک ہونا چاہئے کہ کوئی فرد ان ضروریات سے محروم نہ رہے۔ ان بنیادی ضروریات میں غذا لباس مکان اور علاج لازمی طور پر شامل ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اسلامی حکومت اس بات کی ذمہ دار ہے کہ ہر فرد کو ان ضروریات کی تکمیل کرنے والی اشیاء اور خدمات کی مطلوبہ مقداریں بہم پہنچاتی رہے۔ بلا لحاظ اس کے کہ وہ خود اپنے مال سے یا اپنی محنت کے ذریعے کسبِ مال کر کے ان ضروریات کو پورا کر سکتا ہے یا نہیں جیسا کہ ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا ہے۔ عام حالات میں عام افراد ان ضروریات کو خود اپنے طور پر پورا کرتے رہیں گے۔ بقدر ضرورت مال نہ حاصل کر سکنے والے افراد کو اپنے خاندان یا عام افراد اجتماع سے اتنی مدد مل سکے گی کہ وہ اپنی ضروریات پوری کر سکیں صنعتی کارخانوں میں کام کرنے والے مزدوروں کو عارضی بے روزگاری، مرض، بڑھاپے یا کسی حادثے کے سبب معذور ہو جانے کی صورت میں کارخانہ یا متعلقہ صنعت سے اتنا امدادی وظیفہ دلوانے کا اصول بنایا جا سکتا ہے جو ان کی ضروریات کے لئے کافی ہو۔ سماجی تحفظ کے ان انتظامات کو مدنظر رکھتے ہوئے اس اصول کا منشا یہ ہے کہ اگر کسی وجہ سے کوئی فرد ان انتظامات کے باوجود اس حال میں پایا جائے کہ وہ اپنی بنیادی ضروریات کی تکمیل سے قاصر ہو تو بالآخر اسلامی حکومت اس بات کی ذمہ دار ہے کہ وہ فرد ان وسائل حیات سے محروم نہ رہے جو ضروریات زندگی کے لئے درکار ہیں۔ حکومت کو ایسا نظم قائم کرنا پڑے گا کہ محروم افراد اپنی محرومی کا ثبوت فراہم کر کے بآسانی اجتماعی

خزانے سے بقدر ضرورت مال حاصل کر سکیں اور دار الاسلام کا کوئی باشندہ بھوکا، پیاسا، ننگا، بے ٹھکانہ اور مرض کی حالت میں بے علاج نہ رہے۔ حضورؐ نے یہ اصول واضح فرمادیا ہے کہ اصحاب امر محروم افراد کی ضروریات کی تکمیل کے ذمہ دار ہیں۔ حدیث نبوی ہے۔

من ولاہ اللہ عزوجل شیئاً من امور المسلمین فاحتجب دون حاجتہم وخلتہم وفقرہم احتجب اللہ تعالیٰ عنہ دون حاجتہ وخلتہ وفقرہ۔[1]	جسے اللہ عزوجل نے مسلمانوں کے بعض امور کا نگراں بنایا ہے اور وہ ان کی ضروریات اور فقر سے بے پرواہ ہو کر بیٹھ رہا اللہ تعالیٰ بھی اس کی ضروریات اور فقر سے بے نیاز ہو جائے گا۔
قال عمرو بن مرۃ لمعاویۃ انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: ما من امام یغلق بابہ دون ذوی الحاجۃ والخلۃ والمسکنۃ الا اغلق اللہ ابواب السماء دون خلتہ ومسکنتہ۔ فجعل معاویۃ رجلاً علی حوائج الناس[2]	عمرو بن مرہ نے معاویہؓ سے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جو امام ضرورت مندوں، فقراء اور مساکین پر اپنے دروازے بند کر دیتا ہے اللہ اس کی ضروریات، فقر اور مسکینی پر آسمان کے دروازے سے بند کر لیتا ہے۔ یہ سنکر امیر معاویہؓ نے ایک آدمی کو عوام کی ضروریات پوری کرنے پر مامور کر دیا۔

حضورؐ کے اس ارشاد سے واضح ہے کہ اگر صاحب امر ضرورت مند افراد کی ضروریات پوری کرنے کا اہتمام نہ کرے گا تو اللہ کی سخت ناراضگی مول لے گا یہ وعید اس بات کے لئے کافی ہے کہ تکمیل ضروریات کو اسلامی حکومت کی ذمہ داری قرار دیا جائے۔

اسلامی حکومت کی اس ذمہ داری کی اہمیت کا اندازہ خلافت کی اس تعریف سے بھی

---

[1] ابوداؤد: کتاب الخراج والفئ والامارۃ۔ باب فیما یلزم الامام من امر الرعیۃ والاحتجاب عنہم

[2] ترمذی: کتاب الاحکام۔ باب جاء فی امام الرعیۃ۔

کیا جا سکتا ہے جو حضرت سلمانؓ فارسی نے کی ہے جسے سن کر کعب احبارؓ نے ان کی تصویب فرمائی ہے۔

عن سلمان قال۔ ان الخلیفۃ ھوالذی یقضی بکتاب اللہ ویشفق علی الرعیۃ شفقۃ الرجل علی اھلہ۔ فقال کعب الاحبار۔ صدق۔ ؎۱

سلمانؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: خلیفہ وہ ہے جو کتاب اللہ کے مطابق فیصلے کرے اور رعایا پر اس طرح شفقت کرے جس طرح آدمی اپنے اہل و عیال پر شفقت کرتا ہے یہ سن کر کعب بن احبار نے کہا: سچ کہا۔

رعایا کی ضروریاتِ زندگی کی تکمیل کا اہتمام دراصل اس خیر خواہی کے اندر شامل ہے جو صاحبِ امر پر لازم قرار دی گئی ہے جو حکمراں رعایا کے ساتھ پوری خیر خواہی نہ برتے اس کا آخری انجام برا ہوگا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

ما من عبد یسترعیہ اللہ رعیۃ فلم یحطھا بنصیحۃ لم یجد رائحۃ الجنۃ۔ ؎۲

جس بندہ کو خدا نے کسی رعایا کا حکمران بنایا اور اس نے اس کے ساتھ پوری خیر خواہی نہ برتی وہ جنت کی خوشبو بھی نہ پاسکے گا۔

شریعت نے اسلامی ریاست کو اپنے تمام شہریوں کا ولی قرار دیا ہے۔ سرپرستی کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ ان افراد کی بنیادی ضروریات کی تکمیل کا اہتمام کیا جائے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

اللہ ورسولہ مولی من لا مولی لہ۔ ؎۳

جس کا کوئی سرپرست نہ ہو اسکا سرپرست اللہ اور اسکا رسول ہے۔

؎۱ ابو عبید: کتاب الاموال ص ۲

؎۲ بخاری: کتاب الاحکام۔ باب من استرعی رعیۃ فلم ینصح

؎۳ ترمذی: ابواب الفرائض۔ باب ماجاء فی میراث المال

السلطان ولی من لا ولی له ۔ [۱] جس کا کوئی سرپرست نہ ہو اس کی سرپرست حکومت ہے ۔

یہ سرپرستی صرف نکاح کے معاملہ تک محدود نہیں ہے بلکہ ایک عمومی سرپرستی ہے جس میں رعایا کی ضروریات کی تکمیل بدرجۂ اولیٰ شامل ہے ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس خط سے صاف ظاہر ہے جو آپ نے ایک نومسلم قبیلہ کے سردار زرعہ بن ذی یزن کے نام لکھا تھا آپؐ سردار کے توسط سے اس کے قبیلہ حمیر کے لوگوں کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں :

"وانی آمرکم بالحمیر خیرا فلا تخونوا ولا تخاذلوا وان رسول اللہ مولیٰ غنیکم وفقیرکم وان الصدقة لا تحل لمحمد ولا لاهله انما زکوٰة تزکون بها الفقراء المومنين" [۲]

"اہل حمیر میں تم کو بھلی روش اختیار کئے رہنے کی تلقین کرتا ہوں نہ خیانت کرنا اور نہ مخالفانہ روش اختیار کرنا اللہ کا رسول تمہارے مالدار اور غریب تمام لوگوں کا سرپرست ہے صدقہ کا مال محمد صلی اللہ علیہ وسلم یا اس کے گھر والوں کیلئے جائز نہیں ہے بلکہ یہ زکوٰة ہے جسے تم اپنی پاکیزگی کے لئے غریب مسلمانوں کے لئے نکالتے ہو"

اس سرپرستی میں بنیادی ضروریات کے علاوہ بشرط گنجائش افراد کی دوسری ضروریات کی تکمیل بھی داخل ہوجاتی ہے فتوحات کے بعد جب بیت المال میں کافی مال آنے لگا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اعلان فرمادیا کہ جو لوگ مقروض ہوں اور وفات پاجائیں ان کے قرضے اسلامی ریاست کے خزانہ سے ادا کئے جائیں گے فرمایا ،

انا اولیٰ بالمومنین من انفسهم فمن توفی وعلیه دین فعلی قضاءه [۳]

مجھ سے مسلمانوں کو اپنی جانوں سے بھی زیادہ لگاؤ ہے پس جو مقروض وفات پائے

---

[۱] ترمذی ابواب النکاح ۔ باب ماجاء لا نکاح الا بولی ۔

[۲] ۔ ابوعبید ، کتاب الاموال ، ص ۲۰۲ ۔ [۳] ۔ ابوعبید ، کتاب الاموال ص ۲۲۳ ۔

اس کے قرض کی ادائیگی میرے ذمہ ہوگی۔

فلما فتح اللہ علیہ الفتوح قال انا اولی بالمؤمنین من انفسھم فمن توفی من المؤمنین فترک دیناً فعلی قضاؤہ ومن ترک مالاً فلورثتہ [1]۔

پھر جب اللہ نے آپ پر فتوحات کا دروازہ کھول دیا تو آپ نے فرمایا، مجھ سے مسلمانوں کو اپنی جانوں سے بھی زیادہ لگاؤ ہے لہذا جو مسلمان قرض چھوڑ کر وفات پائے اس کے قرض کی ادائیگی میرے ذمہ ہوگی اور جو مال چھوڑ جائے وہ اس کے وارثوں کے لئے ہوگا۔

ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے قرض کے علاوہ مرنے والے کی چھوڑی ہوئی دوسری ذمہ داریوں مثلاً بے سہارا اہل و اولاد کی کفالت کے سلسلہ میں بھی یہی اعلان فرمایا تھا:

عن ابی ھریرۃؓ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ترک مالاً فلاھلہ ومن ترک ضیاعاً فالی ھذا حدیث حسن صحیح ومعنی قولہ ترک ضیاعاً یعنی ضائعاً لیس لہ شیء فالی یقول انا اعولہ وانفق علیہ [2]

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو مال چھوڑ جائے تو وہ مال اس کے گھر والوں کے لئے ہے اور جو (کسی کو) بے سہارا چھوڑ جائے تو اس کی ذمہ داری میرے سر ہوگی۔ (امام ترمذی فرماتے ہیں کہ) یہ حدیث حسن صحیح ہے ..... ترک ضیاعاً کے معنی یہ ہیں کہ اس حال میں جائے کہ اسکے پاس کچھ بھی نہ ہو فالیَّ کے معنی یہ ہیں کہ میں اسکی کفالت کرونگا اور مال خرچ کرونگا۔

اسی مفہوم کی ایک حدیث ابو عبیدہ نے حضرت مقدام بن معدی کربؓ سے

---

[1] بخاری، کتاب النفقات۔ باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم من ترک کلاً او ضیاعاً فالیّ

[2] ترمذی: ابواب الفرائض۔ باب ماجاء من ترک مالاً فلورثتہ۔

روایت کی ہے جس سے یہ بات اور واضح ہو جاتی ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ترک مالا فلورثتہ ومن ترک کلا فالی اللہ ورسولہ وربما قال فالی اللہ ورسولہ قال ابو عبید الکل عندنا کل عیال والذریۃ منہم[1]	"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو متوفی مال چھوڑ جائے تو وہ اس کے وارثوں کے لئے اور جو ذمہ داریاں چھوڑ کر مرے وہ اللہ کے ذمہ ہیں اور کبھی یہ فرمایا کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے ذمہ ہیں۔

ابو عبید کہتا ہے کہ ہمارے نزدیک "کل" میں وہ تمام افراد شامل ہیں جن کی کفالت متوفی کے ذمہ ہو اور بچے بھی اس میں شامل ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو افراد اسلامی ریاست کی صدارت کے منصب پر فائز ہوئے انہیں اپنی ان وسیع ذمہ داریوں کا پورا شعور تھا۔ اس حقیقت پر خلافت راشدہ کی پوری تاریخ گواہ ہے۔ حضرت عمرؓ نے اپنی ذمہ داریاں گناتے ہوئے ایک عام خطبہ میں یہ فرمایا تھا:

ایہا الناس ان اللہ قد کلفنی ان اصرف عنہ الدعاء[2]	لوگو اللہ نے مجھ پر یہ ذمہ داری عائد کی ہے کہ میں اسکے حضور کیجانیوالی دعاؤں کو روکوں۔

اس ارشاد کی تشریح کرتے ہوئے مشہور شافعی فقیہ ابو محمد عز الدین عبد العزیز بن عبد السلام لکھتے ہیں:

"اللہ کے حضور کی جانے والی دعاؤں کو روکنے کا مطلب یہ ہے کہ امام ظالموں کے مقابلہ میں مظلوموں کے ساتھ انصاف کرے اور ان کو اس بات کی ضرورت نہ رہنے دے کہ وہ اللہ سے انصاف کے طالب ہوں۔ اسی طرح وہ لوگوں کی ضروریات

---

[1] ابو عبید کتاب الاموال ص ۲۳

[2] ابو محمد عز الدین عبد العزیز بن عبد السلام: قواعد الاحکام فی مصالح الانام ج ۱ ص ۱۴۸

اور حاجتیں پوری کرے تاکہ ان کو اس کی ضرورت باقی نہ رہے کہ رب العالمین سے ان کی تکمیل کے طالب ہوں (حکمرانوں پر) مسلمانوں کے جملہ حقوق کے بیان میں یہ جملہ کتنا جامع اور واضح ہے۔[1]

عوام کی معاشی ضروریات کی تکمیل کا امیر المومنین کو کتنا خیال تھا اس کا اندازہ اس خطبہ سے بھی کیا جا سکتا ہے جو حضرت عمرؓ نے قادسیہ کی فتح کی خوشخبری سنانے کے بعد عوام کے سامنے دیا تھا۔

انی حریصٌ علی ان لا ارى حاجةً
الاسد دتها ما اتسع بعضنا
ببعضٍ فاذا اعجز ذالك عنا
تأسينا فی عیشنا حتی نستوی
فی الکفاف۔ ولو ددت انکم علمتم
من نفسی مثل الذی وقع فیها
لکم ولست معلمکم الا بالعمل۔
انی واللہ لست بملك فاستعبدکم
ولکنی عبد اللہ عرض علی الا
مانة فان ابیتها ورددتها
علیکم واتبعتکم حتی تشبعوا
فی بیوتکم وترووا سعدت بکم
وان انا حملتها واستتبعتکم
الی بیتی شقیت بکم ففرحت
قلیلاً وحزنت طویلاً فبقیت

مجھے اس بات کی بڑی فکر رہتی ہے کہ جہاں
بھی کوئی ضرورت دیکھوں اسے پورا کر دوں
جب تک ہم سب مل کر اسے پورا کرنے
کی گنجائش نہ رہ جائے تو ہم باہمی امداد
کے ذریعے گزر اوقات کریں گے یہاں
تک کہ سب کا معیار زندگی ایک سا ہو جائے
کاش تم جان سکتے کہ میرے دل میں تمہارا
کتنا خیال ہے لیکن میں یہ بات تمہیں عمل
کے ذریعے ہی سمجھا سکتا ہوں۔ خدا کی قسم
میں بادشاہ نہیں ہوں کہ تم کو اپنا غلام بنا
کر رکھوں بلکہ خدا کا بندہ ہوں (حکمرانی کی یہ)
امانت میرے سپرد کی گئی ہے۔ اب اگر میں
اس کو اپنی ذاتی ملکیت نہ سمجھوں بلکہ تمہاری
خدمت کے لیئے تمہارے پیچھے پیچھے
چلوں یہاں تک کہ تم اپنے گھروں میں

---

[1] ایضاً

لا أقال ولا أُردّ فاستعتب۔[1] سیر ہو کر کھا پی سکو تو میں تمہارے ذریعہ فلاح پاؤنگا اور اگر میں اسے اپنا بناؤں اور تمہیں اپنے پیچھے پیچھے چلنے اور داپنے حقوق کے مطالبہ کے لئے) اپنے گھر آنے پر مجبور کروں تو تمہارے ذریعہ میرا انجام خراب ہوگا (دنیا میں) کچھ عرصہ میں خوشی مناؤں گا مگر (آخرت میں) عرصہ دراز تک غمگین رہونگا۔ میرا حال یہ ہوگا کہ نہ کوئی مجھ سے کچھ کہنے والا ہوگا نہ کوئی بات کا جواب دیگا کہ میں اپنا عذر بیان کرکے معافی حاصل کرسکوں۔"

اسلامی تاریخ بتاتی ہے کہ جب بھی حکمراں نے اسلامی ہدایات کو اپنا رہنما بنایا اور اپنی ذمہ داری کو محسوس کیا تو کفالت عامہ کی ذمہ داری کی گراں باری محسوس کرکے غم کے آنسوؤں کے دریا بہا دیئے۔ چنانچہ جب حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز خلیفہ بنے تو اس ذمہ داری کا بوجھ محسوس کرکے رونے لگے۔

قالت فاطمة امرأته: دخلت	ان کی بیوی فاطمہ کہتی ہیں کہ میں ایک بار
عليه وهو في مصلاه ودموعه	آپ کے پاس گئی آپ جائے نماز پر تھے
تجري على لحيته فقلت	اور آنسوؤں سے آپ کی داڑھی تر تھی۔
أحدث شيء؟ فقال اني تقلدت	میں نے پوچھا کیا کوئی نئی بات ہوگئی ہے
امر امة محمد فتفكرت	آپ نے فرمایا میں نے پوری امت محمدیہ
في الفقير الجائع والمريض	کی ذمہ داری لے لی ہے لہٰذا میں بھوکے
الضائع، والغازي والمظلوم	فقیروں، بے سہارا مریضوں، مجاہدین،
المقهور والغريب الاسير	مظلوم اور ستم رسیدہ افراد، غریب الدیار
والشيخ الكبير وذي العيال	قیدیوں، بہت بوڑھے افراد اور ان لوگوں
الكثير والمال القليل	کے بارے میں سوچ رہا تھا جو کثرت
واشباههم في اقطار الارض	اہل وعیال والے ہیں مگر مالدار نہیں ہیں

---

[1] ابن کثیر: البدایۃ والنہایۃ جلد ۷ ص ۲۰۶

فعلمت ان ربی سیسألنی عنہم یوم القیٰمۃ وان خصمی دونہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم الی اللہ فخشیت ان لا تثبت حجتی عند الخصومۃ فرحمت نفسی فبکیت ۔[1]	اور مختلف علاقوں کے بسنے والے اسی قسم کے دوسرے افراد کے بارے میں متفکر تھا مجھے احساس ہوا کہ عنقریب قیامت کے دن اللہ مجھ سے ان کے بارے میں پوچھے گا اور اللہ کے حضور میرے مقابلہ میں ان لوگوں کے وکیل محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے۔ مجھے ڈر لگا کہ جرح میں میری بات نہ ثابت ہو سکے گی تو میں اپنی جان پر ترس کھا کر رونے لگا۔"

نہ صرف آپ کو اپنی ان وسیع ذمہ داریوں کا پورا شعور تھا بلکہ آپ نے واضح طور پر اعلان کر دیا تھا کہ:

وما احدٌ منکم تبلغنی حاجتہ الا حرصت ان اسد من حاجتہ ما قدرت علیہ ۔[2]	تم میں سے جس کسی کی بھی ضرورت کا علم مجھے ہوگا اس کی ضرورت پوری کرنے میں حتی الامکان پوری کوشش کروں گا۔"

یہی اعلان آپ سے پہلے حضرت عمر فاروقؓ بھی کر چکے تھے۔ فرمایا:

ومن اراد ان یسأل عن المال فلیأتنی فان اللہ جعلنی خازناً وقاسماً ۔[3]	"اور جو مال مانگنا چاہے وہ میرے پاس آئے کیونکہ اللہ نے مجھے (اپنے مال کا) خزانچی اور تقسیم کنندہ بنا دیا ہے۔"

کفالتِ عامہ کی ذمہ داری کے بارے میں حضرت عمرؓ کا تصور اتنا وسیع اور ہمہ گیر تھا کہ آپ فرماتے تھے کہ اگر دار الاسلام کے حدود کے اندر کوئی جانور بھی بھوک سے مر گیا تو مجھے اندیشہ ہے کہ اللہ کے حضور مجھے اس کے لئے جواب دہ ہونا پڑے گا۔

---

[1] ابن اثیر: تاریخ الکامل جلد ۵ ص ۲۴ [2] ابن جوزی: سیرت عمر بن عبد العزیز ص ۴۱

[3] ابن جوزی: سیرت عمر بن الخطاب ص ۱۰۱

لو مات جمل ضياعاً على شط الفرات لخشيت ان يسألني الله عنه [1]

اگر ساحل فرات پر کوئی اونٹ بے سہارا مرجائے تو مجھے ڈر ہے کہ اللہ مجھ سے اسکے بارے میں جواب طلب کرے گا۔

لو ماتت شاة على شط الفرات ضائعة لظننت ان الله سائلي عنها يوم القيامة۔ [2]

اگر دریائے فرات کے کنارے کوئی بکری بھی بے سہارا ہونے کی وجہ سے مرجائے تو میرا خیال ہے کہ اللہ قیامت کے دن مجھ سے اس کے بارے میں جواب طلب کرے گا۔

وکان یقول: لو ترکت عنز جرباء الی جانب ساقية لم تدهن لخشيت ان اُسأل عنها يوم القيامة۔ [3]

اور آپ فرمایا کرتے تھے کہ اگر کسی نہر کے کنارے کوئی خارشی بکری اس حالت میں چھوڑ دی جائے کہ اسے (علاج کے طور پر) تیل کی مالش نہ کی جاسکے تو مجھے اندیشہ ہے کہ قیامت کے دن مجھ سے اس کے بارے میں جواب طلب کیا جائے گا۔

آپ اپنے ماتحت حکام کو بھی اس ذمہ داری کی طرف متوجہ کرتے رہتے تھے۔ بصرہ کے والی حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ جب ایک وفد کے ساتھ آپ سے ملاقات کے لئے آئے تو آپ نے ان لوگوں کو ہدایت فرمائی کہ:

الا و اوسعوا الناس فی بیوتهم واطعموا عيالهم۔ [4]

سنو! لوگوں کے گھروں میں ان کے لئے فراخی کا سامان فراہم کرو اور انکے متعلقین کو کھلانے کا سامان کرو۔

---

[1] محمد ابن سعد: الطبقات الکبریٰ جلد ۳ ص۳۰۵ [2] ابن جوزی: سیرة عمر بن الخطاب ص۱۶۱ [3] امام غزالی: التبر المسبوک ص۱۷ [4] طرطوشی: سراج الملوک ص۱۰۹

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دورِ خلافت میں جب حضرت خالد بن ولیدؓ نے اہل حیرہ کے ساتھ جو عیسائی تھے معاہدہ کیا تو اس میں ایک دفعہ یہ بھی تھی:

وجعلت لهم ايما شيخ ضعف عن العمل واصابته آفة من الآفات او كان غنيا فافتقر وصار اهل دينه يتصدقون عليه طرحت جزيته وعيل من بيت مال المسلمين وعياله ما اقام بدار الهجرة ودار الاسلام[1]

میں نے انکا یہ حق قرار دیا ہے کہ ایسا بوڑھا آدمی جو محنت کرنے سے معذور ہو جائے یا جس پر کوئی مرض یا مصیبت آپڑے یا جو آدمی پہلے مالدار رہا ہو اور اب ایسا غریب ہو جائے کہ اس کے ہم مذہب اسے خیرات دینے لگیں اس کا جزیہ ساقط کر دیا جائے گا اور جب تک وہ دار الہجرت اور دار الاسلام میں مقیم رہے گا اس کی اور اس کے اہل وعیال کی کفالت مسلمانوں کے بیت المال سے کی جائے گی۔

بقیہ صـ ۶۱ کا

قول نقل کرتے ہیں ای المراد من الصبر الصوم یعنی صبر سے مراد روزہ ہے پھر اس کی دلیل حدیث نبوی سے دیتے ہیں کہ رمضان کو شهر الصبر کہتے ہیں۔

ان عبارتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح مصیبت اور پریشانی میں نماز سے اللہ کی مدد طلب کی جاتی ہے اسی طرح روزہ رکھ کر بھی پریشانی اور مصیبت کو دور کرنے کی دعا کرنی چاہیئے۔

یہاں یہ بات واضح کر دینی ضروری ہے کہ کسی کام کو بدعت اسی وقت کہا جائے گا جب اس کام کا کوئی ثبوت قرونِ اولیٰ میں نہ ہو اور پھر اس کو مستقل حیثیت سے بالالتزام کیا جائے یعنی اس میں دوام بھی ضروری ہے، کیا اس روزہ رکھنے میں ایسی صورت تھی کہ اسے بے سوچے سمجھے بدعت کہدیا؟ کیا یہ مجرمانہ جرأت نہیں ہے؟

میں اس وقت انکے سنت کے خلاف کاموں اور ان بدعتوں کو شمار کرانا نہیں چاہتا جنکا ارتکاب یہ حضرات کرتے ہیں مگر میں یہ ضرور کہونگا کہ یہ حضرات روزہ تڑوانے کے گناہ سے توبہ کریں اور روزہ توڑنے والوں کے سامنے اپنی غلطی کا اعتراف کریں اور ان سے

کیا کسی پریشانی اور مصیبت کے وقت روزہ رکھنا بدعت ہے؟

ہمارے ضلع اعظم گڑھ کے قصبہ سرائمیر اور بعض دوسرے اضلاع کے کچھ خودساختہ مفتی اور عالم حضرات نے یہ فرمایا ہے کہ کسی پریشانی اور مصیبت کے وقت روزہ رکھنا بدعت ہے اور انہوں نے ۲۳ر دسمبر کو کچھ روزہ داروں سے یہ کہکر روزہ تڑوادیا کہ یہ جائز نہیں یہ حضرات کسی اجتماعی کام میں حصہ نہیں لیتے بلکہ ہر اجتماعی کام کے وقت اسی طرح کارخنہ پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں یہ لوگ کچھ چھپا نتے ہیں اور اونٹ نگل جاتے ہیں۔ مگر اپنی انانیت میں ہمیشہ یہی کرتے ہیں۔

پریشانی اور مصیبت میں نماز پڑھ کر اور روزہ رکھ کر دعا کرنے کی شرعی حیثیت کے سلسلہ میں یہاں کچھ وضاحت کی جارہی ہے۔ امید ہے کہ اس سے روزہ رکھنے والوں کو انشراح ہو جائے گا اور ممکن ہے کہ مفتی حضرات کو بھی روزہ توڑوانے کے گناہ کا علم و احساس ہو جائے اور انہیں توبہ کی توفیق ملے۔

(۱) سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کے قبولیت کے جو اسباب بیان فرمائے ہیں اس میں ایک روزہ بھی ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روزہ دار کی دعا قبول ہوتی ہے۔ قرآن پاک میں روزہ کے بیان کے بعد وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ یعنی بندہ روزہ کے بعد تعالیٰ سے جو کچھ طلب کرتا ہے تو وہ قبول کرتا۔ روزہ کے بیان کے بعد اس ٹکڑے کے ذکر سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ روزہ قبولیت دعا میں موثر ہے جس طرح میت کے لئے اجتماعی قرآن خوانی کا کوئی ثبوت نہیں ہے مگر چونکہ وہ ایصال ثواب اور دعاء مغفرت کے لئے موثر ہے اس لئے ہم سب اسے اختیار کئے ہوئے ہیں۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ نفل روزہ کسی دن بھی انفرادی اور اجتماعی طور پر رکھا جا سکتا ہے اس میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہے بلکہ یہ اجر و ثواب کا سبب ہے۔

(۳) تیسری بات یہ ہے کہ آیت کریمہ یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ

وَالصَّلٰوۃِ وَاِنَّہَا لَکَبِیْرَۃٌ ؕ کی تفسیر کرتے ہوئے۔ تفسیر طبری۔ تفسیر ابو سعود۔ تفسیر روح المعانی اور تفسیر مظہری وغیرہ کے مفسرین نے بالصبر سے مراد صوم (روزہ) لیا ہے۔ ان سب حضرات نے استدلال اس حدیث سے کیا ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صوم کے بارے میں فرمایا ہے کہ یہ شہر الصبر ہے (یعنی صبر کا مہینہ ہے) ان حضرات کی عبارتیں ملاحظہ ہوں!

واستعینوا بالصبر والصلوٰۃ وانہا لکبیرۃ الا علی الخاشعین

(بقرہ آیت ۴۵ الجزء الاول)

ان معنی الصبر فی ھذا الموضع الصوم والصوم بعض معانی الصبر عندنا بل تاویل ذالک عندنا ان اللہ تعالی ذکر امرھم بالصبر علی ما کرھتہ نفوسھم من طاعۃ اللہ وترک معاصیہ واصل الصبر منع النفس محابہا وکفہا عن ہواہا ولذالک قیل للصابر علی مصیبۃ صابر لکفہ نفسہ جزع وقیل لشہر رمضان شہر الصبر لصبر صائمہ عن المطاعم والمشارب نہارا وصبرہ ایاھم عن ذالک حبسہ لہم وکفہ ایاھم عنہ کما یصبر الرجل المسیٔ للقتل فیحبسہ علیہ حتی یقتلہ (جامع البیان المعروف بالتفسیر طبری ص ۲۵۹، ۲۶۰ ج ۱

والمعنی استعینوا علی حوائجکم بانتظار النجح والفرج توکلا علی اللہ تعالی او بالصوم الذی ھو الصبر عن المفطرات لما فیہ من کسر الشہوۃ وتصفیۃ النفس (تفسیر ابی سعود ص ۹۸ ج ۱)

ویجوز ان یراد بالصبر نوع منہ وھو الصوم بقرینۃ ذکرہ مع الصلوٰۃ (روح المعانی ص ۳۴۵ ج ۱)

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ جو ہمارے دور کے قاضیوں اور مفتیوں سے پچاس گونہ زیادہ علم رکھتے تھے۔ وہ یٰایہا الذین اٰمنوا استعینوا بالصبر والصلوٰۃ وانہا لکبیرۃ کی تفسیر میں امام تفسیر مجاہد کا

بقیہ ص ۵۹ پر

محترم مرتب الرّشاد مدظلہ کی وہ قابل قدر علمی دینی تصانیف

جو دوالتالیف والترجمہ جامعۃ الرشاد سے یا دوسرے مکتبوں سے شائع ہوئی ہیں

۱- اسلامی فقہ اول دوم | محترم مولانا مجیب اللہ ندوی کی تصنیف کردہ اسلامی فقہ کو بحمداللہ ملک میں قبول عام حاصل ہے اس کی مقبولیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اب تک اس کے سات ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں مصنف موصوف نے اس میں غیر معمولی اضافہ کر دیا ہے خاص طور پر معاشرتی و معاملاتی مسائل والے حصہ میں سیکڑوں جدید مسائل مثلاً خون چڑھانا، پوسٹ مارٹم، نسبندی اور ملکی زادہ انسانی اعضا کی پیوندکاری وغیرہ کے احکام کا اضافہ کر دیا گیا ہے گویا شریعت اسلامی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جس پر اس کتاب میں روشنی نہ پڑ گئی ہو یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا اسلامی فقہ کے موضوع پر اردو زبان میں اس سے زیادہ مفصل کوئی کتاب موجود نہیں ہے تمام اہم مسائل میں ائمہ اربعہ کے مسلک کا متن یا حاشیہ میں ذکر کر دیا گیا ہے تاکہ شریعت اسلامی کی وسعت کا پورا اندازہ ہو سکے اب اس کی ضخامت صفحات سے زیادہ ہوگئی ہے اس لیے دو حصوں میں کر دی گئی ہے یہ کتاب نہ صرف عام پڑھے لکھے لوگوں کے لئے مفید ہے بلکہ عربی مدارس کے طلبہ واساتذہ کے لئے بھی ایک نادر تحفہ ہے یہ کتاب ہر گھر ہر لائبریری اور ہر مدرسہ میں رکھے جانے کے قابل ہے

قیمت حصہ اول ۶۵ - حصہ دوم ۶۵

اسلامی فقہ کا سرقہ | اسلامی فقہ پہلے مکتبہ الحسنات سے شائع ہوئی تھی اسکے موجودہ مالک نہیم صاحب کی بدمعاملگی کی وجہ سے انہیں شائع کرنے سے روک دیا گیا، اس انتقام میں انہوں نے اصل کتاب میں تھوڑی سی عبارت کی تبدیلی کرکے اسے ایک غیر معروف آدمی کے نام سے شائع کر دیا مگر انشاء اللہ وہ اصل اسلامی فقہ کی جگہ نہ لے سکے گی لیکن یہ افسوس ضرور ہے کہ اقامت دین کے داعی لوگ اس کی تائید کر رہے ہیں اور اپنے مکتبوں میں بیچ رہے ہیں۔

۳۔ قرآن پاک کی تعلیم اور اسکی عظمت

اس میں قرآن پاک کی تعلیم اور اس کی عظمت کو بڑے موثر انداز میں پیش کیا گیا ہے اور ساری مثالیں قرآن پاک کی آیات اور احادیث نبوی سے دی گئی ہیں جس سے تلاوت قرآن اور اس کے سمجھنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ قیمت صہ

۴۔ اہل دل کی باتیں

یہ حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڈھی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے جس کے پڑھنے سے ایمان میں تازگی، آخرت کی یاد اور عمل کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اس کا نیا ایڈیشن کچھ اضافہ کے ساتھ چھپ گیا ہے۔ قیمت ۲۵

۵۔ خطبۂ نکاح

جو خطبہ نکاح کے وقت پڑھا جاتا ہے وہ ایک زبردست معاشرتی ہدایت ہے مصنف نے اسکی بڑی موثر تشریح کی ہے یہ ہر نکاح کے وقت تقسیم کرنے کے قابل ہے قیمت ۲/ ہے

۶۔ مسئلۂ کفاءت

شادی بیاہ میں برابری کا خیال کرنا صحیح ہے مگر یہ برابری دین وتقوی میں ہونی چاہئے مسلمانوں میں جو پیشہ کے اعتبار سے مستقل طور پر برادریاں قائم ہوگئی ہیں ان کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے بلکہ یہ ہندو تہذیب کے اثر سے ہے اس مسئلہ پر مصنف نے سیر حاصل بحث کی ہے قیمت ۵/ ہے

۷۔ جہیز کی شرعی حیثیت

اس وقت شادی بیاہ میں جہیز کے مطالبہ نے ایک فتنہ کی صورت اختیار کرلی ہے جس سے لڑکیوں کی شادی عام آدمی کیلئے ایک مصیبت بن گئی ہے اس پر ایک عالم نے بہت تحقیقی بحث کی ہے جس پر مولانا ندوی کے قلم سے ایک دیباچہ لکھی ہے۔ قیمت صہ/ ہے

یہ تینوں کتابیں اصلاح معاشرہ کے لئے بہترین تحفہ ہیں۔

۸ دینی مدارس اور انکی ذمہ داریاں

اس میں دینی مدارس کی ذمہ داریوں کو بڑے پر اثر اور پرسوز انداز میں

بیان کیا گیا ہے اس کے بعض مضامین کو شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے کئی سو کے مجمع میں پڑھ کر سنوایا اور فرمایا کہ اس کو ہر استاذ اور طالب علم کو پڑھنا چاہیئے۔

۹ عبادت وخدمت

قیمت صرف عـــہ روپئے

اس میں خدمت خلق پر اس نقطۂ نظر سے بحث کی گئی ہے کہ خدمت خلق بھی عبادت ہے اس کا انگریزی اور عربی ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔

۱۰ سرمد اور ان کی رباعیاں

قیمت عـــہ / روپئے

اس میں سرمد کے حالات زندگی اور ان کی رباعی گوئی اور ان کے قتل کے اسباب پر مفصل روشنی ڈالی گئی ہے اور آخر میں ان کی رباعیاں ترجمہ کے ساتھ شامل کردی گئی ہیں اس سے پہلے کسی نے اتنی تفصیل سے اس موضوع پر کوئی چیز نہیں لکھی ہے یہ کتاب اردو اکیڈمی یوپی کی مدد سے شائع ہو گئی ہے۔

۱۱ خواجہ میر درد اور انکی شاعری

عام طور پر خواجہ میر درد کو ایک شاعر سمجھا جاتا ہے لیکن شاعری میں ایک بلند مقام رکھتے ہوئے یہ انکی قانونی حیثیت ہے وہ ایک زبردست عالم اور صاحب سلسلہ شیخ اور صاحب دل بزرگ تھے مصنف نے ان کی کتابوں کی روشنی میں ان کی زندگی اور شاعری کی والہانہ انداز میں تفصیل کی ہے کتاب زیر ترتیب ہے اس کا کچھ حصہ الرشاد میں شائع ہو چکا ہے۔

۱۲ ریاض الحدیث

یہ احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا مختصر مجموعہ ہے جسمیں ایمان وعقیدہ اور عبادات سے زیادہ معاملات معاشرت اور اخلاق سے متعلق حدیثیں جمع کردی گئی ہیں اور محترم مرتب مدظلہ نے حدیث کا مختصر مگر جامع اور دل نشیں تشریح کردی ہے۔ جس سے اس کی افادیت میں مزید اضافہ ہو گیا ہے۔ مشغول سے مشغول آدمی بھی اس سے سفر و حضر ہر جگہ فائدہ اٹھا سکتا ہے

قیمت بیس روپئے

سالانہ چندہ غیر ممالک سے پندرہ ڈالر امریکی 15/- ی	جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ کا ترجمان ماہنامہ جامعۃ الرشاد	سالانہ چندہ ہندوستان سے 50/- خصوصی معاون 100/- قیمت فی پرچہ 5/-

شمارہ ۵۳	فروری ۱۹۹۳ء مطابق شعبان، رمضان ۱۴۱۳ھ	جلد نمبر ۲۳

فہرست مضامین

۱	ساڑھے تین ہفتے ملک کیلئے ملک سے باہر	مرتب	۲
۲	تاریخ تدوینِ قرآن مجید	ڈاکٹر حافظ محمود اختر پنجاب یونیورسٹی لاہور	۱۵
۳	اسلامی حکومت اور اسکی معاشی ذمہ داریاں	جناب محمد لطیف اللہ نائب صوبیدار	۳۵
۴	زمین اور آسمان کی سرحد میں قرآنی نقطہ نظر سے		۴۷
۵	بچوں کی تعلیم و تربیت میں ذرائع ابلاغ کا کردار		۵۷
۶	کتابوں کا اشتہار	مہتمم مکتبہ الرشاد	۶۱

مجلسِ ادارت

- مجیب اللہ ندوی — مرتب
- ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی — علیگ
- ڈاکٹر محمد نعیم صدیقی ندوی — مقیم ابوظبی

منیجر توسیع و اشاعت
مولوی عقیل احمد صاحب ٹانڈوی

کتابت
عبد الرحمٰن اعظمی

مجیب اللہ ندوی پرنٹر پبلشر و ایڈیٹر نے نشاط آفسیٹ پریس ٹانڈہ سے چھپوا کر دفتر جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ سے شائع کیا

ساڑھے تین ہفتے ملک کیلئے ملک سے باہر

اب یہ بات بالکل واضح ہوگئی ہے کہ ۶ ردسمبر ۱۹۹۲ء کو بابری مسجد کی شہادت میں نہ صرف فرقہ پرست جماعتیں بی جے پی کی تمام حکومتیں شامل رہی ہیں بلکہ برسرِاقتدار کی مرکزی حکومت بھی پورے طور پر اس سازش میں شریک رہی ہے۔

بابری مسجد کی دلخراش شہادت کے بعد ہندوستان کے مسلمانوں کی جان ومال کو برباد کرنے اور ان کی عزت وآبرو کو پامال کرنے کی جو کوشش کی گئی اس میں بھی بی جے پی کی صوبائی حکومتوں کے ساتھ کانگریس کی مرکزی اور صوبائی حکومتیں پورے طور پر ملوث رہی ہیں خاص طور پر دوبارہ ۷ رجنوری ۱۹۹۳ء کے بعد بمبئی اور احمد آباد میں جو تباہی مچائی گئی اس میں بھی فرقہ پرست جماعتوں کے ساتھ کانگریس کی صوبائی اور مرکزی حکومت کا دامن داغدار ہے۔ انہیں حالات کے جائزہ کے لئے آل انڈیا ملی کونسل کے ایک وفد نے ملک کے ان تمام مقامات کا دورہ کیا جہاں جہاں مسلمانوں کو منصوبہ بند طریقے سے برباد کرنیکی کوشش کی گئی ہے اس وفد میں محترم ابراہیم سلیمان سیٹھ ایم پی مولانا قاضی مجاہدالاسلام صاحب جنرل سکریٹری آل انڈیا ملی کونسل مولانا عبدالوہاب خلجی سکریٹری جمعیۃ اہل حدیث مولانا اسرارالحق صاحب قاسمی اور عبدالرحیم قریشی صاحب، مفتی نسیم صاحب اسلامی فقہ اکیڈمی اور راقم الحروف شامل تھے۔ اس دورے کی مکمل رپورٹ اور دو مہینے کی ملی کونسل کی کارگزاری اور خدمات کی رپورٹ بہت طویل ہے جو حضرات اس کی تفصیل جاننا چاہیں وہ دفتر آل انڈیا ملی کونسل جوگا بائی جامعہ نگر نئی دہلی سے منگا سکتے ہیں۔ اس کا ایک اجمالی ذکر تجوری کے پرچہ میں آچکا ہے، اسی درمیان بعض اہم مقاصد کے تحت ملک سے باہر جانے کی ضرورت محسوس ہوئی جس کی کچھ تفصیل یہ ہے۔

قاہرہ میں | شروع جنوری ۱۹۹۳ء میں "المجلس الاعلیٰ للشؤون الاسلامیہ" حکومت مصر

کی طرف سے ایک کانفرنس کا دعوت نامہ راقم الحروف اور محترم قاضی مجاہد الاسلام کو ملا کانفرنس کا موضوع تھا" الصراعات الفکریہ واثرہا علی استقرار و مستقبل الامۃ الاسلامیۃ" اس عنوان کے تحت چھ موضوع دئے گئے تھے۔ اس سے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہاں دینی طبقہ کی طرف سے غیر شرعی امور پر اور خاص طور پر مغربی سیاحوں کے ذریعہ وہاں جو فحاشی اور بے حیائی پھیل رہی ہے اس پر گرفت اور کچھ سخت اقدامات کو مصر کی سیکولر حکومت پسند نہیں کر رہی ہے اور ارہاب اور تطرف کا نام دیکر ان کے ساتھ جو اذیت آمیز سختی کی جا رہی ہے وہ دوسرے مسلمان ملکوں سے بھی اس کی تائید چاہتی ہے اس لئے راقم الحروف نے نہ جانے کا ارادہ کر لیا تھا مگر محترم قاضی صاحب نے فرمایا کہ وہاں تقریباً سو ملکوں کے نمائندے آئیں گے وہاں اپنے ملک کی صحیح صورتحال رکھنے اور وہاں کے دینی طبقہ کے موافق بات کہنے کا موقع مل سکتا ہے اس لئے چلنا چاہئے اور بحمد اللہ اس کا موقع ملا پروگرام کے مطابق ۱۶ / جنوری ۱۹۹۳ء کو ۳ بجے شام کو ہم لوگ دہلی سے بمبئی کے لئے روانہ ہوئے۔ ہم لوگوں کے ساتھ ملی کونسل کے چند ذمہ دار حضرات بھی وفد کی صورت میں بمبئی کے حالات کا جائزہ لینے کے لئے گئے اس میں محترم ابراہیم سلیمان سیٹھ صاحب محترم کلب صادق صاحب عبد الستار سیٹھ صاحب مولانا فضل الرحمن صاحب عبد الرحیم صاحب قریشی اور بعض دوسرے حضرات شریک تھے۔ اسی دن قاہرہ کے لئے ہم لوگوں کی فلائٹ ۲ ½ رات میں تھی چونکہ بمبئی کے حالات اس وقت انتہائی خراب تھے اس لئے ہم لوگوں کو ڈومسٹک سے انٹرنیشنل ایر پورٹ تک اور ان حضرات کو باندرہ تک سیکورٹی فورس نے پہونچایا جس میں خود پولیس کمشنر بھی شامل تھے تقریباً ۳ بجے رات میں بمبئی سے روانہ ہو کر ہم لوگ ۶ گھنٹے میں مصر کے وقت سے صبح ۵ ½ بجے قاہرہ پہونچ گئے چونکہ بمبئی کے وقت اور وہاں کے وقت میں تقریباً ۳ ½ گھنٹے کا فرق ہے اس لئے ہم لوگ وہاں فجر کی نماز سے پہلے پہونچ گئے ہوائی اڈہ پر وزیر اوقاف کے نمائندہ اور ہندوستان کے کئی طلبہ عبد المجید ندوی ، عمران ندوی وغیرہ موجود تھے انہوں نے ہم کو ایک اچھے کمرے میں بٹھا دیا جہاں ہم لوگوں نے ضروریات سے فارغ ہو کر

فجر کی نماز پڑھی اور حکومت کے نمائندہ صاحب نے آدھ گھنٹے کے اندر ہوائی اڈہ کی ساری کارروائی پوری کر کے ہم لوگوں کا سامان ہمارے پاس پہونچا دیا اور اپنی گاڑی سے ہم لوگوں کو لیکر نیل کے کنارے "سمیر امس ہوٹل" میں ٹھہرا دیا۔ راقم الحروف کو ہوٹل سے بڑی وحشت ہوتی ہے۔ مگر اس کا ماحول قدرے غنیمت تھا اس لئے کسی طرح ایک ہفتہ وہاں گزارنا پڑا ہندوستان کے جو طلبہ مثلاً عبد المجید ندوی، محمد عزیر ندوی، عمران فراہی ندوی، امتیاز احمد ندوی عزیزی ولی الدین ندوی وغیرہ نے اپنی موجودگی سے ہوٹل کے ماحول کو خوشگوار بنائے رکھا۔

محترم قاضی نے عجلت کے باوجود اپنا مقالہ قریب قریب مکمل کر لیا تھا مگر راقم الحروف نے وہاں پہونچ کر ایک مختصر تحریر تیار کی جس کو عزیزم عبد المجید ندوی جو جامعہ ازہر سے پی ایچ ڈی کر رہے ہیں نے بہت خوبصورت طریقے سے ٹائپ کر کے ہم لوگوں کے حوالہ کر دیا۔ کانفرنس کا افتتاحی اجلاس ہوٹل سے بہت دور ایک فوجی مقام مدینہ نصر کی ایک سرکاری عمارت کے بڑے ہال میں ہوا غالباً یہ انتظام اس لئے کیا گیا تھا کہ صدر حسنی مبارک اس کا افتتاح کرنے والے تھے۔ مگر بقیہ اجلاس اسی ہوٹل کے ہال میں ہوئے جس میں ہم سب مقیم تھے اس لئے بڑی آسانی تھی۔ اس کانفرنس میں تقریباً سو مسلمان ملکوں کے نمائندے شریک تھے زیادہ تر نمائندوں نے تقریریں کیں عربی تقریر کے لئے انگریزی ترجمہ کا اور انگریزی سے عربی ترجمہ کے آلات موجود تھے جن لوگوں کو اس کی ضرورت تھی انہوں نے اسے استعمال کیا مقالے مشکل سے دس پانچ نمائندوں نے پڑھے عام طور پر تقریریں اور مقالے اسلامی فکر کے مطابق تھے بلکہ بعض مسلمان ملکوں کے نمائندوں نے حکومت مصر کی موجودہ پالیسی پر سخت تنقیدیں بھی کیں یہاں تقریباً دو درجن سے زیادہ ملکوں کے نمائندوں سے ہندوستان کے موجودہ حالات اور بابری مسجد کی شہادت کے پس منظر اور پیش منظر اور مسلمانوں کے خلاف ہونیوالی سازشوں پر کھل کر مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب نے گفتگو کی اور انہیں صحیح صورتحال سے آگاہ کیا موتمر کے آخری اجلاس میں جو تجویزیں

پاس ہوئیں اس میں بابری مسجد کے شہادت کے ذکر کے ساتھ کئی اور مفید تجویزیں پاس ہوئیں جس میں ایک بین الاقوامی اسلامی عدالت کے قیام کی تجویز بھی تھی کاش یہ تجویز روبہ عمل آجاتی تو مسلمان ممالک موجودہ یو۔ این۔ او کی امریکی نواز پالیسی سے کسی قدر نجات پاجاتے غرض یہ کہ "تتطرف اور ارہاب" کا نام دے کر دینی طبقہ کے خلاف حکومت جو تائید مسلمان ملکوں سے چاہتی تھی وہ اسے نہ مل سکی مگر یہ بات بھی محسوس ہوئی کہ اس وقت "ٹیونس" الجزائر، اور مصر تینوں ملک یکساں سیکولر پالیسی پر گامزن ہیں، اور دینی طبقہ کے اقدامات کو وہ" ارہاب" و "تتطرف" یعنی دہشت پسندی کا نام دیکر انکے خلاف تشدد کی کاروائی کرنے میں ایک دوسرے کے معاون بنے ہوئے ہیں۔

مؤتمر میں حکومت کو جو ناکامی ہوئی۔ اس کو وزیر اوقاف نے اپنی آخری تقریر میں یہ کہہ کر ہلکا کرنے کی کوشش کی کہ ہم نے موتمر میں اپنے نمائندوں کو پوری آزادی کے ساتھ اپنی رائے ظاہر کرنے کا موقع دیا۔ شاید یہ کہکر انہوں نے دینی طبقہ کے خلاف اپنی سخت گیر پالیسی کو چھپانے کی کوشش کی۔ اس موقع پر وزیر اوقاف ڈاکٹر محمد علی محجوب کا شکریہ ادا نہ کرنا بڑی ناسپاسی ہوگی۔ جو پورے ہفتہ کے قیام کے درمیان بڑی تواضع سے پیش آتے رہے اور وہ مہمانوں کے لئے تمام ممکن سہولتیں فراہم کیں۔

محترم قاضی مجاہد الاسلام صاحب اور راقم الحروف کیلئے انہوں نے پوری مدت میں ایک گاڑی مخصوص کردی تھی۔ کہ موتمر کے بعد ہم جہاں چاہیں آجا سکیں گاڑی کا ڈرائیور محمد فواز بڑا شریف اور نمازی تھا ہم لوگ ایک روز وہاں کی مرکزی لائبریری گئے جہاں قاضی صاحب محترم نے کئی مخطوطات کی فوٹو کاپی لی اور مختلف کتب خانوں سے ہم لوگوں نے کئی کتابیں خریدیں۔

ایک دن دوپہر بعد ہم لوگ ازہر کی زیارت کے لئے گئے جس کی کسمپرسی دیکھ کر بہت قلق ہوا اب جامعہ ازہر کے سارے شعبے اس کی شاندار نئی عمارت میں منتقل ہوگئے ہیں اور اصل جامعہ ازہر میں صرف دو تین دینی مضامین کے درجے لگتے ہیں ایک ہزار سال پرانی یہ مسجد لمبے لمبے ستونوں اور لکڑی کی کڑی ڈالی ہوئی چھت پر کھڑی ہے

اوراس کی قدیم حیثیت کے مطابق اس کی صفائی ستھرائی اور مرمت کا کوئی انتظام نظر نہیں آیا استنجا خانے وغیرہ اتنے گندے تھے کہ بیٹھنا مشکل تھا قالنین اپنی بوسیدگی اور ازہر کی عظمت رفتہ کا نوحہ کررہی تھیں بار بار موعدی کا یہ جملہ زبان پر آیا تسمع بالموعدی خیر من ان تراہ - درمیان میں جمعہ پڑ گیا موتمر میں اعلان ہوا کہ تمام مہمان حضرات جمعہ کی نماز ازہر شریف ہی میں پڑھیں گے چنانچہ جب ہم لوگ مسجد پہونچے تو وہاں مسجد کا اگلا حصہ خالی تھا جہاں سارے مہمان بٹھا دئے گئے اور اسکے بعد پولیس اور فوج کے افراد کی کئی صفیں تھیں پھر ممبر کے قریب ٹیوی (T V) پر تصویر لینے والے موجود تھے اور وہ اثنائے نماز میں بھی نمازیوں کی طرف رخ کرکے اپنا کام کرتے رہے جس سے سخت تکدر ہوا ہم لوگوں نے کچھ ناراضگی کے الفاظ کہے مگر نہ تو شیخ ازہر اس پر چیں بہ جبیں ہوتے نظر آئے اور نہ کوئی دوسرا گویا یہ نماز بالکل سرکاری نماز تھی نماز جمعہ کے بعد دریائے نیل میں ایک پانی کے جہاز (باخرہ) پر وزیر اعظم عاطف صدقی کی طرف سے دعوت تھی جس جہاز پر دعوت تھی اس کا نام " فرعون النیل" تھا ظاہر ہے اس نام ہی سے دماغ میں ایک تکدر پیدا ہونا لازمی تھا۔ مگر چارو ناچار شریک ہونا پڑا۔ تقریباً ڈھائی گھنٹہ دعوت کا سلسلہ جاری رہا۔ اور یہ جہاز دریائے نیل میں کئی کلومیٹر کا چکر لگاتا رہا گویا مہمانوں کے لئے یہ ایک تفریحی پروگرام بنایا گیا تھا۔ ۲۲ جنوری سینچر کا دن ہم لوگوں کے لیے بالکل خالی تھا۔ اس لئے اوپر جن عزیزوں کا ذکر آیا ہے ان کو لے کر ہم لوگ پرانے قاہرہ گئے۔ ڈرائیور فواز بھی بڑی حد تک واقف تھا۔ اس لئے وہاں کے قدیم آثار دیکھنے میں آسانی ہوئی۔ محمد علی کا قلعہ دیکھتے ہوئے ہم سب عبد اللہ بن عمرو کی وسیع مسجد اور ان کے مزار پر حاضر ہوئے پھر وہاں سے امام شافعیؒ اور ذوالنون مصریؒ کے مزار پر حاضر ہوئے اور وہاں پر فاتحہ پڑھا گیا یہ دونوں مزار قریب قریب ہیں۔ مزار کے ماحول میں عجیب وغریب نورانیت کے ساتھ ایک ہیبت بھی محسوس ہوئی۔ اس کے بعد پھر محمد بن حنیفہ (حضرت علی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے) عقبہ بن عامرؓ اور رابعہ بصریہؒ کے

مزار پر حاضری ہوئی۔ کافی رات ہوگئی تھی۔ اس لئے امام طحاوی اور بدرالدین عینیؒ کے مزار پر حاضری نہ ہوسکی۔ یہ مصرعہ برابر زبان پر رہا۔

" زمین کھا گئی آسماں کیسے کیسے " کئی بار غالب کا مشہور شعر جسکے پہلے مصرعہ میں ذرا شوخی زیادہ ہے بے ساختہ زبان پر آتا رہا۔

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم　　تو نے وہ گنجہائے گراں مایہ کیا کئے

اس دن وہاں شیخ رفاعی کا عرس تھا جس میں ایک میلہ کی سی وہ کیفیت نظر آئی جو عام طور پر ہندوستان میں عرس کے موقع پر دکھائی دیتی ہے پرانے قاہرہ میں ہر طرف غربت اور افلاس کے مناظر سامنے آئے ان قدیم آثار کے پاس ہر جگہ مصری سائلوں کا ہجوم نظر آیا۔

ہمارے جو عزیز طلبہ ساتھ تھے اہرام اور متحف کے دیکھنے پر بھی اصرار کر رہے تھے مگر وہ ہمارے ہوٹل سے صاف نظر آرہا تھا اس لئے میں نے ان سے کہا کہ اب اس بتخانہ کو قریب سے کیا دیکھا جائے دور سے ہی دیکھ لیا۔ اپنی اس بدذوقی پر افسوس بھی ہوا مگر جانا نہ ہوسکا۔ محترم قاضی صاحب نے بھی میری اس بدذوقی کی رعایت کی۔ میں سمجھ رہا تھا کہ مصر سے ہندوستان واپسی ہو جائے گی اس لئے کہ واپسی کا ٹکٹ مل چکا تھا مگر محترم قاضی صاحب نے کہا کہ اب واپسی حرمین شریفین کی زیارت کے بعد زیادہ مناسب ہے چنانچہ وزیر اوقاف سے جب کہا گیا تو انہوں نے بڑی خندہ پیشانی سے منظور کر لیا بلکہ اس میں محترم قاضی صاحب نے دبئی کا بھی اضافہ کر دیا اس طرح یہ ٹکٹ سعودی عربیہ دبئی ہوتے ہوئے دلی کا بنوایا گیا۔

۲۳ر جنوری ۹۳ءکو ہم لوگ بارہ بجے رات میں وہاں سے مصری ایرلائن سے جدہ کیلئے روانہ ہوئے ایرپورٹ پر چھوڑنے کیلئے وزارت اوقاف کے ایک نمائندہ کے ساتھ ہمارے کئی عزیز طلبہ بھی موجود تھے جہاز وہاں سے ایک گھنٹہ لیٹ چلا اس لئے ہم جدہ عین فجر کی نماز کے وقت پہونچے جدہ ہوائی اڈہ پر جناب مصلح الدین صاحب حیدرآبادی اور ظفر مسعود صاحب عبدالرحیم قریشی صاحب اور عزیزی مولوی

فہیم ندوی وغیرہ موجود تھے ہوائی اڈہ سے ہم لوگ برادرم مصلح الدین کے گھر آئے اور وہاں
ناشتہ کے بعد کچھ دیر آرام کرنے کے بعد دوپہر بعد مکہ مکرمہ جا کر عمرہ کرنے کا ارادہ ہوا مگر
جانے میں دیر ہو گئی اس لئے رات مولانا ابو الخیر صاحب قاسمی کے مکان پر قیام رہا
عزیزی فہیم ندوی اور عبد الرحیم قریشی صاحب نے تو رات ہی عمرہ کر لیا مگر راقم الحروف
قاضی صاحب اور مصلح الدین صاحب نے نماز فجر حرم میں پڑھ کر پھر عمرہ کیا پھر دوسرے
دن رابطہ کے دفتر جانے کا اتفاق ہوا سوء اتفاق تھا کہ ایک روز پہلے ڈاکٹر عمر نصیف
صاحب جنرل سکریٹری رابطہ اسلامی ملک سے باہر چلے گئے تھے اس لئے ان کے اول
دوم نائبین شیخ ناصر عبودی صاحب اور شیخ حاتم قاضی سے ملاقات ہوئی بڑے
اخلاق سے پیش آئے ہوٹل میں ٹھہرنے کی پیش کش کی مگر ہم لوگوں نے یہ کہہ کر معذرت
کی کہ ہمارے میزبان مصلح الدین صاحب جو رابطہ سے متعلق ہیں ان کے یہاں بہت
آرام ہے البتہ مدینہ جانے کے لئے ایک مخصوص گاڑی رابطہ کی طرف سے دی گئی
جس کے ذریعہ ہم لوگ مدینہ منورہ گئے مدینہ منورہ میں دو دن قیام رہا اس مدت میں
وہاں کئی عوامی پروگرام میں شرکت کا موقع ملا جس میں محترم قاضی صاحب نے بڑی
تفصیل سے ہندوستان کے موجودہ حالات پر اور اس سے نبرد آزما ہونے کے ذرائع
پر گفتگو کی کچھ دیر راقم الحروف اور عبد الرحیم قریشی صاحب نے بھی خطاب کیا مدینہ منورہ
میں ڈاکٹر منہاج صاحب اور طارق صاحب اور نیاز اللہ صاحب الہ آبادی وغیرہ نے
بڑی محبت کا مظاہرہ کیا دو دن بعد پھر ہم لوگ جدہ واپس آ گئے جدہ میں کئی جگہ عوامی پروگرام
ہوئے جس میں ہزار دو ہزار لوگوں تک کی حاضری رہی اور بحمد اللہ آل انڈیا ملی کونسل کی
تشکیل بھی عمل میں آئی چونکہ اس وقت پورے عرب ممالک میں چھٹیاں تھیں اسلئے
مکہ میں عمرہ کرنے والوں کا اور مدینہ میں زیارت کرنے والوں کا بڑا ہجوم تھا مگر بحمد اللہ
اطمینان سے عمرہ کرنے کے بعد زیارتِ حرم نبوی اور مسجد نبوی کی سعادت بھی ملی تقریباً
۰ اوقت کی نماز ادا کرنے اور روضۂ مبارک پر کئی بار حاضری کا موقع ملا ہم لوگ جس عالم
کے عالم میں ملک سے باہر گئے تھے اس میں حرم کعبہ اور حرم نبوی دونوں جگہ دل کی گہ

سے دعا کی توفیق ملی۔ جدہ میں شیخ بلصفر صاحب اور قاری عبدالباسط صاحب کی
ملاقات بھی بڑی یادگار ملاقات تھی شیخ بلصفر صاحب نے اپنے جمعہ کے خطبہ میں
ہندوستان کے مسلمانوں اور بابری مسجد کی شہادت پر بڑی پر اثر باتیں کہیں جس کا کیسٹ
بہت زیادہ مقبول ہے۔ مدینہ منورہ سے عزیزی شکیل الرحمن ندوی اور مکہ مکرمہ سے عزیزی
و عبدالمجید رشادی بھی ساتھ ہو گئے تھے جو کئی دن ساتھ ساتھ رہے اور ہر طرح کی خدمت کرتے رہے اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے۔

دو سال بعد حرمین شریفین کی زیارت کی یہ سعادت نصیب ہوئی تھی اس مدت
میں حرم کعبہ اور اس کے ارد گرد اور مسجد نبوی میں اتنی توسیع ہوگئی ہے کہ اندر جانے کے
بعد آدمی مبہوت سا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح بقیع کے قبرستان کو بھی بہت وسیع کر دیا
گیا ہے گویا دو برس میں یہاں کی پوری دنیا بدلی نظر آئی دو دن بعد مدینہ منورہ سے پھر
جدہ واپسی ہوئی اور وہاں ایک دن ٹھہر کر ۲۸ جنوری کو ہم لوگ یہاں سے ریاض کے
لئے روانہ ہوئے جدہ سے ریاض تقریباً ایک ہزار میل کے فاصلہ پر ہے اس لئے جدہ
کے حضرات نے فلائٹ کا انتظام کر دیا ہم لوگ یہاں سے عشاء بعد روانہ ہو کر تقریباً
۱۱ بجے ریاض پہونچ گئے ریاض میں دو دن ٹھہرنے کا پروگرام تھا مگر وہاں تقریباً
چار دن رکنا ہوا ریاض ہوائی اڈہ پر مولانا عبدالسلام صاحب قاسمی، مولانا عبدالباری
صاحب قاسمی اور بعض دوسرے علماء موجود تھے افسوس ہے کہ ان کے نام ذہن میں
نہیں رہے اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر دے رات کو ہم لوگ مولانا عبدالسلام
صاحب کے مکان پر رہے جہاں اپنے گھر جیسا آرام ملا ہم لوگوں کے ریاض جانے
سے پہلے شیخ ناصر عبودی صاحب نے شیخ عبدالعزیز بن باز مدظلہ کو فون کر دیا تھا
کہ یہ حضرات جا رہے ہیں ان کو دارالافتاء کا مہمان بنایا جائے چنانچہ دوسرے دن
ہم لوگ مولانا عبدالسلام صاحب کے مکان سے فندق قصر الریاض منتقل کر دئے
گئے شیخ عبدالعزیز بن باز کے ذہن میں یہ بات نہ جانے کس نے بٹھا دی تھی کہ زیادتی
مسلمانوں کی طرف سے ہوئی ہے محترم قاضی صاحب نے اس کی پوری وضاحت کی یہاں
کی عدالت عالیہ کے چیف جسٹس صالح لحیان صاحب سے بھی بڑی لمبی گفتگو رہی
وہ حالات سے بہت باخبر نظر آئے اس لئے ان سے اور زیادہ کھل کر بات ہوئی انہوں

نے وفد کے تمام افراد کو پورے قرآن کی قرأت کی کیسٹ کا ایک سٹ ہدیہ کیا پھر یہیں سے جا جاکر کئی پروگراموں میں شرکت ہوتی رہی ایک دن کے لیے ظہران اور دمام جانے کا اتفاق بھی ہو ظہران میں پٹرولیم یونیورسٹی ہے اس کے بہت سے تعلیم یافتہ افراد سے ان کے معیار کے مطابق گفتگو ہوئی ہندوستان میں عام طور پر تعلیم یافتہ حضرات جس طرح اپنی دنیا میں مگن دکھائی دیتے ہیں اس کے برخلاف ان میں ملی مسائل کے حل کیلئے بھرپور بے چینی اور دردمندی دکھائی دی ریاض میں مولانا شمشاد مظاہری کی ملاقات بھی قابل ذکر ہے بحمداللہ یہ عطر کے اچھے تاجروں میں شمار ہوتے ہیں۔ انہوں نے اپنے یہاں کھانے پر مدعو کیا پہلی جنوری کی شام کو ہم لوگ ریاض سے جدہ واپس ہوئے اور پھر وہاں ایک دن اور رک کر ڈاکٹر عمر نصیف صاحب سے ملاقات کر کے دبئی روانہ ہوگئے دبئی میں مولانا قاضی مجاہدالاسلام کے بھانجے میاں سلمان صدیقی نے ہفتوں سے وفد کا پروگرام بنا رکھا تھا چنانچہ وہاں تقریباً ایک ہفتہ رکنا ہوا اور ہر دن کوئی نہ کوئی پروگرام رہا ایک دن کے لیے ابوظبی بھی جانا ہوا اور وہاں تین جگہ پروگرام ہوئے دو پروگرام میں تو ہم سب شریک تھے مگر العین کے پروگرام میں صرف محترم عبدالرحیم صاحب قریشی اور قاسم رسول الیاس شریک ہو سکے۔ بحمداللہ ریاض دمام ظہران اور دبئی ہر جگہ ملی کونسل کی یونٹیں قائم ہوگئیں البتہ ابوظبی میں پہلے سے ایک مشترکہ کمیٹی قائم ہے اس لیے اس کے ذمہ ملی کونسل کا کام بھی سپرد کر دیا گیا دبئی میں جن حضرات نے پوری دلچسپی لی اس میں عزیزم سلمان صدیقی کے علاوہ جناب خلیل صاحب بھٹکلی جناب حاجی عبدالرزاق صاحب جناب عبدالعزیز صاحب کوکنی حاجی شفیع اللہ صاحب عزیزی مولوی عبدالمتین بھٹکلی قمر انور صاحب اور عزیزی مولوی حبیب اللہ اور مولوی نظام الدین خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ دبئی سے دلی کے لیے میری فلائٹ ۷ رفروری کو تھی مگر قاضی صاحب موصوف نے اسمیں دو دن کا اور اضافہ کر دیا اس طرح راقم الحروف اور عزیزی محمد فہیم ندوی ۹ رفروری دلی واپس ہوگئے اور اسی رات قاضی صاحب وغیرہ کویت روانہ ہوگئے یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ جس وقت دلی ہمارا جہاز پہونچا وہاں کہرا تھا اس لیے جہاز وہاں نہ اترکر

بمبئی چلا گیا۔ اور پھر وہاں دو گھنٹہ ٹھہر کر پھر دلی واپس ہو یہ اس سفر کی مختصر روداد ہے پوری تفصیلات سے قصداً گریز کیا گیا ہے تاکہ ناظرین کے ذہن پر زیادہ بوجھ نہ پڑے۔

تاثرات

اس سفر سے دل و دماغ پر جو اثرات پڑے ہیں ان کا مختصر ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

(۱) سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ہم لوگ ملک سے باہر رنج و غم کا ایک بوجھ لے کر نکلے تھے مگر ہندوستان کے جو لوگ وہاں رہتے ہیں ہندوستان کے مسلمانوں کے حالات سے ان کی دلچسپی اور جوش و خروش دیکھ کر دل و دماغ پر جو بوجھ تھا وہ قدرے ہلکا ہوا۔

(۲) یوں ہر جگہ کے لوگوں نے ہم لوگوں کے ساتھ ہر طرح کا تعاون کیا مگر اس میں سب سے زیادہ دلچسپی بھٹکل اور حیدر آباد کے لوگوں نے لی اور یہ لوگ وہاں سب سے زیادہ منظم بھی نظر آئے خاص طور پر اس پورے سفر میں سب سے زیادہ وقت ڈاکٹر اویس صاحب بھٹکلی اور برادرم مصلح الدین صاحب حیدر آبادی نے دیا یہ حضرات ہفتوں سایہ کی طرح ہمارے ساتھ ساتھ رہے۔ دلی میں ان کی جگہ عزیزی سلمان صدیقی اور مولوی عبد المتین بھٹکلی نے لے لی۔

(۳) وہاں جو مسلمان ہندوستان کے مختلف گوشوں سے آئے ہوئے رہتے ہیں وہ سب اپنے کاروبار یا ملازمت کی وجہ سے بے حد مشغول ہیں پھر وہ لوگ دوسرے ملکوں میں رہتے ہیں جن کے قواعد و ضوابط بھی جدا ہیں۔ مگر اس کے باوجود ان میں سے بیشتر لوگوں کے دلوں میں ملت کی زبوں حالی کیلئے جو درد و کرب دیکھنے میں آیا اور اس کے لئے جان و مال کی قربانی کا جذبہ دکھائی دیا اگر اس کا دسواں حصہ بھی یہاں کے علماء دانشوروں اور کھاتے پیتے مسلمانوں میں پیدا ہو جائے تو ملت موجودہ کی بے وقعتی دور ہو جائے۔

(۴) اس وقت نہ صرف ہندوستان میں بلکہ پوری دنیا میں مسلمانوں کے خلاف غیروں کی طرف سے جو سازش چل رہی ہے وہ تو اپنی جگہ پر تشویش ناک ہے ہی مگر خود ہر

مسلمان ملک میں دینی طبقہ کی طرف سے معاشرہ کو اسلامی نہج پر لانے کی جو کوشش ہو رہی ہے اسے قریب قریب ہر مسلمان ملک کے حکمراں دبانے کی کوشش کر رہے ہیں وہ نماز وروزہ اور حج وزکوٰۃ کی اجازت دینے پر تو آمادہ ہیں بلکہ اس کیلئے ہر سہولت دینے کیلئے تیار ہیں مگر معاشرت اور معاملات کے سارے احکام میں اسلامی روح کی کارفرمائی سے نہ جانے کیوں یہ لوگ اپنے لئے خطرہ محسوس کر رہے ہیں قرآن پاک نے صنادید قریش کی جس ذہنیت پر جو چوٹ کی تھی آج اس کے مصداق ہمارے دور کے مسلمان حکمران بن رہے ہیں قرآن نے کہا تھا

أَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَجَاهَدَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَوُونَ عِنْدَ اللَّهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ (توبہ)	کیا تم لوگوں نے حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام کو آباد رکھنے کو اس شخص کے برابر قرار دیا ہے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لایا ہو اور اس نے اللہ کے راہ میں جہاد کیا ہو اللہ کے نزدیک یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔

یہی وجہ ہے کہ ہر اسلامی ملک میں اس وقت مغربی تہذیب وثقافت کی ایک یلغار دکھائی دیتی ہے، سعودی عربیہ بڑی حد تک اس یلغار سے محفوظ ہے مگر حرمین شریفین سے باہر جدہ، ریاض اور ظہران وغیرہ اس یلغار کی لپیٹ میں آتے جا رہے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت فرمائے۔

(۵) ہم لوگوں نے وہاں بہت سے ذمہ داروں سے ہندوستان کے مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ وہاں کھپانے کی بات کی اس سلسلہ میں عام طور پر لوگوں نے دو شکایتیں کیں ایک تو یہ کہ مسلمان انجنیئر و ڈاکٹر و ٹکنیشین اور کمپیوٹر کی ٹریننگ لئے ہوئے تجربہ کار افراد نہیں ملتے اس سلسلہ میں دو باتیں کہی گئیں ایک یہ کہ آپ اپنے یہاں بلاکر اور کام دے کر خود ہی تجربہ کار بنا سکتے ہیں تجربہ تو کام ہی سے ہوتا ہے دوسرے یہ کہ اب آپ کے ویزوں کی اتنی زبردست خرید وفروخت شروع

ہوگئی ہے کہ مسلمان اتنا پیسہ دے نہیں پاتا ان حضرات نے یقین تو دلایا ہے کہ اس میں ایجنٹوں کے واسطے کمیشن کم کئے جائیںگے اور سہولت پیدا کی جائے گی،

دوسری شکایت یہ کہ مسلمان پوری محنت اور شوق سے کام نہیں کرتے اگر وہ نماز یا کسی اور ضرورت کیلئے جائیں گے تو کم سے کم ۴۰ - ۴۵ منٹ ضرور لگا دیں گے، برخلاف دوسرے لوگ جان لڑا کر کام کرتے ہیں اور وقت گزاری نہیں کرتے اس کا کوئی جواب ہمارے پاس نہیں تھا، کاش مسلمان قوم کے نوجوان اس داغ کو دھو دیتے تو اللہ کی زمین انکے لئے اور وسیع ہو جاتی۔

(۶) بابری مسجد کی شہادت کے بعد مسلمانوں کے اندر اتحاد و اتفاق اور ایثار و قربانی کا جو جذبہ ملک کے اندر اور ملک سے باہر پیدا ہوا ہے، اس کو منظم کرنے کی ضرورت ہے ورنہ یہ وقتی جوش و خروش ایک نئی مایوسی کا پیش خیمہ ثابت ہوگا مسلمان عام طور پر اس وقت بی۔ جے۔ پی اور کانگریس سے ناراض ہیں اور وہ کسی تیسری طاقت کے پلڑے میں اپنا سیاسی وزن ڈالنے کیلئے تیار ہیں مگر اس سے اقتدار کی تبدیلی تو ممکن ہے مگر بحیثیت مجموعی ملت کیلئے یہ تبدیلی کتنی مفید ہو سکتی ہے اس پہلو پر چالیس برس کے تجربہ کی روشنی میں ہم کو غور کرنا چاہیئے مسلمانوں کو یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ اگر انہوں نے خود اپنی ایک مضبوط صف بندی نہ کی اور اپنی اپنی رائے یا مفاد کے مطابق منتشر طور پر اپنے ووٹوں کا استعمال کرتے رہے تو اس سے جو سیاسی تبدیلی ہوگی اس سے ایک نئی سیاسی پارٹی کیلئے تو وہ مفید ہوگی مگر ملت کے عزت و وقار میں اس سے ذرہ برابر اضافہ نہیں ہوگا جیسا کہ اس سے پہلے دو بار ہم تجربہ کر چکے ہیں اس لئے اس وقت ایک تیسری سیاسی طاقت پیدا کرنے کے ساتھ ہم کو اپنی ایک مضبوط تنظیم بنا لینی ضروری ہے اور وہ تنظیم ایسی ہو جس کے افراد خود ایم۔ ایل۔ اے اور ایم۔ پی بننے کے خواہشمند نہ ہوں بلکہ ان کا خارجی پریشر برسر اقتدار آنے والی جماعت کو درست رکھنے کیلئے کافی ہو، یہ بات بھی ذہن میں رکھنی ضروری ہے کہ جس نئی سیاسی صف بندی کی طرف ہمارا رجحان ہو رہا ہے ان

ان میں سے ہر جماعت ہمارے ووٹ سے اور ہماری شخصیتوں سے فائدہ تو اٹھانا چاہتی
ہے مگر ہماری کوئی مضبوط تنظیم بنے اسے پسند نہیں کرتی اس لئے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ اگر ان
کی مضبوط تنظیم بن گئی تو ہماری نکیل وہ ہمیشہ کھینچتی رہے گی اور اس حیثیت میں نہ تو
وہ اپنے کو رکھنا پسند کرتے ہیں اور نہ ہم کو یہ حیثیت دینا چاہتے ہیں

ظاہر ہے کہ یہاں پر آپ کے ذہن پہ یہ سوال پیدا ہوگا کہ کیا مسلمانوں کی کوئی
ایسی تنظیم موجود ہے جسے قوت دے دی جائے تو وہ پریشر گروپ کی حیثیت اختیار
کرے اور اگر نہیں ہے تو کیا اس کا امکان ہے کہ کوئی ایسی تنظیم کھڑی ہو جو سارے
مسلمانوں کے لئے بھی اور موجودہ مسلمان جماعتوں کیلئے بھی قابل قبول ہو پہلے سوال
کا جواب تو یہ ہے کہ آپ جس جماعت کو قوت دے دیں وہ پریشر گروپ بن سکتی ہے
دوسرے سوال کے سلسلے میں عرض ہے کہ ۸- مہینے پہلے حالات کی سنگینی کے
پیش نظر کچھ دردمند مسلمانوں نے آل انڈیا ملی کونسل کے نام سے ایک تنظیم اتحاد
کلمہ کی بنیاد پر بنائی ہے جس میں اس وقت ہر مسلک ہر خیال اور ہر مسلم سیاسی
جماعت کے ممتاز افراد شریک ہیں اس میں اہل سنت والجماعت کے تمام
قابل ذکر افراد بھی شریک ہیں اہل تشیع میں کلب صادق صاحب بوہرا جماعت
کے نورالدین بھائی بشیر اہل حدیث جماعت کے محترم مولانا مختار احمد ندوی مولانا عبدالوہاب
خلجی بھی ہیں سیاسی جماعتوں کے سربراہوں میں ابراہیم سلیمان سیٹھ صلاح الدین
اویسی صاحب اور سلیمان سکندر صاحب وغیرہ بھی شریک ہیں گویا اس کا دروازہ ہر
کلمہ گو مسلمان کیلئے کھلا ہوا ہے یہ تنظیم کسی فوری جذبہ کے تحت نہیں قائم ہوگئی بلکہ
اس کے پیچھے ایک منصوبہ بند وسیع تعمیری پروگرام ہے اگر مسلمانوں کا بھرپور تعاون
اسے حاصل ہو سکا تو انشاء اللہ آپ چند برسوں میں دیکھیں گے پورے ہندوستان
میں ہر شعبۂ زندگی کے لئے اس کے تعمیری کاموں کا ایک جال بچھا ہوا نظر آئے گا ،

اوپر مسلمانوں کی صف بندی کی جو بات کہی گئی ہے وہ اس لئے کہ موجودہ دنیا صرف
طاقت کی زبان سمجھتی ہے ہماری اخلاقی باتیں بھی اس وقت موثر ہو سکتی ہیں جب انکی پشت
پر ملت کے اتحاد کی طاقت موجود ہو۔

تاریخ تدوینِ قرآن مجید

مستشرقین کے اعتراضات کے تناظر میں

ڈاکٹر حافظ محمود اختر پنجاب یونیورسٹی لاہور

کیا حفاظت قرآنِ مجید کا پورا دار و مدار حفظ پر ہی تھا؟

مستشرقین نے اس سلسلے میں غلط فہمی پیدا کرنے کی پوری کوشش کی ہے کہ صحتِ قرآن مجید کے بارے میں شکوک پیدا کئے جائیں۔ دراصل حفاظتِ قرآنِ مجید میں نہ صرف کتابت پر اکتفا کیا گیا اور نہ ہی محض حفظ پر۔ بلکہ یہ دونوں وسائل اختیار کئے گئے۔ مستشرقین اپنا نقطۂ نگاہ کچھ اس انداز سے پیش کرتے ہیں کہ گویا کہ چند اشخاص حافظ تھے۔ باقی کسی کو قرآن یاد نہ تھا اور حافظے کی بات پر اعتماد ہی کیا کیا جا سکتا ہے؟ حالانکہ حقیقت ایسی نہیں ہے۔ لاتعداد حفاظ کرام موجود تھے۔ ان کا قرآن مجید کے ساتھ لگاؤ بھی بے مثال تھا۔ مستشرقین تو عہد نبوی کی بات کرتے ہیں آج کے گئے گزرے دور میں بھی مسلمانوں کا قرآن مجید کے ساتھ لگاؤ اور اسے حفظ کرنے کا شوق اپنی نظیر آپ ہے۔ مسلمان اپنے بچوں کو دنیا جہاں سے بے نیاز کر کے حفظ قرآن کے لئے وقف کر دیتے ہیں۔ قرآن مجید ہر رمضان المبارک میں رات کو سنایا جاتا ہے۔ کسی بڑے سے بڑے حافظ کی کیا مجال کہ کوئی غلطی کر جائے اور اس کا سامع اس کو ٹوک نہ دے۔ مسلمانوں کی کوئی بستی نہیں جس میں قرآن کے حفاظ موجود نہ ہوں جبکہ عیسائیوں یا یہودیوں کی کتابوں کا کوئی ایک حافظ بھی کبھی موجود نہیں رہا۔

مستشرقین کا یہ تاثر ہرگز درست نہیں کہ محض چند لوگ حفاظ قرآن موجود تھے اور ان میں سے بھی کسی کو قرآن یاد ہو گا کسی نے بھلا دیا ہو گا۔ حالانکہ عہد نبوی میں حفاظ قرآن کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ یہ ایک دو کی بات نہ تھی بلکہ جماعت صحابہ کی کثیر تعداد

حافظ تھی۔ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل حقائق سے بات واضح ہوجاتی ہے۔

۱:۔ احد کے شہداء کی تدفین کے وقت اس شخص کو قبلہ کی طرف پہلے دفن کیا جاتا جس کو زیادہ قرآن یاد ہوتا تھا۔ اس روایت میں "اَیُّھُمْ اَکْثَرُ قُرْآنًا" کے الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ سب کو علم تھا کہ کس کو کس قدر قرآن یاد ہے؟ اور سب کو قرآن یاد تھا۔ ورنہ حضورؐ یہ فرماتے کہ ان میں سے کس کو قرآن یاد ہے اور کس کو نہیں؟ ۵۱

۲:۔ بیئر معونہ کے واقعہ کی یہ بات قابل توجہ ہے کہ ایک چھوٹی سی جماعت کے لیے قرآن مجید کے ستر حفاظ بھیجے گئے کیا یہ بات اس بات کی دلیل نہیں کہ اس پوری سوسائٹی میں حفاظ کی تعداد کس قدر ہوگی اور مختلف علاقوں میں جو حفاظ بھیجے جاتے تھے ان کی کل تعداد کس قدر ہوگی۔

۱۱ھ ہجری میں مسیلمہ کے مقابلہ میں مہاجرین و انصار کے کل تین ۳۰۰ افراد شہید ہوئے جن میں ستر صحابہ حافظِ قرآن مجید تھے۔ ۵۲

علامہ ذہبی نے بھی قرار صحابہؓ کی ایک بڑی فہرست پیش کی ہے۔ ۵۳

کنز العمال میں روایت ہے حضرت عمرؓ نے اپنے سرداروں کو حکم بھیجا کہ وہ اپنے اپنے علاقے سے حفاظ قرآن کی فہرستیں مرکز کو ارسال کریں۔ ابو موسیٰ اشعریؓ نے اکیلے اپنے ایک علاقے سے تین سو حفاظ کی فہرست بھیجی تھی۔ ۵۴

ان تفصیلات سے پتہ چلتا ہے کہ حفظِ قرآن محض ایک دو صحابہؓ کے حفظ کا مسئلہ نہ تھا بلکہ پوری قوم کی قوم حافظ تھی۔ اتنی کثیر تعداد میں حفاظ کی موجودگی میں کسی گڑبڑ کا امکان نہیں ہوسکتا تھا۔

اس سلسلے میں ہم ولیم میور کا ایک اقتباس نقل کریں گے۔

"مگر ہم اہلِ عرب کے اس ما فوق الفطرت قوتِ حافظہ کے باوجود تسلیم نہیں کرسکتے کہ اسی ایک طاقت کے بل بوتے پر پورا قرآن مجید محفوظ رہ گیا۔ بلکہ ہمارے سامنے ایسے شواہد موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے اکثر نے اپنے پیغمبر کی زندگی میں ہی قرآن مجید کی مکی اور مدنی سورتیں

لکھ لی تھیں جس کے مجموعہ میں پورا قرآن سمٹ آیا۔ ۵۵

عہد نبوی میں قرآن مجید کی عدم کتابت ثابت کرتے ہوئے مستشرقین کہتے ہیں کہ تاریخ قرآن کے بیان والی روایات میں تضادات ہیں۔ لہٰذا یہ ناقابل اعتبار ہیں۔ ان میں سے ایک روایت یہ ہے کہ

قبض النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولم یجمع القران فی شیئ" ۵۶

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے گئے درآنحالیکہ قرآنِ حکیم کسی جگہ جمع نہیں کیا گیا تھا)

یہ روایت ابن شہاب زہری نے عبید بن سیاق سے اور انہوں نے زید بن ثابتؓ سے بیان کی ہے اسی طرح ایک دوسری روایت یہ بھی ابن شہاب زہری سے مروی ہے جو طبری نے اپنے شیخ کے حوالے سے اپنی تفسیر میں بیان کی ہے۔ اس میں فرماتے ہیں :

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے اور قرآن جمع نہیں ہوا تھا۔ جو کچھ تھا وہ کھجور کی چھال اور تختیوں پر تھا" ۵۷

ان ہر دو روایات کو سامنے رکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ،

(الف) اول الذکر روایات میں اجمال ہے اور راوی نے جمع کرنے سے مراد بین الدفتین جمع کرنا مراد لیا ہے اور اس میں" فی شیئ "کے الفاظ اس کا اپنا تصرف ہے۔

(ب) ممکن ہے راوی سے روایت کا دوسرا حصہ جو دراصل معاملے کو واضح کرتا ہے، راوی نے خود ہی چھوڑ دیا ہو یا اس سے سہواً چھوٹ گیا ہو۔

اس توضیح کے ساتھ اگر علامہ حارث محاسبی کا یہ بیان بھی رکھ لیں تو مسئلہ واضح ہو جاتا ہے آپ لکھتے ہیں۔

کتابۃ القرآن لیست بمحدثۃ فانہ صلی اللہ علیہ وسلم کان

قرآن کی کتابت کوئی نئی بات نہیں ہے کیونکہ خود حضور اکرمؐ اس کے لکھنے کا

يامر بكتابته ولكنه كان مفرقا في الرقاع والاكتاف واللخاف... ۵۵ھ
حکم دیتے تھے لیکن وہ متفرق ٹکڑوں پر تھا۔

(ج) اول الذکر روایت کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ لیں تو پتہ چلتا ہے کہ زید بن ثابت رض کی وفات (عبید بن سباق نے ان سے ہی روایت کی ہے) ۴۵ھ یا ۴۸ھ میں ہوئی۔ (۵۶) ۵۸ھ اور امام بخاری کی تحقیق کے مطابق عبید بن سباق کی پیدائش ۵۰ھ میں ہوئی ہے (۵۷) ۵۸ھ گویا کہ زید بن ثابت رض کی وفات سے پانچ یا دو برس بعد۔ زید بن ثابت رض کی وفات کے بارے میں ایک اور ضعیف قول یہ ہے کہ ان کی وفات ۵۵ھ میں ہوئی۔ اس ضعیف قول کی رو سے بھی یہ کس طرح ممکن ہوسکتا ہے کہ زید بن ثابت رض نے ایک روایت (اور وہ بھی جمع قرآن جیسے اہم موضوع سے متعلق)، محض پانچ برس کے بچے کو بتائی ہو اور کسی قابلِ اعتبار شخص کو روایت بیان کرنے کی زحمت گوارا ہی نہ کی ہو۔

اس طرح ہم اس روایت کو تسلیم نہیں کرسکتے جب کہ یہ ایک اور قابلِ اعتبار روایت سے متصادم ہے۔

اصل صورت یہ ہے کہ عہد نبوی میں کتابت قرآن کا کام بڑے اہتمام سے جاری تھا۔ اور حضور ؐ اس مسئلے کو باقی تمام مسائل پر فوقیت دیتے تھے۔ لیکن اس کتابت کی کیفیت یہ تھی کہ اسے

"بین الدفتین جمع نہیں کیا گیا تھا کیونکہ قرآن ابھی نازل ہو ہی رہا تھا کسی کو کچھ معلوم نہیں ہوتا تھا کہ کب کون سی آیت نازل ہو اور اسے کس جگہ پر لکھا جانا ہو۔ اس لئے قرآن حکیم کا ایک جگہ ایک جلد میں جمع کرنا ممکن ہی نہیں تھا۔ جب قرآن حکیم کے نزول کی تکمیل ہوگئی تو اس کے بعد حضور ؐ کو زیادہ عرصہ زندہ رہنا نصیب نہ ہوسکا اس لئے اس فریضے کو حضرت ابوبکر صدیق رض نے پورا کیا۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ عہد نبوی میں قرآن لکھا ہوا موجود نہیں تھا۔

فہم السنن کے مؤلف علامہ حارث محاسبی لکھتے ہیں۔

"عہد صدیقی میں قرآن کا لکھا جانا کوئی نئی بات نہیں کیونکہ حضورؐ نے اس کے لکھنے کا حکم صادر فرمایا تھا۔ البتہ وہ اونٹ کے شانوں کی ہڈیوں اور کھجور کے درخت کی چھالوں پر لکھا ہوا تھا"[۶۰]

عہد صدیقی ہی کے بارے میں علامہ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں۔

وکان القرآن فیہا منتشر فجمعہا جامع وربطہا بخیط[۶۱] (عہد نبوی میں قرآن حکیم منتشر حالت میں موجود تھا۔ پھر ایک جامع نے ایک دھاگے کے ساتھ اسے یکجا کر دیا)

اس کے علاوہ اور بھی بیسیوں ایسے دلائل و شواہد موجود ہیں جن کی روشنی میں یہ بات سمجھنے میں قطعاً کوئی دقت پیش نہیں آتی کہ قرآن حکیم عہد نبوی میں اس طرح محفوظ کر لیا گیا تھا کہ اس میں کسی قسم کی تحریف کا امکان باقی نہیں رہ سکتا۔

بخاری شریف میں روایات موجود ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ جبریل علیہ السلام ہر سال حضورؐ کے ساتھ قرآن حکیم کا دور فرمایا کرتے تھے۔ لیکن آخری بار انہوں نے ایک کی بجائے دو دفعہ دور کیا۔ روایت کے الفاظ یوں ہیں۔

"عن ابی ھریرۃ قال کان یعرض علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم القرآن کل عام مرۃ فعرض علیہ مرتین فی العام الذی قبض...."[۶۲]

اس کے ساتھ ہی اگر ہم ان روایات کو بھی ملا لیں جن میں بیان کیا گیا ہے کہ صحابہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھے قرآن مجید لکھا کرتے تھے اور اس وقت تک کوئی آیت عوام تک نہیں پہنچتی تھی جب تک حضورؐ لکھنے والے سے سن نہ لیتے تھے کہ کیا اس نے صحیح بھی لکھا ہے یا نہیں؟[۶۳] تو کسی شک و شبہ کی گنجائش ہی باقی نہیں رہ جاتی۔

حضور اکرمؐ بیشتر صحابہ کرامؓ سے قرآن مجید سنا بھی کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ حضور نے مجھے قرآن مجید تلاوت کرنے کا حکم دیا.... میں نے آپ کو

سورۃ النساء سنائی ۶۴ ہے

بہت سے ایسے صحابہ کرامؓ کے اسمائے گرامی بھی ملتے ہیں جنہوں نے عہد نبوی میں قرآن حکیم زبانی یاد کر لیا تھا۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے بائیس حفاظ صحابہؓ کا ذکر کیا ہے جنہوں نے حضورؐ کی موجودگی میں قرآن مجید حفظ کیا تھا۔ ۶۵

اسی طرح حافظ ذہبی نے ان حضرات کے اسمائے گرامی بیان کئے ہیں جنہوں نے قرآن مجید حضورؐ کو سنایا بھی تھا اور ان کی اسانید ہم تک پہنچی بھی ہیں۔ حافظ ذہبی کے الفاظ یہ ہیں۔

فاما من حفظہ کلہ منہم وعرض علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فجماعۃ من نجباء محمد صلی اللہ علیہ وسلم ۶۶

(اکابر صحابہؓ کی ایک جماعت نے حضورؐ کی موجودگی میں قرآن مجید حفظ کرلیا تھا اور حضورؐ کو سنایا تھا)

اول الذکر روایت کہ" حضورؐ کی وفات کے وقت قرآن لکھا نہیں گیا تھا، کی تشریح و توجیہہ یوں بھی کی گئی ہے کہ

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ روایت " الاتقان" میں موجود ہے لیکن اس کی حقیقت یہ ہے کہ علامہ سیوطیؒ کا طریق کار یہ ہے کہ وہ کسی موضوع پر پائی جانے والی تمام روایات بیان کر دیتے ہیں ساتھ ساتھ تحقیقی نقطہ نگاہ بھی پیش کرتے جاتے ہیں۔ ان تحقیقات کی روشنی میں ہر کوئی حقیقت حال سے آگاہ ہو جاتا ہے کہ ان تمام بیش شدہ روایات میں سے اصل اور حقیقی روایت کون سی ہے۔

اسی الاتقان میں اسی باب کے اندر بخاری اور مسلم شریف کے معیار کی ایک روایت نقل کی گئی ہے یہ روایت مستدرک حاکم میں موجود ہے اور امام حاکم اس روایت کے بارے میں فرماتے ہیں۔

ھذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین ۶۷ہ

اس روایت کے الفاظ یوں ہیں۔

"کنا عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نؤلف القرآن من الرقاع" ۶۸
ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھ کر قرآن مجید کے ٹکڑے جوڑا کرتے تھے۔)

ظاہر ہے کہ بخاری و مسلم کی شرط کے مطابق روایت زیادہ معتبر اور قابل اعتبار ہوگی اور اس کے مقابلے میں وہ روایت جو فقط علامہ سیوطیؒ نے بیان کی ہے اس کا اعتبار نہیں کیا جائیگا۔

متعارض روایات میں سے ایک مزید روایت یہ بھی ہے کہ

"الاتقان" میں مذکور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت صرف چار لوگوں نے قرآن مجید جمع کیا تھا۔" ۶۹ محققین نے اس روایت کے پس منظر پر خوب تحقیقات کی ہیں۔ ان کا خلاصہ یہی ہے کہ دراصل اوس اور خزرج کے لوگوں کے درمیان ایک مرتبہ اپنے اپنے کارناموں اور اسلام کے لئے خدمات پر بحث و تمحیص کی نوبت آگئی۔ دونوں گروہوں نے اپنے اپنے کارنامے گنوائے۔ خزرج والوں نے کہا کہ ہماری یہ خدمت ہے کہ ہم میں سے چار لوگوں نے قرآن مجید جمع کیا۔ گویا چار کا عدد یہ ظاہر نہیں کرتا کہ کل چار صحابہ کرامؓ نے قرآن مجید جمع کیا تھا بلکہ جن لوگوں نے قرآن مجید حضورؐ کی موجودگی میں جمع کیا تھا۔ ان میں سے چار کا تعلق قبیلہ خزرج سے تھا۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ جن روایات میں ان چار حضرات کے اسمائے گرامی کا تذکرہ کیا گیا ہے ان میں چوتھے صحابیؓ کے نام میں بھی اختلاف ہے۔ علامہ سیوطیؒ کی بیان کردہ ایک روایت میں ان حضرات کے نام یہ ہیں۔ حضرت ابی ابن کعبؓ، معاذ ابن جبلؓ، زید ابن ثابتؓ اور ابو زیدؓ۔ علامہ سیوطیؒ کی بیان کردہ ایک اور روایت میں حضرت ابی ابن کعبؓ کی جگہ حضرت ابوالدرداءؓ کا نام مذکور ہے۔ پھر آگے چل کر علامہ سیوطیؒ خود لکھتے ہیں:" اس روایت میں قتادہؓ کی روایت سے مخالفت پائی جاتی ہے ایک اس اعتبار سے کہ اس میں صیغہ حصر کے ساتھ چار ہی حضرات کی تصریح کر دی گئی اور دوسری وجہ ابوالدرداءؓ کا نام ابی بن کعبؓ کی جگہ آیا ہے اور اماموں کی ایک جماعت نے قرآن مجید کے جمع کرنے کا انحصار چار ہی اشخاص میں محدود کر دینا صحیح نہیں مانا۔"

ان روایات کے علاوہ علامہ سیوطیؒ نے ہی الاتقان میں ایسے حضرات کے اسمائے گرامی کا تذکرہ کیا ہے جنہوں نے عہد نبوی میں قرآن مجید جمع کر لیا تھا۔ ان اسمائے گرامی کا احصار و شمار کیا جائے تو یہ فہرست بڑی وسعت اختیار کر جاتی ہے[۱]۔ علامہ سیوطی نے علامہ مازریؒ کے اقوال بھی نقل کئے ہیں۔ جن میں وضاحت کی گئی ہے کہ اس قول کی یہ تاویل و توجیہ درست نہیں کہ صرف انہیں چار حضرات نے قرآن مجید جمع کیا تھا[۲]۔ علامہ سیوطیؒ، قرطبیؒ کے حوالے سے بھی لکھتے ہیں کہ بئیر معونہ اور یمامہ کے مقام پر حفاظ کرام کی کثیر تعداد شہید ہوئی۔ ان بیانات کی روشنی میں وہ لکھتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت انسؓ (چار کے عدد والی روایت کے راوی) نے جن چار حضرات کا ذکر کیا ہے ان کے ساتھ انہیں خاص لگاؤ ہوگا یا یہ بات ہے کہ ان کے ذہن میں صرف اسی قدر لوگ آئے باقی نہ آسکے[۳]۔

علامہ باقلانی کا بیان بھی یہی ہے کہ چار میں حصر والی روایت اپنے الفاظ میں قابلِ قبول اور حقیقت کے مطابق نہیں بلکہ اس میں خاص پہلو مذکور ہیں[۴]۔

علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ یہ دراصل اوس اور خزرج کی بحث و تمحیص تھی اور اس میں خزرج کے ان چار حضرات کا ذکر ہے جنہوں نے عہد نبوی میں قرآن جمع فرمایا تھا[۵]۔

کتابت قرآن مجید کے لئے صرف حضرت زید ابن ثابت ہی متعین نہ تھے بلکہ اور بھی بہت سے صحابہ کرامؓ اس کام پر مامور تھے۔

حافظ ابن قیم نے انیس۱۹ کاتبوں کے نام بیان کئے ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی بہت سے کاتب صحابہ کا ذکر کیا ہے۔ ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

خلفائے اربعہؓ۔ حضرت زید ابن ثابتؓ۔ حضرت ابی ابن کعبؓ۔ حضرت عمرو بن العاصؓ۔ حضرت خالد ابن ولیدؓ۔ حضرت معاویہؓ حضرت ثابت بن قیس۔ حضرت عبداللہ بن عبداللہ ابن ابیؓ حضرت عامر بن فہیرہؓ۔ حضرت عبداللہ بن الحضرمیؓ محمد بن مسلمہؓ۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ۔ حضرت زبیر بن العوامؓ حضرت علاء ابن الحضرمیؓ[۶]

یہ ان لوگوں کے اسمائے گرامی ہیں جنہیں۔ وقتاً فوقتاً وحی لکھوانے کیلئے حضورؐ

خود طلب فرمایا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ بھی آپؐ کی مجلس میں صحابہؓ کی ایک کثیر تعداد کسب علم کے لئے موجود رہتی تھی۔ آپؐ پر کوئی آیت نازل ہوتی اور آپ اپنے ایک کاتب کو نازل شدہ آیت یا آیات لکھواتے تو حاضرین مجلس بھی اپنے اپنے مصاحف میں یہ آیات شامل کر لیتے۔ طبقات ابن سعد۔ تاریخ طبری اور صحاح ستہ میں سے اگر ایسے لوگوں کے نام جمع کئے جائیں تو ان کی تعداد درجنوں تک پہنچ جاتی ہے ۔۷۷
محدث ابن سید الناس (م ۷۳۴ھ) نے بھی کتاب وحی کی تعداد بیالیس بیان کی ہے۔ مختلف لوگوں نے ان کی تعداد مختلف بتائی ہے۔ لیکن ایک چیز اس سے واضح ہو جاتی ہے کہ آپ کے کاتبوں کی تعداد خاصی تھی۔ حافظ عراقی نے حضورؐ کی منظوم سیرت طیبہ کا آغاز جس شعر سے کیا ہے اس کا پہلا مصرعہ یوں ہے۔

وکتابۃ اثنان واربعون

تاریخ تدوین قرآن مجید کے حوالے سے ہم نے اس وقت تک جو حقائق پیش کئے ہیں ان سے مندرجہ ذیل پہلو بالکل واضح ہیں۔

۱:- نزول وحی اور کتابتِ وحی کے درمیان کوئی وقفہ نہیں ہوا کرتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کتابتِ وحی کے معاملے میں بڑے محتاط تھے۔

۲:- کاتبان وحی کی تعداد ہر وقت آپ کی خدمت میں موجود رہتی تھی اور قلم دوات اور دیگر ضروریات سے لیس ہوتی تھی۔

۳:- حضورؐ لکھوانے کے بعد اس کی جانچ پڑتال بھی فرماتے تھے۔

۴:- بہت سے مکمل نسخے اس وقت تک موجود ہو چکے تھے۔

۵:- حفظ قرآن مجید میں صحابہؓ کا انہماک بے نظیر تھا اور لاتعداد صحابہؓ نے حفظ بھی کر لیا تھا۔

۶:- اسی طرح حفاظتِ قرآن مجید میں حفظ اور کتابت دونوں یکجا تھے۔

ان تمام حقائق کی روشنی میں محض گمان اور ظن کی بنیاد پر کوئی یہ رائے قائم کرے کہ "ہو سکتا ہے کہ کچھ قرآن مجید لکھا جانے سے رہ گیا ہو" محض گمان ہی کی حیثیت رکھتا ہے

گمان کا مقابلہ ہماری پیش کردہ روایات کے ساتھ کرنا انصاف اور حقائق کا منہ چڑانا ہی ہوگا۔

عہد نبوی میں عدم کتابتِ قرآن مجید ثابت کرنے کے لیے مستشرقین نے جو جزئی اعتراضات کئے ہیں آئندہ سطور میں ہم انکا تنقیدی جائزہ پیش کریں گے۔

مارگولیتھ (MARGOLIOUTH, D.S) نے عہد نبوی میں قرآن مجید کے غیر مکتوب ہونے پر ایک دلیل یہ دی ہے کہ قرآن مجید میں بہت سی آیات ایسی ہیں جنکا مضمون اور الفاظ آپس میں ملتے جلتے ہیں گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد نہیں رہتا تھا کہ انہوں نے اس سے قبل قرآن مجید میں کیا شامل کیا تھا۔ ان آیات میں سے ایک مثال سورۃ النساء کی آیت ۱۴۰۔ اور سورۃ الانعام کی آیت نمبر ۶۸ ہے جن کا مضمون اور الفاظ ملتے جلتے ہیں[۷۹]

سورۃ النساء کی آیت نمبر ۱۴۰۔

وقد نزل علیکم فی الکتب ان اذا سمعتم ایت اللہ یکفر بھا ویستھزأ بھا فلا تقعدوا معھم حتی یخوضوا فی حدیث غیرہ انکم اذاً مثلھم۔۔۔۔

اور خدا نے تم مومنوں پر اپنی کتاب میں یہ حکم نازل فرمایا ہے کہ جب تم کہیں سنو کہ خدا کی آیتوں سے انکار ہو رہا ہے اور ان کی ہنسی اڑائی جاتی ہے تو جب تک وہ لوگ اور باتیں نہ کرنے لگیں ان کے پاس مت بیٹھو ورنہ تم بھی ان جیسے ہو جاؤ گے۔

دوسری آیت سورۃ الانعام کی آیت نمبر ۶۸

"واذا رایت الذی یخوضون فی ایتنا فاعرض عنھم حتی یخوضوا فی حدیث غیرہ واما ینسینک الشیطن فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظلمین۔"

اور جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیتوں کے بارے میں بیہودہ باتیں کر رہے ہیں تو ان سے الگ ہو جاؤ۔ یہاں تک کہ وہ اور باتوں میں مصروف ہو جائیں اور اگر یہ بات شیطان تمہیں بھلا دے تو یاد آنے پر ظالم لوگوں کے ساتھ مت بیٹھو۔

پہلی آیت میں (بقول مارگولیتھ) دوسری آیت کا حوالہ دیا گیا ہے۔ لیکن دونوں

کے الفاظ مختلف ہیں مارگولیتھ اس سے یہ نتیجہ اخذ کرتا ہے کہ

"قرآن کی آیات لکھی ہوئی نہ تھیں۔ اگر قرآن لکھا ہوا ہوتا تو پہلی آیت میں بعینہ وہی الفاظ ذکر کئے جاتے جو دوسری میں ہیں۔ الفاظ کے اس اختلاف سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی آیت کے نزول کے وقت دوسری آیت کے الفاظ محفوظ نہیں رہے تھے۔

اس اعتراض کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ بالکل واضح بات ہے کہ اگر سورۃ النساء کے نزول کے وقت سورۃ الانعام کی مذکورہ آیت کے الفاظ محفوظ نہ رہے تھے تو پھر بعد میں وہ قرآن میں کس طرح شامل ہوئے۔ اگر سورۃ الانعام کے اصل الفاظ محفوظ نہ ہوتے تو اصول کا تقاضا یہ تھا کہ بعد میں لکھے والے سورۃ الانعام میں بھی بعینہ وہ الفاظ لکھتے جو النساء میں ہیں۔ ان دونوں آیات کا لفظی اختلاف تو درحقیقت اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ دونوں آیات کے الفاظ ہمیشہ سے پوری طرح محفوظ اور غیر متبدل ہیں۔ ان میں کسی قسم کے قیاس و گمان کو کوئی دخل نہیں رہا۔ اگر قرآن کی کتابت قیاس اور اندازے سے ہوئی ہوتی تو ان آیات کے الفاظ میں کوئی فرق نہیں ہونا چاہئے تھا۔

واقعہ یہ ہے کہ ہر زبان کے محاورات میں جب کبھی سابقہ گفتگو کا حوالہ دیا جاتا ہے تو اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ بعض دفعہ سابقہ گفتگو کے الفاظ بعینہ دہرائے جاتے ہیں جسے انگریزی میں (Direct Natation) کہا جاتا ہے۔ بعض اوقات وہی الفاظ دہرائے نہیں جاتے ہیں بلکہ سلیقہ گفتگو کے بنیادی مفہوم کو دوسرے الفاظ میں بیان کر دیا جاتا ہے جسے (Indi nect Nafation) کہا جاتا ہے۔ ان دونوں میں سے پہلی صورت بہت کم استعمال ہوتی ہے۔ یعنی ایسا کم ہی ہوتا ہے کہ کسی سابقہ گفتگو کو بعینہ نقل کیا جائے۔ اس کی بجائے دوسری صورت ہی اختیار کی جاتی ہے۔ سورۃ النساء میں بھی دوسری صورت اختیار کی گئی ہے۔ اس کی ایک اور وجہ یہ بھی ہے کہ قرآن مجید کی ہر سورت اپنے جملوں کی ساخت کے اعتبار سے جداگانہ اسلوب رکھتی ہے لہٰذا اگر ایک سورت کے جملوں کے درمیان کسی دوسری سورت کا جملہ بعینہ جوڑ دیا جائے تو آیات کے تسلسل (sequence) میں فرق

پڑجاتا ہے۔ اور اس سے فقروں کی روانی باقی نہیں رہتی جس کی اثر انگیزی سب کے نزدیک مسلم ہے۔ لہٰذا اگر ادبی ذوق کے لحاظ سے دیکھا جائے تو سورۃ النساء کی مذکورہ آیت میں سورۃ الانعام کے الفاظ بعینہ نقل کر دیئے جائیں تو عبارت کا زور اور تسلسل ٹوٹ جائے گا۔

اس کے علاوہ تفسیر ابن کثیر میں بیان کیا گیا ہے کہ سورۃ الانعام جس کی مذکورہ آیت کے بارے میں مارگولیتھ کا دعویٰ ہے کہ وہ لکھی ہوئی نہ تھی پوری کی پوری ایک ہی مرتبہ نازل ہوئی اور اس میں یہ آیت بھی موجود ہے۔

"وھذا کتاب انزلنٰہ مبٰرک مصدق الذی بین یدیہ ولتنذر ام القریٰ ومن حولہا"[۸۰]	(اور یہ کتاب (ویسی ہی ہے) جسے ہم نے نازل کیا ہے بابرکت جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے تاکہ آپ ڈرائیں ام القریٰ اور اسکے اردگرد والوں کو)

اس آیت کریمہ میں قرآن کو کتاب کہا گیا ہے۔ اگر سورۃ الانعام کے نزول کے وقت قرآن کریم کو لکھنے کا معمول نہ تھا .... تو اسے کتاب کہنے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے؟ لہٰذا مارگولیتھ کا یہ اعتراض کسی بھی طرح درست ثابت نہیں ہوتا۔

انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا (ENCYCLOPEDIA BRITANNICA) کے مقالۂ قرآن کے مقالہ نگار نے قرآن مجید پر اعتراض کرتے ہوئے کچھ تاریخی شخصیات اور واقعات پیش کئے ہیں کہ قرآن مجید نے یہ واقعات غلط طور پر پیش کئے ہیں۔ مستشرقین کہتے ہیں کہ محمدؐ نے آدمی متعین کر رکھے تھے جو ادھر اُدھر پھر کر واقعات اکٹھے کرتے۔ چونکہ محمد زبانی ہی یہ سب کچھ سنتے، اس لئے انہیں ان کے بیان کرنے یا سمجھنے میں غلطی لگ گئی اور آپ نے ان واقعات و شخصیات کو غلط طور پر حقیقت کے برعکس پیش کیا۔[۸۱]

ان واقعات و شخصیات میں ایک حضرت مریم علیہا السلام ہیں اور قرآن نے مغالطے کی بنیاد پر مریم کو غلط طور پر متعین کرتے ہوئے حضرت عیسیٰؑ کی والدہ کو بھی

بنت عمران قرار دیا ہے۔ ۸۲

تنقیدی جائزہ اگر مقالہ نگار کسی یقینی دلیل کے ساتھ یہ بھی ثابت کر دیتا کہ حضرت مریمؑ کے والد کا نام عمران نہ تھا، تب تو یہ اعتراض کسی طور پر قابلِ اعتبار ہو سکتا تھا لیکن حالت یہ ہے کہ اگر ہم انہیں سے پوچھیں کہ پھر حضرت مریمؑ کے والد کا نام عمران کے سوا اور کیا تھا؟ تو اس کے جواب میں ان کے پاس خاموشی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ انکے والد کا نام بائبل میں بھی مذکور نہیں۔ اسی انسائیکلوپیڈیا کے اندر مریم کے مقالہ میں یہ اعتراف کیا گیا ہے کہ:

حضرت مریم کے والدین کے بارے میں پہلی صدی عیسوی کی کسی تاریخی دستاویز میں کوئی ریکارڈ موجود نہیں ہے۔ ۸۳

- ایک طرف یہ لاعلمی اور دوسری جانب یہ دعویٰ کہ قرآن حکیم میں حضرت مریمؑ کے والد کا نام مغالطے پر مبنی ہے۔
- کیا یہ بات درست ہے کہ اگر ایک مرتبہ کسی کا نام عمران رکھا جا چکا ہو تو اس کے بعد دنیا میں کسی اور شخص کا نام عمران نہیں رکھا جا سکتا۔
- قرآن مجید نے تو بہت سے حقائق آشکارا کئے ہیں۔ بات صرف حضرت عمران تک محدود نہیں۔ حضرت مریم علیہا السلام کی پیدائش، ان کی تربیت بچپن اور دیگر بہت سے حالات کے بارے میں خود وہ مآخذ بھی خاموش ہیں۔ جنہیں عیسائی مستند سمجھتے ہیں۔ چاروں اناجیل میں بھی ان کا ذکر نہیں۔ قرآن مجید سب سے پہلے انہیں منظر عام پر لایا۔ ڈکشنری آف دی بائبل میں مذکور ہے۔

شروع شروع میں عیسائی دنیا ان انکشافات پر اعتراض کرتی رہی مگر اب خود عیسائیت کی ایسی کتابیں دریافت ہو رہی ہیں جن میں قرآن کے بیان کردہ یہی حقائق بیان کئے گئے ہیں ۸۴

لہٰذا جب عیسائی مآخذ میں حضرت مریم کے والد کے بارے میں کچھ بھی موجود

نہیں ہے تو عیسائیوں کو کسی اعتراض کا حق نہیں پہنچتا۔
بائبل کی ایک اور ڈکشنری جو (John McKenzie) نے مرتب کی ہے۔ اس میں صراحت کے ساتھ وہ تمام ابہامات بیان ہوئے ہیں جو مریم کی شخصیت کے تعین کے سلسلے میں اہل کتاب کی ہاں موجود ہیں۔ مصنف لکھتا ہے۔

"A by-product of this reticence is our almost total lake of genuine information concerning the life and person of mary" 85

J.D. Douglas کی مرتب کردہ ڈکشنری آف بائبل میں اس سلسلے میں لکھا ہے

"there have been various attempts to resolve these differences" 86

یعنی اناجیل کے ان اختلافات کو حل کرنے کی بہت سی کوششیں ہو چکی ہیں۔ مریم علیہا السلام کے بارے میں اناجیل کے اختلافات کے بارے میں اسی طرح کے خیالات کا اظہار 87 William smith کی ڈکشنری آف دی بائبل میں کیا گیا ہے ۔ ۸۷ لہٰذا جب خود مستشرقین ہی اپنے ساتھی مستشرقین کے نقطۂ نگاہ کی تردید کرتے اور حقائق کی وضاحت کرتے ہیں تو حقیقت کی وضاحت کیلئے ہمارے کہنے کی کچھ گنجائش ہی باقی نہیں رہتی۔
قرآن مجید میں اغلاط کی نشاندہی کرتے ہوئے انسائیکلوپیڈیا برٹینکا (Encyclopedia of Britannica) 88 کے مقالہ نگار نے فرعون کے وزیر ہامان کا بھی ذکر کیا ہے کہ قرآن میں یہ غلطی ہے کہ اس نام سے فرعون کے کسی وزیر کا نام بائبل کے عہد نامہ قدیم میں نہیں ملتا۔ مقالہ نگار نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ دراصل ہامان، شاہ اسویرس کا وزیر تھا جس کا ذکر بائبل میں ملتا ہے۔ مقالہ نگار کہتا ہے کہ چونکہ محمدؐ نے یہ واقعات زبانی سیکھے تھے لہٰذا مغالطے سے یہ نام فرعون کے وزیر کیطرف

منسوب کر دیا۔۸۸

مقالہ نگار کے اس نقطہ نگاہ کا تنقیدی جائزہ مولانا تقی عثمانی نے لیا ہے آپ لکھتے ہیں۔ "درحقیقت یہ بات بالکل بے سروپا ہے اور اسی مفروضے پر مبنی ہے کہ دنیا میں ایک نام کے دو آدمی نہیں ہو سکتے۔ واقعہ یہ ہے کہ اسویرس کے جس نام نہاد وزیر کا ذکر مقالہ نگار نے کیا ہے۔ اس کا قصہ صرف بائبل کی ایک مشتبہ کتاب (APOCRYPHAL BOOK) آستر میں مذکور ہے۔ اس کتاب کو پروٹیسٹنٹ فرقہ معتبر تسلیم نہیں کرتا۔ چنانچہ مروجہ پروٹیسٹنٹ (P Protestan) اناجیل میں یہ کتاب موجود نہیں ہے۔ البتہ کیتھولک فرقہ اسے مستند سمجھتا ہے۔ اس کتاب میں جس ہامان یا آمان یا ایمان کا ذکر کیا گیا ہے وہ شاہ اسویرس کا وزیر نہیں بلکہ صدر دربار تھا (آستر ۳: ۱)

اس کا جو حصہ اس کتاب میں مذکور ہے اسے ہامان کے قرآنی واقعے سے کوئی دور کی بھی نسبت نہیں ہے۔ قرآن نے بیان کیا ہے کہ فرعون نے ہامان کو یہ حکم دیا تھا کہ اس کے لئے ایک بلند محل تیار کروائے تاکہ اس پر چڑھ کر وہ موسیٰ کے خدا کو جھانک سکے۔ قرآن ہی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہامان آخر وقت فرعون کا منہ چڑھا وزیر رہا اور بالآخر اسی کے ساتھ غرق ہوا۔ اسی کے برعکس کتاب آستر میں ہامان کی طرف اس نوعیت کا کوئی قصہ منسوب نہیں کیا گیا۔

کتاب آستر کا ہامان، بخت نصر کے واقعے کے بعد کا ہے اور اس کا قصہ صرف اس قدر ہے کہ صرف ایک اتفاقی واقعہ کی بنا پر صرف مختصر عرصے کے لئے بادشاہ اسویرس کا تقرب اسے حاصل ہوا لیکن اسی دوران وہ یہودیوں کے قتل عام کا حکم جاری کروا دیتا ہے جس کی بنا پر بادشاہ کی ملکہ آستر اس کی دشمن ہو جاتی ہے اور بادشاہ اسے سولی پر لٹکا کر اس کی جگہ ایک یہودی مرد کو نامزد کرتا ہے۔۸۹

عہد نبوی میں قرآن مجید میں اختلافات ثابت کرنے کے لئے جو دلیل دی گئی ہے اس میں ہشام ابن حکیم اور حضرت عمرؓ کے تلاوتِ قرآن میں اختلاف کرنے کا واقعہ ہے۔

مستشرقین نے عہد نبوی ہی میں قرآن مجید کے کسی متفقہ متن کے مفقود ہونے پر یہ دلیل پیش کی ہے کہ اس وقت جب کہ قرآن حکیم نازل ہو رہا تھا اور حضورؐ کی ذاتِ گرامی صحابہؓ میں موجود تھی، لوگ قرآن حکیم کی تلاوت میں اختلاف کرتے تھے۔ اس کی مثال انہوں نے بخاری اور مسلم شریف میں موجود اس واقعہ سے دی ہے کہ ایک موقع پر نماز میں حضرت عمرؓ نے حضرت ہشام بن حکیمؓ سے سورۃ الفرقان کی آیت سنیں اور نماز کے فوراً بعد حضرت عمرؓ انہیں پکڑ کر حضورؐ کی خدمت میں لے گئے کیونکہ حکیم بن ہشامؓ کسی اور انداز سے قرآن کی تلاوت کر رہے تھے۔ حضورؐ نے دونوں سے ان آیات کی تلاوت سنی اور دونوں کو کہہ دیا کہ تم درست پڑھتے ہو۔[۹]

اس واقعہ سے مستشرقین مندرجہ ذیل نتائج حاصل کرتے ہیں۔

۱:۔ عہد نبوی میں قرآن مجید کا متفقہ متن موجود نہ تھا۔

۲:۔ حضورؐ نے محض سیاسی مصلحت کی خاطر ان دونوں حضرات کی قرات کو درست قرار دے دیا۔

۳:۔ یہ اختلاف، اختلاف قرأت یا سبعہ احرف سے الگ کوئی اور اختلاف تھا۔ کیونکہ حضرت عمرؓ اور ہشام بن حکیمؓ دونوں ایک ہی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔

کیا عہد نبوی میں قرآن مجید کا متفقہ نسخہ موجود تھا یا نہیں اس پر گذشتہ صفحات میں تفصیلی بحث پیش کر دی گئی ہے۔ یہاں تکرار کی ضرورت نہیں ہے۔

جہاں تک دوسری بات کا تعلق ہے کہ حضرت عمرؓ کو سیاسی مقصد کی بنا پر درست قرار دے دیا گیا، اس قسم کی بات وہی شخص کر سکتا ہے جو منصب نبوت کی اہمیت سے واقف نہ ہو۔

- یہ واقعہ مدینہ منورہ کا ہے نہ کہ مکہ مکرمہ کا۔ ظاہر ہے مدینہ میں ایسی صورتحال نہیں تھی کہ کسی قسم کی چشم پوشی اختیار کی جاتی۔ اب مسلمان اس دور سے بالکل مختلف تھے جب حضرت عمرؓ اسلام لائے تھے۔

- کیا حضرت عمرؓ کی ہر بات کو حضورؐ نے تسلیم ہی کیا تھا یا آپؐ سے اختلاف

بھی کیا جاتا تھا؟ اس کا جواب بدر کے قیدیوں کے انجام کے واقعہ سے حاصل کیا جاسکتا ہے کہ حضورؐ ان کی رائے سے کبھی بھی اختلاف نہ کرتے۔

جہاں تک تیسرے اعتراض کا معاملہ ہے اس سلسلے میں مندرجہ ذیل وضاحت اس مسئلے کی پیچیدگی کو حل کر دیتی ہے۔

۱:۔ یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیئے کہ جب وحی کے ذریعے سات حروف میں قرآن مجید پڑھنے کی اجازت دی گئی تو یہ اجازت خاص خاص اقوام کے ساتھ مخصوص نہیں رہ سکتی تھی۔ صرف حضورؐ ہی صحابہ کرامؓ کو قرآن کی تعلیم نہیں دیتے تھے بلکہ صحابہؓ بھی ایک دوسرے کو قرآن پڑھاتے تھے اس طرح ایک قبیلہ یا قوم کی خصوصیات دوسری قوم تک جا سکتی تھیں۔

۲:۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر ایک قوم ایک لفظ کو ایک خاص انداز سے، جو دوسری قوم میں مروج ہے، ادا نہ کر سکے تو اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ دوسری قوم بھی پہلی قوم کے انداز کے مطابق ادا نہیں کر سکتی۔ مثلاً بنو ہذیل اور بنو ثقیف حتّٰی کی بجائے "عتّٰی" پڑھتے تھے۔ "حتّٰی" قریش کے محاورے میں تھا جب کہ دوسرے اسے عتّٰی کہتے تھے۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ قریش "عتّٰی" نہیں بول سکتے تھے۔ اگرچہ وہ عام طور پر "حتّٰی" ہی بولتے تھے اور یہی اصل لفظ تھا لیکن اگر وہ چاہتے تو "عتّٰی" بھی پڑھ سکتے تھے۔ چنانچہ ایک حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ابن مسعودؓ "حتّٰی حین" کی بجائے "عتّٰی حین" پڑھتے تھے اور حضرت عمرؓ نے انہیں اس سے منع بھی فرمایا تھا کہ بنو ہذیل کے محاورے میں لوگوں کو قرآن نہ پڑھاؤ۔ اصل بات یہ تھی کہ قریش دوسری اقوام کے محاورات کے مطابق الفاظ ادا کرنے کے عادی ہو گئے تھے۔ مکہ مکرمہ میں لوگ ہر سال حج اور میلوں وغیرہ پر جمع ہوا کرتے تھے اور قریش کو چونکہ ہر ایک قوم اور قبیلہ سے لین دین اور تجارت کا واسطہ پڑتا تھا اور علاوہ ازیں علمی مناظرے اور مقابلے بھی ہوتے رہتے تھے اس لئے قریش کو ہر ایک قوم کے محاورے سے واقفیت پیدا کرنی لازمی ہو گئی تھی۔

جس وقت ہشامؓ مسلمان ہوئے اس وقت مکہ فتح ہو چکا تھا اور اسلام تیزی سے پھیل رہا تھا اور لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہو رہے تھے۔ غالباً حضرت ہشامؓ نے سورۃ الفرقان کی یہ آیات حضورؐ سے اس وقت سنی ہوں گی جب وہ کسی اور قبیلہ کو قرآن پڑھا رہے ہوں گے اور اسی انداز سے انہوں نے یاد کر لیا۔ حضورؐ کی طرف سے بحکم خدا یہ اجازت تھی کہ "فاقروا ما تیسر منہ" یعنی جس طرح آسان ہو اسی طرح پڑھ لو۔

حضرت ہشامؓ نے قریش کے محاورے کے مطابق اسے ادا کرنے کی کوشش نہ کی اور نہ ہی حضورؐ نے انہیں اس طرح پڑھنے سے منع فرمایا جس طرح وہ پڑھ رہے تھے۔ (یاد رہے کہ سبعہ احرف کی اجازت فتح مکہ کے بعد ملی تھی جب کہ اسلام دور نزدیک تیزی سے پھیل رہا تھا اور حضرت ہشام بن حکیمؓ فتح مکہ کے بعد دائرہ اسلام میں داخل ہوئے) یہ تمام تفصیلات اس بات کو واضح کر دیتی ہیں کہ ہشامؓ اور حضرت عمرؓ میں ایک ہی قبیلے سے متعلق ہونے کی باوجود قرأت قرآن میں کیوں اختلاف ہوا تھا۔ حضرت عمرؓ نے حضورؐ سے قرآن حکیم اس وقت پڑھا تھا جب قرآن ایک ہی حرف پر تھا اور ہشامؓ نے ایسے وقت میں سیکھا تھا جب دوسری اقوام کے اسلام میں کثرت سے داخل ہونے کی وجہ سے ان لوگوں کو ان کے اپنے محاورے میں قرآن پڑھانے کی ضرورت پیش آئی تھی۔

مذکورہ بالا تفصیلات سے یہ بات مکمل طور پر عیاں ہو جاتی ہے کہ حضرت عمرؓ اور ہشام بن حکیمؓ کے اس واقعے سے کسی طرح بھی یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ عہد نبوی میں قرآن مجید کے متن میں اختلافات پائے جاتے تھے۔ اس سلسلے میں تفصیلی بحث مختلف محققین نے اختلاف قرأت اور "سبع احرف" کے ابواب میں کی ہے۔

اور واضح کیا گیا ہے کہ جب قرآن حکیم سات حروف میں نازل ہوا تھا اور تمام "حروف" منزل من اللہ ہونے کی وجہ سے جائز تھے، اس لئے ان میں سے کسی ایک حرف میں پڑھنا اصل وحی کے الفاظ کے مطابق ہی پڑھنا تھا۔

مصادر و مراجع

۵۱ ترمذی، محمد بن عیسیٰ، سنن ترمذی۔ دمشق، ۱۹۶۵ء، جلد گیارہ، صفحہ ۱۲۱

۵۲ سیوطی، جلد اول، صفحہ ۷۳

۵۳ ایضاً، جلد اول، صفحہ ۷۳

۵۴ علی المتقی، کنز العمال جلد اول، صفحہ ۲۱۷

۵۵ میور، ولیم، لائف آف محمد، لندن، ۱۸۶۰، جلد اول، صفحہ ۵

۵۶ سیوطی، الاتقان، جلد اول، صفحہ ۵۸

۵۷ الطبری، محمد بن جریر، جامع البیان عن تاویل ای القرآن، مصر، ۱۹۶۸، جلد اول، صفحہ ۲۵

۵۸ ایضاً، جلد اوّل، صفحہ ۶۰ (۵) ۵۸ زرکلی، خیرالدین، الاعلام، مصر، ۱۹۲۷، جلد اول، صفحہ ۳۴۴

۵۹ سیوطی الاتقان، جلد اول، صفحہ ۶۰

۶۰ ایضاً جلد اول، صفحہ ۶۰

۶۱ بخاری، محمد بن اسمٰعیل، الجامع الصحیح، مصر ۱۹۵۳، جلد ثالث، صفحہ ۱۲۲

۶۲ سیوطی، الاتقان، جلد اول، صفحہ ۵۹

۶۳ طبری، محمد بن جریر، جامع البیان عن تاویل ای القرآن، جلد پنجم، صفحہ ۹۳

۶۴ سیوطی، الاتقان، جلد اول، صفحہ ۶۷

۶۵ ایضاً، جلد اول، صفحہ ۶۷

۶۶ حاکم، امام، مستدرک علی الصحیحین، فی الحدیث، ریاض، (س۔ن) جلد دوم، صفحہ ۲۲۹

۶۷ بحوالہ سیوطی، الاتقان، جلد اول، صفحہ ۸۵

۶۸ ایضاً، جلد اول، صفحہ ۵۸

۶۹ ایضاً، جلد اول، صفحہ ۶۰

۷۰ ایضاً، جلد اول، صفحہ ۶۰

۷۱ ایضاً، جلد اول، صفحہ ۶۰

کیا آزادی کے بعد سارے مسلمان قانوناً نا اہل ہو گئے؟

آزادی کے بعد ہماری سیکولر حکومت نے مسلمانوں کو ہر شعبۂ زندگی سے دیس نکالا دینے کی جو کوشش کی ہے اس کی داستان تو بہت لمبی ہے اس وقت عدلیہ کے شعبہ میں اس کی انصاف پسندی کی دو تین مثالیں پیش کرتے ہیں۔

(۱) ہر ضلع میں پبلک نوٹری کی پوسٹ ہوتی ہے۔ جو بیان حلفی و مختار نامہ وغیرہ تصدیق کرتے ہیں۔ ہر ضلع میں کم سے کم دو پوسٹ ہوتی ہے ایک کلکٹری کچہری میں اور دوسری دیوانی کچہری میں۔ دونوں جگہوں پر تقرری ہائی کورٹ ضلع جج اور کلکٹر کی سفارش (Recomulation) پر کرتی ہے۔ یوپی کے کسی بھی ضلع میں کوئی مسلمان (PUBLIC n Notary) پبلک نوٹری میں نہیں ہے۔

(۲) یوپی کے ہر ضلع میں ڈی جی سی D . G . C ہوتے ہیں (Distt. gov ernment counsll) ایک (R) . D.G.C دوسرا (Civil) . D.G.C تیسرا (D.G.C . (Criminal) یعنی ڈی جی سی ریونیو ڈی جی سی سول و ڈی جی سی کرمنل ان کی تقرری یوپی گورنمنٹ کرتی ہے۔ یوپی کے کسی ضلع میں کوئی مسلمان ڈی جی سی نہیں ہے الٰہ آباد ہائی کورٹ میں آزادی کے بعد سے اب تک کوئی مسلمان ایڈووکیٹ جنرل نہیں تقرر ہوا ہے۔

مرکزی حکومت میں سالیسیٹر جنرل اور اٹارنی جنرل کی پوسٹ ہوتی ہے اب تک کسی مسلمان کو یہ عہدہ نہیں ملا ہے۔ یہ تقرری مرکزی حکومت کرتی ہے۔

مرزا اعجاز احمد ایڈووکیٹ اعظم گڈھ

اسلامی حکومت اور اس کی معاشی ذمہ داریاں

قسط ۹

جناب محمد لطیف اللہ نائب صوبیدار

اوپر جو احادیث و آثار بیان کئے گئے ہیں ان کا تعلق بنیادی ضروریات سے ہے۔ اگرچہ بعض احادیث میں ادائے قرض کا بھی تذکرہ ہے اور سرپرستی کی احادیث کا تعلق ہر طرح کی بنیادی ضروریات سے ہے۔ بعض دوسرے آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ غذا، لباس، مکان اور علاج جیسی بنیادی ضرورتوں کے علاوہ دوسری ضروریات کی تکمیل کا بھی اہتمام کیا گیا تھا۔

ان دوسری ضروریات میں سے ایک اہم ضرورت عام تعلیم کی ہے۔ اسلامی حکومت اپنے شہریوں کو لکھنا پڑھنا سکھانے کا بھی اہتمام کرتی تھی۔ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کا اہتمام کرتے تھے کہ لوگ لکھنا اور پڑھنا سیکھیں آپؐ ہی کے حکم سے حضرت زید بن ثابتؓ نے یہود کی زبان سیکھی تھی۔ بدر کے موقع پر متعدد قیدیوں کا فدیہ یہ قرار دیا گیا کہ ان میں سے ہر ایک مدینے کے دس بچوں کو لکھنا سکھا دے۔ صفہ کی اسلامی درسگاہ میں شریک ہونے والے قرآن کریم اور تعلیمات دین کے ساتھ لکھنا بھی سیکھتے تھے متعدد روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دیہات کے علاقوں میں عوام کو اسلامی آداب زندگی سکھانے کے لئے مدینہ سے اپنے کسی صحابی کو بھیجتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے بچوں کی تعلیم کے لئے معلم مقرر کئے تھے۔

عن الوضیف بن عطاء قال ثلاثة کانوا بالمدینة یعلمون الصبیان وکان عمر بن الخطاب یرزق کل واحد منهم خمسة عشر

وضیف بن عطاء سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ مدینہ میں تین آدمی تھے جو بچوں کو تعلیم دیا کرتے تھے اور عمر بن الخطاب الله تعالیٰ ان میں سے ہر ایک کو پندرہ درہم ماہانہ دیا کرتے تھے۔

دھماکل شہر[1]

• حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے گورنروں کو لکھا کہ آپ کو ان لوگوں کی فہرست بھیجی جائے جنکو قرآن کریم حفظ ہے تاکہ ان کو اونچے وظیفے دے کر مختلف علاقوں میں لوگوں کو قرآن کی تعلیم دینے پر مامور کر دیا جائے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے بھی دیہات کے مسلمانوں کو اسلامی آداب زندگی کی تعلیم دینے کیلئے باتنخواہ معلم مقرر کئے تھے۔ آپ نے طالب علموں کے لئے اور ایسے افراد کے لئے جو اپنے علمی مشاغل کے سبب کسب معاش سے قاصر تھے وظائف بھی مقرر کئے تھے۔

ان آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ ریاست کی طرف سے علم سکھلانے کا اہتمام کیا گیا تھا بلکہ معذور افراد کو خادم بھی فراہم کئے جاتے تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے شام میں نابینا افراد یا دوسرے مرض کے سبب معذور افراد اور بے سہارا یتیم بچوں کی خدمت کے لئے سرکاری طور پر خادم فراہم کئے تھے۔ حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں شدید قحط پیش آیا تو آپ نے سرکاری طور پر کھانا پکوا کر تمام ضرورت مند لوگوں کو کھلانے کا اہتمام کیا تھا۔ انہی دنوں ایک واقعہ یہ پیش آیا:

کان عمر بن الخطاب یطعم الناس بالمدینة وھو یطوف علیھم بیدہ عصًا۔ فمرّ برجل یأکل بشمالہ فقال یا عبد اللہ کُلْ بیمینك قال یا عبد اللہ انھا مشغولة قال فمضٰی ثم مرّ بہ وھو یاکل بشمالہ فقال یا عبد اللہ کل بیمینك قال یا عبد اللہ انھا مشغولة

عمر بن الخطابؓ مدینہ میں لوگوں کو کھانا کھلا رہے تھے آپ ہاتھ میں لاٹھی لئے ان کے درمیان گشت کر رہے تھے اسی دوران آپ کا گذر ایک ایسے آدمی کے پاس سے ہوا جو بائیں ہاتھ سے کھانا کھا رہا تھا آپ نے اس سے کہا بندہ خدا دائیں ہاتھ سے کھا' اس نے جواب دیا بندہ خدا' وہ مشغول ہے آپ آگے بڑھ گئے دوبارہ وہاں سے گزرے تو پھر دیکھا کہ وہ بائیں ہاتھ سے کھانا کھا رہا ہے۔ آپ نے

---

[1] کنز العمال جلد ۲ بحوالہ مصنف ابن ابی شیبہ۔

ثلاث مرات قال وما شغلها؟ قال اصيبت يوم موته. قال فجلس عمر عنده يبكي. فجعل يقول من يوضئك؟ من يغسل رأسك وثيابك؟ من تصنع كذا وكذا؟ فدعا له بخادم وامر له براحلة وطعام وما يصلحه وما ينبغي له حتى رفع اصحاب محمد صلى الله عليه وسلم اصواتهم يدعون الله لعمر مما راوا من رقته بالرجل واهتمامه بامر المسلمين ؎

اس سے پھر کہا بندۂ خدا دائیں ہاتھ سے کھا اس نے کہا بندۂ خدا وہ مشغول ہے۔ اس نے تین بار یہی جواب دیا۔ آپ نے پوچھا کہ کس کام میں مشغول ہے؟ اس نے جواب دیا کہ داہنا ہاتھ مُوتہ کی لڑائی میں کام آگیا۔ راوی کہتا ہے کہ یہ سُن کر عمرؓ اس کے پاس بیٹھ گئے اور رونے لگے۔ اس سے پوچھنے لگے کہ تمہیں وضو کون کراتا ہے؟ تمہارا سر کون دھوتا ہے؟ کپڑے کون دھوتا ہے؟ فلاں اور فلاں کام کون کرتا ہے؟ پھر آپ نے اس کے لیے ایک ملازم منگوایا اور اسے ایک سواری دلوائی اور دوسرے سامان ضرورت بھی دلوائے یہاں تک کہ اس آدمی کے ساتھ آپ کا انتہائی مشفقانہ سلوک اور مسلمانوں کی بہبود کے لئے حضرت عمرؓ کا یہ اہتمام دیکھ کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ بلند آواز سے عمرؓ کے لئے اللہ سے دعائیں کرنے لگے۔

غذا، لباس، مکان، علاج اور تعلیم کی جن بنیادی ضروریات کی تکمیل کو ہم نے اسلامی حکومت کی ذمہ داری قرار دیا ہے ان کے سلسلہ میں یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ ان کی وہ کم سے کم مقداریں کیا ہیں جن کی فراہمی اس ذمہ داری کی ادائیگی کے لئے ضروری سمجھی جائے گی۔ اس کا اصولی جواب یہ ہے کہ غذا، لباس اور مکان کی ضرورتیں کم سے کم اس حد تک پوری کی جانی چاہئیں کہ بھوک پیاس، سردی یا گرمی کی شدت اور بارش وغیرہ کے نتیجہ میں فرد کی جان جانے کا اندیشہ نہ باقی رہے اور اس کے اندر اتنی طاقت بحال رہے کہ وہ کسب معاش کی جدوجہد کر سکے اس اصولی بات سے آگے بڑھ کر اشیاء کی کیفیت یا کمیت کے بارے میں کوئی صراحت کرنا دشوار ہے ان کی تعیین احوال و ظروف پر مبنی ہوگی۔ جہاں تک مریض کے علاج کا تعلق ہے

ایسا نظام کیا جانا چاہئے کہ محروم افراد کی ملک کی عام معاشی سطح کے مطابق ضروری طبی خدمات اور دوائیں مفت حاصل کر سکیں تعلیم کم از کم اتنی ہونی چاہئے تھی کہ ہر فرد لکھنا اور پڑھنا سکھ لے قرآن کریم کا ناظرہ پڑھنا۔ اسلام کی بنیادی تعلیمات سے واقفیت، جاہلیت اور اسلام کے درمیان تمیز کی صلاحیت عبادت کے طریقوں اور عام معاملات زندگی میں اسلامی حدود سے آگاہی ابتدائی اسلامی تعلیم کے لازمی معیار میں شامل ہیں۔

معاشی تعمیر و ترقی

کفالت عامہ کی طرح ملک کی معاشی تعمیر و ترقی بھی ایک اجتماعی فریضہ ہے اگر کفالت عامہ سے افراد کی ضروریات کی تکمیل اور قیام حیات وابستہ ہے تو معاشی تعمیر و ترقی سے پورے اجتماع کا قیام و بقاء اس کی قوت کا استحکام اور اس کے جملہ دنیاوی مصالح وابستہ ہیں جنکا تحفظ ریاست کو وجود میں لانے کا ایک اہم سبب ہے یہ ذمہ داری اگرچہ افراد پر ان کی انفرادی حیثیتوں میں بھی عائد ہوتی ہے لیکن اجتماع کے نمائندہ صاحب اقتدار ادارہ ریاست پر اس کی ذمہ داری بہت زیادہ ہے۔

کسی ملک کی معاشی تعمیر و ترقی اس ملک کی فوجی طاقت اور دفاعی قوت کی بنیاد اور اس کے سیاسی استحکام کی لازمی شرط ہے، آج کل دفاعی قوت براہ راست صنعتی ترقی سے وابستہ ہے محفوظ دفاعی پالیسی کا ایک مسلمہ اصول یہ ہے کہ ملک اہم دفاعی سامانوں کیلئے دوسرے ممالک بالخصوص کسی دوسرے تہذیبی بلاک سے تعلق رکھنے والے ممالک کا محتاج نہ ہو، ظاہر ہے کہ جدید آلات حرب اور دفاعی سامان کسی ملک میں اسی وقت تیار کئے جا سکتے ہیں جب وہ صنعتی ترقی کے ایک اونچے معیار پر پہنچ چکا ہو۔ یہ بات محتاج دلیل نہیں کہ قرآن و سنت میں دارالاسلام کی فوجی طاقت اور دفاعی قوت کے استحکام پر بہت زور دیا گیا ہے، اللہ تعالے نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ:

وَاَعِدُّوا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ[1] اور ان دشمنوں کیلئے جتنی قوت تم سے ممکن ہو سکے

---

[1] سورۃ انفال: آیت ۶۰۔

فراہم کر رکھو۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے زمانہ کی مختلف فوجی تیاریوں، تیراندازی اور گھوڑ سواری کی مشق اور اسلحہ اور گھوڑے فراہم کر رکھنے پر صحابۂ کرام کو بار بار ابھارتے رہتے تھے، آج کی فوجی تیاریاں اور قوت کے ذرائع مختلف ہیں، آج اسی حکم اور انہی ارشادات نبوی کا منشا یہ ہے کہ زمانے کے معیار کے مطابق فوجی تیاریاں کی جائیں۔ اور دفاعی قوت پیدا کی جائے چونکہ یہ مقصد صنعتی ترقی اور فولاد، ایٹمی توانائی اور بجلی کی طاقت جیسی بنیادی صنعتوں کے فروغ کے بغیر نہیں حاصل کیا جاسکتا اس لئے ان چیزوں کا اہتمام بھی لازم قرار پائے گا۔ کسی شرعی فریضہ کی ادائیگی اگر کسی دوسرے کام پر موقوف ہو تو وہ کام بھی فرض ہو جاتا ہے جس کی تصریح حسب ذیل ہے۔

اتفق اصحابنا والمعتزلة	ہمارے رفقاء اور معتزلہ سب اس اصول
علی ان ما لایتم الواجب الا	پر متفق ہیں کہ چیز کے بغیر واجب کی پوری
بہ وھو مقدور للمکلف	تعمیل ممکن نہ ہو اور وہ چیز مکلف کے بس
فھو واجب۔ [1]	میں ہو تو وہ چیز واجب ہے۔

معاشی تعمیر و ترقی کا اہتمام فقر و فاقہ کے انسداد اور کفالتِ عامہ کی ذمہ داری کو خوبی ادا کرنے کے لئے بھی ضروری ہے۔ قومی پیداوار میں اضافہ کی مؤثر تدابیر نہ اختیار کی جائیں تو صرف موجودہ دولت کی از سر نو تقسیم کے ذریعے ملک کے ہر فرد کو ایک معقول معیار زندگی کی ضمانت نہیں دی جا سکتی۔ اس نکتہ پر غور کرتے وقت یہ حقیقت بھی پیش نظر رہے کہ آج مسلمان ممالک جن میں اسلامی حکومت کے قیام کا امکان ہے۔ معاشی طور پر پسماندہ اور کم ترقی یافتہ ہیں ان کی قومی پیداوار کی موجودہ سطح ان کی بڑھتی ہوئی آبادیوں کے لئے ناکافی ہے اور وہ صرف یہ طریقہ اختیار کر کے کفالتِ عامہ کی ذمہ داری نہیں ادا کر سکتے کہ مالدار لوگوں سے ان کی دولت کا ایک حصہ لے کر اہل حاجت کے درمیان تقسیم کر دیں۔

دورِ جدید میں ایک اسلامی حکومت اپنی تہذیبی انفرادیت کو بھی اسی وقت برقرار رکھ

---

[1] الآمدی: الاحکام فی اصول الاحکام جلد ۱ ص ۱۵۸

سکتی ہے جب وہ صنعتی طور پر غیر مسلم دنیا سے بڑی حد تک بے نیاز ہو جائے اور کم از کم ضروری سامانِ زندگی کے لئے ان ممالک کی محتاج نہ ہو۔ جو ممالک صنعتی طور دوسرے ملکوں پر بہت زیادہ انحصار کرتے ہیں وہ تہذیبی طور پر بھی ان کا اثر قبول کرنے لگتے ہیں۔ آج اسلامی ممالک کی صنعتی پسماندگی اور مغرب کی محتاجی ان پر مغربی تہذیب کے اثر اور مغربی غلبہ و استیلاء کا ایک اہم سبب ہے۔

قرنِ اول کی اسلامی ریاست نے موقع پڑنے پر غیر مسلم دنیا کی تالیفِ قلب کے لیے اس کو مالی اور مادی امداد بھی دی ہے کیونکہ تالیفِ قلب اسلام کے داعیانہ پروگرام کا ایک مستقل جزو ہے اس طرح کے متعدد انفرادی عطیوں کے علاوہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ سے پہلے اہل مکہ کی قحط کے زمانے میں نقد اور ضروری اجناس بھیج کر مدد کی تھی۔ آج جب کہ تہذیبی کشمکش اور نظریاتی جنگ میں بیرونی امداد اور بین الاقوامی معاشی تعاون کو ایک اہم مقام حاصل ہو چکا ہے ایک اسلامی حکومت کے پاس اتنے وسائل ہونے چاہئے کہ وہ اپنی دعوت کے لئے راہ ہموار کرنے کی خاطر ان ذرائع کو استعمال کر سکے یہ اسی وقت ممکن ہے جب دارالاسلام معاشی طور پر ترقی یافتہ ہو۔

ان دلائل کی روشنی میں ہم اس نتیجہ تک پہنچے ہیں کہ ایک اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے ملک کی معاشی تعمیر و ترقی کا اہتمام کرے۔ جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ حضورؐ نے صاحبِ امر کو مسلمانوں کے ساتھ ہر ممکن خیر خواہی کرنے کا حکم دیا ہے اس خیر خواہی کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ ریاست ملک کی معاشی تعمیر و ترقی کے لئے مناسب اقدام کرے۔

قرآن مجید کی سورت ہود آیت ۶۱ میں اللہ تعالیٰ کے ارشاد هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا کی تفسیر میں جلیل القدر حنفی امام علامہ ابو بکر جصاصؒ نے لکھا ہے:

وفيه الدلالة على وجوب العمارة للزراعة والغراس والابنية
یہ آیت اس بات پر دلیل ہے کہ زمین کا آباد کرنا، کھیتی، باغبانی اور تعمیر کے ذریعے سے واجب ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ماثور ایک حدیث قدسی سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ملک کی خوشحالی کا اہتمام اللہ تعالیٰ کو مطلوب ہے۔ امام سرخسی لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک اثر منقول ہے جس میں وہ اپنے پروردگار عزّوجل کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ:

عمروا بلادی فعاش فیہا عبادی [1]

(انہوں نے) میرے ملکوں کو آباد کیا تو اس میں میرے بندوں نے زندگی بسر کی۔

اسی بنا پر اسلامی مفکرین نے ملک کی خوشحالی کے اہتمام کو اسلامی حکومت کے سربراہ کی ذمہ داری قرار دیا ہے ماوردی نے امام کے فرائض گنواتے ہوئے لکھا ہے کہ:

والذی یلزم سلطان الامۃ سبعۃ اشیاء ... والثالث عمارۃ البلدان باعتماد مصالحہا وتہذیب سبلہا ومسالکہا [2]	امت کے حکمران پر سات ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں ... ان میں سے تیسری ذمہ داری یہ ہے کہ ممالک کے جملہ مصالح کے تحفظ اور اس کی شاہراہوں اور دوسرے ذرائع نقل وحمل کو بہتر بنا کر ان ممالک کو آباد رکھے۔

امام ماوردی نے ایک حدیث بھی نقل کی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں ملک کو آباد و خوشحال رکھنے کی قدر وقیمت کیا تھی۔

قال ابو ھریرۃ سُبّت العجم بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فنھی عن ذالک وقال لا تسبوھا فانہا عمرت بلاد اللہ تعالیٰ فعاش فیہا عباد اللہ تعالیٰ [3]	ابوہریرہؓ نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اہل عجم کو برا کہا گیا تو آپ نے ایسا کرنے سے منع کیا اور فرمایا ان کو برا نہ کہو کیونکہ ان لوگوں نے اللہ کے ملکوں کو آباد اور خوشحال بنایا تو ان میں اللہ کے بندوں نے زندگی گذاری

نبی صلی اللہ علیہ وسلم رعایا کی خوشحالی کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا بھی فرماتے تھے:

---

[1] سرخسی: المبسوط جلد ۲۳ ص ۱۵ [2] الماوردی: ادب الدین والدنیا ص ۸۳

[3] بخاری: الادب المفرد ص ۷

عن جابرؓ انہ سمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی المنبر نظر نحو الیمن فقال اللھم اقبل بقلوبھم. ونظر نحو العراق فقال مثل ذالک ونظر نحو کل افق فقال مثل ذالک وقال اللھم ارزقنا من تراث الارض وبارک لنا فی مدنا وصاعنا[1]

حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر یہ فرماتے ہوئے سنا۔ آپ نے یمن کی طرف نظر اٹھائی اور فرمایا یا اللہ ان کے دل (اسلام کی طرف) مائل کردے آپ نے عراق کی طرف دیکھا اور یہی فرمایا پھر آپ نے ہر چہار طرف دیکھا اور یہی جملہ دہرایا اور فرمایا اے اللہ ہمیں زمین کی وراثت عطا فرما اور ہمارے مُد اور صاع میں برکت دے۔

عن ابی ھریرۃ انہ قال: کان الناس اذا راوا اول الثمر جاءوا بہ الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاذا اخذہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: اللھم بارک لنا فی ثمرنا وبارک لنا فی مدینتنا وبارک لنا فی مُدنا اللھم ان ابراھیم عبدک وخلیلک ونبیک وانی عبدک ونبیک وانہ دعاک لمکۃ وانی ادعوک للمدینۃ بمثل ما دعاک بہ لمکۃ ومثلہ معہ ثم یدعو اصغر ولید یراہ

ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا لوگ جب درختوں پر پہلے پہل آتے دیکھتے تو ان پھلوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آتے تھے جب اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیتے تھے تو یہ فرماتے تھے کہ اے اللہ ہمارے پھلوں میں برکت دے ہمارے شہر (مدینہ) میں برکت دے اور ہمارے صاع میں برکت دے اور ہمارے مُد میں برکت دے۔ اے اللہ ابراہیم تیرے بندے اور دوست اور نبی ہیں اور انہوں نے تجھ سے مکے کے بارے میں دعا کی تھی اور میں تجھ سے مدینے کے لیے وہی دعا کرتا ہوں جو انہوں نے تجھ سے مکے کے لئے کی تھی اور اس کے ساتھ اتنا ہی اور مانگتا ہوں، پھر

---

[1] بخاری: الادب المفرد ص [illegible] مُد اور صاع غلہ اور کھجور وغیرہ ناپنے کے پیمانے ہیں۔

فیعطیہ ذالک الثمر[۱] | آپ اس سب سے چھوٹے بچے کو بلاتے جس پر آپ کی نگاہ پڑتی اور اسے وہ پھل دے دیتے

اسلامی حکومت دنیاوی اغراض کے لئے جنگ نہیں کرتی لیکن اگر دین کی راہ میں جہاد کرنا پڑے تو اس سے مسلمانوں کو معاشی فوائد بھی حاصل ہو سکتے ہیں۔ جنگ بدر کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے جو دعا کی تھی اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلمانوں کی معاشی فلاح مطلوب تھی اور اس کے لئے آپ اللہ تعالیٰ سے دعا بھی فرماتے تھے۔

عن عبد اللہ بن عمرو ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خرج یوم بدر فی ثلاث مائۃ وخمسۃ عشر فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اللّٰھم انھم حفاۃ فاحملھم۔ اللّٰھم انھم عراۃ فاکسھم۔ اللّٰھم انھم جیاع فاشبعھم۔ ففتح اللہ یوم بدر فانقلبوا حین انقلبوا ومامنھم رجل الا وقد رجع بجمل او جملین واکتسوا وشبعوا[۲]

عبد اللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدر کے موقع پر تین سو پندرہ مجاہدین کے ساتھ (جنگ کے لئے) نکلے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ "اے اللہ یہ لوگ پیدل ہیں انہیں سواریاں عطا کر، اے اللہ یہ لوگ ننگے ہیں ان کو کپڑے پہنا، اے اللہ یہ لوگ بھوکے ہیں ان کے پیٹ بھر دے" چنانچہ اللہ نے بدر کی جنگ میں فتح عطا کی اور جب یہ لوگ واپس لوٹے تو ہر آدمی اپنے ساتھ ایک یا دو اونٹ لے کر لوٹا اور انکو پہننے کیلئے کپڑے مل گئے اور یہ شکم سیر ہو گئے۔

اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عراق میں جہاد پر جانے والے مسلمانوں سے یہ فرمایا تھا کہ،

استقبلوا جہاد قوم قد حووا من فنون العیش۔ لعل اللہ ان یورثکم بقسطکم من ذالک فتعیشوا

جاؤ ایک ایسی قوم سے جہاد کے لئے جو امور معاش پر حاوی اور ترقی یافتہ ہے۔ توقع ہے کہ اللہ تمہیں اس میں سے تمہارا حصہ عطا کریگا

---

[۱] ابوداؤد: کتاب الجہاد - باب فی النفل للسریۃ تخرج مع العسکر

[۲] موطا امام مالک کتاب الجامع باب الدعاء للمدینۃ واہلہا

مع من عاش من الناس۔[1] اور تم بھی دوسرے لوگوں کے ساتھ (خوشحال) زندگی گذار سکو گے۔"

حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں ملک کو خوشحال رکھنے اور ترقی دینے کا بڑا اہتمام کیا گیا تھا۔ زرعی معیشت میں سب سے زیادہ اہمیت آب پاشی کیلئے نہروں کی تعمیر کو حاصل ہے تجارت کے فروغ کے لئے سڑکوں اور پُلیوں کی تعمیر اور بہتر ذرائع نقل وحمل کی فراہمی بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ حضرت عمرؓ نے اسلامی مملکت کے مختلف صوبوں میں متعدد نہریں کھدوائیں۔ نہروں کی تعمیر کے علاوہ حسب ضرورت سیلاب کی روک تھام کے لئے بند بھی تعمیر کرائے۔ ریاست کے زیر اہتمام متعدد بڑے بڑے شہر بسائے گئے۔ قرنِ اول کی معیشت زراعت اور تجارت پر مبنی تھی ایک زرعی اور تجارتی معیشت کے لئے نہروں کی تعمیر، سیلاب کی روک تھام، سڑکوں کی تعمیر اور منصوبہ بندی کے ساتھ مرکزی شہروں کی آبادکاری معاشی تعمیر و ترقی کیلئے بہت اہمیت رکھتی ہے

حضرت عمرؓ مسلمانوں کی خیرخواہی کا تقاضا سمجھتے تھے کہ انہیں زیادہ سے زیادہ مال دیا جائے اور انہیں مشورہ دیتے تھے کہ جو مال فوری ضروریات سے فاضل ہو اسے نفع آور کاروبار میں لگائیں تاکہ وہ آئندہ مستقل آمدنی کا ذریعہ بنے۔ صاحب فتوح البلدان نے آپؓ کے طرزِ عمل کا ذکر ان الفاظ سے کیا ہے۔

انما هو حقهم وانا اسعد بادائه اليهم۔ لو كان من مال الخطاب ما اعطيتموه ولكن قد علمت ان فيه فضلا۔ فلو انه اذا اخرج عطاء احدهؤلاء ابتاع منه غنماً فجعلها بسوادهم فاذا اخرج عطاءه ثانيةً ابتاع الراس

یہ ان کا حق ہے میں اسے انہیں دے کر اپنا بھلا کر رہا ہوں اگر یہ (میرے باپ) خطاب کا مال ہوتا تو تمہیں نہ دیا جاتا۔ البتہ میں یہ جانتا ہوں کہ یہ مال ضرورت سے زیادہ ہوتا ہے کیا ہی اچھا ہوتا اگر لوگ ایسا کرتے کہ جب کسی کو وظیفہ ملے تو اس میں سے کچھ بھیڑ بکریاں خرید کر اپنے علاقے میں چھوڑ دے پھر جب دوسرے سال

---

[1] طبری: ص ۲۱۸۸ (حوادث ۱۳ھ)

والرأسين فجعله فيها فان بقي احدٌ من ولده كان لهم شئ قد اعتقد ولا فاني لا ادري ما يكون بعدي. واني لا عمري بنصيحتي من طوقني الله بامره فان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من مات غاشًا لرعيته لم يجد رائحة الجنة۔ [1]

کا وظیفہ لے تو ایک یا دو غلام خرید کر ان کو بھی اسی (علاقہ میں دکام پر) لگا دے اگر ان کی اولاد میں سے کوئی باقی رہا تو اس طرح اسکے لئے ایک قابلِ اعتماد سہارا فراہم ہوجائیگا کیونکہ مجھے معلوم نہیں کہ میرے بعد کیا ہوگا میں توان لوگوں کے ساتھ پوری خیر خواہی برتتا ہوں جن کے امور کا اللہ نے مجھے نگراں بنا دیا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو اپنی رعیت کے ساتھ بدخواہی اور خیانت کرتا ہوا مرے گا وہ جنت کی خوشبو بھی نہ پا سکے گا۔

دوسرے خلیفہ راشد کے ان آثار سے یہ بات واضح ہے کہ انفرادی اور اجتماعی دونوں سطحوں پر معاشی ترقی کیلئے اقدام مفید اور مطلوب ہے اسلامی ریاست کو ایسے اقدامات کی نہ صرف ہمت افزائی کرنی چاہئے بلکہ ان پر ابھارنا چاہئے مزید یہ کہ حضورؐ نے مسلمان حکمرانوں کو عامۃ المسلمین کے ساتھ جس خیر خواہی کی تاکید کی ہے اس کا تصور کتنا وسیع ہے اگر صاحبِ امر رعایا کی مادی فلاح و بہبود کے اہتمام میں کوئی کسر اٹھا رکھے تو عمر فاروقؓ کے نزدیک یہ بھی خیانت ہوگی اور ایسا کرنے والا حکمران آخرت میں جنت سے محرومی کا خطرہ مول لے گا۔

خلفاء راشدین مختلف علاقوں کے نرخ معلوم کرتے رہتے تھے اور جب انہیں یہ خبر ملتی تھی کہ نرخ ارزاں ہیں تو اطمینان کا اظہار کرتے تھے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز کو بھی رعایا کی خوشحالی سے بڑی دلچسپی تھی۔ دور دراز سے ڈاک لے کر آنے والوں سے دریافت فرماتے تھے کہ کیا تم نے لوگوں کو شادی کی محفلیں اور دعوتیں منعقد کرتے دیکھا ہے جس سے آپ کا مطلب ان کی خوشحالی کا اندازہ کرنا ہوتا ہے۔

---

[1] بلاذری، فتوح البلدان ص ۴۳۹

دورِ جدید کے حالات میں اس رجحان کے پیشِ نظر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اسلامی حکومت کو ملک کے قدرتی وسائل سے پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے ترقی کی تمام ممکن تدابیر اختیار کرنی چاہئیں۔ افراد کو ترقیاتی کاموں کی ترغیب دینے اور اس سلسلہ میں نجی کاروبار کرنے والوں کے ساتھ ہر طرح کا تعاون کرنے کے علاوہ ریاست کو اس کام میں براہِ راست بھی حصہ لینا چاہئے۔ ذرائع نقل وحمل کی توسیع زراعت کی ترقی کے لئے موزوں اقدامات، معدنی وسائل کو ترقی دے کر کام میں لانا دریاؤں کے پانی سے بجلی کی طاقت حاصل کرنا اور آب پاشی کے لئے نہریں تعمیر کرنا، اور صنعتی ترقی کے لئے مثبت قدم اٹھانا دورِ جدید کی ایک اسلامی ریاست کے پروگرام میں اسی طرح شامل ہونا چاہیئے جس طرح ابتدائی اسلامی ریاستوں کے پروگرام میں زرعی ترقی کا اہتمام شامل تھا۔

ضرورتِ اساتذہ

جامعۃ الرشاد اعظم گڈھ میں حسب ذیل اساتذہ کی ضرورت ہے۔

۱:۔ عربی استاذ جو ادب وانشاء کی اچھی تعلیم دے سکتے ہوں

۲:۔ عربی استاذ جو حدیث وفقہ کی اونچی کتابوں کی تعلیم دے سکتے ہوں

۳:۔ انگریزی استاذ جو عربی درجات کے طلبہ کو انگریزی پڑھا سکتے ہوں۔

لیاقت اور تجربہ کے لحاظ سے قیام وطعام کے علاوہ چھ سو سے بارہ سو تک مشاہرہ دیا جا سکتا ہے، کسی ممتاز عالم کی تصدیق ضروری ہے

اعلان داخلہ

جامعۃ الرشاد میں داخلہ دس شوال سے ۲۰ شوال تک ہوگا، جن طلبہ کو داخلہ لینا ہو وہ ۲۰ رمضان تک وہ خود یا ان کے سرپرست حضرات درخواست بھیج دیں، غیر مستطیع طلبہ کیلئے بستی کے دو معزز لوگوں کی تصدیق ضروری ہے۔

مستطیع طلبہ کو داخلہ فیس اور فیس خوراک کے علاوہ دو سو روپے زرِ ضمانت داخل کرنی ضروری ہوگی غیر مستطیع طلبہ سے ان کی مالی حیثیت کے مطابق زرِ ضمانت لی جائے گی

زمین اور آسمان کی مرحد میں قرآنی نقطۂ نظر

لوگ بعض اوقات کسی مسئلہ پر کبھی بے سوچے سمجھے تعصب پسندی سے گفتگو کرتے ہیں اور کبھی ان کی گفتگو میں خواہش نفسانی کا عنصر غالب رہتا ہے، جہالت اور نادانی کا ازالہ ہوسکتا ہے اور اسی طرح خواہش نفسانی کا بھی، لیکن خواہش نفسانی بڑی سخت جان اور سرکش ہوتی ہے، کیونکہ اس کا مقصد زیادہ تر لوگوں کو گمراہ کرنا، راہ راست سے ہٹانا، اس کے بعد عقائد کو بگاڑنا اور ان کی مقدس کتاب اور ان کے دین میں پرپیچ طریقوں اور شاطرانہ چالوں کے ذریعہ شکوک و شبہات پیدا کرنا ہوتا ہے، اس قسم کی ریشہ دوانیوں کا کمزور عقل اور کوتاہ فہم ہی شکار ہوتے ہیں،

گذشتہ ایک دہے کے عرصہ میں بعض فتنہ انگیز نظریات ظہور پذیر ہوئے جنہوں نے قرآن حکیم کی عظمت و رفعت کو گھٹانا یا بعض ان قرآنی آیات کی حد بندی کو توڑ دینا چاہا جو خلائی مہم سر کرنے میں انسانی کوشش و طاقت کی عجز و درماندگی کی طرف اشارہ کرتی ہیں، پھر یہ نظریات اس عجز و درماندگی کو حجت اور دلیل قرار دے کر یہ دعوی کرتے ہیں کہ انسان تو سر دست خلا کی اس مہم جوئی میں کامیاب ہوگیا، جس کو ہم آج راکٹوں اور مصنوعی سیاروں کی شکل میں چاند، مریخ، زہرہ، اور مشتری وغیرہ کی طرف جاتے دیکھ رہے ہیں مزید یہ کہ انسان بذات خود چاند پر پرواز کرنے اس کی سطح پر گھومنے پھر وہاں سے صحیح سالم اپنی زمین کی طرف واپس آنے میں کامیاب ہوگیا۔

اس مقام پر پہونچ کر تعصب پسند حضرات آپس میں سوال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ انسان سر دست آسمانی گوشوں میں گھومنے پھرنے لگ گیا ہے، پھر لگے ہاتھوں کہتے ہیں، اس کے باوجود مسلمانوں کی کتاب میں ایک آیت موجود ہے، جو فلک کی جولان گاہوں میں انسان کی بے بسی اور درماندگی کی طرف اشارہ کرتی ہے، خواہ انسان کتنی ہی سائنس کی قہرمانی قوتوں کا مالک ہوجائے، خلائی مہم جوئی میں کامیاب نہیں ہوسکے گا، اس پر آگ کے شعلے برسائے جائیں گے اور بھڑکتی ہوئی دھاتیں چھوڑی جائیں گی جو اسے جلا کر بھسم کردیں گی، حالانکہ آسمانی پروازوں اور خلائی جولائیوں کے دوران جو اس نے انجام دیں آتشیں مادوں نے ذرا بھی اسے چھوا نہیں۔

بہرحال اجازت دیجئے کہ ہم واقعات سے آگے بڑھنے کی کوشش نہ کریں اور اپنی بحث و تحقیق کا آغاز ان آیات کے اندراج سے کریں، جن کو تعصب پسند قرآن کے مرتبہ کو گھٹانے کے لئے بطور حوالہ پیش کرتے ہیں۔

اللہ جل شانہ فرماتا ہے۔

یامعشر الجن و الانس ان استطعتم ان تنفذوا من اقطار السموات والارض فانفذوا لاتنفذون الابسلطان فبای آلاء ربکما تکذبان، یرسل علیکما شواظ من و نحاس فلا تنتصران

سورۃ الرحمٰن ۳۳-۳۵

اے گروہ جن وانس اگر تم زمین اور آسمان کی سرحدوں سے نکل بھاگ سکتے ہو تو بھاگو، نہیں بھاگ سکتے، اس کے لئے بڑا زور چاہئے اپنے رب کی کن کن قدروں کو تم جھٹلاؤ گے۔ (بھاگنے کی کوشش کروگے تو) تم پر آگ کا شعلہ اور دھواں چھوڑ دیا جائے گا جس کا تم مقابلہ نہ کرسکوگے۔

تعصب پسند اپنے حملہ کا نشانہ آیت کے کلمہ لاتنتصران (تم مقابلہ نہ کرسکوگے) کو بنا کر کہتے ہیں کہ کوئی بھی اس بات سے انکار نہیں کرسکتا کہ انسان خلائی مہم میں کامیاب ہوگیا ہے، لیکن قرآن نے بڑی شد و مد کے ساتھ زمینی و آسمانی مہم جوئی میں کامیاب ہونے کی نفی کی ہے، اس کا جواب وہ لوگ محض سطحی علم رکھتے ہیں، اس طرح دیتے ہیں کہ اللہ نے کب اس کا انکار کیا ہے، جو لوگ زمین کی حدوں کو پار کرگئے اور آسمان کی بلندیوں پر چڑھ گئے ان کا یہ عمل نفوذ و پرواز سائنس (علم و حکمت) کی قہرمانی قوت کی بدولت وقوع پذیر ہوا کہی وہ کارنامہ ہے جس کی طرف آیت کا یہ نمایاں ٹکڑا اشارہ کررہا ہے "فانفذوا لاتنفذون الابسلطان"

معترضین پلٹ کر پوچھتے ہیں، اس سے گویا تمہاری مراد لاتقربوا الصلوٰۃ ہے اس کے بعد کی آیت "وانتم سکاری" کیوں نہیں پڑھتے اگر تم آیات نفاذ کے مشتملات پر اچھی طرح سوچ بچار کرلیتے تو تمہیں معلوم ہوجاتا کہ نفاذ کا یہ عمل ہرگز پورا نہ ہوگا حالاں کہ یہ عمل تو آشکار ہوچکا جس کی شہادت دلیل کے ساتھ یہ آیت دے رہی ہے لاتنفذون الا بسلطان یرسل علیکما شواظ من نار و نحاس فلا تنتصران۔

کلیدی حرف

یہی وہ مقام ہے جہاں ہر شخص حیرت زدہ ہے اور جواب سے قاصر ہے جو فکر قرآنی سے بے بہرہ اور علم امروز سے بے خبر ہے اور یہی وہ مقام ہے جہاں نکتہ چین حضرات خوشی سے سرشار ہو کر تالیاں بجاتے ہیں، گویا وہ اپنے زعم باطل میں اس عظیم الشان محل کو مسمار کرنے میں کامیاب ہو گئے، جس کی تصویر قرآن حکیم میں پیش کی گئی ہے، ان الزام تراشیوں کے چند مضحکہ خیز جوابات دیئے گئے ہیں جو درحقیقت ان بلند آہنگ مطالب کا اظہار نہ کر سکے جو اس آیت کریمہ میں سمائے ہوئے ہیں اس پوری آیت کی کنجی صرف ایک حرف میں پوشیدہ ہے اور وہ ہے "اقطار"

جہاں تک ہم نے معتبر تفسیروں کا مطالعہ کیا ہے ان میں اقطار (جس کا واحد قطر ہے) کے معنیٰ مفسرین نے سرحد اور کنارے لئے ہیں، حالانکہ جدید اصطلاح میں مذکورہ معنیٰ کے علاوہ قطر سے مراد وہ خط ہے جو دائرہ کے درمیان ایک جانب سے ہوتا ہوا اسی دائرہ کے مرکز سے گذرتا ہوا دوسری جانب تک جا پہنچتا ہے، اس لحاظ سے خط یا قطر ہی یہاں دائرہ میں سب سے لمبا ہے۔

عربی انگریزی اور اردو لغت کی معتبر کتابوں کے حوالوں سے قطر کی تحقیق و تشریح درج ذیل ہے، — القطر۔ ولایت، ملک، جانب۔ اقطار دنیا کے چاروں گوشے (اقطار الدنیا) قطر الدائرہ علم ہندسہ میں خطِ مستقیم جو کہ دائرہ کو تقسیم کر دے اور محیط کو مرکز سے گذرتے ہوئے برابر دو حصوں میں تقسیم کر دے (المنجد)

قطر گوشہ، جانب، اقلیم قطر الدائرہ وہ خطِ مستقیم جو دائرہ کو تقسیم کر دے اور مرکز سے گذر کر محیط پر ختم ہو، (مصباح اللغات) ۔ اگر ہم قطر کے اصل مفہوم کو ذہن میں رکھ کر اسے زمین اور آسمانوں پر لاگو کر دیں تو ہمارے سامنے یہ حقیقت کھل آجائے گی کہ آیاتِ قرآنی میں جو حروف و الفاظ وارد ہوئے ہیں، وہ کھیل مذاق نہیں جن کے ذریعہ اہل ہوس کمزور عقل والوں کو دھوکا دے سکیں بلکہ یہ ایسی روشن آیات ہیں جن کے ہر لفظ ہر کلمہ کا معنیٰ و مفہوم متعین ہے جس کے لئے وہ بولا گیا ہے،

وانہ لکتٰب عزیز لایاتیہ الباطل	یہ ایک زبردست کتاب ہے، باطل نہ سامنے
من بین یدیہ ولا من خلفہ	سے اس پر آسکتا ہے اور نہ پیچھے سے، یہ

تنزیل من حکیم حمید ۝ ایک حکیم وحمید کی نازل کردہ چیز ہے،

(سورہ فصلت) (۴۱-۴۲)

زمین جیسا کہ ہمیں معلوم ہے گول ہے اور اس کی سطح پر جتنے مقام ہیں یا جائے وقوع ہیں، اتنے ہی اس کے قطر ہیں، اگر انسان زمین کی سطح پر واقع کسی مقام سے اس کے مقابل کے مقام تک نفوذ کرنا چاہئے تو اس کے لئے ضروری ہوگا کہ زمین کے مرکز سے ہو کر گذرے کیا کوئی اس کے مرکز سے ہو کر گذرا؟ -

واقعہ یہ ہے کہ انسان فضا میں گھوما پھرا ہے، اور اس سے قاصر و بے بس ہے، اس کی نفوذ پزیری صرف چند فاصلوں تک محدود رہی جو زمین کے قطر کی نسبت بالکل حقیر ہے اور ناقابل ذکر، گویا انسان اس معاملہ میں اپنی زمین کی نسبت ایک ایسے بچے کی مثال ہے جو ایک وسیع سمندر کے ساحل پر کھیل رہا ہو، جسے سمندر کی گہرائیوں میں غوطہ لگانے کی سکت نہیں، لیکن سوال یہ ہے کہ کیا انسان آئندہ کسی دن زمین کے قطروں کو چھید کر پار ہو سکتا ہے،

واقعہ یہ ہے کہ اس آیت کریمہ کے جو اندرونی معنیٰ ہیں اس کی واضح اور صحیح تفسیر علوم جدیدہ ہی سے ممکن ہے، اسی طرح ان سوالوں کا جواب دینے کیلئے ہمیں ضروری ہے کہ نہایت اختصار کے ساتھ زمین کے کسی ایک قطر سے گزرتے ہوئے زمین کے طبقات کو پیش کریں، اس قطر کے درمیان سے گزرتے وقت ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ آگ کے شعلے کیا ہیں، جس کا ذکر اس آیت کریمہ میں ہوا ہے ہمارے اور نفاذ کے درمیان کیا رکاوٹیں درپیش ہوں گی یا کس لئے ہم اس جولان گاہ میں کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکتے، اس وقت ہمارا جواب گمراہی پھیلانے والوں کے حق میں ایک وزنی علمی بنیاد پر قائم ہے، اور ارشاد خداوندی کے مطابق ہوگا،

هل يستوى الذين يعلمون والذين لا يعلمون

کہدیجئے (اے پیغمبر) کیا اہل علم اور بے علم برابر ہو سکتے ہیں،

پہلے حد بندی ضروری ہے

سب ہی جانتے ہیں کہ ہماری زمین ایک سیارہ ہے، اس کے اندرونی حال کے بارے میں ہمارے پاس جو معلومات ہیں وہ ان معلومات کے مقابلہ میں بہت کم اور ناکافی ہیں، جو سورج کے اندرونی

حصہ سے متعلق ہمیں حاصل ہیں جو ہم سے ۹۳ ملین میل دور ہے یا ان معلومات کے مقابلہ میں یکسر کمتر ہیں، جو کائنات کے ستاروں اور ان آفتابوں کے بارے میں ہمیں دستیاب ہیں جو کہ کروڑوں میل دور ہیں، مثال کے طور پر ہم ان بہت سے جوہری تغیرات کو جانتے ہیں جو سورج کی بھٹی میں انجام پاتے ہیں، تاکہ ہمیں ان سے روشنی اور حرارت پہنچتی رہے، ہائیڈروجن بم تو محض ہمارے سورج کی اندرونی حالت و کیفیت کی ایک حقیقی و اصلی تصویر ہے، ــــ مگر دونوں میں ایک جوہری اور اہم فرق ہے، وہ یہ کہ سورج کی پیدائش کا مقصد ہماری زمین پر زندگی کی گاڑی چلانا ہے، جب کہ یہ ننھا سا شیطان کھلونا جو ہائیڈروجن کی شکل میں نمودار ہوا ہے، اسے انسان نے زندگی کا خاتمہ کرنے کیلئے ایجاد کیا ہے، انسان کی کاریگری میں اور خدا کی صناعی میں کتنا بڑا فرق ہے، ــــ چھوڑیئے اس موضوع کو اس پر بحث کی جائے تو سلسلہ دراز اور پرپیچ ہو جائے گا، سر دست ہم کچھ تشریح زمین کی طرف رجوع کرتے ہیں اور ہم اس کی کھال ادھیڑتے ہوئے اس کے قلب تک پہنچیں گے پھر ایک بار اشارہ کر دیں کہ قلب زمین تک پہنچنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم اس کے کسی ایک قطر سے گزریں ورنہ ہم آیت کے حقیقی معنیٰ و مفہوم سے ہٹ جائیں گے، مزید وضاحت کے لئے ہم یہ اشارہ کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ یہ ممکن ہے کہ ہم زمین میں ایسی سرنگ بنا دیں جو کئی ہزار میل لمبی ہو پھر ہم اس سرنگ میں ایک طرف سے داخل ہوں اور دوسری طرف سے خارج ہو جائیں، اس دوران نہ تو ہمیں کوئی تکلیف و اذیت محسوس ہو اور نہ ہی ہمیں آگ کے شعلوں اور دھویں کا سامنا کرنا پڑے کیونکہ یہ سرنگ واقعی زمین کے اندر گہرائی میں تقریباً چند ہزار فٹ تک جا سکتی ہے اور ہم اس سرنگ میں قاہرہ، مصر سے روانہ ہو کر مغرب افریقہ یا خلیجی ریاستوں یا روئے زمین کے کسی بھی مقام تک پہنچ سکتے ہیں بشرطیکہ اس بہت لمبی اور بہت گہری سرنگ کو یعنی سطح زمین سے نیچے چند ہزار فٹ تک مضبوط بنایا جا سکے، لیکن یہ کسی طرح بھی قطری سرنگ نہیں کہلائے گی، خواہ وہ دس ہزار میل تک چلی جائے، کیونکہ ہمارا سفر محیطی سرنگ میں جاری رہے گا، یعنی یہ سرنگ محیط زمین کے نیچے یا اس کے قشرہ میں واقع ہو گی، قطر زمین سے نہیں گزرے گی اس لئے کہ ایسی سرنگ کرنا ہمارے لئے محال ہے، جو زمین کے مرکز سے گزرے خواہ ہمارے موجودہ اور آئندہ تکنیکی وسائل اور قوتیں اور ہمارے علوم و فنون کتنے ہی زبردست اور طاقتور ہو جائیں اور ہماری اور ہماری تکنیکی معلومات کتنی ہی ترقی یافتہ قرار پائیں ــــ کاروان زندگی

مستقل موضوع کے اوپر رواں دواں ہے

تمام امکانی وسائل سے لیس ہونے کے بعد ہمارے لئے ضروری ہوجاتا ہے کہ ہم سب سے پہلے اپنے سفر کا آغاز زمین کی سطح سے کریں اور ایک خیالی سرنگ کے راستے سے جو زمین کے مرکز سے گذرتا ہو اس کی گہرائیوں میں اترتے چلے جائیں تاکہ ہمیں معلوم ہو کہ زمین کے اندر کی دنیا کن مادوں سے بھری پڑی ہے اور کس لئے ہم زمین کے قطروں کو چیر پھاڑ کر آگے بڑھنا چاہیں تو اس میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے زمین کا قطر لگ بھگ چار ہزار میل ہے یعنی زمین کی سطح اور اس کے مرکز کے درمیان کی مسافت تقریباً چار ہزار میل [زمین کا نصف قطر ہے] سطح اور مرکز کے مابین کے طبقات کا جو سلسلہ ہے وہ پرت در پرت ہے، اس طرح زمین کے جملہ طبقات کی تعداد پانچ تک جا پہنچتی ہے، اس کا پہلا طبقہ قشرۃ [پوست] کہلاتی ہے، جس کی دبازت ایک ہزار آٹھ سو میل ہے، یہ سارا طبقہ دو پرتوں میں منقسم ہے، بیرونی غلاف جس کی دبازت پندرہ سو میل ہے اور اندرونی غلاف جس کی دبازت تین سو میل ہے، یہ گرم چشموں اور شدید الحرارت لاوں سے ترکیب پذیر ہے، اس کے بعد زمین کا جوف دوسیع کھوکھلا حصہ) یا اس کا دل آتا ہے، اس کے بھی دو ممتاز پرت ہوتے ہیں، بیرونی جوف کی دبازت تیرہ سو ساٹھ میل اور اندرونی جوف جو مرکز کو گھیرے ہوئے ہے، اس کی دبازت سات سو نو میل ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ کسی کو یہ موقع نصیب نہ ہوا کہ زمین کی گہرائی میں اتر کر اس کے قلب یا اس قلب کو گھیرے ہوئے غلافوں تک رسائی حاصل کر سکے لیکن اندرون زمین معلومات کو زلزلہ نگار آلات کے ذریعہ حاصل کیا جا سکتا ہے، کیونکہ زمینی قشرۃ کے قوی ہیکل تودوں کے ٹوٹ پھوٹ کر جوفِ زمین کی پگھلانے والی بھٹی میں گر پڑنے کی وجہ سے جھٹکے یا لہریں پیدا ہوتی ہیں جو قلب زمین اور قشرۃ کے درمیان وارد ہوتی رہتی ہیں جو حادثات اور واقعات اندرونِ زمین رونما ہوتے ہیں، ان میں سے چند کو مخصوص پیمانوں اور میزانوں کے ذریعہ معلوم کیا جا سکتا ہے، گویا اس مقام پر ماہرین طبقات الارض اس طبیب کے مشابہ ہیں جو مریض کے ظاہری حالات کو دیکھ کر اندرون بیماریوں کا پتہ لگا لیتے ہیں۔

اس بحث کو ہم یہیں چھوڑ کر آگے بڑھتے ہیں، ہمارے موضوع سے متعلق اہم چیز یہ ہے کہ زمینی قشرۃ کے اوپر جو ہولناک پہاڑ اونچے اونچے ٹیلے وسیع براعظم اور سمندر پائے جاتے ہیں

جن کی گہرائی ہزاروں گز تک پہنچتی ہے، یہ اور اس قسم کی تمام چیزیں باہر سے زمین کے قلب پر دباؤ ڈالتی ہیں لیکن یہ دباؤ زمینی قشرۃ کی دبازت زمین کی بہ نسبت اس سے زیادہ نہیں جتنی کہ سیب کے مقابلہ میں سیب کے چھلکے کی ہے۔

زمین کے مجموعی تودہ کا وزن تقریباً ۶۰۸۸۲ ٹن ہے یعنی لگ بھگ چھ ہزار ملین ملین ملین ٹن یعنی (کئی کھرب) اس لحاظ سے ان قوی ہیکل تودوں کے مقابلہ میں جو سرحد تصور سے آگے ہیں، روئے زمین کے یہ پہاڑ اور ٹیلے کس شمار و قطار میں آئیں گے، خواہ وہ کتنے ہی اونچے اور بلند کہلائیں بہرحال قشرۃ کا تودہ، جس کی موٹائی ۲۰ اور ۴۰ میل کے درمیان ہے زمینی تودہ کے مقابلہ میں ڈیڑھ فیصد حصہ سے زیادہ نہیں جب کہ اس کے متصل حجاب یا غلاف کے دونوں پرت ۸۰ فیصد تودہ زمین کو اور باقی قلب زمین کو تشکیل دیتے ہیں، قلب پر سارا دباؤ پڑتا ہے، جس کے نتیجہ میں اتنے درجہ حرارت بڑھ جاتی ہے کہ اس کے مقابلہ میں دوزخ کے درجہ ہائے حرارت کم معلوم ہوتے ہیں، گویا قرآن کریم کا یہ قول اس پر صادق آتا ہے وقودھا الناس والحجارۃ، یعنی اس (دوزخ) کا ایندھن لوگ اور پتھر کیونکہ اس بھٹی میں جو کچھ جا گزرتا ہے، خواہ وہ لوہا ہو یا فولاد جیسی کوئی سخت اور ٹھوس اشیاء پتھر ہوں یا چٹان اپنی حالت پر باقی نہیں رہ سکتے، یہ تمام پگھل کر سیال لاوں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں، اگر یہ زمین کے اوپر ظاہر ہو جائیں تو آبادیوں اور ویرانوں کو مسمار کر دیں۔

واقعہ یہ ہے کہ جس انسان کو یہ معلوم ہو جائے کہ زمین کے اندر کیا قیامت برپا ہے، تو وہ کسی دن بھی خواہ وہ کتنا ہی دور دراز کیوں نہ ہو زمین کے مرکز سے ہوتے ہوئے نفوذ کرنے کے بارے میں سوچ ہی نہیں سکتا، گزرنے کا خیال تو کجا وہ اس واقعہ کے ظہور میں آنے کے امکان کا تک تصور نہیں کر سکتا خواہ اس کا علم و ادراک کتنا ہی زبردست اور اس کے تکنیکی معلومات کتنے ہی ترقی یافتہ ہو جائیں لامحالہ اس قسم کا انسان ہی ناپید ہوگا، خواہ وہ کتنا ہی اپنے ذہنی ایجادات اور علمی ساز و سامان سے آراستہ ہو انسان جس قدر زمین کی گہرائی میں اتریگا اسی قدر اس کا دباؤ اور درجۂ حرارت بڑھتا جائے گا غلاف زمین کے پرتوں اور قلب کے درمیان ہر مربع انچ پر جو دباؤ پڑتا ہے، وہ دس ہزار ٹن سے پیدا ہونے والے دباؤ کے برابر ہوگا اس کا مطلب یہ ہوا کہ انسان کے

جسم پر جو دباؤ پڑتا ہے وہ کئی ملین ٹنوں تک پہنچتا ہے، اب زمین میں وہ کون سی قوت وطاقت ہے جس کے ذریعہ انسان اس بلائے عظیم سے خود کو محفوظ رکھ سکتا ہے؟

یہ معاملہ اسی حد تک ختم نہیں ہو جاتا، آیت کریمہ کے پیش نظر جو نازک اور باریک معنی ومفہوم ہے اس کو اجاگر کرنے کے لئے زمین کے مرکز سے گزرنا لازمی ہوگا، تاکہ اس طرح نفوذ ارضی قطر یا اقطار کے درمیان سے جن کا ذکر قرآن مجید کی آیت میں ہوا ہے، پایۂ تکمیل کو پہنچے اب وہاں یعنی زمین کے مرکز میں جس قسم کے دباؤ سے دوچار ہونے پڑے گا، وہ نہایت خوفناک اور بھیانک ہوگا ہر مکعب انچ سطح پر دباؤ تقریباً ۲۰ ہزار ٹن یا زائد ہوگا، جس کو برداشت کرنے کی کسی میں ہمت وسکت نہیں خواہ حقیقت میں ہو یا وہم خیال میں، اس کے باوجود آیئے ہم محض مفروضہ کے طور پر یہ خیال کرلیں کہ انسان نے اپنے لئے ایک ایسا محفوظ غلاف، خول، (CAPSULE) تیار کرلیا ہے، تاکہ اس کے ذریعہ زمین کے جہنمی قطعے کے اندر اس کے قطروں کو چیرتے پھاڑتے گذر جائے اور یہ خول اس بھیانک دباؤ کے نتیجے میں چکنا چور نہ ہو اس وقت آناً فاناً وہ بکھرے ہوئے تودوں میں تبدیل ہو جائے گا، اس دوزخ میں اس کا نام ونشان تک باقی نہ رہے گا، کیوں کہ اس پگھلتی ہوئی بھٹی کی حرارت دو ہزار سے چار ہزار درجہ مئوی تک ہوگی۔ کہا جاتا ہے کہ یہ حرارت دو ہزار سے چھ ہزار درجہ مئوی تک بھی پہنچ سکتی ہے، یعنی لگ بھگ اس درجۂ حرارت کے مساوی جو سورج کی سطح کے پاس ہے اس کا تصوّر بھی ناممکن ہے بعض اوقات تو ہماری عقل بھی اس کا احساس کرنے سے درماندہ ہے، اس قسم کی چیزوں میں ہم یہ پہچان ہی نہیں سکتے کہ اس کا اور کدھر ہے اور چھور کہاں

وکان الانسان اکثر شیء جدلا — اور انسان ہے ہی بڑا جھگڑالو

واخرجت الارض اثقالہا — اور زمین اپنے اندر کے سارے بوجھ نکالکر باہر ڈالدیگی

انسان کبھی فلسفی بن جاتا ہے، اور جھگڑالو بن کر کہتا ہے کہ ہمیں کیسے معلوم کہ یہ تمام معلومات درست ہیں، جب تک کہ ہم زمین کے قطروں سے نفوذ نہ کرجائیں اور اس سے پہلے کسی کو زمین کے اندر کی چیزوں سے سابقہ ہی نہ پڑا ہو، جو شخص فلسفہ بگھارنے پر اصرار کرتا ہے، اسے چاہئے کہ کسی غضبناک آتش فشاں کا رخ کرے اور وہاں پہنچ کر اپنی بہادری جتاتے ہوئے ان ابلتے ہوئے

دھاتی لاوٴں کے راستہ میں کھڑا ہو جائے جو اس جہنم کی طرح زمین رندناتے ہیں، جس کا سامنا کوئی نہیں کرسکتا، شعلہ زار جہنم کو دیکھنے کے بعد وہ اپنی فلسفیانہ چوکڑی بھرنا ہمیشہ کے لئے بھول بیٹھے گا، اور اس کی بولتی بند ہو جائے گی،

کیوں کہ وہ پلک جھپکنے کی دیر یا اس سے بھی کم لمحہ میں بھاپ اور دھواں بن کر اڑ جائے گا، اس لئے کہ پگھلتے لاوٴں کی حرارت کبھی چودہ ہزار درجہ مئوی ہو جاتی ہے اور درجہ حرارت جوف زمین کے مقابلہ میں تین گنا زیادہ ٹھنڈا ہے،

واقعہ یہ ہے کہ پگھلتے ہوئے لاوٴں سے اور گرم چشمے جو زمین کے اندر سے نکلتے ہیں وہ اصلی اگال (رقے) ہیں جو ہمیں اس کے اندرونی کیفیات کی خبر دیتی ہیں اور غالبًا ان آیات کریمہ کا یہی مقصد ہے۔

واخرجت الارض اثقالھا وقال الانسان مالھا یومئذٍ تحدث اخبارھا بان ربک اوحیٰ لھا (سورۃ الزلزال)	جب زمین پوری شدت کے ساتھ ہلا ڈالی جائیگی اور زمین اپنے اندر کے سارے بوجھ نکالکر باہر ڈال دیگی، اور اس وقت کہے گا کہ یہ اس کو کیا ہو رہا ہے، اس وقت وہ اپنے اوپر گزرے ہوئے حالات بیان کریگی، کیونکہ تیرے رب نے ایسا کرنے کا حکم دیا ہو گا۔

کوئی شخص یہ اعتراض کرسکتا ہے کہ زمین کی یہ خصوصیت روز قیامت پر منطبق ہوتی ہے، جو اس طرح کا خیال رکھتا ہے وہ حق بجانب ہے اور وہ بھی برحق ہے، جس کا عقیدہ قرآنی مفہوم پر راسخ ہے، کیونکہ بعض آیتوں کے دو رخ ہوتے ہیں، ظاہر و باطن، اسی طرح ایک لفظ کئی معنی پر مشتمل ہوتا ہے اور ان میں غور و فکر کے مدارج انسانی ذہن میں مختلف ہوتے ہیں ہر ایک باعتبار خالق کائنات کی جانب سے اپنے علم و فہم کے ذریعہ ان معانی سے بہرہ یاب ہوا کرتا ہے، زمین کی طرف القاء وحی کی نسبت ایسی ہے جیسی کہ شہد کی مکھی اور آسمانوں اور دیگر مخلوقاتِ خداوندی کی طرف کی جاتی ہے کائنات کے ہر نظام کو اسی وحی کا القا کیا جاتا ہے، جس سے اس کی صلاح و فلاح وابستہ ہے زمین بے شک شدید تنگیٔ تنفس اور گھٹن میں مبتلا رہے، اور اس گھٹن کی وجہ سے کبھی اس کی سانس

پھوٹنے لگتی ہے، اسے کسی ایسی چیز کی ضرورت ہے جو اس کش مکش اور اضطرابی کیفیت کو ہلکا کر دے چنانچہ زلزلے اور گرم چشمے جو اس کی جوف سے نکلتے ہیں وہ اس کے بے چینی کے مظاہر ہیں، ان دونوں کے ذریعہ زمین ہمیں اپنے حالات وکیفیات سے آگاہ کرتی ہے، ان حالات کی مزید آگاہی کے حصول کے لئے مختلف وسائل، آلات واوزان ایجاد کرتے ہیں، تاکہ ہم زمین کے ان پوشیدہ معاملات کو معلوم کریں، جنہیں اللہ نے اس میں اپنے آئین وقوانین کو اعتدال وتوازن پر قائم وجاری رہنے کی وحی کی ہے، تاکہ وہ زمین کو اس کی حیات پرور صلاحیت کے باعث جو اس کے اندر موجود ہے ہموار ومتوازن کر دے۔

بہرصورت ہم نے یہ حقیقی معلومات اس غرض سے پیش کر دی ہیں کہ لوگوں کے سامنے اقطار کے وہ معنی رکھ دیں جو قرآن کریم کے پیش نظر ہیں، ___ جن کو گمراہ کن طبقہ بے سوچے سمجھے گمراہی کے لئے استعمال کرتا ہے، وہ طبقہ ان کو تو کیا گمراہ کرے گا، خود اپنے آپ کو گمراہ کر رہا ہے، اگر اس میں کچھ اپچ اور ہمت ہے تو زمین کے قطروں کو آر پار کرنے کے امکان پر کوئی دلیل پیش کر دے ہمیں اس کی دلیلوں کا انتظار رہے گا۔

ماہرین طبقات الارض میں سے ایک سربرآوردہ دانشور ڈاکٹر آرتھر بیکر کتنی فیصلہ کن اور حقیقت پسندانہ بات کہی ہے، انسان کا زمین کی گہرائی میں داخل ہونا ایسی چیز ہے جس کی نہ تو تصدیق ممکن ہے اور نہ جس کی خیال آرائی کا امکان، ہاں امکان ہے تو صرف خیالی قصوں اور کہانیوں میں،

اب آسمانوں کے قطروں کے بارے میں کیا رائے ہے۔ اس پر ہم آئندہ بحث کریں گے، تاکہ ہم اس چیز کو جان لیں جن کا ہمیں علم نہ تھا، بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو ہمیں معلوم نہیں ہیں۔

وما اوتيتم من العلم الا قليلا ___ مگر تم لوگوں نے علم سے کم ہی بہرہ پایا ہے

ڈاکٹر عبدالمحسن صالح

پروفیسر انجنیرنگ کالج، جامعہ اسکندریہ کے ایک عربی مضمون سے ماخوذ

مترجم:- سید کمال اللہ بختیاری ندوی، ایم اے

بچوّں کی تعلیم وتربیت میں ذرائع ابلاغ کا کردار

دنیا کا ہر بچہ جب اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے تو اس کا دل ودماغ عقیدۂ توحید سے سرشار اور قلب وجگر نور ایمانی کی ضیا پاشی سے منور ومعطر رہتا ہے، اور اس کی پیدائش وآفرینش میں یہ بات شامل اور ودیعت ہوتی ہے کہ مذہب اسلام ہی اس کی دنیوی زندگی میں حصول سعادت وخوش بختی کا واحد راستہ ہوگا، اور دینی وآخرت کی ابدی وسرمدی زندگی میں نجات وکامرانی کا ضامن ہوگا اسی حقیقت کو واشگاف کرنے کے لئے ارشاد خداوندی ہے "فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیہا، لا تبدیل لخلق اللہ، ذالک الدین القیم" فطرت سے مراد اسلام ہے، اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو اپنی فطرت اور جبلّت کے اعتبار سے مسلمان پیدا کیا ہے، اگر اس کو گردوپیش اور ماحول میں کوئی خراب کرنے والا خراب نہ کرے تو ہر پیدا ہونے والا بچہ مسلمان ہی ہوگا، مگر عادۃً ہوتا یہ ہے کہ ماں باپ اس کو بعض اوقات اسلام کے خلاف چیزیں سکھا دیتے ہیں، جس کے سبب وہ مذہب اسلام پر قائم نہیں رہتا ہے قرطبیؒ نے اسی قول کو جمہور سلف کا قول قرار دیا ہے، حضرت شاہ ولی اللہؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ جسکا حاصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے بے شمار قسم کی مخلوقات مختلف طبائع اور مزاج کی بنائی ہیں، ہر مخلوق کی فطرت اور جبلّت میں ایک خاص مادہ رکھ دیا ہے، جس سے وہ مخلوق اپنی تخلیق کے منشاء کو پورا کر سکے، قرآن کریم میں "اعطی کل شئ خلقہ ثم ھدی" سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے کہ جس مخلوق کو خالق کائنات نے کسی خاص مقصد کے لئے پیدا کیا ہے۔ اسکو اسی مقصد کے لئے ہدایت بھی دیدی ہے، وہ ہدایت یہی مادہ اور استعداد ہے شہد کی مکھی میں یہ مادہ رکھ دیا ہے کہ وہ درختوں اور پھولوں کو پہچانے اور انتخاب کرے پھر اس کے رس کو اپنے پیٹ میں محفوظ کرکے اپنے چھتے میں لاکر جمع کرے، اسی طرح انسان کی فطرت وجبلّت میں ایسا مادہ اور استعداد رکھ دی ہے کہ وہ اپنے پیدا کرنے والے کو پہچانے، اس کی شکر گذاری اور اطاعت شعاری کرے، اسی کا نام اسلام ہے، "لا تبدیل لخلق اللہ" مذکورالصدر تشریح سے اس جملے کا مطلب بھی واضح ہوگیا کہ اللہ کی دی ہوئے

فطرت یعنی حق کو پہچاننے کی صلاحیت و استعداد میں کوئی تبدیلی نہیں کرسکتا، اس کو غلط ماحول کافرو مشرک تو بناسکتا ہے، مگر اس کی استعداد قبول حق کو بالکل فنا نہیں کرسکتا، اور اسی سے اس آیت کا مفہوم بھی واضح ہوجاتا ہے، جس میں ارشاد ہے وماخلقت الجن والانس الالیعبدون۔
ہم نے جن اور انسان کو اور کسی کام کے لئے نہیں پیدا کیا، بجز اس کے کہ وہ ہماری عبادت کیا کریں،
مطلب یہ ہے کہ ان کی فطرت میں ہم نے عبادت کی رغبت اور استعداد رکھدی ہے اگر وہ اُس استعداد سے کام لیں تو بجز عبادت کے کوئی دوسرا کام اس کے خلاف ہرگز سرزد نہ ہو،

اگر نومولود بچوں کو فطری وطبعی حالت پر چھوڑ دیا جائے اور غیراسلامی ماحول اثرانداز نہ ہو تو یقیناً اس کی زندگی فطرت الٰہی کے مطابق گزرے گی، اور وہ اسلامی تعلیمات کے سایہ میں پروان چڑھے گا۔ اور کسی ایسے مذہب کا پیرو کار نہ ہوگا جو عبادت و بندگی کے مقصد عظیم سے ناآشنا کردے، اور خالق کون ومکان کی سرتابی وسرکشی کے سفلی راستہ پر ڈالدے، اور خداوند قدوس کی غضبناکی کا باعث ہو، اسلامی معاشرہ قرآن حکیم کی زبان میں دارالسلام ہوتا ہے، اسلام صلح کل مذہب ہے، اور اس کے پیروکار باہم اتفاق و یگانگت کے ساتھ سرگرم رہتے ہیں۔ اور دوسروں کے ساتھ بھی صلح وصفائی سے رہتے ہیں، اسلام رفعت وعظمت اور ارتقاء کے تسلسل کا ذریعہ ہے، اسلامی معاشرہ سلامتی کی جنت ہے، جس میں لغویت وبیہودگی راہ نہیں پاسکتی ہے۔ اسی کو قرآن وسنت میں فطرت سے تعبیر کیا ہے جو ایک صالح تخم کی حیثیت رکھتا ہے، اس کو دنیا کی گندگیوں، برائیوں اور منکرات سے محفوظ رکھنے، اور بلند اخلاق اور اسلامی کردار سے واقف کرانا لازم اور ضروری ہے، تاکہ بچہ کے دل میں اتباع شریعت کا جذبہ باقی رہے، اور حمیت اسلامی وغیرت دینی کی رمق کسی نہ کسی درجہ میں پایا جاتا رہے، اور آگے چل کر اسلامی تعلیمات کا علمبردار ثابت ہو، اور اس کے نشر واشاعت کی ذمہ داری کا بوجھ اپنے کاندھے پر اٹھا سکے، اور قوموں اور ملتوں کی صالح قیادت کے فرائض انجام دے سکے، اسلام کے خلاف اٹھنے والی سازشوں اور فتنوں کا مقابلہ کرسکے، اور اپنے دشمن کو پرفریب چال کو بھانپ سکے، اور اپنے دین ومذہب، تہذیب وثقافت تاریخی سرمایہ اور اسلامی شخصیات کو دشمنوں کے نشانہ غلط انداز سے محفوظ رکھ سکے لیکن جب اس کی تعلیم وتربیت میں سستی کوتاہی

اورلاپرواہی برتی جائے گی، یا غیراسلامی اخلاق اوردیومالائی خرافات ولغویات سے اس کے صاف ستھرے ذہن ودماغ کوگندہ کیا جائیگا تو یقیناً اس کی فطرت مسخ ہوجائے گی اورنہ صرف اسلام کی عظمت وتقدیس کا احساس اس کے قلوب سے رخصت ہوگا بلکہ اسلام کے خلاف نفرت وبغاوت کا فاسد مادہ جنم لیگا، اوراسلامی تہذیب وثقافت کو اپنے سینے سے لگانے کے بجائے اس کوصفحۂ ہستی سے مٹانے کے درپے ہوجائیگا جس کا سدباب مشکل اوردشوار ہوجائے گا۔

اسی لئے بچوں کی تربیت اوراس کے اخلاق وکردار کو آراستہ اورسنوارنے کے لئے دوچیزیں شرط کی حیثیت رکھتی ہیں، ایک یہ کہ بچوں کوان تمام اخلاق سوز، انسانیت سوزلٹریچر کے پڑھنے اوردیکھنے سے روکا جائے جواسلامی عقائد واخلاق سے برگشتہ کردینے والے ہوں اوربچوں کو ذہنیت وصنم پرستی کے آلائش کی گرفت سے پاک وصاف اوردوررکھا جائے، دوسری یہ کہ بچوں کی تعلیم وتربیت کے لئے آسان وسہل زبان میں ایسے کتابچے اورلٹریچر تیار کئے جائیں، جوبلند اخلاق وفضائل اورشرافت وانسانیت کا آئینہ دارہو، اوربچوں کے اندراک گونہ مذہب کی عظمت، بلندہمتی، اولوالعزمی، جرأت وبے باکی کے اوصاف اورعزت واحترام کے جذبات پیدا ہوں، جس طرح بچوں کونمازوروزہ کی عادت ڈالنے کے لئے سعی وکوشش کیجاتی ہے، اوراس کے سیکھنے سکھانے کے لئے ادارے اورمواقع فراہم کئے جاتے ہیں، اس سے کہیں زیادہ نصاب تعلیم اوراسلامی ماحول کا تیارکرنا ضروری ہے، تاکہ بچے اسلامی اخلاق وفضائل کے سانچے میں ڈھل کرمثالی شہری کی حیثیت سے زندگی گزاریں، جس سے معاشرہ میں امن وسکون کی فضاء قائم ہو، اوربڑھتا ہواانتشاروانارکی کا بادل چھٹ جائے۔

لیکن اگرہم اپنے معاشرہ پرایک طائرانہ نظرڈالیں خاص کرذرائع ابلاغ وذرائع مواصلات کا خواہ وہ ریڈیواورٹیلی ویژن کی شکل میں ہو۔ یا روزنامہ اورہفتہ واری فحش لٹریچر کی شکل میں یہ ساری چیزیں بچوں کے اخلاق وکردار پر کافی گہرا اوردوررس اثرات چھوڑرہی ہیں، اوررفتہ رفتہ عقیدۂ توحید کی جگہ وثنی اورمیتھالوجی تصورات لے رہی ہیں، ٹیلی ویژن، ریڈیوسے زیادہ اہم رول اداکررہا ہے، اس کے ذریعے رقص وسرور کی محفلیں اوراختلاط مردوزن کے مناظر پیش کئے جاتے ہیں

صنفِ نازک کے اندر ستر و حجاب پوشی سے گریز کا خیال عام کیا جاتا ہے، یہاں تک کہ پورا خاندان جس میں جوان لڑکے اور جوان لڑکیاں بھی ہوتی ہیں، اور ماں، باپ، اور گھر کے بڑے بزرگ بھی ہوتے ہیں بیک وقت بیٹھ کر اپنی آنکھیں سینکتے ہیں۔

اس وقت دنیا ہلاکت کے ابلتے ہوئے آتش فشاں کے دہانے پر کھڑی ہے، انسانی کارواں بے مہار تباہی و بربادی کی ہیبت کھائیوں کے کنارہ کی طرف تیز گام ہے، دنیا کے تمام متمدن اور ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ممالک اس وقت اخلاقی انحطاط، روحانی بحران، سیاسی ابتری اور جنس معاشی و معاشرتی کرائسس میں مبتلا ہیں۔ اس کے پیشِ نظر ہلاکت و بربادی ہی کی واحد شکل نظر آرہی ہے۔ اس فکری ارتداد کے سانچے میں جو دنیا تعمیر ہو رہی ہے۔ وہاں جھوٹ سچ حرام و حلال، نیکی و بدی کا امتیاز مفقود ہوتا نظر آرہا ہے۔ سودی کاروبار اور رشوت کی گرم بازاری ہے، چوری، ڈاکہ زنی اور قتل و غارت گری طرۂ امتیاز ہو گیا ہے، مشترکہ اختلاط کے تفریح کا رواج جڑ پکڑ رہا ہے، منشیات اور نشلی ادویات مرغوب اشیاء بن گئی ہیں، خاندان کا مقدس تصور بکھرتا چلا جا رہا ہے جھوٹ، دجل اور فریب نے انسانی عظمت و وقار کو زبردست نقصان پہونچایا ہے، جرائم سے تمدن کا ماحول بدبودار اور متعفن ہو چکا ہے، معاشرت سے اخلاقی شعور فنا ہو چکا ہے، خود غرضی اور نفس پرستی آرٹ سمجھی جانے لگی ہے۔ قانون و انصاف کی روح پرواز کر چکی ہے، غرضیکہ پورہ معاشرہ نظریاتی انتشار، اخلاقی گراوٹ، صنعتی آوارگی، معاشی لوٹ کھسوٹ، غذائی بحران، سماجی بدنظمی اور سیاسی انارکی کی راہوں کی طرف بڑھتا جا رہا ہے۔

محترم مرتب الرشاد مدظلہ کی وہ قابل قدر علمی و دینی تصانیف

جو مولد التالیف والترجمہ جامعۃ الرشاد سے یا دوسرے مکتبوں سے شائع ہوئی ہیں

۱۔ اسلامی فقہ اول دوم

محترم مولانا مجیب اللہ ندوی کی تصنیف کردہ اسلامی فقہ کو بحمد اللہ ملک میں شرف قبولیت حاصل ہے اس کی مقبولیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اب تک اس کے سات ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ مصنف موصوف نے اس میں غیر معمولی اضافہ کر دیا ہے خاص طور پر معاشرتی و معاملاتی مسائل والے حصہ میں سیکڑوں جدید مسائل مثلاً خون چڑھانا، پوسٹ مارٹم، نسبندی اور نکل زادہ انسانی اعضا کی پیوندکاری وغیرہ کے احکام کا اضافہ کر دیا گیا ہے گویا شریعت اسلامی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جس پر اس کتاب میں روشنی نہ پڑ گئی ہو یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا اسلامی فقہ کے موضوع پر اردو زبان میں اس سے زیادہ مفصل کوئی کتاب موجود نہیں ہے تمام اہم مسائل میں ائمہ اربعہ کے مسلک کا متن یا حاشیہ میں ذکر کر دیا گیا ہے تاکہ شریعت اسلامی کی وسعت کا پورا اندازہ ہو سکے اب اس کی ضخامت صفحات سے زیادہ ہو گئی ہے اس لئے دو حصوں میں کر دی گئی ہے یہ کتاب نہ صرف عام پڑھے لکھے لوگوں کے لیے مفید ہے بلکہ عربی مدارس کے طلبہ و اساتذہ کے لئے بھی ایک نادر تحفہ ہے یہ کتاب ہر گھر ہر لائبریری اور ہر مدرسہ میں رکھے جانے کے قابل ہے۔

قیمت حصہ اول ۲۵ حصہ دوم ۳۵

اسلامی فقہ کا سرقہ

اسلامی فقہ پہلے مکتبہ الحسنات سے شائع ہوئی تھی اسکے موجودہ مالک فہیم صاحب کی بدمعاملگی کی وجہ سے انہیں شائع کرنے سے روک دیا گیا، اس انتقام میں انہوں نے اصل کتاب میں تھوڑی سی عبارت کی تبدیلی کر کے اسے ایک غیر معروف آدمی کے نام سے شائع کر دیا مگر انشاء اللہ وہ اصل اسلامی فقہ کی جگہ نہ لے سکے گی لیکن یہ افسوس ضرور ہے کہ اقامت دین کے داعی لوگ اس کی تائید کر رہے ہیں اور اپنے مکتبوں میں بیچ رہے ہیں۔

۳۔ قرآن پاک کی تعلیم اور اسکی عظمت

اس میں قرآن پاک کی تعلیم اور اس کی عظمت کو بڑے موثر انداز میں پیش کیا گیا ہے اور ساری مثالیں قرآن پاک کی آیات اور احادیث نبوی سے دی گئی ہیں جس سے تلاوت قرآن اور اس کے سمجھنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ قیمت ۵

۴۔ اہل دل کی باتیں

یہ حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڈھی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے جس کے پڑھنے سے ایمان میں تازگی، آخرت کی یاد اور عمل کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اس کا نیا ایڈیشن کچھ اضافہ کے ساتھ چھپ گیا ہے۔ قیمت ۷/۵

۵۔ خطبہ نکاح

جو خطبہ نکاح کے وقت پڑھا جاتا ہے وہ ایک زبردست معاشرتی ہدایت ہے مصنف نے اسکی بڑی موثر تشریح کی ہے یہ ہر نکاح کے وقت تقسیم کرنے کے قابل ہے قیمت ۳/ ہے

۶۔ مسئلہ کفارت

شادی بیاہ میں برابری کا خیال کرنا صحیح ہے مگر یہ برابری دین و تقویٰ میں ہونی چاہئے مسلمانوں میں جو پیشہ کے اعتبار سے مستقل طور پر برادریاں قائم ہو گئی ہیں ان کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے بلکہ یہ ہندو تہذیب کے اثر سے ہے اس مسئلہ پر مصنف نے سیر حاصل بحث کی ہے

قیمت ۵/ ہے

۷۔ جہیز کی شرعی حیثیت

اس وقت شادی بیاہ میں جہیز کے مطالبہ نے ایک فتنہ کی صورت اختیار کرلی ہے جس سے لڑکیوں کی شادی عام آدمی کیلئے ایک مصیبت بن گئی ہے اس پر ایک عالم نے بہت تحقیقی بحث کی ہے جس پر مولانا ندوی کے قلم سے ایک دیباچہ بھی ہے۔ قیمت ۷/ ہے

یہ تینوں کتابیں اصلاح معاشرہ کے لئے بہترین تحفہ ہیں۔

۸:۔ دینی مدارس اور انکی ذمہ داریاں

اس میں دینی مدارس کی ذمہ داریوں کو بڑے پر اثر اور پر سوز انداز میں

بیان کیا گیا ہے اس کے بعض مضامین کو شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے کئی سو کے مجمع میں پڑھ کر سنوایا اور فرمایا کہ اس کو ہر استاذ اور طالب علم کو پڑھنا چاہئے۔

قیمت صرف ۱۰ روپئے

۹:- عبادت وخدمت

اس میں خدمتِ خلق پر اس نقطۂ نظر سے بحث کی گئی ہے کہ خدمت خلق بھی عبادت ہے اس کا انگریزی اور عربی ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔

قیمت ۶ روپئے

۱۰:- سرمد اور ان کی رباعیاں

اس میں سرمد کے حالات زندگی اور ان کی رباعی گوئی اور ان کے قتل کے اسباب پر مفصل روشنی ڈالی گئی ہے اور آخر میں ان کی رباعیاں ترجمہ کے ساتھ شامل کر دی گئی ہیں اس سے پہلے کسی نے اتنی تفصیل سے اس موضوع پر کوئی چیز نہیں لکھی ہے یہ کتاب اردو اکیڈمی یوپی کی مدد سے شائع ہو گئی ہے۔

۱۱:- خواجہ میر درد اور انکی شاعری

عام طور پر خواجہ میر درد کو ایک شاعر سمجھا جاتا ہے لیکن شاعری میں ایک بلند مقام رکھتے ہوئے یہ انکی قانونی حیثیت ہے وہ ایک زبردست عالم اور صاحب سلسلہ شیخ اور صاحب دل بزرگ تھے مصنف نے ان کی کتابوں کی روشنی میں ان کی زندگی اور شاعری کی والہانہ انداز میں تفصیل کی ہے۔ کتاب زیر ترتیب ہے اس کا کچھ حصہ الرشاد میں شائع ہو چکا ہے۔

۱۲:- ریاض الحدیث

یہ احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا مختصر مجموعہ ہے جسمیں ایمان وعقیدہ اور عبادات سے زیادہ معاملات معاشرت اور اخلاق سے متعلق حدیثیں جمع کر دی گئی ہیں اور محترم مرتب مدظلہ نے حدیث کی مختصر مگر جامع اور دل نشین تشریح کر دی ہے۔ جس سے اس کی افادیت میں مزید اضافہ ہو گیا ہے۔ مشغول سے مشغول آدمی بھی اس سے سفر و حضر ہر جگہ فائدہ اٹھا سکتا ہے

قیمت ۲۵ روپئے

۱۳:- وقت ایک دولت ہے

وقت اللہ کی عطا کی ہوئی کتنی قیمتی نعمت ہے اسکی

اہمیت کو اس میں بڑے موثر انداز میں بیان کیا گیا ہے یہ بقامت کہتر او بقیمت بہتر کا مصداق ہے اسے ہر مسلمان کو نہ صرف پڑھنا چاہیئے بلکہ ہر وقت اپنے پاس رکھنا چاہیئے۔ قیمت ۵۰ر۱ روپئے

۱۴:- اسلامی قانونِ اجرت اس کتاب میں مزدوروں کے مسائل پر اسلامی نقطۂ نظر سے بحث کی گئی ہے اس کا ملیالم میں ترجمہ بھی ہو چکا ہے اس کا پہلا ایڈیشن لاہور سے شائع ہوا ہے اب یہ کتاب تاج کمپنی دلی سے بھی شائع ہو گئی ہے۔

۱۵:- تبع تابعین اس کتاب میں انتیس (۲۹) اکابر تبع تابعینؒ اکابرامت کے علم و فضل کا مفصل ذکر ہے جس میں امام ابو یوسفؒ امام محمدؒ اور عبداللہ بن مبارکؒ، امام ظفرؒ، فضیل بن عیاضؒ، سفیان ثوریؒ وغیرہ جیسے اکابر امت شامل ہیں۔ قیمت ۵ر۵ روپئے

۱۶:- اہل کتاب صحابہ و تابعین اس کتاب میں ان ترانوے صحابہ صحابیات اور تابعین کا ذکر ہے جو اسلام سے پہلے یہودی یا نصرانی تھے اور پھر مسلمان ہوئے دنیا کی کسی زبان میں اس موضوع پر کوئی کتاب نہیں۔ قیمت ۲۵ر۵ روپئے

۱۶:- اجتہاد اور تبدیلیٔ احکام اس کتاب میں ان نئے مجتہدین کا مدلل اور مفصل جواب دیا گیا ہے جو کہتے ہیں کہ قرآن و سنت کے صریح احکام کو بھی اجتہاد کے ذریعہ بدلا جا سکتا ہے۔ قیمت ۴ر۵ روپئے

۱۸:- فتاویٰ عالمگیری اور اسکے مولفین عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے فتاویٰ عالمگیری کو علماء کی ایک پوری جماعت نے مرتب کیا تھا مگر اب تک اس کے مصنفین کے نام سے لوگ ناواقف تھے مصنف نے بڑی تلاش و جستجو سے ان کے حالات جمع کر دیئے ہیں اور اس میں فقہ کی جن کتابوں سے مدد لی گئی ہے اسکی تفصیل بھی کر دی ہے۔ قیمت ۳۵ر۵

سالانہ چندہ
ہندوستان سے =/50
خصوصی معاون =/100
قیمت فی پرچہ =/5

جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ کا ترجمان
ماہنامہ
جامعۃ
الرشاد

سالانہ چندہ
غیر ممالک سے
پندرہ ڈالر امریکی
=/15 $

جلد نمبر ۲۳ | اپریل ۱۹۹۳ء مطابق شوال ۱۴۱۳ھ | شمارہ ۵۴

فہرست مضامین

۱	رشحات	مرتب	۲
۲	موجودہ بنکنگ اور اسلامی بنک کاری	ڈاکٹر محمود الحسن صاحب عارف لاہور	۱۲
۳	اسلامی حکومت اور اسکی معاشی ذمہ داریاں	جناب محمد لطیف اللہ نائب صوبیدار	۲۱
۴	ننگ اسلاف نہیں فخر اسلاف	مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی	۳۲
۵	باب الاستفتاء والجواب		۴۳
۶	الرشاد کی ڈاک	مرتب	۴۵
۷	وفیات	"	۵۱
۸	نئی کتابیں		۵۵
۹	کتابوں کا اشتہار	مہتمم مکتبہ الرشاد	۵۸

مجلسِ ادارت

مجیب اللہ ندوی مرتب
ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی علیگ

ڈاکٹر محمد نسیم صدیقی ندوی
مقیم ابوظبی

منیجر توسیع واشاعت
مولوی عقیل احمد صاحب ندوی

کتابت
عبد الرحمٰن اعظمی

مجیب اللہ ندوی پرنٹر پبلشر وایڈیٹر نے نشاط آفسیٹ پریس ٹانڈہ سے چھپوا کر دفتر جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ سے شائع کیا

رشحات

کانگریس اور بعض دوسری سیاسی پارٹیوں کی طرف سے یہ بات بہت دنوں سے کہی جارہی ہے اور بابری مسجد کی شہادت اور اس کے بعد رونما ہونیوالے خونچکاں واقعات کے بعد یہ بات اور زیادہ زوردار انداز میں کہی جارہی ہے کہ دستوری طور پر ہندوستان ایک سیکولر ملک ہے اور اس کے سیکولر کردار کو باقی رکھنا ہماری ذمہ داری ہے اس کو ہندو اسٹیٹ کبھی بھی بنانے نہیں دیا جائے گا اور یہ پارٹیاں اپنے الکشن مینفسٹو کے ذریعہ بھی اعلان کرتی رہی ہیں سیکولرزم کا مطلب ان کے ذہن میں جو کچھ بھی رہا ہو مگر مسلمان ہمیشہ اس خوشنما نعرہ کو اپنی پناہ گاہ سمجھتا رہا اور اپنا سیاسی وزن کانگریس اور بعض دوسری پارٹیوں کی جھولی میں ڈالتا رہا اور اس نام پر کچھ مسلمان نام کے ایم ایل اے اور ایم پی منتخب بھی ہوتے رہے اور کچھ لوگوں کو وزارت کی کرسی بھی ملتی رہی ایک طرف تو یہ سیاسی کھیل ہوتا رہا دوسری طرف اسلام اور اسلامی تہذیب مسلم پرسنل لا اور اردو زبان کی یہ ہماری سیکولر حکومت جڑ کاٹتی رہی آزادی کے وقت سول سروس اور دوسرے شعبوں میں مسلمانوں کا تناسب ۲۵ سے ۳۰ فیصد تک رہا اس کے بعد گھٹتے گھٹتے ایک دو فیصدی بھی باقی نہیں رہا اسی سنہرے دور میں اور گووند ولبھ پنتھ کی چیف منسٹری اور جواہر لال نہرو کی وزارت عظمیٰ میں بابری مسجد میں بت رکھا گیا اور جواہر لال نہرو کے حکم کے ہٹانے میں اس لئے بے بس ہوگئے کہ ضلع فیض آباد کا کلکٹر اس کے لئے تیار نہیں ہوا گویا سیکولرزم ایک سیاسی نعرہ تھا جس کے پردے میں ہندو راشٹر کا تانا بانا درست کیا جاتا رہا اور مسلمان اس فریب کا شکار ہوتا رہا۔ کیا ملت اسلامیہ کے ساتھ اس سے بڑا کوئی اور مذاق ہوسکتا ہے۔

آزادی کے بعد راجا گوپال آچاریہ اور راجندر پرشاد جیسے گاندھی وادی لوگ ملک کے گورنر جنرل اور صدر ہوئے اور جواہر لال نہرو جیسے سوشلسٹ مزاج ملک کے وزیر اعظم بنے جنکو سیکولرزم کی علامت سمجھا جاتا رہا اور مولانا آزاد جیسا صاحب عزیمت شخص ملک

کا وزیر تعلیم رہا مگر ہوتا وہ رہا جو پرشوتم داس ٹنڈن، کے ایم منشی، سمپورنا نند اور شیام پرشاد مکرجی جیسے افراد چاہتے رہے مسلم پرسنل لا سے شفعہ کا قانون اسی دور میں ہٹا۔ اسپیشل میرج ایکٹ اسی دور میں بنا ہندو سکسیشن ایکٹ سیکولرزم کے اسی دورِ زریں میں بنا٭ اردو زبان کو دیس نکالا اسی وسیع النظر لیڈروں کی موجودگی میں ملا اردو زبان کو یو پی کی دوسری زبان بنانے کے لئے بیس لاکھ دستخط ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب مرحوم اور حیات اللہ انصاری جیسے پیدائشی سیکولر لوگوں کی سربراہی اور مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کے مشوروں سے راجندر پرشاد کی خدمت میں پیش کئے گئے مگر وہ کس سرد خانہ میں ڈال دیئے گئے کہ اب تک اس کا سراغ نہ مل سکا حتی کہ ذاکر حسین صاحب مرحوم صدارت کی کرسی تک پہنچ گئے مگر وہ بھی اس کا سراغ نہ لگا سکے غرض یہ کہ سیکولرزم کے اسی دورِ زریں میں ہندو اسٹیٹ بنانے کی طرف وہ سب اقدامات ہوتے رہے جو فرقہ پرست لیڈر چاہتے رہے اس دورِ اول یعنی جواہر لال نہرو کے بعد کچھ دن لال بہادر شاستری ملک کے وزیر اعظم رہے جو "جے جوان جے کسان" کا نعرہ دیکر اور گنگا کی صفائی کا پروجیکٹ بنا کر دنیا سے رخصت ہو گئے سیکولرزم کا دوسرا دور اندرا گاندھی سے شروع ہوا اس دور میں سب سے بڑا کام یہ ہوا کہ انہوں نے پاکستان کو دو حصوں میں بانٹ دیا اور ایک نیا ملک دنیا کے جغرافیہ میں وجود میں آگیا اور اٹل بہاری واجپئی کی طرف سے انکو درگا دیوی کا خطاب ملا اس کے بعد انہوں نے بہار میں بانگ دہل یہ اعلان کیا کہ اگر اس سے مسلمان ناخوش ہیں تو ہوا کریں ہم کو ان کے ووٹوں کی ضرورت نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ جن سنگھ کے سورما کے آشیرواد کے بعد ان کو اس کی کیا ضرورت تھی مگر اس کے باوجود مسلمانوں کی اکثریت کا سیاسی وزن انہیں کے پلڑے میں جاتا رہا ڈاکٹر فریدی مرحوم نے اس میں کچھ روک لگانے کی کوشش کی مگر پورے ہندوستان میں کیا یو پی کے مسلمان بھی ان کو کوئی قابل ذکر سیاسی قوت نہ پہونچا سکے اور وہ تڑپتے ہوئے قلب بریاں اور چشم گریاں کے ساتھ اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اور ان کے بعد ان کے نقطۂ نظر کو آگے بڑھانے والے جو لوگ بھی ہو سکتے تھے ان میں بعض لوگوں نے سیاسی اور ذاتی مفاد کے لئے ان کی

٭ جس سے ہمارا رسم الخط و رواج اور وراثت کا نظام بگڑ رہا ہے۔

تحریک ہی کو مجروح کر دیا۔ جس سے ان کا مشن زیادہ آگے نہ بڑھ سکا۔ گو کچھ مخلص لوگ اب بھی اپنے
اسی دور میں ہر تھانے ہر بلاک اور دفتروں اور کچہریوں میں مندر بننے لگے
ہر عمارت کی تعمیر اور ہر انڈسٹری اور پل وغیرہ کے افتتاح کے وقت ناریل پھوڑنے اور
اگنی پوجا کی ہندو رسم ادا کی جانے لگی اسی دور میں کرن سنگھ کو اپنی کیبنٹ سے ہٹا کر اندرا گاندھی
نے اپنے اشیرواد کے ساتھ وشو ہندو پریشد بنوائی اس سے پہلے دفتروں کچہریوں وغیرہ میں
کھلے بند فرقہ واریت کی بات کرتے ہوئے ملازمین قدرے جھجک محسوس کرتے تھے اور
اب فخر کے ساتھ یہ سب باتیں ہونے لگیں درمیان میں دو سال کے لئے جنتا پارٹی کی
حکومت ہوئی جس میں جن سنگھ کی شرکت کی وجہ سے ہندو راشٹر کی ذہنیت کو مزید
تقویت ملی اندرا کے دوبارہ برسر اقتدار آنے کے بعد وہ تو خیریت ہوئی کہ ان کے چھوٹے
صاحبزادے اپنے ہاتھوں حادثہ کا شکار ہو گئے ورنہ وہ تو پورے ملک کو بھگوا رنگ
دینے کا ارادہ کر چکے تھے۔

اس کے بعد سیکولرزم کا تیسرا دور اندرا گاندھی کے ۸۴ء میں قتل کے بعد راجیو
گاندھی کے برسر اقتدار آنے کے بعد شروع ہوا یہی دور فرقہ واریت اور ہندو اسٹیٹ کے
تصور سے آگے بڑھ کر فاسسٹ اسٹیٹ کے دور کا آغاز سبب ہوا اسی دور میں
۸۵ء میں سیتا مڑھی سے رتھ یاترا نکلی اور اس کے نتیجہ میں فروری ۸۶ء میں بالکل
کے اشارے سے بابری مسجد کا تالا کھلا اور وہاں باقاعدہ پوجا شروع کر دی گئی اور پھر انہیں
کے دور میں وقف زمین پر شیلانیاس ہوا ۹۰ء میں نیا الکشن ہوا اور کانگریس کو شکست
ہوئی اور گیارہ مہینے کے لئے جنتا دل کی حکومت ہوئی جس نے بی جے پی سے پیکٹ کر کے
اور پھر سارے ہندوستان میں ایڈوانی جی کو رتھ یاترا کا موقع دے کر فاشزم کے ذہن کو
پھلنے پھولنے کا بھرپور موقع دیا لیکن جب اس کے خلاف اس وقت کے یو پی کے چیف
منسٹر ملائم سنگھ یادو نے سخت رویہ اختیار کیا تو وی پی سنگھ نے کریڈٹ لینے کے لئے
لالو پرشاد کو حکم دیا کہ وہ بہار میں ایڈوانی کو گرفتار کر لیں جس کی بنا پر بی جے پی نے اپنی حمایت

واپس بے بی اور سینٹر اور صوبہ یوپی میں جنتا دل کی حکومت گر گئی اور نیا الکشن ہوا اور پھر ۱۹۹۱ء
میں جوڑ توڑ کر کے سینٹر میں پھر کانگریس کی حکومت بن گئی اور صوبہ یوپی اور تین اور صوبوں میں
بی جے پی کی حکومت قائم ہو گئی اور بی جے پی کی صوبائی حکومتوں اور نرسمہا راؤ کی مرکزی حکومت
کی مشترکہ سازش سے بابری مسجد کی نہ صرف شہادت عمل میں آئی بلکہ اس جگہ پر مندر کے
نرمار کی بنیاد بھی ڈال دی گئی گویا ۴۳ برس پہلے کانگریس حکومت کے دور زریں میں ہندو
راشٹر کا جو بیج بویا گیا تھا اور وہ کانگریس کے چوتھے دور میں پایۂ تکمیل کو پہونچ گیا اور اگر یہ
کہا جائے تو زیادہ صحیح ہے کہ سیکولرزم کا پردہ ڈال کر ہندو اسٹیٹ کا جو پودا لگایا گیا تھا
۱۹۹۲ء میں وہ پورے طور پر تناور ہو گیا اور پھر بے قابو ہو کر پردہ سے باہر آ گیا اور اس
کا سہرا انتہائی جے پی کے سر نہ بندھ کر نرسمہا راؤ کی کانگریسی سرکار کے سر بھی بندھ گیا۔
اور اس کار خیر میں وہ برابر کی شریک بن گئی۔ ایودھیا میں اب وقف زمین کو ایکوائر کرنے
کا قانونی اختیار مل جانے کے بعد دیکھئے یہ منحوس مرکزی حکومت کیا کیا نئے گل کھلاتی ہے

اوپر آزادی کے بعد کانگریسی وغیرکانگریسی حکومتوں کے کردار کا جو اجمالی نقشہ
پیش کیا گیا ہے اس کی روشنی میں ہندوستان کے مسلمانوں کو سنجیدگی سے اپنے طرز
عمل کا جائزہ لینا چاہئے مسلمانوں نے اپنا سیاسی وزن سب سے زیادہ کانگریس کے
پلڑے میں ڈالا اور دوسرے تیسرے درجے میں وہ چرن سنگھ کی بی کے ڈی اور
سوشلسٹ اور کمیونسٹ پارٹیوں کی جھولی میں ڈالتا رہا درمیان میں ایک بار جنتا
پارٹی اور دوسری بار جنتا دل کے پلڑے میں ڈالا اگر آپ غور کریں کہ اس سے ملت کو کیا
ملا اس کا کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ مسئلہ بھی حل ہوا؟ ہاں اس کو اتنا ملا کہ چند مسلمان نام کے لوگ
ایم ایل اے اور ایم پی بن گئے یا انہیں وزارت کی کرسی مل گئی جس کی پوری قیمت انکے ذریعہ
ملت سے وصول کی گئی الا ماشاء اللہ۔
کیا یہ بے غیرتی کی بات نہیں ہے کہ بابری مسجد کی شہادت پر "سنیل دت" کے
ضمیر نے انہیں استعفیٰ دینے پر مجبور کر دیا اور انہوں نے استعفیٰ دیتے ہوئے یہ کہا کہ "میں

اس سلسلے میں کچھ نہیں کر پایا اس لئے میں اپنے کو سزا دے رہا ہوں" مگر کانگریس کے کسی مسلمان ایم پی یا وزیر کو اتنی غیرت بھی نہیں آئی کہ پارلیامنٹ یا اپنی وزارت کی کرسی سے علیحدہ ہو جاتا یا بطور احتجاج کچھ دن تک پارلیمنٹ کا بائیکاٹ کر دیتا غرض یہ کہ ہندو راشٹر تو عملاً یہاں قائم ہے البتہ اس وقت بابری مسجد کی شہادت کے سلسلہ میں قانون اور عدالت سب کو نظر انداز کر دینے کا جو رجحان پیدا ہوا ہے ہماری حکومت اور عوام کو اس فاشسزم کی فکر کرنی چاہیئے ورنہ ملک کو تباہ ہونے اور ٹوٹنے سے کوئی نہیں بچا سکتا۔

ہماری بہادر مرکزی حکومت نے بے جے پی کی ریلی کو پانی کا فوارہ چھوڑ کر ناکام بنادیا مگر بابری مسجد کو بچانے کے لئے ربر کی گولی کو جانے دیجئے پانی کا فوارہ چھوڑنے والی مشین کے استعمال سے بھی گریز کیا مگر مجروح دل مسلمان جب بابری مسجد کی شہادت پر احتجاج کے لئے سڑک پر آگئے تو گولیوں کی پوری کی پوری میگزین خالی کر دی گئی آپ بتائیں کہ ہندو راشٹر جس سے مسلمانوں کو ڈرایا جا رہا ہے اس میں اس سے زیادہ خونچکاں داستان اور کیا دہرائی جائے گی بمبئی، احمد آباد اور سورت کے خونچکاں فسادات کے بعد ہمارے وزیر اعظم اور کیبنٹ کے وزرا کو مظلوموں کی تسلی کے لئے ہفتوں جانے کا موقع نہیں ملا اس لئے کہ اس وقت مسلمانوں کا خون بہہ رہا تھا مگر بمبئی بم حادثہ کے چند گھنٹے کے اندر پوری کیبنٹ وزیر اعظم صاحب کے ہمراہ پہنچ گئی، اس لئے اس کی زد دوسروں پر پڑی تھی گویا مسلمانوں کے سر سے خون کا دریا بہہ جائے جب بھی ان ظالموں کے دل کے اندر انسانی ہمدردی کا ادنیٰ جذبہ بھی پیدا نہیں ہوتا۔

اس موقع پر میں محترم سید حامد صاحب، محترم انجم قدر صاحب ڈاکٹر اشتیاق قریشی صاحب اور وحید الدین خاں صاحب اور اس طرح کے دوسرے حضرات سے گذارش کروں گا آپ حضرات عام مسلمانوں کی اور جو لوگ ان کے لئے ٹوٹا پھوٹا کام کر رہے ہیں

ان کی خراب تصویر پیش کرنا اور انتشار پیدا کرنے والوں کی حمایت کرنا بند کردیں یہ بات آپ کے شایان شان نہیں ہے اگر آپ سے ہو سکے تو خود اپنے اثرات سے مسلمانوں کے لئے کچھ عملی کام کر کے دکھائیں ورنہ اس وقت لعنت ملامت سے آپ کے دکھے دل کے جذبات کو تسکین تو ہو سکتی ہے مگر اس سے ملت کو کوئی فائدہ نہیں پہونچے گا بلکہ اگر کچھ کرنے کا جذبہ موجود ہوگا تو وہ بھی سرد پڑ جائے گا ہر شخص کو اپنا جائزہ لینا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے جو کچھ مواقع فراہم کئے ہیں یا کئے تھے وہ اسے ملت کے مفاد میں استعمال کر رہا ہے یا نہیں اگر ہم ایسا نہیں کر رہے ہیں تو دوسروں سے ہم کو کہنے کا کیا اخلاقی جواز ہے ؟

اے درد یار جیسا ہوئے سو ہے غنیمت ؛ اتنا بھی جی نہ رکھیے ہر وقت امتحاں پر

اس وقت جو مسلم معاشرہ ہمارے سامنے ہے اس کو سامنے رکھ کر اتحاد و اتفاق کے رشتوں کو تلاش کرنے کی ضرورت ہے اگر ہم اس وقت ملت کی ظاہری شیرازہ بندی بھی کر سکیں تو یہ بھی بہت بڑا کام ہوگا ہمیں معاشرہ کے اصلاح کی ضرورت ہے مگر ایک شخص جو اپنی ہی غلطی کی وجہ سے حادثہ کا شکار ہو گیا ہے اس پر ملامت کرنے کے بجائے پہلے اسے فرسٹ ایڈ پہونچانے کی ضرورت ہے پھر زخم بھر جانے کے بعد اس کی غلطی پر تنبیہہ کرنی چاہیئے بالکل یہی صورت اس وقت ملت اسلامیہ کی ہے جو کسی وجہ سے حادثہ کا شکار ہو گئی ہے ابھی تو ہمیں اسے فرسٹ ایڈ پہونچانے کی ضرورت ہے اس کے زخم پر مرہم رکھنا ہے اس میں اجتماعی احساس پیدا کرنا ہے اس کے بعد کلمہ کا واسطہ دے کر اس کی شیرازہ بندی کرنی ہے پھر اس کی اجتماعی اور انفرادی غلطیوں کی نشاندہی کرنی ہے تاکہ آئندہ وہ کسی دوسری غلطی کا شکار نہ ہو یہ کام چلتے پھرتے یا دو چار دن کا نہیں ہے بلکہ اس کے لئے زندگیاں کھپانی ہوگی لیکن ہمارا حال یہ ہے کہ ہم اپنے پڑوس یا خاندان تک کے پورے حالات سے واقف نہیں ہوتے اور نہ ہونا چاہتے ہیں اور نہ ان کے دکھ درد میں شرکت کی واقعی کوئی کوشش کرتے ہیں اور نہ ہم سے انکی دلجوئی اور خدمت کا کوئی کام ہو پاتا ہے ایودھیا میں مسلمانوں پر برسوں سے قیامت گزرتی رہی

۱۹۴۷ء ، دسمبر ۱۹۹۲ء کے بعد دہلی کے سارے مسلمانوں کے ۲۶۸ مکانات تباہ و برباد کر دئے گئے ۹۰ مسجدیں توڑ دی گئیں آپ بتائیں کہ آپ میں سے کتنے لوگ ہیں جو عملاً ان کے دکھ درد میں شریک ہوئے کیا اس کے لئے ہمدردی کے چند بیانات دے دینا یا وہاں محض حاضری دے دینا کافی تھا؟ اور طرفہ تماشا یہ کہ آپ میں سے بعض حضرات کو تو یہ بھی توفیق نہ مل سکی پھر ہم ان سے کیسے توقع رکھیں کہ ہم جو کچھ کہیں گے وہ اس پر آمنا صدقنا کہیں گے غرض یہ کہ عوام کی اصلاح سے پہلے ہم کو خود اپنی اصلاح کرنی چاہئے بمبئی، احمدآباد، سورت بھوپال وغیرہ میں جس طرح مسلمانوں کی جان و مال اور عزت و آبرو سے کھیلا گیا کیا ایسے نازک موقع پر بی جے پی کی سیاسی افطار پارٹی میں مع فیملی شرکت مسلمانوں کے زخموں پر نمک پاشی کے مرادف نہیں ہے؟ کیا ہمارے اس طرز عمل کے بعد ہم کو مسلمانوں کو لعنت ملامت کرنے کا یا نئے نئے فارمولے پیش کرنے کا کوئی شرعی و اخلاقی جواز ہے؟

آج فرقہ واریت کا جو تناور درخت آپ کے سامنے دکھائی دے رہا ہے اسکے پیچھے ساٹھ برس کی منصوبہ بندی اور جدوجہد شامل ہے اور ہمارا حال یہ ہے کہ ہم نے ایک دن بھی ملت کی فلاح و ترقی کے لئے کوئی وسیع منصوبہ بندی نہیں کی اور نہ اس کے لئے تقریریں کرنے اور تحریریں لکھنے کے علاوہ کوئی عملی اقدامات کئے پھر ان سے بڑی بڑی توقعات ہم کیسے قائم کرسکتے ہیں۔ اور جب یہ چیز سامنے نہیں آتی تو آپس میں ایک دوسرے پر الزام تراشی کر کے بے اعتمادی کا اظہار شروع کر دیتے ہیں اس لئے ضرورت ہے کہ ہم ایک دوسرے کی غلطیوں کو نظر انداز کر کے اس وقت اپنی صف بندی پر پوری توجہ دیں اور اسی پر اپنی پوری جانی و مالی قوت و صلاحیت لگا دیں۔

یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ ملک کی پوری باگ ڈور اس وقت سیاسی بازی گروں کے ہاتھ میں ہے وہ ملک کو جس رخ پر چاہتے ہیں گھماتے ہیں اس لئے ملک کے سیاسی حالات اور اس کے نشیب و فراز پر نہ صرف ہماری نگاہ کا ہونا ضروری ہے بلکہ اس کے لئے جو تدبیریں ممکن ہیں وہ بھی اختیار کرنا ہمارا دینی و ملی فریضہ ہے اس سلسلہ میں

راقم الحروف نے پچھلے مہینہ جو اداریہ لکھا تھا اس کا کچھ حصہ یہاں پھر نقل کیا جاتا ہے ممکن ہے اس سے اس مسئلہ پر سوچنے والوں کو کچھ مدد ملے۔

بابری مسجد کی شہادت کے بعد مسلمانوں کے اندر اتحاد و اتفاق اور ایثار و قربانی کا جو جذبہ ملک کے اندر اور ملک کے باہر پیدا ہوا ہے اس کو منظم کرنے کی ضرورت ہے ورنہ یہ وقتی جوش و خروش ایک نئی مایوسی کا پیش خیمہ ثابت ہوگا مسلمان عام طور پر اس وقت بی جے پی اور کانگریس سے ناراض ہیں اور وہ کسی تیسری سیاسی طاقت کے پلڑے میں اپنا سیاسی وزن ڈالنے کے لئے تیار ہیں مگر اس سے اقتدار کی تبدیلی تو ممکن ہے مگر بحیثیت مجموعی ملت کے لئے یہ تبدیلی کتنی مفید ہو سکتی ہے اس پہلو پر چالیس برس کے تجربہ کی روشنی میں ہم کو غور کرنا چاہئے مسلمانوں کو یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ اگر انہوں نے خود اپنی ایک مضبوط صف بندی نہ کی اور اپنی اپنی رائے یا مفاد کے مطابق منتشر طور پر اپنے ووٹوں کا استعمال کرتے رہے تو اس سے جو سیاسی تبدیلی ہوگی اس سے ایک نئی سیاسی پارٹی کے لئے تو وہ مفید ہوگی مگر ملت کے عزت و وقار میں اس سے ذرہ برابر اضافہ نہیں ہوگا جیسا کہ اس سے پہلے دو بار ہم تجربہ کر چکے ہیں اس لئے اس وقت ایک تیسری سیاسی طاقت پیدا کرنے کے ساتھ ہم کو اپنی ایک مضبوط تنظیم بنا لینی ضروری ہے اور وہ تنظیم ایسی ہو جس کے ذمہ دار افراد خود ایم ایل اے اور ایم پی بننے کے خواہشمند نہ ہوں بلکہ ان کا خارجی پریشر برسر اقتدار آنیوالی جماعت کو درست رکھنے کیلئے کافی ہو یہ بات بھی ذہن میں رکھنی ضروری ہے کہ جس بھی سیاسی صف بندی کی طرف ہمارا رجحان ہو رہا ہے ان میں سے ہر جماعت ہمارے ووٹ سے اور ہماری شخصیتوں سے فائدہ اٹھانا چاہتی ہے مگر ہماری کوئی مضبوط تنظیم بنے اسے پسند نہیں کرتی اس لئے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ اگر ان کی کوئی مضبوط تنظیم بن گئی تو ہماری نکیل وہ ہمیشہ کھینچتی رہے گی اور اس حیثیت میں نہ تو وہ اپنے کو رکھنا پسند کرتے ہیں اور نہ ہم کو یہ حیثیت دینا چاہتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ یہاں پر آپ کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوگا کہ کیا مسلمانوں کی کوئی

پریشر گروپ کی حیثیت اختیار کرے گی
ایسی تنظیم موجود ہے جسے قوت دے دی جائے تو وہ
اور اگر نہیں ہے تو کیا اس کا امکان ہے کہ کوئی ایسی تنظیم کھڑی ہو جو سارے مسلمانوں
کے لئے بھی اور موجودہ مسلمان جماعتوں کے لئے بھی قابل قبول ہو پہلے سوال کا جواب
تو یہ ہے کہ آپ جس جماعت کو قوت دے دیں وہ پریشر گروپ بن سکتی ہے اس وقت
مسلمانوں میں جو سیاسی جماعتیں موجود ہیں ان کے اثرات ایک مدت سے ایک
خاص حلقہ تک محدود ہیں دینی و ملی جماعتیں تو ان کا حلقہ یقیناً وسیع ہے مگر ان
کا دائرہ کار محدود ہے اور وہ اپنے اپنے دائرہ کار کے اندر ہی اپنی جد و جہد باقی رکھنا
پسند کرتی ہیں اور مصلحت کا تقاضہ بھی یہی ہے اس لئے ایک ایسی تنظیم کی ضرورت
ہے جس کا حلقہ اور دائرہ کار دونوں وسیع ہو اور جو براہ راست تو پارلمنٹری سیاست
میں حصہ نہ لے مگر اسے سیاست پر اثر انداز ہونے کی قوت ضرور حاصل ہو اسی نقطۂ نظر
کے پیش نظر ۱۰ / مہینے پہلے حالات کی سنگینی کو دیکھتے ہوئے کچھ درد مند مسلمانوں نے
"آل ہند یا ملی کونسل" کے نام سے ایک تنظیم اتحاد کلمہ کی بنیاد پر بنائی ہے جس میں بحمد اللہ
اس وقت ہر مسلک ہر خیال اور ہر مسلم سیاسی جماعت کے ممتاز افراد اور نمائندے
شریک ہیں۔ جو حضرات دور ہیں انہیں قریب لانے کی کوششیں جاری ہیں گویا اسکا
دروازہ ہر کلمہ گو کے لئے کھلا ہوا ہے یہ تنظیم کسی فوری جذبہ کے تحت نہیں قائم ہوگئی
ہے بلکہ اس کے پیچھے ایک منصوبہ بند وسیع تعمیری پروگرام ہے اگر مسلمانوں کا بھرپور
تعاون اسے حاصل ہو سکا تو انشاء اللہ آپ چند برسوں میں دیکھیں گے کہ پورے
ہندوستان میں ہر شعبۂ زندگی کے لئے اس کے تعمیری کاموں کا ایک جال بچھا ہوا نظر
آئے گا اور انشاء اللہ جو ہندوستان کے مسلمانوں کے عزت و وقار میں اضافہ کا
سبب بنے گا۔

اوپر مسلمانوں کی صف بندی کی جو بات کہی گئی ہے وہ اس لئے کہ موجودہ دنیا
صرف طاقت کی زبان سمجھتی ہے ہماری اخلاقی باتیں بھی اس وقت موثر ہو سکتی ہیں جب
ان کی پشت پر ملت کے اتحاد کی طاقت موجود ہو اس وقت ملک کا سب سے باوقار

اور ہر حلقہ کے مسلمانوں کے لئے قابل اعتماد ادارہ مسلم پرسنل لا بورڈ موجود ہے کسی کے ذہن
میں یہ بات آسکتی ہے کہ اس کی موجودگی میں ملی کونسل بنانے کی کیا ضرورت تھی تو اس
سلسلہ میں عرض ہے کہ مسلم پرسنل لا بورڈ نے اپنے کام کو دستوری طور پر شریعت اسلامی
اور شعائر اسلامی کے تحفظ تک محدود رکھا ہے دوسرے شعبوں میں وہ دخل نہیں دیتا
اور مصلحت کا تقاضہ بھی یہی ہے۔ مگر ملی کونسل کا دائرہ کار زندگی کے ہر شعبہ سے متعلق
ہے جیسا کہ اس کے دستور میں واضح کر دیا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ مسلم پرسنل لا بورڈ کے
بیشتر ذمہ دار ارکان اور عہدہ داران اس میں شریک ہیں اور اس کے کاموں کو تقویت
پہنچا رہے ہیں یہاں پر یہ بات بھی واضح کر دینی ضروری ہے کہ ملی کونسل پورے ہندوستان
میں اس حیثیت سے یکساں پالیسی اختیار کرے گی کہ وہ ہر جگہ پریشر گروپ بن سکے مگر
ایک تیسری سیاسی طاقت پیدا کرنے میں اس کی پالیسی یکساں نہیں ہوگی بلکہ ہر صوبہ کی
سیاسی صورت حال کے پیش نظر جدا جدا ہوگی، یعنی کانگریس اور بی۔ جے۔ پی کے
علاوہ جو تیسری سیاسی طاقت ان دونوں کو شکست دینے کی پوزیشن میں ہوگی اسے
طاقت پہنچانے کی کوشش کی جائے گی۔ ملی کونسل کے ادنیٰ خادم کی حیثیت سے یہ میرے
ذاتی خیالات ہیں اصل پالیسی تو وہی ہوگی جو اس کی مجلس عاملہ یا مجلس عمومی طے کرے گی۔

موجودہ بنکنگ اور اسلامی بنک کاری

ڈاکٹر محمود الحسن عارف صاحب لاہور

عصر حاضر کے جو مسائل عالم اسلام کے لئے کھلا چیلنج رکھتے ہیں۔ ان میں موجودہ بنکنگ کا "ربائی سسٹم" سب سے زیادہ اہم ہے۔ ساری دنیا میں بنکوں کا جو نظام متداول اور متعارف ہے۔ اس کی تمام تر اساس "ربا" اور سود پر ہے۔ جس کی بنا پر ساری دنیا میں یہ خیال راسخ اور مستحکم ہو گیا ہے کہ "سودی" نظام کو اپنائے بغیر کسی بھی بنک کو چلانا ممکن نہیں ہے اور یہ کہ "غیر ربائی بنک کاری" کا تصور محض ایک مفروضہ ہے۔

چاہئے تو یہ تھا کہ اس کے جواب میں اسلامی دنیا میں رد عمل ہوتا اور "مسلم ماہرین معاشیات" اس سوال کا تسلی بخش حل پیش کرتے، لیکن اب تک یہ معاملہ "مبادیات" پر توجہ دینے سے آگے نہیں بڑھا۔ اور بد قسمتی کی بات یہ ہے کہ قدیم و جدید نظام تعلیم کی تفریق نے اس مسئلے کو مزید الجھا کے رکھ دیا ہے۔ جدید تعلیم یافتہ لوگ عربی اور دین نہیں سمجھتے اور عربی اور دینیات جاننے والوں کو جدید اقتصادیات نہیں آتی۔ جس کا نتیجہ ہے کہ "دیندار" حلقے صرف شور مچانے سے آگے نہیں بڑھتے۔ اور جدید دور میں صرف شور مچا کر کسی مسئلے کو حل کرنا ممکن نہیں ہے۔ جب کہ جدید تعلیم یافتہ ذہن اس مسئلے کی اہمیت اور اس کی نزاکت سے کما حقہ واقف و آشنا نہیں ہے۔ انہیں یہ احساس نہیں ہے کہ یہ مسئلہ عصر حاضر میں اسلام کے مستقبل کیلئے کتنا بنیادی مسئلہ ہے۔ کیونکہ بڑی حد تک موجودہ دور میں اسلام کی تمام خامیوں اور خوبیوں کو ثابت کرنے کا راز اسی مسئلے کے حل میں مضمر ہے۔ اگر مسلمانوں نے یہ مسئلہ حل کر لیا، تو جدید دنیا یہ باور کرے گی کہ اسلام کے پاس "موجودہ مسائل" کا تسلی بخش حل موجود ہے اور اگر بد قسمتی سے وہ اس مسئلے کے حل میں ناکام رہے، تو دنیا کبھی ان کی بات پر کان نہیں دھرے گی۔

دوسری جانب "مسلمان حکومتیں" دوسری حکومتوں کے زیر اثر اتنی "بے حس" ہیں

کہ ان کے پاس اس مسئلے پر توجہ دینے کیلئے کوئی وقت نہیں ہے۔ انتہاء یہ کہ اسلام کے نام پر جو تحریک اٹھتی ہے، اس میں بھی اس مسئلے پر مداہنت کا ثبوت دیا جاتا ہے۔

مرحوم صدر جنرل محمد ضیاء الحق کے گیارہ سالہ دور اقتدار میں اسلامائزیشن کے عمل کے دوران میں صرف یہ ہوا، کہ بنکوں کے بچت کھاتوں (SAVING ACCOUNT) کا نام بدل کر، نفع و نقصان کا کھاتہ (PROFIT/LOSS SAVING ACCOUNT) رکھ دیا گیا۔ گویا انہوں نے مردے کو کفن پہنا کر، یہ سمجھ لیا کہ انہوں نے اس مسئلے کو حل کر دیا ہے۔ جب کہ اسلامی جمہوری اتحاد کی موجودہ حکومت نے "بنکنگ" سمیت موجودہ "اقتصادی نظام" کو شریعت بل سے مستثنیٰ کر دیا ہے۔ یہی حال عرب ممالک سمیت باقی اسلامی ملکوں کا ہے، جو بڑی مستعدی سے یورپ کے سودی نظام کو اپنا نجات دھندہ سمجھ کر، اس کے دامن سے چمٹے ہوئے ہیں۔ بلکہ بعض لوگ تو یہاں تک کہتے ہیں، کہ یورپ کے تمام بڑے بڑے بنک انہی کے سرمائے سے چل رہے ہیں اگر عرب دنیا اپنا سرمایہ نکلوا لے، تو یورپ کے بہت سے بنک دیوالیہ ہو کر رہ جائیں

یہ حالات اس طویل اور سیاہ رات کی غمازی کر رہے ہیں، جو اسلامی دنیا پر چھائی ہوئی ہے اور جو ابھی چھٹنے کا نام نہیں لیتی اور جس کی ظلمتوں کی گہرائی ہر آئے دن بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ:

- کیا دنیا سے اس ظلم، اور زیادتی کا کبھی خاتمہ نہیں ہوگا۔ جو دنیا کے بڑے بڑے ساہوکاروں اور بنیوں نے شروع کر رکھی ہے۔
- کیا اسلام کا اقتصادی نظام محض ایک مفروضہ ہے؟
- کیا اسلام کے پاس جدید مسائل کا تسلی بخش حل موجود نہیں ہے؟

یہی وہ سوالات ہیں، جن کا جواب مسلمانوں کی موجودہ نسل کو پیش کرنا ہے اور اگر اس نے ان سوالوں کا تسلی بخش جواب پیش نہ کیا۔ تو اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا وہ خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہ ہوگا۔ جو ہمارے بزرگوں اور اکابرین نے دیکھا تھا، اور جس کی تعبیر ہم ایک مدت سے تلاش کر رہے ہیں۔

اس تمہید کے بعد شن مناسب ہوگا کہ پہلے اس علمی سرمایے پر نظر ڈال لی جائے جو اب تک "غیر ربائی بنک کاری" کے عنوان سے ترتیب دیا جا چکا ہے۔ اور پھر یہ دیکھا جائے کہ ہم کہاں کھڑے ہیں۔

جدید بنکنگ کی تاریخ

آگے بڑھنے سے قبل بہتر ہوگا۔ کہ ہم موجودہ بنکوں کی تاریخ اور ان کے پس منظر پر نظر ڈال لیں، تاکہ ہمیں پتہ چل سکے کہ یہ بنک کیسے اور کیوں کر معرض وجود میں آئے اور ان کی تعمیر و ترقی میں کتنے انسانوں کا خون ناحق شامل ہے۔

جب ہم بنکوں کی تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں، تو بقول Encyclopaedia Britannica کے مقالہ نگار (W. G. S. T) ہمیں نظر آتا ہے کہ جدید صنعتی دور میں تین طرح کے بنک موجود ہیں اور دنیا کی موجودہ معاشی ترقی میں دونوں ہی کا حصہ ہے اسی لئے اب بنکوں کی موجودگی ہر معاشرے کی اقتصادی زندگی کی روح رواں کی حیثیت اختیار کر چکی ہیں۔

ان میں سے ایک قسم "تجارتی" یا کمرشل بنکوں کی ہے۔ کمرشل یا تجارتی بنک رقم، یا رقم کے قائم مقام، مثلاً چیک رسیدات، بل ہنڈی وغیرہ کا کاروبار کرتے ہیں، اس کے گاہکوں میں، انفرادی سطح سے لے کر، پرائیویٹ فرموں، تجارتی کمپنیوں اور بڑے بڑے اداروں تک بھی شامل ہوتے ہیں۔ تجارتی بنک اپنے ذاتی سرمائے اور لوگوں کی امانتوں سے کاروبار کرتے ہیں لوگوں کو بھاری سود پر قرض دیتے ہیں۔ کمپنیوں اور فیکٹریوں کے لئے شرح سود یا شراکت کی اساس پر سرمایہ مہیا کرتے ہیں اور ایک محدود سی رقم، خود ان کے پاس جمع رہتی ہے۔ جو رقوم واپس لینے والوں کو واپس کی جاتی ہے۔

کمرشل یا تجارتی بنک ہمیشہ اس اصول پر کام کرتے ہیں کہ لوگ جتنا سرمایہ جمع کراتے ہیں اتنا سرمایہ وہ واپس نہیں لیتے۔ جس کے نتیجے میں بنک کے پاس اپنے ذاتی سرمائے کے علاوہ لوگوں کی امانتوں کا بہت سا روپیہ جمع ہو جاتا ہے، اور یہی سرمایہ اسکے تجارتی اور منافع بخش اغراض کیلئے مستعمل ہوتا ہے

حاصل ہونے والے منافع میں سے، تجارتی بنک کچھ منافع اپنے گاہکوں کو واپس
کر دیتا ہے اور باقی منافع اس کے ذاتی مصرف میں مصروف رہتا ہے۔
۲:۔ بنک کی دوسری قسم مرکزی بنک (یا CENTRAL Bank) کی ہوتی ہے، یہ
بنک عام طور پر حکومت کی تحویل میں ہوتا ہے۔ اس بنک کے ذریعے حکومت اپنے سکے کو
کنٹرول کرتی ہے۔ اور یہی بنک تجارتی یا کمرشل بنکوں کو ملک کی کرنسی دیتا اور دوسری
کرنسیوں سے اپنی کرنسی کا تبادلہ وغیرہ کرتا ہے۔
۳:۔ بعض اوقات، بنک تجارتی بنکوں کو "فنانس کمپنیز" کا نام بھی دیا جاتا ہے۔
یہ تجارتی کمپنیاں درحقیقت سرمایہ لگانے (INVESTMENT) کا ایک ذریعہ ہوتی
ہیں لیکن ایسی تجارتی کمپنیاں رقم (MONEY) کا کاروبار نہیں کرسکتیں ہیں[1]

۲۔ بنک کا ماضی

بنکنگ کا تصور کسی نہ کسی صورت میں زمانۂ قدیم سے چلا آتا ہے
مگر اس زمانے کی بنکنگ کی زیادہ تفصیلات دستیاب نہیں
ہیں۔ عہد نبوی میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لوگ اپنی امانتیں جمع کراتے تھے،
یہ بھی بنک ہی کی ایک صورت تھی، یہ ایک بات ہے کہ اسے موجودہ بنکنگ سے کوئی
مناسبت نہیں ہے۔ اسی لیے فقہ کی کتابوں میں "کتاب الودیعہ" (امانت رکھوانے)
کا مفصل ذکر ملتا ہے موجودہ بنکنگ کی تاریخ ساتویں صدی ہجری / تیرہویں صدی
عیسوی سے شروع ہوتی ہے[2]۔ اس کی ابتداء یوں ہوئی کہ اس زمانے میں لوگ زیادہ
تر اپنی دولت سونے کی شکل میں جمع کیا کرتے تھے اور رفتہ رفتہ لوگوں نے سونے
چاندی کے ان ڈھیروں کو اپنے پاس رکھنے کو خطرناک گردانتے ہوئے اسے سناروں
کے پاس جمع کرانا شروع کر دیا یہی "سنیارے" اور ساہوکار ابتدائی دور کے "بینکر" ہیں
یہ لوگ زیادہ تر سکوں اور سونے چاندی کو جمع کرتے، ان کے باہمی تبادلے، ان کی کمائی
اور معیار کو برقرار رکھنے یا اس کے جانچنے کا کاروبار کرتے تھے۔

---

[1] دیکھیے: Encyclopaedia Britannica, BANK, 1[?]
[2] ایضاً

اس زمانے میں بنکوں کی ایک اور قسم "دوکاندار بنکوں" (MERCHANT BANKERS) کی تھی جو اشیاء (goods) اور رقم کی رسیدات دنوں کا کاروبار کرتے تھے۔
یہ بنک اپنے گاہک سے رقم وصول کرکے، اسے دور دراز علاقے میں اس شخص تک بھی پہنچاتے تھے، جسے اس نے رقم بھیجنا ہوتی تھی۔[1]
یہ ساہوکار رقوم وصول کرکے جو رسیدات جاری کرتے تھے۔ آہستہ آہستہ یہ رسیدات خرید و فروخت اور قرضوں کی ادائیگی وغیرہ کیلئے ایک آدمی سے دوسرے آدمی کیطرف منتقل ہونے لگیں۔ لوگوں کو یہ بات آسان نظر آتی تھی کہ وہ سونار سے سونا نکلوانے کے بجائے، سونے کی رسید ایک دوسرے کو دیدیں، اور رسید دینے کے معنی "گویا سونا حوالہ کر دینے کے تھے۔ اس لئے وہ اصل سرمایہ، جو سونے کی شکل میں بنک کاروں/سنیاروں کے پاس محفوظ رکھا جاتا تھا، اسے بہت کم نکلوانے کی نوبت آتی تھی۔
تجربے سے "بنک کاروں" کو معلوم ہوا کہ ان کے پاس لوگوں کی امانتوں کا جو سونا جمع ہے۔ اس کا بمشکل دسواں حصّہ نکلوایا جاتا ہے، باقی حصّے ان کی تجوریوں میں بے کار پڑے رہتے ہیں۔ انہوں نے اسے لوگوں کو بطور قرض دے کر اس پر سود وصول کرنا شروع کر دیا۔ اس طرح انہوں نے ایک وقت میں دو طرح سے لوگوں کو لوٹنا شروع کر دیا۔ ایک تو اس طرح وہ لوگوں سے اس سونے کی حفاظت کا معاوضہ وصول کر لیتے تھے۔ اور ثانیاً اس طرح کہ وہ اسے "سود" پر دے کر نفع کماتے تھے۔
بعد ازاں انہوں نے ایک اور قدم کے طور پر قرض کیلئے بھی کاغذی رسیدیں ہی چلادیں، اور جب انہوں نے دیکھا کہ ان کا یہ تجربہ کامیاب رہا ہے، تو انہوں نے انکے پاس سونے کے نو فیصد محفوظ حصّوں پر ۹۰٪ کی جعلی رسیدیں بنا کر "زر کاغذی" کی حیثیت سے چلادیں اور یوں قرض کے کاروبار کو وسعت دی۔ اس جعل سازی کے ذریعے سے ان لوگوں نے ۹۰ فیصد جعلی روپیہ بالکل بے بنیاد کرنسی کی شکل میں بنایا اور

خواہمخواہ اس کے مالک بن بیٹھے اور اسکا سود وصول کرنے لگے۔ حالانکہ اس کے عوض اشیاء اور خدمات حاصل کرنا کسی اصول اخلاق و معیشت و قانون کی رو سے جائز نہیں ہے۔ نتیجۃً یہ بنک کار و سنار اس فریب کاری سے ملک کی ۹۰ فیصد دولت کے مالک بن گئے۔ اور انہوں نے کمال عیاری سے بادشاہ اور امراء اور وزراء تک سب کو اپنے دام تزویر میں پھانس لیا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ حکومتیں بذات خود اپنی مالی مجبوریوں اور اندرونی مشکلات کی عقدہ کشائی کے لئے ان سے بھاری قرض لینے لگیں۔ اسوقت یہ لوگ اپنی دولت کے ذریعے ملک پر چھا گئے اور انہوں نے ہر طرح کی طاقت اور قوت حاصل کر لی۔ تا آنکہ حکومت نے ان بنک کاروں کا یہ حق مان لیا کہ وہ نوٹ جاری کریں اور ان کے جاری کردہ نوٹ باقاعدہ زر کاغذی کی حیثیت سے کاروبار کی دنیا میں چلنے لگے۔

جس دور میں یہ جدید بنک کاری اس جعلی سرمایہ سے طاقت پکڑ کر سر اٹھا رہی تھی یہ دور مغربی یورپ میں صنعت و حرفت کے سیلاب بے بہا کے اٹھنے اور اس کے طاقت پکڑنے کا دور تھا۔ یورپ صدیوں کے خواب غفلت کے بعد آہستہ آہستہ بیدار ہو رہا تھا۔ اور اپنے ساز و سامان کے ساتھ پوری دنیا پر چھا جانے کا عزم رکھتا تھا جسکے زیر اثر مغربی ملکوں میں فیکٹریوں، کارخانوں اور مختلف تعلیمی اور مالیاتی اداروں کا جال بچھایا جا رہا تھا۔ اس تمام منصوبے کو سرمائے کی "حاجت" تھی۔ نئی نئی صنعتیں اور تجارتیں اپنے آغاز کے لیے سرمایہ مانگ رہی تھیں پہلے چلتے ہوئے کاروبار اپنی ترقی اور پیش قدمی کے لیے بڑی اور روز افزوں مقدار میں سرمائے کے طالب تھے۔ ان سب کاموں کے لئے خود منصوبہ سازوں کا اپنا ذاتی سرمایہ بہر حال ناکافی تھا۔ اب لامحالہ دو ذرائع تھے جن سے یہ خون حیات اس تمدن جدید کے نوخیز شباب کی آبیاری کے لئے بہم پہنچ سکتا تھا۔

اولاً وہ سرمایہ جو سابق ساروں اور حال کے ساہوکاروں کے پاس تھا۔

ثانیاً: وہ دولت جو متوسط اور خوش حال طبقوں کے پاس ان کی پس انداز کی ہوئی آمدنیوں کی شکل میں جمع تھی۔

اس میں سے پہلی قسم کا جو سرمایہ ساہوکاروں کے قبضہ میں تھا، اس لئے ان کا

ایک پیسہ بھی حصہ داری کے اصول پر کسی کام میں لگنے کیلئے تیار نہ تھا وہ تو صرف اور صرف اسی شرط پر قرض دیتے تھے، کہ خواہ قرض لینے والوں کو نفع ہو یا نقصان، بہر حال وہ بنک کاروں کو ایک طے شدہ شرح کے مطابق سود دیں گے۔

جب کہ دوسرا ذریعہ ہی ایسا تھا کہ جس سے معاشی کاروبار اور تعمیر و ترقی کے لئے سرمایہ آسکتا تھا۔ اور اگر ایسا ہو جاتا تو یہ عین انصاف ہوتا۔ مگر ان بنک کاروں نے اپنی منفی سوچ کے ذریعے، معاشرے سے خون کی یہ صحت بخش مقدار بھی چھین لی۔ وہ اس طرح ـــــ کہ ان ساہوکاروں نے سود کا لالچ دے کر تمام ایسے لوگوں کا سرمایہ بھی اپنے پاس کھینچنا شروع کر دیا جو اپنی ضرورت سے زیادہ آمدنی بچا رکھتے تھے، یا اپنی ضرورتیں روک کر کچھ نہ کچھ پس انداز کرنے کے عادی تھے۔ انہوں نے یہ کیا کہ پریس کے ذریعے لوگوں کو باور کرا دیا۔ کہ یہ بنک اس کی خدمت کیلئے ہیں، اور یہ کہ لوگوں کو اس زحمت میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے؟ اس طرح تو انہیں خود حساب کتاب رکھنا ہوگا، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس طرح سے انھیں نقصان بھی ہو سکتا ہے۔ اس کے بجائے وہ اپنی رقمیں ان کے پاس جمع کرا دیں ہم وہ ان کے سرمائے کی حفاظت کے ساتھ ساتھ انھیں بالمقطع ایک مقررہ شرح سے سود ادا کر دیا کریں گے۔

اس چال سے ۹۰ فیصدی، بلکہ اس سے بھی زیادہ پس انداز رقمیں بنک کاروں کے دست تصرف میں چلی گئیں اور یہ لوگ قریب قریب پورے قابل حصول سرمائے پر قابض ہو گئے۔ اس طرح انہوں نے یہ بات قریب قریب ناممکن بنا دی کہ ان کی مقرر کردہ شرح کے سوا، کسی دوسری شرط پر کسی بھی کام کے لئے کہیں سے کوئی سرمایہ مل سکے۔ یہ راستہ چونکہ آسان بھی ہے اور "سہل الوصول" بھی۔ اس لئے کہ اس میں کسی خار مغیلاں سے واسطہ نہیں پڑتا۔ اس لئے لوگ اس طریقے کے عادی ہو گئے اور انہیں کاروبار میں شرکت کے بجائے، سرمائے کا ایک لگا بندھا نفع وصول کرنے کی چاٹ لگ گئی۔

اس طریق کار نے قلم اور سیف، دونوں کی حکمرانی کا دور ختم کر دیا اور اس کی جگہ "بہی کھاتے" کی فرمان روائی قائم کر دی۔ غریب کسانوں اور مزدوروں سے لے کر بڑے سے

بڑے صنعتی و تجارتی اداروں تک اور بڑی حکومتوں اور سلطنتوں تک سب کی ناک میں ایک زرّیں نکیل پڑ گئی اور اس کا سرا ساہوکار کے ہاتھ میں آ گیا۔

اس کے بعد اس گروہ نے ایک قدم اور اٹھایا اور اپنے کاروبار کو وہ شکل دی جسے اب جدید بنکنگ کہا جاتا ہے۔ پہلے یہ کاروبار عموماً انفرادی سطح پر تھا۔ اگرچہ بعض ساہوکار گھرانوں کا مالیاتی کاروبار بڑھتے بڑھتے عظیم الشان اداروں کی صورت اختیار کر گیا تھا۔ جن کی شاخیں دور دراز مقامات پر قائم ہو گئی تھیں، لیکن بہرحال یہ الگ الگ گھرانے تھے اور اپنے ہی نام پر کام کرتے تھے۔ جس پر ان کے خلاق اور ذہین دماغوں نے یہ سوچا۔ کہ کیوں نہ ان انفرادی اداروں کو شہری، صوبائی، ملکی اور پھر بین الاقوامی سطح پر منظم کیا جائے۔ اور نہ صرف اپنے شہر بلکہ پورے صوبے پورے ملک اور بلکہ تمام ممالک کی دولت کو سمیٹا جائے۔ تاکہ زمین کے کسی بھی گوشے پر، ان کی مرضی کے بغیر کوئی دانہ کاشت کیا جا سکے اور نہ کوئی لقمہ کھایا جا سکے۔ اس طرح یہ بڑے بڑے بنک معرض وجود میں آئے جو آج تمام دنیا کے نظام مالیات پر قابض و متصرف ہیں۔

اس جدید دور میں بنکنگ کا مختصر الفاظ میں طریق کار یہ ہے کہ چند صاحب سرمایہ لوگ مل کر ایک ادارہ ساہوکاری قائم کرتے ہیں جس کا نام بنک ہے۔ اس ادارے میں دو طرح کا سرمایہ استعمال ہوتا ہے۔ ایک حصہ داروں کا سرمایہ جس سے کام کی ابتدا کی جاتی ہے۔ دوسرا امانت داروں یا کھاتہ داروں (DEPOSITORS) کا سرمایہ جو بنک کا کام بڑھنے کے ساتھ ساتھ زیادہ سے زیادہ تعداد میں ملتا جاتا ہے اور اسی کی بدولت بنک کے اثر اور اس کی طاقت میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ ایک بنک کی کامیابی کا اصل معیار یہ ہے کہ اس کے پاس اس کا اپنا ذاتی سرمایہ (یعنی حصہ داروں کا لگایا ہوا سرمایہ) کم سے کم ہو اور لوگوں کی رکھوائی ہوئی رقمیں زیادہ سے زیادہ ہوں۔

مگر دلچسپ بات یہ ہے کہ بنک اپنا سلسلہ کام تو چلاتا ہے امانت داروں کے روپے سے جن کا لگایا ہوا سرمایہ بنک کے مجموعی سرمائے میں ۹۰ - ۹۵ فیصد بلکہ ۹۸ فیصد تک ہوتا ہے، لیکن بنک کے نظم و نسق اور اس کی پالیسی میں ان کا کوئی دخل نہیں

ہوتا۔ یہ چیز بالکل ان حصہ داروں کے ہاتھ میں ہوتی ہے جو بنک کے مالک ہوتے ہیں اور جن کا سرمایہ مجموعی سرمائے کا صرف دو تین یا چار پانچ فیصد ہوا کرتا ہے۔ امانت داروں کا کام صرف یہ ہے کہ اپنا روپیہ بنک کے حوالہ کر دیں اور اس سے ایک خاص شرح کے مطابق سود لیتے رہیں۔ اس سے آگے کسی بھی معاملے میں وہ کچھ نہیں بول سکتے۔ اس کا تعلق صرف حصہ داروں سے ہے۔ وہی منتظمین کا انتخاب کرتے ہیں، وہی پالیسی کا تعین کرتے ہیں، وہی نظم و نسق اور حساب کتاب کی نگرانی کرتے ہیں اور انہیں کے منشار پر اس امر کا فیصلہ منحصر ہوتا ہے کہ سرمایہ کدھر جائے۔ پھر حصہ داروں میں سب یکساں نہیں ہوتے۔ متفرق چھوٹے چھوٹے حصہ داروں کا اثر بنک کے نظام میں برائے نام ہوتا ہے۔ دراصل چند بڑے بھاری حصہ دار ہی سرمائے کی اس جھیل پر قابض ہوتے ہیں وہی اور اس پر تصرف کرتے رہتے ہیں۔

بنک اگرچہ بہت سے چھوٹے بڑے کام کرتا ہے جن میں سے بعض یقیناً مفید، ضروری اور جائز بھی ہیں، لیکن اس کا اصل سرمائے کو سود پر چلانا ہوتا ہے۔ تجارتی بنک ہو یا صنعتی یا زراعتی، یا کسی اور نوعیت کا، بہر حال وہ خود کوئی تجارت یا صنعت یا زراعت نہیں کرتا بلکہ کاروباری لوگوں کو سرمایہ دیتا ہے اور ان سے سود وصول کرتا ہے۔ اس کے منافع کا اصل اور سب سے بڑا ذریعہ یہ ہوتا ہے کہ امانت داروں سے کم شرح سود پر سرمایہ حاصل کرے اور کاروباری لوگوں کو زیادہ شرح پر قرض دے۔ اس طریق سے جو آمدنی ہوتی ہے وہ حصہ داروں میں اسی طرح تقسیم ہو جاتی ہے جس طرح تمام تجارتی اداروں کی آمدنیاں ان کے حصہ داروں میں مناسب طریقہ سے تقسیم ہوا کرتی ہیں۔[1]

---

[1] دیکھئے انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا: مقالہ بنکنگ
نیز ابوالاعلیٰ مودودی: سود: ۱۳۰ - ۱۳۸

اسلامی حکومت اور اس کی معاشی ذمہ داریاں

جناب محمد لطیف اللہ نائب صوبیدار

تقسیم دولت کے اندر پائے جانیوالے تفاوت کو کم کرنا

قرآن و حدیث اور خلافت راشدہ کے نظائر سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اسلامی حکومت کی معاشی پالیسی کا ایک رہنما اصول یہ بھی ہے کہ معاشرہ میں تقسیم دولت کے اندر جو تفاوت پایا جاتا ہو وہ کم ہو اور دولت کسی ایک طبقے کے اندر جمع ہو کر نہ رہ جائے۔ اسی لئے اسلام کے ابتدائی دور میں مسلمانوں پر یہ حقیقت واضح کر دی گئی تھی کہ دولت مند افراد کے مال میں محروم اور ضرورت سے مجبور ہو کر سوال کرنے والوں کا بھی حصہ ہے۔ قرآن مجید کا پیغام ہے:

وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ[1] اور ان کے اموال میں سائل اور محروم افراد کا بھی حق ہے

پھر مدنی دور میں جب یہودی قبیلہ بنو نضیر کو ان کی بدعہدی اور اسلام دشمنی کی بنا پر جلاوطن کیا گیا اور ان سے حاصل ہونے والے اموال کی تقسیم کا مسئلہ سامنے آیا تو یہ حکم ہوا کہ یہ اموال ضرورت مندوں کے لئے ہیں اس کی مصلحت یہ تھی کہ سماج کے اندر مال و دولت اہل ثروت کے درمیان مرکوز نہ ہو۔

---

[1] سورۃ الذٰریٰت۔ ۱۹

مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰی فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ کَیْ لَا یَکُوْنَ دُوْلَةً بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْکُمْ[1]

ان آبادیوں کے جن اموال کو اللہ نے اپنے رسول کو عطا کیا ہے وہ اللہ، اس کے رسول اور رسول کے قرابت داروں، یتامیٰ، مساکین اور مسافروں کیلئے مخصوص ہیں تاکہ ایسا نہ ہو کہ مال دولت تمہارے صاحب ثروت لوگوں ہی کے درمیان چکر کھاتی رہ جائے۔

یہ آیت مبارکہ قطعی طور پر ثابت کرتی ہے کہ مال و دولت کو دولت مندوں کے درمیان گردش کرتے رہ جانے سے روکنا اسلامی پالیسی کا اہم مقصد ہے۔ حضورؐ کے دور مبارکہ میں تقسیم دولت کے اندر پائے جانے والے تفاوت کو کم کرنے کا مقصد اسلامی ریاست نے تین طریقوں سے حاصل کیا۔ زکوٰۃ و عطیے کے ذریعے دولت مندوں کے مال کا ایک حصہ غریبوں کی طرف منتقل کیا جاتا رہا۔ فئے کے مال کو غریبوں کے درمیان بانٹا گیا اور صاحب ثروت لوگوں کو ترغیب و تلقین کے ذریعے اس بات پر آمادہ کیا گیا کہ وہ اہل حاجت افراد کی مالی اعانت کریں۔

جب حضرت ابو بکر صدیقؓ خلیفہ بنے اور فئے کا مال آیا تو آپ نے اسے عوام کے درمیان مساوی طور پر تقسیم کیا اور چھوٹے بڑے، آزاد، غلام، مرد اور عورت سب کو برابر حصہ دیا۔ جب کہ بعض لوگوں نے آپؓ سے یہ کہا کہ خدمت اسلام (یا اسلام لانے) میں سبقت کی بنا پر بعض افراد کو بعض سے زیادہ حصہ دینا چاہئے تو آپ نے یہ جواب دیا۔

اما ذکرتم من السوابق والقدم والفضل فما اعرفنی بذالک وانما ذالک شئ ثوابه علی الله جل ثناءه وهذا معاش

ترجمہ: تم نے جو سابقیت، اولیت اور فضیلت کا ذکر کیا ہے تو میں اس سے بہت اچھی طرح واقف ہوں لیکن یہ ایسی چیزیں ہیں جن کا ثواب اللہ جل شانہ کے ذمہ ہے مگر یہ معاملہ

---

[1] سورۃ الحشر۔ ۷

فالاسوۃ فیہ خیرٌ من الاثرۃ۔[1]

معاش کا ہے اس میں مساوات کا برتاؤ ترجیحی سلوک سے بہتر ہے۔

ایک دوسری روایت میں یوں ہے:

انّ ابابکرؓ کلّم فی ان یُفضّل بین الناس فی القسم فقال فضائلھم عند اللہ فاما ھذا المعاش فالتسویۃ فیہ خیرٌ۔[2]

(ترجمہ) ابوبکرؓ سے کہا گیا کہ وہ (فئے) کی تقسیم میں بعض لوگوں کو بعض پر ترجیح دیں تو آپ نے فرمایا ان کے فضائل کا اعتبار اللہ کے یہاں ہوگا جہاں تک اس معاشی زندگی کا سوال ہے اس میں برابر سلوک کرنا بہتر ہے۔

خلیفہ اول کا یہ ارشاد اگرچہ فئے کی تقسیم سے متعلق ہے لیکن آخری جملہ میں آپ نے ایک اصولی حقیقت کا اظہار فرمایا ہے جس سے اسلامی ریاست کی معاشی پالیسی کا رجحان اخذ کیا جاسکتا ہے یعنی وسائل معاش کی تقسیم میں تفاوت کے بجائے مساوات کو پیش نظر رکھنا چاہئے۔

تقسیم دولت کے اندر پائے جانے والے تفاوت کو کم کرنے کے باقی دو طریقے جو عہد نبوی میں اختیار کئے گئے تھے عہد صدیقی میں بھی نافذ رہے۔ جب بعض قبائل نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تو ریاست نے ان کے خلاف فوجی کاروائی کرکے ان کو اس حق کی ادائگی پر مجبور کیا۔

حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں اس اصول کے مطابق عمل کی اہم ترین وہ پالیسی ہے جو عراق وشام کی مفتوحہ زمینوں کو فوجیوں کے درمیان تقسیم نہ کرنے کے فیصلہ کا باعث بنی۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے حضرت عمرؓ بعض صحابہ کے اس مشورہ کی طرف مائل ہو گئے تھے کہ یہ زمینیں فوجیوں کے درمیان تقسیم کر دی جائیں لیکن بعد میں جب آپ کی توجہ اس طریقے کے برے نتائج کی طرف مبذول کرائی گئی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو آیات فئے (سورۃ حشر ۶ تا ۱۰) کا ایسا فہم عطا کیا کہ آپ نے اس تجویز کو مسترد کر دیا اور زمینوں کو سارے مسلمانوں کی ملکیت قرار دینے کا فیصلہ کیا

---

[1] ابو یوسف: کتاب الخراج ص ۵۔ [2]

فلما قدم عمر الجابية فاراد قسم الارض بين المسلمين فقال معاذ والله اذن ليكونن ما تكره۔ انك ان قسمتها صار الريع العظيم في ايدي القوم ثم يبيدون فيصير ذلك الى الرجل الواحد او المرأة۔ ثم يأتي من بعدهم قوم يسدون من الاسلام مسدا وهم لا يجدون شيئا۔ فانظر امرا يسع اولهم وآخرهم۔

(ترجمہ) عمرؓ جابیہ آئے تو انہوں نے زمین کو مسلمانوں کے درمیان تقسیم کرنے کا ارادہ فرمایا۔ معاذؓ نے آپ سے کہا خدا کی قسم پھر تو وہی ہوگا جو آپ کو ناپسند ہے اگر آپ نے ان زمینوں کو تقسیم کر دیا تو بڑے بڑے علاقے ان لوگوں کو مل جائیں گے پھر یہ مر جائیں گے تو یہ زمینیں (وراثت کے ذریعے) کسی ایک آدمی یا عورت کے ہاتھ میں آجائیں گی۔ پھر ان کے بعد دوسرے لوگ آئیں گے جو اسلام کا دفاع کریں گے مگر ان کو کچھ نہ مل سکے گا۔ آپ غور و فکر کے بعد کوئی ایسا طریقہ اختیار کیجئے جو آج کے مسلمانوں کے لئے بھی موزوں ہو اور بعد میں آنے والوں کے لئے بھی مفید ہو۔

قال هشام وحدثني الوليد بن مسلم عن تميم بن عطية عن عبد الله بن ابي قيس او ابن قيس انه سمع عمر يكلم الناس في قسم الارضين۔ ثم ذكر قول معاذ اياه۔ قال فصار عمر الى قول معاذ۔[1]

(حدیث کے راوی) ہشام نے کہا مجھ سے ولید بن مسلم نے بروایت تمیم بن عطیہ بروایت عبداللہ بن ابی قیس یا ابن قیس حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے عمرؓ کو زمین کی تقسیم کے بارے میں لوگوں سے گفتگو کرتے سنا۔ پھر راوی نے اس بات کا ذکر کیا جو معاذؓ نے عمرؓ سے کہی۔ راوی کہتا ہے کہ پھر عمرؓ نے معاذ کی بات مان لی۔"

قاضی ابو یوسفؒ اس واقعہ کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے ایک قانونی کلیہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

---

[1] ابو یوسف: کتاب الخراج ص ۲۷

والذی رأی عمر رضی اللہ عنہ	حضرت عمرؓ کا یہ فیصلہ کہ آپ نے مجاہدین اور
من الامتناع من قسمۃ الارضین	فاتحین کے درمیان زمین تقسیم کرنے سے انکار
بین من افتتحہا عند ما عرفہ اللہ	کر دیا اور اس کی تائید میں قرآن حکیم سے دلائل
ما کان فی کتابہ من بیان ذالک	پیش کئے یہ سب کچھ محض اللہ کی توفیق کا نتیجہ
توفیقاً من اللہ کان لہ فیما صنع	تھا اور اللہ کی کتاب پر بصیرت حاصل ہونے
وفیہ کانت الخیرۃ لجمیع المسلمین	کی بنا پر تھا۔ یہ واقعہ ہے کہ جس حقیقت کو
وفیما راٰہ من جمع خراج وقسمۃ	حضرت عمرؓ کی نگاہ نے پالیا تھا در اصل اسی
بین المسلمین عموم النفع لجماعتھم	میں جماعتی لحاظ سے تمام مسلمانوں کی بھلائی
لان ھذا الولم یکن موقوفاً	تھی۔ لگان کی آمدنی کو ایک جگہ کرکے عام
علی الناس فی الاعطیات	ضروریات پر خرچ کرنا یہ اس سے کہیں زیادہ
والارزاق لم تشحن الثغور ولم	بہتر تھا کہ زمین کو چند لوگوں میں تقسیم کر دیا
تقوا الجیوش علی السیر فی الجہاد	جاتا اور وہی اس سے فائدہ اٹھاتے رہتے
ولما امن رجوع اھل الکفر الی مدنہم	کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ اگر لگان کی آمدنی عام
اذا خلت من المقاتلۃ والمرتزقۃ[1]	لوگوں کی تنخواہوں اور وظیفوں کے لئے وقف

نہ ہوتی تو سرحدوں کی حفاظت اور فوجیوں کی کفالت کس مال سے کی جاتی اور یہ ظاہر ہے کہ کوئی ملک اس قسم کے انتظامات کے بغیر بیرونی حملوں سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔"

فئے کے مال کی تقسیم کے بارے میں ابتداً عمرؓ نے بھی مساوی تقسیم کی اسی پالیسی پر عمل کیا جو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اختیار کی تھی لیکن جب عراق و شام کی فتح سے بہت سا مال خمس اور فئے کے طور پر حاصل ہوا تو آپ نے اپنی پالیسی تبدیل کر دی۔ آپ نے اسلام لانے میں سبقت کرنے والوں اور اسلام کی نمایاں خدمت انجام دینے والوں کو عام افراد سے زیادہ حصے دیے۔ جن افراد نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ میں طرح طرح کے مصائب برداشت کئے

---

[1] ابو یوسف: کتاب الخراج ص ۲۷

تھے۔ اسلام کی خاطر اپنا گھر بار چھوڑ کر ہجرت کی تھی اور مدینہ کے ابتدائی دور میں آپؐ کے ساتھ مل کر کفار کے ساتھ جنگیں کی تھیں ان کو آپ نے بعد میں ایمان لانے والوں سے زیادہ حصہ کا مستحق قرار دیا۔ تقسیم فئے میں مساوی سلوک کی جگہ ترجیحی سلوک کا ایک بڑا سبب یہ تھا کہ آپ کو یہ کسی طرح گوارا نہیں تھا کہ جن لوگوں نے اسلام میں داخل ہونے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگیں لڑی تھیں۔ ان کو ان لوگوں کے برابر حصے دیے جائیں جنہوں نے ابتدا ہی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شانہ بشانہ کفار سے جنگ کی تھی۔

قال: لا اجعل من قاتل رسول الله صلی الله علیہ وسلم کمن قاتل معہ۔[1]

"فرمایا۔ جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ کی تھی ان کو میں (تقسیم فئے میں) انکے برابر نہیں کرسکتا جنہوں نے آپکے ساتھ ہو کر جنگ کی تھی۔"

اس نئے طریق کار کے حق میں جو سیاسی، معاشرتی اور دینی دلائل دیے جا سکتے ہیں وہ واضح ہیں لیکن معاشی طور پر اس کا نتیجہ یہی ہو سکتا تھا کہ سماج کے اندر تقسیم دولت میں مزید ناہمواری پیدا ہو۔ چنانچہ آٹھ سال تک اس پالیسی پر عمل کے بعد اپنے دور خلافت کے آخری سال میں حضرت عمرؓ نے اپنی رائے پھر تبدیل کی، اور آئندہ تقسیم فئے میں مساوات برتنے کا ارادہ ظاہر کیا۔

حدثنا عبد الرحمٰن بن مہدی عن ہشام بن سعد عن زید بن اسلم عن ابیہ قال: سمعت عمرؓ یقول لئن عشت الی ہذا العام المقبل لألحقن آخر الناس بأولہم حتی یکونوا ببانًا واحدًا

ہم سے عبد الرحمٰن بن مہدی نے انہوں نے ہشام بن سعد سے انہوں نے زید بن اسلم سے اور انہوں نے اپنے والد سے روایت کرتے ہوئے حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے عمرؓ کو یہ کہتے سنا ہے کہ اگر میں آئندہ سال اس موقع تک زندہ رہا تو (تقسیم فئے میں)

---

[1] ابو یوسف کتاب الخراج ص ۵۰

(قال عبد الرحمٰن ببانًا واحدًا شيئًا واحدًا) [1]

آخر کے لوگوں کو سرفہرست لوگوں سے ملادوں تاکہ سب مساوی ہوجائیں (عبدالرحمٰن نے کہا ہے ببانًا واحدًا کے معنی یہ ہیں کہ ایک ہی جیسے ہوجائیں

اسی مفہوم کو ابنِ سعد نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

سمعتُ عمر بن الخطّاب يقول: والله لئن بقيت الى هذا العام المقبل لالحقنّ اخر الناس باوّلهم ولاجعلنّهم رجلاً واحدًا۔ [2]

میں نے عمر بن الخطاب کو یہ کہتے سنا ہے کہ خدا کی قسم اگر میں اگلے سال اس موقع پر زندہ رہا تو (وظیفے کے رجسٹر میں درج) آخر کے لوگوں کو پہلے لوگوں سے ملادوں گا اور ان سب کو ایک آدمی جیسا کردوں گا"

عن زيد بن اسلم عن ابيه انه سمع عمر بن الخطّاب يقول: لئن بقيت الى الحول لالحقنّ اسفل النّاس باعلاهم [3]

زید بن اسلم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے عمر بن الخطاب کو یہ کہتے سنا ہے کہ اگر میں ایک سال اور زندہ رہا تو (وظیفے میں حصے کے اعتبار سے) سب سے نیچے کے لوگوں کو سب سے اوپر کے لوگوں کے مساوی کردوں گا۔

کتاب الخراج کی روایت سب سے زیادہ واضح ہے۔

ولما رأى المال قد كثر قال لئن عشت الى هذه الليلة من قابل لالحقنّ اخر الناس باولهم حتّٰى يكونوا فى العطاء سواءً قال فتوفى رحمه الله قبل ذالك [4]

(راوی کہتا ہے کہ) جب آپ نے یہ دیکھا کہ (خزانے کا) مال بہت زیادہ آنے لگا ہے تو فرمایا۔ اگر میں آئندہ سال اس شب تک زندہ رہا تو (وظیفے کے رجسٹر میں درج) آخر کے لوگوں کو شروع کے لوگوں سے ملادوں گا تاکہ سب کو برابر وظیفے ملنے لگیں (راوی نے کہا کہ) آپ اس سے پہلے ہی انتقال فرماگئے اللہ آپ پر رحم فرمائے۔

---

[1] ابوعبید، کتاب الاموال ص۲۶۳-۲۶۴ [2] محمد ابن سعد، الطبقات الکبریٰ جلد ۳ ص۳۰۱

[3] ایضًا [4] ابویوسف، کتاب الخراج ص۵۵

ان نظائر سے یہ بات بالکل ثابت ہو جاتی ہے کہ حضرت عمرؓ نے تقسیم فئے میں عدم مساوات برتنے کی پالیسی سے رجوع کر کے مساوات برتنے کا فیصلہ کر لیا تھا لیکن یہ واضح نہ ہو سکا کہ آپ نے یہ فیصلہ کس وجہ سے کیا تھا کتاب الخراج کی مذکورہ بالا روایت سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ مال فئے کی کثرت اس فیصلہ کا سبب بنی تھی لیکن یہ توجیہہ کافی نظر نہیں آتی۔ سابقین اولین اور اسلام کی نمایاں خدمات انجام دینے والوں کا امتیاز برقرار رکھنے کا جو مقصد حضرت عمرؓ کے پیش نظر تھا وہ اسی وقت پورا ہو سکتا تھا جب مال فئے کی کثرت کے باوجود ان افراد کے حصے دوسرے افراد سے زیادہ ہوتے۔ صرف مال فئے کی کثرت اس بات کے لئے کافی وجہ نہیں بن سکتی کہ ان کے امتیازی مقام کو نظر انداز کر دیا جائے یہ بھی ممکن تھا کہ سب کے حصوں میں اضافہ کر دیا جاتا اور ممتاز لوگوں کو پھر بھی عام افراد سے زیادہ حصے ملتے۔

مساوی تقسیم کے اس نئے فیصلہ کیلئے ضروری ہے کہ حضرت عمرؓ کے سامنے کوئی ایسی مصلحت آئی ہو جس کو وہ ان مصالح پر ترجیح دینے لگے ہوں جو امتیازی سلوک اور غیر مساوی تقسیم کے وقت ان کے سامنے تھے۔

ہمارے نزدیک یہ نئی مصلحت ان مفاسد کے ازالہ کی ضرورت تھی جو سماج کے اندر تقسیم دولت میں بڑھتے ہوئے تفاوت سے پیدا ہو رہے تھے یا مستقبل میں پیدا ہو سکتے تھے۔ امتیازی حصے کچھ لوگوں کو دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ مالدار بنا رہے تھے۔ زیادہ مالدار لوگوں کے اندر معیار زندگی کو حد اعتدال سے زیادہ بلند کرنے، جائدادیں خریدنے اور جہاد فی سبیل اللہ میں کچھ سستی کے رجحانات پیدا ہوتے دیکھ کر آپ کی بصیرت نے پہچان لیا ہوگا کہ ان رجحانات کو غیر مساوی تقسیم سے مزید تقویت حاصل ہوگی۔ دوسری طرف یہ بھی ممکن ہے کہ آٹھ سال تک امتیازی سلوک کرنے کے بعد اب آپ کے نزدیک اس طریقہ کو باقی رکھنا اتنا ضروری نہ رہ گیا ہو کیونکہ جن افراد کو آپ ممتاز کرنا چاہتے تھے ان کو اس طویل عرصہ میں خاصا موقع مل چکا تھا۔

نئے فیصلہ کے مطابق جن لوگوں کو پہلے زیادہ حصہ مل رہا تھا ان کے حصہ میں کمی نہیں ہوتی بلکہ جو لوگ پہلے کم حصہ پاتے تھے ان کے حصہ میں اتنا اضافہ پیش نظر تھا کہ سب کے حصے برابر ہو جائیں۔

ایسا کرنا اسی وجہ سے ممکن ہوسکا تھا کہ فئے کا مال اب پہلے سے زیادہ تھا۔ کتاب الخراج کی مذکورہ بالا توجیہ ہمارے نزدیک فیصلہ کے صرف اس پہلو پر منطبق ہوتی ہے۔

ایک دوسری روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کا ارادہ تھا کہ مالدار لوگوں کی فاضل دولت لے کر غریبوں کے درمیان تقسیم کر دی جائے۔

عن ابی وائل قال قال عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ لو استقبلت من امری ما استدبرت لاخذت فضول اموال الاغنیاء فقسمتھا علی فقراء المھاجرین۔[1]	ابو وائل سے مروی ہے کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو امور میں پہلے طے کر چکا اگر انہیں مجھے آئندہ بھی طے کرنے کا موقع ملتا تو میں مالداروں سے ان کی فاضل دولت لے کر اسے فقراء مہاجرین کے درمیان تقسیم کر دیتا۔"

اپنے دور خلافت کے آخری سال میں عمر فاروقؓ کا یہ ارشاد واضح طور پر یہ بتاتا ہے کہ آپ سماج میں دولت کی تقسیم میں بڑھتی ہوئی ناہمواری سے پریشان رہنے لگے تھے اس صورتحال کی روشنی میں اپنے بعض گذشتہ فیصلوں پر نظر ثانی کی ضرورت محسوس کرتے تھے اور ایک راست اقدام کے ذریعہ تقسیم دولت کے اندر پائے جانے والے تفاوت کو کم کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ یہ روایت ہماری اس رائے کی بھی تائید کرتی ہے کہ تقسیم فئے کے بارے میں آپ کے نئے فیصلہ کی اصل گذشتہ پالیسی کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی ناہمواری اور بڑھتی ہوئی عدم مساوات تھی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت عثمانؓ نے اموال فئے کی تقسیم میں مساوات کی پالیسی پر عمل نہیں کیا مزید برآں آپ نے عراق و شام کی زمینوں کو جن کا مالیہ آپ تک براہ راست کاشتکاروں سے وصول کیا جاتا تھا۔ متعینہ خراج پر درمیانی افراد کو دینے کا طریقہ اختیار کیا۔ ابتداءً یہ طریقہ اس لئے اختیار کیا گیا تھا کہ ریاست کو مالیہ وصول کرنے میں سہولت ہو۔ اس طریقہ کو اختیار کرنے سے ریاست کی آمدنی بھی بڑھ گئی تھی[2]

---

[1] تاریخ طبری ص ۲۷۷۴ (حوادث ۲۳ھ) تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو المحلی لابن حزم جلد ۶ ص ۱۵۸ [2] تفصیل کیلئے ملاحظہ کیجئے۔ کتاب المواعظ والاعتبار بذکر الخطط والآثار للمقریزی جلد ۲ ص ۵۱-۵۲

ابو عبیدؒ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ بھی صدیق اکبرؓ کی رائے کے مؤید تھے۔

وکذالک یروی عن علی التسویۃ ایضاً [1] اور اسی طرح حضرت علیؓ سے بھی مساوات ہی منقول ہے۔

لیکن حضرت علیؓ کا دورِ خلافت اضطراب کے عالم میں گذرا اور اس کے بعد اموی حکمرانوں نے نہ صرف یہ کہ معاشرہ میں دولت اور آمدنی کی تقسیم میں بڑھتی ہوئی ناہمواری کو کم کرنے کی کوشش نہیں کی بلکہ ان کی مالی پالیسی کے نتیجہ میں یہ تفاوت بڑھتا ہی گیا۔ یہاں تک کہ جب حضرت عمرؒ بن عبدالعزیزؒ خلیفہ ہوئے تو آپ نے زندگی کے مختلف شعبوں کو اسلام کی اصل تعلیمات کے مطابق از سرِ نو منظم کرنے کی کوشش کی تو معاشی نظام میں بھی متعدد اصلاحات عمل میں لائی گئیں۔

ہمیں اس حقیقت میں کوئی شبہ نہیں کہ قرآن و سنت کی تعلیمات کا صحیح مفہوم وہ ہے جو خلافت راشدہ کے عمل سے ہمارے سامنے آتا ہے اسلام کسی فرد پر کسب دولت کے سلسلے میں کوئی اصولی اور دائمی پابندی نہیں عائد کرتا لیکن اسے یہ بات پسند نہیں ہے کہ دولت سماج کے ایک طبقہ میں مرکوز ہو کر رہ جائے۔ قرآن، سنت نبوی اور خلافت راشدہ کے نظائر کی روشنی میں ہم اطمینان کے ساتھ یہ رائے قائم کر سکتے ہیں کہ دولت اور آمدنی کی تقسیم کے اندر تفاوت کو کم کرنا اسلامی حکومت کی معاشی پالیسی کا ایک رہنما اصول ہے۔

اس رائے کی مزید تائید قرآنی آیت "اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ" سے بھی ہوتی ہے کہ اسلام کو معاشرہ میں عیش پرستوں اور مترفین کے طبقہ کا ظہور سخت ناپسند ہے کیونکہ معاشرہ میں عیش کوشی اور عیش پرستی کرنے والے طبقہ کا ظہور اور غلبہ اس معاشرہ کی ہلاکت اور بربادی کا پیش خیمہ ہے۔

معاشی پالیسی کے اس رہنما اصول کی روشنی میں دورِ جدید کی ایک اسلامی حکومت کی ذمہ داری ظاہر ہے اس حکومت کو اس بات کی بھی فکر کرنی ہوگی کہ صدیوں کے غیر اسلامی نظام

---

[1] کتاب الاموال ص ۲۶۴

معیشت کی وجہ سے جو خرابیاں جڑ پکڑ چکی ہیں ان کا بتدریج ازالہ کیا جائے۔ اصلاح حال کے لئے پہلا قدم یہ ہوگا کہ عشر و زکوٰۃ کے شرعی محاصل کو وصول کرنے اور متعینہ مدات میں صرف کرنے کا اہتمام کیا جائے۔ اخلاقی تربیت کے ذریعے ایک ایسی فضا پیدا کرنی ہوگی کہ اصحاب دولت زکوٰۃ کے علاوہ بھی اپنے مال میں اہل حاجت کا حق تسلیم کریں۔ اسلام کے قانون وراثت کا پوری طرح نفاذ بھی اس اصول کے بعض تقاضوں کو پورا کرے گا۔ پھر سود کی حرمت بے جا استحصال کے ایک بڑے دروازہ کو بند کر دے گی۔ ان اقدامات کے ساتھ اس طرف بھی توجہ کرنی چاہیئے کہ غیر اسلامی زمیندارانہ اور جاگیردارانہ نظام کی وجہ سے زمین کی ملکیت کا ایک طبقہ میں جو ترکز وجود میں آگیا ہے۔ اسکو ختم کیا جائے پھر اس بات کا بھی اہتمام ہونا چاہیے کہ ریاست کے تعمیری اور ترقیاتی کاموں یا رفاہِ عامہ سے متعلق امور اور تعلیم، صحت و صفائی اور حمل ونقل کی سہولتوں کا جو انتظام ریاست کی جانب سے کیا جائے اس کے بیشتر فوائد بڑے کاروباریوں یا مال دار لوگوں ہی تک محدود نہ ہو جائیں۔ موجودہ عدم توازن کو دور کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ان خدمات سے زیادہ تر فائدہ غریبوں اور کم آمدنی والے طبقوں کو پہنچے۔

موضوع زیر بحث میں ہم نے اسلامی حکومت کی صرف ان معاشی ذمہ داریوں کا جائزہ لیا ہے جن کی انجام دہی شریعت کی روشنی میں اس پر لازم ہے اپنے شہریوں کی فلاح و بہبود کے اہتمام کی جو جامع ذمہ داری اسلامی حکومت پر عائد ہوتی ہے اس کے تقاضے کی تکمیل اسی وقت ہو سکتی ہے جب اسلامی ریاست کے کارکن ہمیشہ اس فکر میں لگے رہیں کہ مسلمانوں کی دینی اور دنیاوی بھلائی کے کیا کام ہو سکتے ہیں اور انہیں کس طرح انجام دیا جا سکتا ہے دورِ جدید کی اسلامی ریاست میں اس کی ایک عملی شکل یہ ہوگی کہ منتخب نمائندوں پر مشتمل مجالس میں اس بات پر غور کیا جاتا رہے گا کہ ملک کی بھلائی کے کون سے کام حکومت کے سپرد کئے جائیں عوام کی بھلائی سے متعلق جو کام بھی باہمی مشورہ سے عمال حکومت کے سپرد کئے جائیں وہ اسلامی حکومت کی ذمہ داری میں شامل سمجھے جائیں گے۔ بنیادی ضروریات کی تکمیل، معاشی تعمیر و ترقی اور تقسیم دولت کے اندر پائے جانے والے تفاوت کو کم کرنے کی حیثیت ان شرعی وظائف کی ہے جو اسلامی ریاست پر اصولی طور پر عائد کی گئیں ہیں اور جنکو مذکورہ بالا مجالس کو اپنی ذمہ داری سمجھ کر ایسے قوانین اور ضوابط کی شکل دینا ہوگا جنکا نفاذ ان ذمہ داریوں کی بتمام وکمال ادائیگی کا ضامن ہو سکے۔ ••

ننگ اسلاف نہیں فخر اسلاف

حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تحریروں اور خطوط میں اپنے نام گرامی کے ساتھ "ننگ اسلاف" لکھا کرتے تھے مگر وہ ننگ اسلاف نہیں فخر اسلاف تھے وہ تواضع اور خاکساری کے اس بلند مرتبہ پر فائز تھے کہ جس کا تصور بھی اس دور کے ہم جیسے محب جاہ کے متوالے نہیں کر سکتے آزادی سے پہلے ۱۹۴۱ء حضرت مدنی کی خدمت میں تین دن مہمانی کا شرف حاصل کرنے کا موقع بھی ملا تھا اور پھر ندوہ اور دار المصنفین کے زمانہ قیام میں کئی بار شرف زیارت بھی حاصل رہا اور قلب و دماغ میں ان کی محبت بھی جاگزین رہی مگر تواضع کے اس رتبۂ بلند کا پورا شعور اور احساس اس سے پہلے نہیں ہو سکا تھا۔

مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی نے ماہنامہ "الفرقان" میں نسخۂ انسانیت کے عنوان کے تحت جو مضمون لکھا ہے اس میں ان کے چند مکاتیب کے اقتباسات پڑھنے کے بعد دل و دماغ پر جو غیر معمولی اثر پڑا اس کے پیش نظر مضمون کا کچھ حصہ تذکرہ کے طور پر نقل کیا جاتا ہے جس سے اندازہ ہوگا کہ ہمارے اکابر نے اپنے نفس کو کتنا مٹا ڈالا تھا جس کی وجہ سے وہ من تواضع اللہ رفعہ اللہ کے مصداق بن گئے تھے اس کا کچھ نمونہ اس دور میں حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاب گڈھی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی میں دیکھا جا سکتا تھا مگر اب ہم اس سے بھی محروم ہو چکے ہیں انہوں نے جو کہا تھا کہ

یہ ہے میرا اعزاز کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں (ع)

حقیقت میں ان کا حال تھا۔ یہی حال حضرت مدنیؒ کا نظر آتا ہے

کاش اس بے نفسی اور معرفت نفس کا ایک ادنی اثر بھی ہمارے اندر اور حضرت مدنی کے تلامذہ اور جانشینوں میں پیدا ہو جاتا تو ملت اسلامیہ ہند کے اتحاد و اتفاق کی ایک بڑی رکاوٹ دور ہو جاتی۔ (مرتب)

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۳۷۷ھ ۱۹۵۷ء) کے مکاتیب و خطوط

کا مجموعہ "مکتوبات شیخ الاسلام" مدتوں سے چھپا ہوا ہے۔ جناب مولانا نجم الدین اصلاحی نے اسے چار جلدوں میں مرتب کیا تھا۔ گزشتہ دنوں اس کے ۲ مکاتیب کے سلسلے میں جلد اول کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت پیش آئی اور یہ ضرورت چاروں جلدوں کے مطالعے کا بہانہ بن گئی۔ افسوس ہوا کہ عقیدت ہی نہیں شاگردی کا بھی رشتہ رکھنے کے باوجود اتنے عرصے اس سعادت سے کیوں محرومی رہی۔

یہ مکاتیب بالعموم ان لوگوں کے نام ہیں جو آپ سے بیعت وارادت کا تعلق رکھتے ہیں یا اس تعلق کو قائم کرنے کے خواہاں ہوئے ہیں۔ آدمی حیران رہ جاتا ہے کہ کیا اس طرح کے لوگوں کے سامنے بھی ایک انسان اپنی ایسی تنقیص کر سکتا ہے جیسی اپنی تنقیص حضرت مدنی کے ان مکاتیب میں پائی جاتی ہے! مکاتیب کا یہ رخ دیکھ کر آدمی یقین کرنے پر مجبور ہوتا ہے کہ آپ جو اپنے آپ کو "ننگ اسلاف" لکھنے کے عادی تھے۔ یہ کوئی رسمی عادت نہ تھی جس کے معنیٰ ومفہوم سے سروکار نہ ہو۔ بلکہ یہ اپنے بارے میں عین آپ کے دل کا حال تھا۔ اور اس کا رازوہ معرفت حق تھی جس کے بارے میں آپ کی زندگی کے ابتدائی حالات گواہی دیتے ہیں کہ معرفت کا یہ مقام آپ کو دوسرے تمام اسبابی عوامل سے بڑھ کر شاید اپنی ذات کی نفی ہی سے ملا تھا۔ چنانچہ اسی شئی کو آپ نے زندگی بھر سینے سے لگا رکھا اور اپنے مسترشدین کو اس کی اہمیت بایں الفاظ بتائی:

> "تصوف کا ضروری اور مضبوط اصول جو کہ نفس پر بہت شاق بھی ہوتا ہے یہ ہے کہ اپنے نفس کے ساتھ بدظنی اور دوسرے کے ساتھ حسن ظن رکھا جائے۔
> اسی کے ماتحت حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "معرفت[1] خدائے تعالیٰ برآں کس حرام است کہ خود را از کافر فرنگ بہتر داند ......" (مکتوب ۱۸ بنام مولانا سید محمد میاں صاحب مرادآبادی مرحوم)

مشہور ادیب صحافی اور ناقد وعالم مولانا عبدالماجد دریابادی مرحوم بیعت کے لیے حاضری کا ارادہ ظاہر کرتے ہیں۔ ان کے جواب میں ارشاد ہوتا ہے۔

---

[1] (ترجمہ) خدا تعالیٰ کی معرفت اس شخص پر حرام ہے جو ایک فرنگی کافر سے بھی اپنے آپ کو بہتر جانے۔

مجھ کو نہایت تعجب ہے کہ آپ جیسا تجربہ کار، زمانے کی گرمی اور سردی سے واقف صاحب علم و شعور ایسی صریح غلطی میں پڑے ......

میرے محترم، اصلاحِ نفس کیلئے کسی سگِ دنیا نفس پرست ناکارہ و نالائق کے پاس جانا کیا معنیٰ رکھتا ہے، پیاسا دریا کا قصد بے شک کرتا ہے، مگر آتش کا قصد نہیں کرتا، درودیوار سنگ و کہسار کی طرف نظر نہیں اٹھاتا، میں حلفیہ کہتا ہوں اور میں سچا ہوں کہ میں اپنی سیاہ روئی اور سیاہ کاری سے خود شرمندہ اور نادم ہوں، اور بسا اوقات روتا ہوں، میری واقعی حالت اشخاص انسانیہ سے بدتر ہونا تو درکنار ارزل حیوانات سے بھی بدتر ہے۔

یظن[1] الناس بی خیراً واننی　　　بشر الناس ان لم یعف عنی

مولانا محترم، اگر اس کمال کے اعلام واکابر بھی موجود ہوتے تب بھی مجھ جیسے سگِ دنیا بدنام کنندہ نکونامان کی طرف نظر اٹھانا جائز نہ ہوتا۔

کس[2] نیاید بزیر سایۂ بوم　　　ورہما از جہاں شود معدوم

..... بعض حضرات کو دھوکا اس امر کا ہورہا ہے کہ چند مقدس ہستیوں کے خدمت میں چونکہ اس کو زمانے تک باریابی کی نوبت رہی ہے۔ اس لئے ضرور بالضرور لائق ہوگا۔ مقدمہ اولیٰ بے شک صحیح ہے مگر مقدمۂ ثانیہ غیر لازمی ہے۔

ونعم ما قیل۔

تہی[3] دستان قسمت را چہ سود از رہبر کامل　　　کہ خضر از آبِ حیواں تشنہ می آرد سکندر را

(مکتوب ص۱۲۱ مورخہ ۱۷ رجب ۱۳۴۶ھ)

مولانا دریا بادی کے ہی نام ایک دوسرے خط میں تحریر فرماتے ہیں:۔

---

۱ (ترجمہ) لوگ مجھے اچھا سمجھتے ہیں حالانکہ میں بدترین آدمی ہوں اگر معاف نہ کردیا جاؤں۔ ۲ کوئی بھی شخص الو کے سائے میں آنا پسند نہیں کرتا۔ اگرچہ ہما دنیا سے ناپید ہی ہوجائے۔ ۳ (ترجمہ) جو قسمت کے کھوٹے ہوں ان کو رہبر کامل سے بھی کیا مل سکتا ہے۔ سکندر حضرت خضر کے ساتھ [illegible] پیاسا ہی واپس آیا۔

"آپ نے بہت اچھا کیا کہ رنگون کے خط کو شائع نہیں کیا۔ میں بے حد شکرگزار ہوں اور نہایت ادب اور پرزور التجا کے ساتھ عرض رساں ہوں کہ مہربانی فرماکر اس قسم کی تحریر کبھی بھی اوراق میں آنے نہ دیجئے بلکہ زبانی تذکرہ تک سے بھی قطعی پرہیز فرمائیے مجھے تو آپ سے یہ بھی شکایت ہے کہ آپ میری تعریف (جو کہ میرے نزدیک بالکل غیر واقعی ہوتی ہے ......) دوسروں کے سامنے کیا کرتے ہیں میری دلی خواہش ہے جو کہ میں بلا تصنع عرض کرتا ہوں کہ اس سے آپ کلی پرہیز فرمائیں۔ اگر آپ میرے واقعی عیوب ظاہر نہیں فرماتے یا خداوندی ستر کی وجہ سے واقع میں آپ کو علم نہیں ہے تو ان غیر واقعی مدائح کو تو زبان پر نہ لایا کریں، اگر آپ کسی غلطی میں مبتلا ہوگئے ہیں تو دوسروں کو تو ایسے ناخوشگوار گڑھے میں نہ ڈھکیلیں واللہ ثم واللہ ثم تاللہ میں اس قدر نالائق و ناہنجار گنہگار، دنیا پرست، سگ دنیا اور بدکردار ہوں کہ اگر محض اپنے فضل و کرم سے اس غفار الذنوب ستار العیوب نے کام نہ لیا تو اشد الناس عذابا اور اخسر الخاسرین میں ہوں گا۔ فلہ الحمد علی حلمہ وعلی عفوہ بعد قدرتہ میرا اپنے آپ کو ننگ اسلاف کہنا اور لکھنا واقعیت کی بنا پر ہے۔ کسر نفسی کی بنا پر نہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے میری برائیوں پر پردہ ڈال رکھا ہے۔ ورنہ لوگ مجھ سے اس سے زیادہ نفرت کرتے جتنی سؤر اور کتے سے کرتے ہیں۔

میں آپ سے پھر خدا اور رسول علیہ السلام کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں کہ اس قسم کے خطوط اور تحریروں کو ہرگز اپنے یا کسی (اور) اخبار میں جگہ نہ دیں۔ امارت کے لئے بہت سے اہل اور لائق اشخاص موجود ہیں۔ مولانا کفایت اللہ صاحب، مولانا انور شاہ صاحب، مولانا شبیر احمد صاحب وغیرہ۔ میں ان حضرات کے دست

ا؎ جیسا کہ آئندہ سطروں سے ظاہر ہو جائیگا بظاہر رنگون کے اس خط میں حضرت مولانا کا نام "امارت ہند" کیلئے تجویز کیا گیا تھا ــــ اور یہ اس زمانے کی بات ہے جب برما ہندوستان ہی کا حصہ بنا ہوا تھا)

مبارک پر بیعت امارت کرنے کو تیار ہوں۔ اور حتی المقدور اطاعت کروں گا۔۔۔۔۔

(مکتوب ۵۰ ۔ ۱۹ ر جمادی الاول ۱۳۵۰ھ)

مکتوبات شیخ الاسلام کے اس مجموعے میں ۴۱ سے ۵۸ تک تمام خطوط مولانا دریابادی ہی کے نام ہیں۔

پروفیسر مولانا عبدالباری صاحب ندوی مرحوم (سابق صدر شعبۂ فلسفہ عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن) مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی ہی کے ساتھ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے تھے۔ آپ کے نام بھی ۵۹ سے ۷۲ تک چودہ ۱۴ مکتوب اس مجموعے میں ملے جاتے ہیں۔ آپ کے نام کا ایک خط ہماری خصوصی توجہ کا مستحق ہے۔ خط کا پس منظر خود خط سے یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا عبدالباری صاحب سے کچھ قرض اپنا مکان بنوانے کے سلسلے میں لیا تھا اور خط میں درج عربی اشعار سے (جن کو یہاں نقل نہیں کیا جا رہا) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ قرض خود مولانا عبدالباری صاحب کی خواہش اور پیش کش پر لیا گیا تھا۔ اس قرض کی واپسی میں دیر ہوئی اور بالاقساط ادائیگی ہو سکی۔ کسی درمیانی خط کے ساتھ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے غالباً کچھ زیادہ معذرت فرمائی کہ ادائیگی میں بہت تاخیر ہو رہی ہے۔ مولانا عبدالباری صاحب نے اس ادائیگی کا بیمہ وصول کر کے جو خط لکھا اس میں رقم کے اس بیمے کو اپنی نالائقی کا بیمہ" قرار دیا۔ یعنی حضرت کی معذرت سے شرمندگی محسوس کی حضرت رحمۃ اللہ علیہ اس کے جواب میں لکھتے ہیں۔

"میرے محترم! آپ ان نقود کے ارسال پر خفگی کا اظہار فرماتے ہیں۔ اور اس بیمے کو اپنی نالائقی کا بیمہ قرار دیتے ہیں۔ کیا تعجب کی بات نہیں ہے۔ کیا آپ نے یہ دستگیری اس وقت نہیں فرمائی تھی جب کہ مجھ کو شدید حاجت تھی۔ دیواریں مکان کی چھت تک بلند ہو گئیں تھیں۔ اور برسات کا زمانہ آ گیا تھا۔ روپیہ ختم ہو چکا تھا۔ خوف تھا کہ اگر چھت نہ ڈالی گئی تو دیواریں گر جائیں گی۔ آپ نے ایسی ضرورت کے وقت میں دست اعانت دراز فرمایا فجزاکم اللہ خیر الجزاء

پھر جب کہ میں نے کچھ عرصے کے بعد ارادۂ قضاء قرض ظاہر کیا تو آپ نے فرمایا کہ جب تک مردانہ مکان سے فارغ نہ ہو جائے اسوقت تک اس کی فکر نہ کرنا چنانچہ سال گزشتہ میں مردانہ حصہ سے بھی فارغ ہو گیا۔ اس مدت کو کئی سال گزر گئے (کذا۔ sic) آپ نے اس تمام مدت میں کبھی اشارۃً کنایۃً بھی تقاضہ نہیں فرمایا کیا یہ دوسرا احسان عظیم الشان احسان نہیں ہے، آپ کے معاملات میں کسی قسم کا ادنیٰ درجے کا تغیر نہیں پایا۔ حالانکہ القرض مقراض المحبۃ مشہور مقولہ ہے، کیا مجھکو کسی طرح درست تھا یا ہے کہ ایسے عظیم الشان انعامات کو فراموش کر سکوں کیا میرے لئے نہایت زیادہ شرمندگی کی بات نہیں ہے کہ میں نے اس قرض کے ادا کرنے میں سالہا سال کی مدت لگا دی۔ بیشک میں اپنی ناداری اور مصاریفِ تعمیر کی بنا پر عاجز تھا۔ مگر مجھکو فی النفس مجوبیت ضروری تھی۔ اور یہ مہینہ دو مہینہ نہیں سال نہیں، سالہا سال یعنی تقریباً دس سال یا زیادہ گزر چکے ہیں۔ پھر اس پر طرہ یہ ہوا کہ اس وقت جب کہ میں حجاز جا رہا تھا۔ اور جب کہ بتقاضائے وقت وحال لازم تھا کہ میں پوری رقم ادا کرتا۔ کیونکہ موت وحیات کا معاملہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا۔ چاہئے یہ تھا کہ میں بالکل بری الذمہ ہو کر جاتا اور پوری رقم آپ کی خدمت میں بھیجتا۔ مگر میں نے خواہ بمجبوری یا بغیر مجبوری تین سو کی رقم بھیجی اور باقی کے متعلق توکل الی اللہ کیا۔ کہ وہ کریم کارساز اس کی کوئی صورت کر دے گا۔ مگر تعجب ہے کہ آپ اس پر بھی ایسے الفاظ تحریر فرماتے ہیں۔ آپ کو چاہئے تھا کہ سرزنش فرماتے کہ ایک تو اتنی مدت کے بعد قرضہ ادا کرتا ہے اور پھر وہ بھی پورا نہیں تجھ کو شرم آنی چاہیے، مگر بجائے میری سرزنش کے آپ خود اپنے کو ملامت فرماتے ہیں بہر حال میں آپ کے ان عظیم الشان احسان کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اور مجوب ہوں کہ اس قدر دیر کیوں ہوئی اور انشاء اللہ باقیماندہ رقم بھی جلد ادا کرنے کی کوشش کرونگا۔ اور امیدوار ہوں کہ گذشتہ تاخیرات کو بنظر عفو دیکھیں گے۔ اور اگر آئندہ بھی تاخیر ہو تو اس پر بھی وسعت

قلب اور عفو کو کام میں لائیں گے ...."

(مکتوب ۱۷۱ جلد اول۔ بلا تاریخ)

ضلع اعظم گڈھ کے ایک صاحب (مولانا صفات اللہ) حضرتؒ سے بیعت تھے۔ اور بعد میں خلافت بھی پائی ــــ اسی ضلع میں حضرت شاہ وصی اللہ صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) کا چراغ بھی جل رہا تھا اور ایک خلقت استفادے کو پہنچ رہی تھی۔ یہ مولانا صفات اللہ صاحب بھی وہاں آنے جانے لگے، یا بغیر آئے جائے ہی (واللہ اعلم) انہوں نے خواب دیکھا، ایک بار یا بار بار کہ کبھی حضرت مدنیؒ کی مجلس میں ہیں اور کبھی حضرت شاہ وصی اللہ صاحب کی مجلس میں۔ دونوں بزرگوں کو اپنی یہ کیفیت لکھی اور خواب نے جو ایک الجھن سی ان کے ذہن میں پیدا کی تھی اس کا حل چاہا۔ حضرت شاہ صاحب نے تو (مرتب مکتوبات کے بیان کے مطابق) مختصراً لکھوا دیا کہ "جناب خود کو ایک بزرگ کے حوالے کر چکے ہیں آپ کو استفادے کا حق ان سے ہی ہے۔ لیکن یہاں مقصد حضرت شاہ صاحب کے جواب سے نہیں حضرت مدنیؒ کے جواب سے ہے آپ کا جو مکتوب ان صاحب کے نام اس سلسلے درج ہوا ہے اسے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دوسری دفعہ کا جواب ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ پہلی دفعہ کے جواب میں غالباً حضرتؒ نے مختصر طور پر لکھا تھا کہ آپ کیلئے بہتر ہے کہ شاہ وصی اللہ صاحب سے بیعت ہو جائیں مولانا صفات اللہ صاحب نے شاید یہ محسوس کیا کہ انہوں نے حضرت کو ناراض کر دیا ہے اور پھر ایک خط لکھا۔ حضرتؒ کا جو مکتوب ان صاحب کے نام چھپا ہے وہ بظاہر ان کے دوسرے ہی خط کا جواب ہے۔ آپ نے تحریر فرمایا۔

"محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ مرقومہ ذیل دفعات ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) میں ابتداء سے نہایت نفس پرست ہوں۔ اعمال میں کاہل واقع ہوا ہوں تمام عمر گناہوں اور دنیا پرستی اور نفسانیت میں گزری ہے۔ اب عمر ۷۰ برس سے تجاوز کر گئی ہے مگر توشۂ آخرت کچھ نہیں ہے۔ ذخیرۂ ذنوب نہایت عظیم الشان ہے۔ ظاہری اسباب پر نظر کرتے ہوئے کوئی امید مغفرت نہیں ہے۔

الا ان یتغمدنی اللہ بکرمہ وفضلہ" لوگ گمان کرتے ہیں کہ میں کچھ ہوں "کلا واللہ" اہل اللہ کے اوصاف جمیلہ اور احوال جلیلہ سے بالکل عاری اور خالی ہوں ....

۲ :۔ میں مختلف امور میں مبتلا ہوں۔ سیاست میں میرا انہماک ظاہر باہر رہا ہے۔ اور آج تک اس میں دامن ملوث ہے۔ علوم ظاہرہ کا اشتغال اسقدر رہے کہ اور ہمیشہ سے یہی رہا ہے کہ کوئی وقت اصلاح نفس اور بزرگوں کی تعلیمات پر عمل اور اشتغال باطنیہ کا ملتا ہی نہیں اسفار اور لوگوں کے ساتھ مخالطت اور خطو کتابت وغیرہ کی اسقدر کثرت ہے جس کی وجہ سے توجہ الی اللہ اور اصلاح نفس کی فرصت ہی نہیں ملتی۔ اہل وعیال کے مشاغل اور دین فروشی اور دنیا طلبی کا اسقدر انہماک ہے کہ بڑے بڑے دنیاداروں کو اس کا عشر عشیر بھی نہیں تقریبا پانچ سو روپے ماہوار تنخواہ لے کر احادیث نبویہ کی تعلیم دیتا ہوں اور پھر اس میں بھی کس قدر کوتاہیاں ہوتی ہیں اگر رحمت خداوندیہ نے دستگیری نہ فرمائی تو چھٹکارا ممکن نہیں ....

ہم خدا خواہی و ہم دنیائے دوں
ایں خیال است ومحال است وجنوں

ایسے نفس پرور سگ دنیا کو کب بیعت وارشاد مناسب ہے۔ ایسی نالائقی کے ہوتے ہوئے مجھ کو کب جائز ہے کہ میں بیعت کروں صرف حضرات اکابر کے حکم پر بیعت کرتا ہوں، ہرگز ہرگز اس کے لائق نہیں ہوں ....

۳ :۔ مولانا وصی اللہ صاحب منقطع الی اللہ ہیں۔ سب جھنجھٹوں کو چھوڑ کر صرف باطنی اشتغال اور توجہ الی اللہ میں منہمک ہیں۔ حسب قاعدہ ایک کام کی مداومت اس میں کمال پیدا کر دیتی ہے جیسا ماشاء اللہ ان کو پیرومرشد کے دربار میں مدتہائے دراز تک حاضر باشی اور ذکر و شغل کا بہت نصیب ہوئی ہے۔ ذاتی حیثیت سے بھی کامل ولی ہیں ہم تو ویسے بھی جیسے ہیں کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

کی خدمت میں پہنچے تو تقریباً ایک ماہ سے کچھ زائد مکہ معظمہ میں رہنا نصیب ہوا۔ مگر شعائر حج کی مشغولی کی بنا پر مدت قلیلہ میں بھی روزانہ حاضری نہ ہو سکی۔ حضرت پیر و مرشد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں ڈھائی مہینے سے زیادہ رہنا نصیب نہ ہوا۔ حضرت استاذ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں البتہ کچھ رہنا نصیب ہوا تو محرومیت نے دامن نہ چھوڑا......

جانشین شیخ الہند

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے استاد حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ سے جو تعلق تھا اور جو تعلق حضرت شیخ الہند کا آپ کے ساتھ نظر آتا ہے۔ اس کی بنا پر اگر کہنے والوں نے آپ کو "جانشین شیخ الہند" کہا تو غلط نہیں کہا۔ مگر اظہار عقیدت کے اس عنوان میں جماعت دیوبند کے لئے کچھ مفاسد کے بھی امکانات تھے، اس لئے کہ حضرت شیخ الہندؒ کے اور بھی بڑے بڑے ذی حیثیت شاگرد موجود تھے۔ حضرت کے محبین ایک موقع پر معاملے کی اس نزاکت کا احساس نہیں کر پائے یا جماعت کی مجموعی مصلحت کو اپنے جذبات کے [illegible] ملحوظ نہیں رکھ پائے اور حضرت کی کچھ تقریروں کے پمفلٹ دیوبند سے شائع کرتے ہوئے حضرت کے نام کے ساتھ ان پر "خلیفہ و جانشین خاص حضرت شیخ الہندؒ" لکھ دیتے ہیں۔ حضرت والا اس وقت کسی تحریک کے سلسلے میں سابرمتی جیل (احمد آباد گجرات) میں ہیں۔ یہ رسالے آپ کو وہاں ملتے ہیں تو ان کو شائع کرنے والے محبین کو خط تحریر فرماتے ہیں۔ خط کیا ہے، اپنی ذات کی ایسی نفی کا مرقع ہے کہ نفسا نفسی کے اس زمانے میں اگر اسے تعویذ بنا لیا جائے تو بہت کام دے۔ ارشاد ہے:

مخدومی و محترمی جناب فیض مآب مولانا عزیز گل و مولانا محمد مبین صاحبان۔

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ الحمد للہ و المنۃ کہ یہ دعاگو تا دم تحریر عریضہ مع الخیر والصحۃ ہے اور صحت روی آپ حضرات اور دیگر اکابر کی مطلوب ہے۔ آپ حضرات آئے اور تشریف لے گئے۔ دوسری ملاقات کے شوق میں اپنی پہلی

ملاقات کو ناقص چھوڑا۔ میں پہلے ہی بوجہ خلاف قانون ہونے کے دوسری ملاقات سے مایوس تھا مگر آپ نے اعتبار نہ کیا خیر کوئی ضرورت بھی ایسی نہ تھی۔ محترم حضرات! میں نے اکر آوردہ شدہ رسالوں کو دیکھا اور بہت زیادہ متاخر و محزون ہوا حالانکہ مجھکو خوش ہونا چاہیئے تھا۔ ان رسالوں کے ٹائیٹل پر لفظ خلیفہ، جانشین خاص کامیر کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ یہ کس قدر ظلم، کذب اور افترا ہے جس کو آپ حضرات خود ہی سمجھ سکتے ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ خلیفہ ہونا بغیر تخلیف ممکن نہیں ہے۔ پھر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے کب اور کس وقت مجھ کو خلیفہ بنایا ہے میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت بھی نہیں۔ اس کو میں انکار نہیں کر سکتا کہ انہوں نے اپنے کرم و عنایت سے میری ظاہری و باطنی تربیت فرمائی۔ ان کی صحبت سے مجھکو ظاہری ہی فوائد حاصل نہیں ہوئے بلکہ میری باطنی حالت پر اس سے بڑا اثر پڑا۔ بلکہ انھوں نے ایام مالٹا میں میری باطنی اصلاح پر مخفی طریقے پر توجہ مبذول رکھی اور کیوں نہ رکھتے۔ میں ان کا ہی تھا اور ہوں۔ اگر میری قابلیت فاسد اور استعداد کاسد نہ ہوتی تو میں آج بیشک آدمی ہوتا اور روحانی کمالات کا ایک گلدستہ نظر آتا مگر بدقسمتی کا کیا علاج ؎

نہ شگوفۂ[1] نہ برگے نہ ثمر نہ سایہ وارم
در حیرتم کہ دہقان بچہ کار کشت مارا

جیسے کالے توے پر کتنی ہی روشنی ڈالی جائے تو اسکا روشن ہونا اور روشن کرنا ممتنع ہے اسی طرح مجھ جیسے نالائق و ناکارہ کی حالت واقع ہوتی ہے ؎

کعبہ بھی گئے پر نہ چھٹا عشق بتوں کا
زمزم بھی پیا پر نہ بجھی آگ جگر کی

بقول شاعر ؎ خر عیسیٰ اگر بمکہ رود الخ .... نہ علم نصیب ہوا نہ عمل

---

[1] نہ پھول نہ پتہ نہ پھل نہ سایہ۔ پھر آخر میں کس کام کے لیے وجود میں لایا گیا، سمجھ میں نہیں آتا۔

نہ فہم وفراست ہاتھ آئی۔ نہ حفظ وذکاوت نہ تحریر آئی۔ نہ تقریر نہ معرفت ہاتھ لگی نہ طریقت۔ غرضیکہ ہر طرح ہاتھ خالی ہے ؎

هنيئاً لارباب النعيم نعيمهم ۔ وللعاجز المسكين ما يتجرع

یہ افترا مجھ پر نہیں بلکہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ پر ہے۔ پھر آپ لوگوں نے کیوں اس کو جائز کیا ذرا خدا سے ڈریئے وہاں پر جانا ہے ولا تقف ما ليس لك به علم ان السمع والبصر والفواد كل اولئك كان عنه مسئولاً اگر خلافت یا جانشینی اور خصوصیت ایسے مقامات میں بغیر اعطار شیخ ملتی ہوتی تو کسی شخص کو محل گفتگو ہو بھی سکتی تھی۔

اے میرے مقدس بزرگو! کیا آپ کو ان ہی الفاظ سے جو کہ واقع میں غلط اور کذب ہیں مقاصد میں کامیابی ہو سکتی ہے، کیا اگر آپ الفاظ مثل خادم حضرت شیخ الہند یا شاگرد حضرت شیخ الہند تحریر فرمائیں تو وہ مقصد حاصل نہ ہوگا۔ میں عند اللہ اپنی برارت کر چکا، آئندہ آپ جانیں، اگر یہی عمل درآمد آپ حضرات کا رہا تو میں جانتا ہوں کہ بہت جلد مجھ کو ہندوستان چھوڑنا پڑے گا۔ اگر آپ حضرات مجھکو اپنے میں سے ایک شمار کرتے ہیں، اور ایسا ہی ظاہری معاملہ رکھتے ہیں تو خیر ورنہ میں یہاں سے نکلتے ہی حجاز کی فکر کرونگا۔ میں خود اپنے نفسی افکار میں سخت مبتلا ہوں مجھکو اپنی ہی خلاصی کی عند اللہ کوئی صورت نظر نہیں آتی، میں خود سخت حیرت میں ہوں کہ حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہٗ العزیز نے کس بنا پر یہ معاملہ فرمایا۔ اور مجھکو افسوس ہے کہ لوگوں میں یہ امر کیوں ظاہر ہوا، کاش مولوی عاشق علی صاحب وغیرہ اس کا تذکرہ نہ فرماتے ایسی باتوں کی وجہ سے بڑوں پر سخت دھبہ ہوتا ہے ان کی وقعت نظروں سے گر جاتی ہے۔

الفرقان ص۵۸ ماہ جنوری۔ فروری

باب الاستفتاء والجواب

جان ومال کے انشورنس کے بارے میں سوالات

پانچویں فقہی سیمینار منعقدہ ۳۰، ۳۱، اکتوبر ا ر ۲ ر نومبر ۱۹۹۲ء بمقام جامعۃ الرشاد اعظم گڈھ میں انشورنس کے سلسلہ میں جو اجتماعی فتویٰ دیا گیا ہے اس کے بارے میں متعدد خطوط راقم الحروف کو ملے ہیں اور بعض حضرات نے اس فیصلے کے خلاف مضامین بھی لکھے ہیں جس میں اس کے سود، قمار ہوتے ہوئے جائز قرار دینے پر ناراضگی کا اظہار بھی ہے اور اسے توکل علی اللہ کے منافی بھی سمجھا گیا ہے اور ایک صاحب نے تو یہ بھی لکھا ہے کہ آپ لوگوں نے فسادات میں جان ومال کے نقصان کے پیش نظر جو فتویٰ دیا ہے بمبئی کی انشورنس کمپنی اس کا معاوضہ دینے کے لئے تیار نہیں ہے اس کا کہنا ہے کہ اگر اس بڑے پیمانہ پر معاوضہ دینا پڑا تو یہ شعبہ دیوالیہ ہو جائے گا اس سلسلہ کا ایک خط ملاحظہ ہو۔

سوال

جناب محترم المقام

گذشتہ ۹ ر نومبر ۱۹۹۲ء کی نقیب میں دیکھا کہ اعلماء کرام ح . ا . ل کو الضرورات تبیح المحظورات کے پیش نظر جائز قرار دیا ہے۔ اس میں میرا یہ اعتراض ہے کہ بیمہ کو شرعاً جائز نہ کہہ کے مجبوراً وضرورتاً جائز کہنا زیادہ مناسب تھا۔ دوسری بات یہ ہے کہ فتویٰ میں یہ بھی کہنا مناسب تھا کہ اگرچہ ضرورتاً ومجبوراً ح . ا . ل ہند میں جائز قرار دیا گیا ہے لیکن اس سے پرہیز کرنا تقویٰ ہوگا۔ کیونکہ یہ تو بالکل شبہ سے خالی نہیں۔ "والترك اولیٰ" یا تو "والاحتراز عند التقویٰ" امید ہے کہ میرے اس خط کو المجمع الفقہ الاسلامی کو پہونچا دیں اور جواب مرحمت فرمائیں۔ (عبد النور)

جواب۔ اس سلسلہ میں گذارش ہیکہ اس مسئلہ کے بارے میں جو فتویٰ دیا گیا ہے اس کے شروع میں اس کی حرمت کی حیثیت واضح کردی گئی ہے مگر ہندوستان میں فسادات کا جو لامتناہی سلسلہ جاری ہے اس کے پیش نظر اس کی اجازت دی گئی ہے اسے مستقل

ر پر جائز قرار نہیں دیا گیا ہے اگر اس میں لفظ جواز لکھ گیا ہے تو اسے عارضی اجازت ہی کے
ہوم میں سمجھنا چاہیے اگر ہندوستان کے حالات بدل جائیں تو یہ اجازت باقی نہیں
ہے گی یا جہاں یہ حالات نہیں ہیں وہاں اس کا اطلاق نہیں ہوگا پھر اس کا تعلق ہر
شخص کے ضمیر اور قوت ایمانی سے ہے اگر کوئی شخص عزیمت پر عمل کرتے ہوئے
سود نہ لینا گوارا نہ کرائے تو اس کا فعل قابل تحسین ہوگا لیکن دین میں رخصت کے جو پہلو ہیں
ن سے عام لوگوں کو محروم نہیں کرنا چاہیے ورنہ یہ چیز حرج کے زمرہ میں شمار ہوگی اور
ین میں حرج (تنگی) کو دور کرنے کا حکم ہے شریعت کے اسی اصول کے پیش نظر فقہاء
نے یہ قاعدہ بنا دیا ہے الضرورات تبیح المحذورات انسان کی بنیادی ضرورتیں
ممنوع چیزوں کو مباح بنا دیتی ہیں۔ امید ہے کہ اس مختصر وضاحت سے فساد میں
جان ومال کے نقصان پر جن حضرات کو کچھ خلش ہے وہ دور ہو جائے گی۔ البتہ یہ پہلو
قابل غور ہے کہ جب کوئی اضافی رقم نہیں ملے گی تو اس حرام کے ارتکاب کا فائدہ کیا ہوا
اور گورنمنٹ پر اس کا کیا دباؤ پڑے گا کہ وہ جان ومال کی حفاظت کرے اصل رقم تو
بینک میں ڈال دیں جب بھی ملے گی اس پہلو سے علماء کو دوبارہ اس مسئلہ پر غور کرنا چاہیے

الرشاد کی ڈاک

باسمہٖ سبحانہٗ

محترم المقام زید مجدکم و شرفکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

امید کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔ لائف انشورنس کے متعلق آپ نے فیصل آباد کی تشریف آوری کے موقع پر فرمایا تھا کہ یاد دہانی کرادیتا ہیں اس کے متعلق پورا مواد بھیج دونگا۔ اس لئے آنجناب سے گذارش ہے کہ بذریعہ ڈاک ارسال خدمت فرمادیں تاکہ پورے اطمینان کے ساتھ دریافت کرنے والوں کو صحیح معلومات بہم پہنچائی جاسکے ریلیف کے سلسلہ میں کل آپ کا بیان قومی آواز میں شائع ہوا ہے محترم حاجی محمد بشیر احمد صاحب کے صاحبزادے محمد احمد صاحب سامان خرید کر پہونچا رہے ہیں لوگ اپنے مکانات کی تعمیر کررہے ہیں۔

اجودھیا میں ایک بڑا طبقہ تعلیمی اور معاشی اعتبار سے نہایت پست ہے اس کی اخلاقی حالت بھی ناگفتہ بہ ہے۔ آپ نے وہاں ایک تعلیمی ادارہ کی بابت فرمایا تھا وہ نہایت ضروری ہے اس کے بغیر ساری امداد بے سود ہوکر رہ جائے گی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو تادیر صحت مند و سلامت رکھے اس پیرانہ سالی میں بھی نہایت بلند حوصلہ رکھتے ہیں کاش ملت میں ایسے افراد ہر مقام پر پیدا ہوجائیں۔ مختصر ملاقات سے تسکین نہیں ہوتی گذارش ہے کہ کبھی زیادہ وقت نکال کر ہم لوگوں کی طرف بھی توجہ فرمائیں فیصل آباد آپ جیسے لوگوں کا محتاج ہے۔ اگر اجازت دیں تو کوئی پروگرام جلدی بنالیا جائے تاکہ استفادہ کیا جاسکے۔

فقط والسلام

عبدالحفیظ صدیقی درسگاہ اسلامی مغل پورہ فیصل آباد۔

گرامی قدر محترم جناب مولانا مجیب اللہ صاحب دامت برکاتکم

السلام علیکم   داعی الخیر مع الخیر

آپ کا دو مرتبہ ٹیلیفون آیا۔ اتفاق سے میں گھر پر نہیں تھا۔ پھر پمفلٹ لیکر آپ کے خادم بھی آئے اس دن بھی ملاقات نہ ہوسکی، افسوس ہوا۔ اور میں خود بھی آپ سے فون پر گفتگو نہ کرسکا جس کی وجہ سے آپ کو تکلیف ہوئی۔ محترم! میں اس روز ایک حادثہ سے متاثر تھا اور ذہن پر بہت زیادہ اثر تھا۔ یہی کاروباری حیرانی تھی۔ ملاقات پر عرض کرونگا۔ آپ کو ملت کے لئے اس عمر میں بھی فکرمند رہتے ہیں، تحریر و تقریر جد وجہد اور سفر کی مشکلات برداشت کرتے ہیں لیکن ملت اسلامیہ کا حال آپ سے مخفی نہیں ہے۔ عوام کیا خواص تک اپنی اپنی دکان چمکانے میں مصروف ہیں کوئی حرکت و جنبش نہیں ہوتی، خواہ کتنا بڑا حادثہ اور واقعہ پیش آجائے۔

آپ کا اداریہ درحقیقت وقت کے تقاضہ پر مبنی ہوتا ہے اور مسلمانوں کو بیدار کرنے کا ذریعہ ہوتا ہے لیکن کچھ مخصوص افراد ہیں جن کو آپ کی باتوں اور احساسات کا علم ہو۔ اور پھر اس بنیاد پر تعمیر کے لئے کوشش ہو۔

الحمد للہ آل انڈیا ملی کونسل آپ کے خواب کی تعبیر کی شکل میں موجود ہے، مجھے توقع ہے کہ اس کے اراکین اپنی مخلصانہ جد وجہد سے ملت کے پریشر بادر کو بنا سکیں گے، انشاء اللہ

قوم کی بے حسی کا حال یہاں پر یہ ہے کہ باوجود اخبارات و پمفلٹ میں آپ حضرات کی اپیل کے ہمارے شہر میں اتنی دھوم سے عید کی تیاری ہے کہ ۴۰۔۵۰ سال کے اندر ایسی تیاری نہیں دیکھی گئی۔ جیسے چند ماہ پیشتر کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ سب کچھ لوگ بھول گئے۔ بس مولانا، ہم لوگوں سے جو کچھ ملت کے لئے ہوسکتا ہے کرتے جائیں ورنہ خدا کی قسم کی تنی بڑی آزمائش سے گذرنے کے باوجود ایک فیصد مسلمانوں کے حال میں تبدیلی نہیں آئی، عبادات تو کرتے ہیں مگر معاملات میں برا حال ہے اور پھر مجبور ہو کر کہنا پڑتا ہے کہ مسلمانوں سے اچھے غیر مسلم ہیں۔

ہونا چاہیئے تھا کہ رمضان المبارک سے قبل ہر شہر میں (جہاں ملی کونسل قائم ہوچکی ہے)، ایک مرکزی مقام کا اعلان ہوجاتا کہ اس مقام پر فلاں صاحب کو اپنی زکوٰۃ و خیرات کی رقم جمع کریں کیونکہ ہزاروں لوگوں کے پاس جانا سخت مشکل ہے نیز اس طرح مسلمانوں کی حمیت کا بھی پتہ چل جاتا کہ کتنی حرارت ہے۔

ریاض الحق قاسمی ۔ مئو

محترم مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب　　　　السلام علیکم

بارگاہ ایزدی میں اس دعا کے ساتھ کہ آپ ہر طرح بخیر و عافیت ہوں عرض ہے کہ خاکسار عرصہ دراز سے الرشاد سے فیضیاب ہو رہا ہے اس کے علاوہ بھی مختلف اخبارات و رسائل کے ذریعہ نیز ملت اسلامیہ کے تئیں آپ کی مختلف ملی کوششوں وغیرہ کی تفصیلات سے آپ سے غائبانہ تعارف تو عرصہ سے ہے بہر حال اس غائبانہ تعارف کی حد سے بڑھ کر آج یہ عرضداشت تحریر کرنے کی جسارت کر رہا ہوں

محترم الرشاد کے شذرات میں آپ مسلمانان ہند کے تعلق سے جو تحریر فرماتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ وہ میرے دل کی آواز ہوتی ہے بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ یہ ملت اسلامیہ ہند کے مسائل سے دلچسپی رکھنے والے ہر درد مند دل کی ہی آواز ہوتی ہے آپ کی ان تحریروں کو پڑھ کر بار بار خیال کیا کہ مزید رہنمائی کے لئے رابطہ قائم کیا جائے لیکن گردش دوراں نے اس خیال کو تکمیل کے مرحلہ تک پہونچنے نہیں دیا۔ آج ہی الرشاد کا ماہ مارچ کا شمارہ موصول ہوا شذرات پڑھے اور یکایک دل کا تقاضہ ہوا کہ اس تصور کو عملی صورت بھی دے دی جائے۔

محترم اس سے پہلے بھی آپ نے کئی بار اس طرف توجہ دلائی ہے اور اس مرتبہ بھی بہت زور دے کر یہ فرمایا ہے کہ مسلمانوں کے لئے ایک مضبوط سیاسی وحدت انتہائی ضروری ہے۔ آپ کا یہ فرمانا صدفی صد صحیح ہے اور خاکسار واضح طور پر اسی نظریہ کا حامل ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ اس سلسلے میں مسلمانوں کی واضح رہنمائی کے لئے کوئی میدان عمل کا شہسوار سامنے نہیں آتا۔ اتر پردیش کے مسلمانوں نے آزادی کے بعد سے پہلی بار ڈاکٹر فریدی کی شکل میں ایک ایسا درد مند قائد پایا تھا جو ان کی ناؤ کو صحیح سمت لے کر چلا تھا گو کہ ڈاکٹر صاحب مرحوم و مغفور کی زندگی کے وہ آخری ایام تھے اور ان کی اس چند سالہ جد و جہد میں نہ صرف حکمران وقت نے بلکہ خود جعفر و صادق نے بھی ...

لیکن پھر بھی میں سمجھتا ہوں کہ انہیں اپنے مقصد میں کچھ نہ کچھ کامیابی ملی تھی یہ کام درا...

چاہتا ہے لیکن افسوس ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے جس وقت یہ کام شروع کیا تھا و...

دور تھا اور صحت بھی وہ نہیں رہی تھی لیکن پھر بھی اس مردِ مجاہد نے اپنی ہمت سے بڑھ کر کام کیا ڈاکٹر صاحب کو وقت بھی بہت کم ملا لیکن اس تحریک کو ڈاکٹر صاحب نے جس مرحلہ پر چھوڑا تھا کاش اس وقت وہ لوگ جن کو ڈاکٹر صاحب اسی خیال سے اس میدان میں لائے تھے ڈاکٹر صاحب کے مشن کو اسی جذبہ سے آگے بڑھاتے تو آج صورتحال مختلف ہوتی۔ بہرحال یہ بات تو طویل ہوتی چلی جائیگی اس وقت عرض مدعا یہ تھا کہ مسلمانوں کی سیاسی وحدت کا طریقہ کار کیا ہو؟ یہ کو ممکن نہیں ہے کہ ایک سیاسی وحدت یا پریشر گروپ کی بات کی جائے اور عملی سیاست سے دور رہا جائے۔

محترم! اس سلسلے میں آپ سے مزید گفتگو اور رہنمائی کی شدید خواہش ہے۔ اگر آپ زحمت محسوس کریں تو رمضان المبارک کے بعد از جلد رام پور تشریف لانے کا پروگرام بنالیں ورنہ یہ بھی مناسب ہے کہ آپ کوئی تاریخ دے دیں تاکہ اعظم گڑھ حاضر ہو کر شرف ملاقات حاصل کیا جاسکے آپ کو رام پور زحمت دینے کا مقصد یہ ہے کہ اس موقع پر شہر کے دوسرے افراد بھی آپ سے استفادہ کرسکیں گے، بہرحال آپ جس طرح مناسب سمجھیں حکم فرمادیں آپ کے حکم کا شدت سے انتظار رہے گا۔ !!! لب دعا، محمد عاصم راجہ رام پور

مکرم محترم جناب مجیب اللہ صاحب دامت برکاتہم السلام علیکم

خداوند کریم کی ذات سے امید ہے آپ بخیر و عافیت ہونگے۔ ادھر عرصہ سے ملاقات نہیں ہوسکی۔ دل ملاقات کو چاہتا ہے قوم کے لئے جو خدمات آپ کی ہیں وہ دوسروں کو بھی مدد کرنا چاہئے کم لوگ آپ جیسے نظر آتے ہیں جنکو قوم کا درد ہو اور اس کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ آپ کا مدرسہ قابل قدر ہے نہایت خوبصورت مسجد اور صحن بڑی جاذبیت رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو قوم کی خدمت کے لئے اور دین کے فروغ کے لئے پسند فرما چکے ہیں۔ عمر درازی کی دعا کرتا ہوں۔ ایک ۱۰۰/ کی حقیر رقم مدرسہ کیلئے منی آرڈر کرتا ہوں قبول فرمائیے۔ امید ہے شہر کے حالات بہتر ہونگے۔

نیازمند نظام الدین احمد عفی عنہ A/۳۲ گلاب باڑی الہ آباد مرزا غالب روڈ ۲۱۱۰۰۳

محترم المقام سلام مسنون

محترم المقام حضرت مولانا مدظلہ العالی السلام علیکم

اللہ تعالیٰ امن و سکون کا ماحول دے اور ہمیں صحیح اسلامی فکر و اسلامی عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

آپ کی خدمت میں ایک اخباری تحریر کا حصہ حاضر ہے بغور مطالعہ فرمائیں اور اندازہ لگائیں کہ تاریخ اسپین کو آج ہندوستان میں مسلمانوں کے تئیں کس حد تک لاگو کیا جا چکا ہے اور بقیہ کس طرح لاگو کرنے کی سعی ہو رہی ہے کیا ایسی صورت میں ہمیں اس سے بچاؤ کی ضرورت ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کیا راستہ بنایا جائے اس پر غور و خوض کرنا اور اس سے اپنی ملت کو مستفیض کرنا اس وقت کا اولین دینی و ملی فریضہ ہوگا ہم ہر مکتب و فکر کے علماء کرام سے یہ گذارش کرنے کی جسارت کر رہے ہیں کہ خدا کے لئے ہر آپسی اختلافات کو نظر انداز کر کے ہمیں یک جٹ ہو کر ملت کے جوڑ کا کام کرنا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں آپ سب کو وہ طاقت عطا فرمائے کہ آنے والی نسل کے لئے ہم مشعل راہ بن جائیں۔ (آمین)

میں آپ سب کے لئے ایک اجنبی ضرور ہوں اس سے بحث نہیں مقصد یہ کہ ہمارے لئے کون سی بات کہاں سے مفید ثابت ہو سکتی ہے یہ غور طلب بات ہے۔

میرا ایک مخلصانہ مشورہ ہے آپ حضرات غور فرمائیں اور اپنے نونہالوں کی زندگی میں اس کو داخل کرانے کی مہم شروع کر دیں اللہ اس عمل کو عملی جامہ دینے میں مدد دے۔ (آمین)

۱:۔ ہر دینی مدرسوں میں "ورزش" ایک لازمی مضمون قرار دیا جائے جس طرح کہ اور مضامین لازمی ہیں بالکل اسی طرز پہ اسے بھی ایک گھنٹہ لازمی مضمون قرار دے کر عمر کے لحاظ سے مختلف درجوں میں بانٹ دیا جائے مثلاً ابتدائی عمر میں اگر جسمانی ورزش ہو تو اس کے دوسرے سال میں لاٹھی ڈنڈے کی ورزش ہو غرضیکہ عمر کے لحاظ سے ورزش کے ارکان بنائے جائیں تاکہ ہم اپنی ملی و ملکی دفاعی طاقت تیار کر سکیں۔

اللہ تعالیٰ ہماری مدد فرمائے خدا حافظ

انوار الحق حاجی مئو کانپور

ایودھیا میں تعمیر کا کام

ایودھیا میں جن مسلمانوں کے مکانات اور جو مسجدیں ۶ / دسمبر ۱۹۹۲ء اور اس کے بعد گرائی گئی تھیں ان کی تعمیرات کا کام جاری ہے۔ اور بحمداللہ آدھے سے زیادہ مکانات کی تعمیر مکمل ہو چکی ہے اگر فنڈ کی کمی نہ ہوئی تو امید ہے کہ ۳، ۴ ہفتے میں بقیہ کام بھی مکمل ہو جائے گا۔ ان کو کاروباری اعتبار سے اوپر اٹھانے کی بھی سخت ضرورت ہے بچوں کی دینی تعلیم و تربیت کے لئے فی الحال دو مکتب قائم کر دیئے گئے ہیں جس کی نگرانی ڈاکٹر عبداللہ عطار کر رہے ہیں انہوں نے پورے رمضان میں رک رک کر کئی مسجدوں میں تراویح اور نماز وغیرہ کا اہتمام کیا تھا جس سے ایک دینی فضا پیدا ہوئی، وہاں کی چند لڑکیوں کو جامعۃ الرشاد کے شعبۂ نسواں میں داخل کر کے باقاعدہ دینی تعلیم دینے کا ارادہ ہے۔ مگر ضرورت ہے کہ وہاں پر ایک اچھے پیمانہ کی مرکزی درسگاہ قائم کی جائے اور مسجدوں کے نظام کو اور زیادہ درست کیا جائے تاکہ ان میں دینی و ملی شعور پیدا ہو افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہم نے بابری مسجد کی تحریک ایودھیا سے باہر چلائی اگر ہم نے اپنی پوری توجہ یہاں کے مسلمانوں کو اوپر اٹھانے پر لگا دی ہوتی اور اس وقت انہیں پورا حوصلہ دے دیتے تو امید تھی کہ وہ بابری مسجد کی حفاظت خود کر لیتے اب بھی اگر ہم انکو اوپر اٹھا کر ان میں وہاں آباد رہنے کا جو حوصلہ موجود ہے اسے مزید قوت پہونچا دیں تو آئندہ بابری مسجد کے بازیابی کی جنگ میں ہمارے لئے وہ مضبوط دست و بازو ثابت ہونگے امید ہے کہ ناظرین میری اس گذارش کو اس کے دور رس نتائج کی روشنی میں دیکھنے کی کوشش کریں گے اور زیادہ سے زیادہ لوگوں تک اسے پہنچائیں گے۔

موصولہ کتابیں

چند اور کتابیں اور موصول ہوگئی ہیں جن پر امید ہے کہ مئی کے شمارے میں تبصرہ ہو سکے گا۔ (۱) عربی تنقید مطالعہ اور جائزہ از ڈاکٹر محمد اقبال ندوی (۲) نور مبین مولانا عزیز الحق صاعر کوثر ندوی مرحوم (۳) رنج میرٹھی از ڈاکٹر مقصود حسن (۴) صحرائے اعظم زاہدہ زیدی (۵) میری زندگی اور قومی اعزاز از ادوم پرکاش کنار ل وغیرہ (۶) دعوت فکر و عمل ابو عبدالحفیظ صدیقی (۷) فکر اسلامی کی تشکیل نو ڈاکٹر احسان اللہ خاں (۸) میری بستی میرے

وفیات

حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا سانحہ ارتحال

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مبارک ذات گرامی کے ذریعہ دین اور علم دین اور اتباع سنت کی ہندوستان میں جتنی ترویج ہوئی وہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ، خانوادہ ولی اللّٰہی اور سید احمد شہید اور اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک جہاد کے بعد کسی دوسری شخصیت کے ذریعہ نہیں ہوئی پھر ان کے انتقال کے بعد ان کے خلفاء نے نہ صرف ان کے روشن کئے ہوئے چراغ کی تابانی کو باقی رکھا بلکہ انہوں نے ہندوستان اور پاکستان میں اس کی لو کو اور زیادہ تیز کر دیا ہندوستان کا مشکل سے کوئی ممتاز عالم ایسا ہوگا جو ان کے دامنِ تعلیم و تربیت سے وابستہ نہ رہا ہو انہی میں ایک ممتاز حیثیت کے مالک حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحبؒ بھی تھے افسوس ہے کہ بارہ ۱۲ نومبر ۱۹۹۲ء کو وہ اپنے ہزاروں متوسلین اور سوگواروں کو چھوڑ کر رفیق اعلیٰ سے جا ملے انا للہ وانا الیہ راجعون جس وقت یہ جانکاہ حادثہ پیش آیا راقم الحروف سفر پر تھا اور پھر دو ماہ مستقل وقفہ وقفہ سے سفر ہی پر رہا اس لئے ان پر اپنے تاثرات نہ لکھ سکا۔

حضرت تھانویؒ کے علمی و دینی کاموں میں جو غیر معمولی برکت دکھائی دیتی ہے اس میں باطنی برگزیدگی کے ساتھ دو ظاہری خاص اسباب تھے ایک یہ کہ انہوں نے پوری زندگی ایک اصول کے تحت گزاری جس میں ضبط اوقات کا اہتمام سب سے زیادہ تھا نہ تو وہ اپنا تھوڑا سا وقت بھی ضائع کرنا پسند کرتے تھے اور نہ دوسروں کا اس میں ان کا معاملہ بڑوں اور چھوٹوں سب کے ساتھ ان کی حیثیت کے مطابق یکساں تھا اس اصول پسندی میں دوسروں کو شکایت پیدا ہو جاتی تھی مگر وہ اس میں فرق نہیں آنے دیتے تھے مگر اس اصول پسندی کے ساتھ تواضع کسر نفسی کا دامن کبھی

چھوٹنے نہیں دیا۔ اور نہ حُبِّ جاہ کے غبار سے کبھی دامن کو آلودہ ہونے دیتے تھے اس سلسلہ میں ان کے اور ان کے خلفاء کے عجیب عجیب واقعات ہیں۔

دوسری چیز جس سے وہ اپنے تمام ہمعصروں میں ممتاز تھے وہ تھی مغربی تہذیب سے غیر مرعوبیت انہوں نے اپنی زندگی کے کسی گوشہ میں مغربی تہذیب کے اثرات کو آنے نہیں دیا حتی کہ غذا، لباس نشست و برخاست رہنے سہنے کے انداز کے ساتھ کنڈے اور کریچ کی قلم اور سیاہ روشنائی کا استعمال بھی ترک نہیں کیا۔ اور اپنے متوسلین کی بھی اسی انداز سے تربیت کی الحمد اللہ ان کے تمام خلفاء میں یہ دونوں خصوصیتیں ہمیشہ باقی رہیں اور اب بھی باقی ہیں۔ مولانا وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں تو بار بار حاضری اور توسل کی سعادت ملی مولانا ابرار الحق صاحب مدظلہ کی خدمت میں بھی بار بار حاضری ہوئی ہے اور ایک دو دن کے لئے حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بھی حاضری دینے کا موقع بھی ملا تھا صبح سے شام تک معمولات کا انداز بالکل وہی تھا جو انہوں نے اپنے شیخ سے حاصل کیا تھا پوری زندگی اپنے وطن جلال آباد میں گزار دی اور اسی کے ایک گوشہ میں بیٹھے ہوئے اپنی شمع علم و عرفاں سے دلوں کو منور کرتے رہے۔ مولانا جلال آبادی نے اپنی بہت سی مادی اور معنوی یادگاریں چھوڑی ہیں جن سے انشاء اللہ ان کا فیض قیامت تک جاری رہے گا۔ افسوس ہے کہ تھانوی سلسلۃ الذہب کی ساری کڑیاں ٹوٹ چکی ہیں اب صرف ایک مولانا ابرار الحق صاحب کی ذات گرامی بطور یادگار باقی ہے اللہ تعالیٰ انہیں تادیر سلامت رکھے (آمین)

استاذ محترم مولانا عزیز الحق کوثر ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا سانحۂ ارتحال

مولانا کوثر ندوی کے انتقال سے بزم علم و عرفان میں جو ایک بڑا خلا پیدا ہوا ہے وہ آسانی سے پُر نہ ہو سکے گا ان کا حادثۂ وفات نہ صرف ان کے تلامذہ اور متوسلین کے لئے ایک دل گداز سانحہ ہے بلکہ یہ کہنا صحیح ہوگا ہماری بزم علم و فن ایک شمع فروزاں

سے محروم ہوگئی اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ۱۳۵۹ھ میں راقم الحروف نے حفظ کے بعد جس وقت مدرسہ مظہر العلوم میں داخلہ لیا تو وہاں نصف درجن ممتاز اساتذہ تعلیم و تربیت کے فرائض انجام دے رہے تھے جن میں مولانا محمد عمر صاحب رحمۃ اللہ علیہ مولانا کوثر ندوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ مولانا محمد مکی صاحب رحمۃ اللہ علیہ مولانا محمد سعید صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور فارسی کے استاذ مولانا اکبر علی صاحب مرحوم خاص طور پر قابل ذکر تھے مگر ان سب میں اپنے ذوق ادب و انشاء حاضر دماغی اور مطالعہ کی وسعت کی بنا پر طلبہ میں سب سے زیادہ مقبول مولانا کوثر ندوی رحمۃ اللہ علیہ تھے ہم لوگ ابھی عربی درجہ سوم کے طالب علم تھے کہ وہ جاحظ کی کفایۃ التحفظ زبانی یاد کرنے کی ترغیب دیا کرتے تھے اور اس کا جائزہ بھی لیا کرتے تھے اور ابھی دوسرے درجہ میں تھے کہ علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت الاستاذ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہا کی کتابوں کا تعارف ہم لوگوں سے کرا دیا اسی زمانہ میں موازنۂ انیس و دبیر کے مطالعہ اور خطبات مدارس کے کئی خطبوں کے حفظ کر لینے کی سعادت ملی بحمد اللہ راقم الحروف کو بھی ان سے تلمذ کی سعادت حاصل تھی شیخ تقی الدین ہلالی رحمۃ اللہ علیہ کا دور ندوہ کا دورِ زریں شمار ہوتا ہے مولانا عبد الرحمٰن کاشغری مرحوم مولانا مسعود عالم ندوی مرحوم مولانا ابو اللیث ندوی مرحوم مولانا ناظم صاحب ندوی مدظلہ اور مولانا سید ابو الحسن علی ندوی مدظلہٗ، اور مولانا کوثر ندوی مرحوم اسی دور زریں کی یادگار ہیں مولانا نے بنارس کے گوشہ سے باہر قدم نہیں نکالا اس لئے ان کو وہ شہرت نہ مل سکی جو ان کے معاصرین کو ملی مگر اپنے گہرے علم اور مطالعہ کی وسعت کے اعتبار سے وہ اپنے ہمعصروں میں ممتاز حیثیت کے مالک تھے وہ کسی فن کی کتاب کیوں نہ پڑھاتے اس میں پورا اعتماد جھلکتا تھا درس میں ایسا محسوس ہوتا کہ کتاب کا مصنف ہی درس دے رہا ہے ان کے درس کی تقریر حشو و زوائد سے پاک اور ما قل و دل ہوتی تھی مولانا کئی درجن علمی کتابوں کے مصنف بھی تھے افسوس ہے کہ اس حیثیت سے انکا تعارف بنارس سے باہر بہت کم ہو سکا۔

دار المصنفین کے زمانہ قیام میں ایک بار وہ وہاں تشریف لائے حضرت سید صاحب تو ان کو پہچانتے تھے مگر دوسرے حضرات سے جب میں نے تعارف کراتے ہوئے کہا کہ یہ میرے استاذ محترم ہیں تو بعد میں از راہ تواضع مجھ سے کہنے لگے کہ تم صرف اتنا ہی کہدیا کرو کہ فلاں صاحب ہیں استاذ وغیرہ نہ کہو میں نے عرض کیا کہ یہ تو میرے لئے فخر کی بات ہے اس کا ذکر نہ کرنا میری ناسعادتی ہوگی یہ ان کے بلندی فکر کی بات تھی مظہر العلوم کے زمانہ طالب علمی میں مولانا کا تعلق مدرسہ کے باہر بیٹھے ہوئے ایک مجذوب صاحب علم سے ہوگیا پھر اس کے بعد ان کے اس موحدانہ رنگ میں کسی قدر تبدیلی ہوگئی جو شیخ ہلالی اور ندوہ کی فضا سے ملا تھا اور پھر آہستہ آہستہ روایتی خانقاہیت کی طرف مائل ہوگئے جس سے انکا دائرۂ علم وفضل محدود ہوگیا مگر بحمد اللہ انکا علمی ذوق اور عالمانہ وقار آخر وقت تک باقی رہا اللہ تعالیٰ ان کی نیکیوں کے بدلے انکو جنت الفردوس میں مقام عطا کرے اور پس ماندگان کو صبر جمیل عطا کرے آمین رمضان المبارک کی پر سعادت موت انشاء اللہ انکے بلندی درجات کا سبب ثابت ہوگی۔

اعلانِ ملکیت

فارم ۴ تحت ضابطہ ۸

۱:۔ مقام اشاعت۔ جامعۃ الرشاد رشاد نگر اعظم گڑھ

۲:۔ اوقات اشاعت — ماہنامہ

۳:۔ پرنٹر، پبلیشر، ایڈیٹر — مجیب اللہ ندوی

۴:۔ قومیت — ہندوستان

۵:۔ مالک — جامعۃ الرشاد ایجوکیشنل سوسائٹی

میں مجیب اللہ ندوی تصدیق کرتا ہوں کہ مذکورہ بالا معلومات میرے علم ویقین میں صحیح اور درست ہیں۔

نئی کتابیں

التعلیق الممجد علی الموطا امام محمد

امام مالک کے جن شاگردوں نے ان کی روایت کو موطا کے نام سے ترتیب دیا تھا ان کی تعداد سولہ ہے ان میں ایک نام امام محمد رحمۃ اللہ کا بھی ہے۔ مگر عام طور پر یحییٰ ابن یحییٰ اللیثی المصمودی کی مرتب کردہ موطا متداول ہے۔ موطا امام مالک کی تو بہت سی شرحیں لکھی گئی ہیں ہندوستان میں شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی دو شرحیں لکھیں اور شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ نے زرقانی کے بعد دوسری مفصل شرح لکھی مگر موطا امام محمد پر بہت کم کام ہوا یہ سعادت علامۂ وقت مولانا عبدالحیٔ صاحب فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ کے حصہ میں آئی انہوں نے اس پر عربی میں ایک بسیط مقدمہ اور مفصل حاشیہ لکھا مقدمہ کی حیثیت پورے ایک رسالہ کی اور حاشیہ کی حیثیت ایک مستقل شرح کی ہے موطا امام محمد ہندوستان میں کئی بار مولانا کے حاشیہ کے ساتھ فارسی رسم الخط میں ہے مگر ضرورت تھی کہ اس کو مزید تخریج و تعلیق کے ساتھ کسی عرب ملک میں عربی خط میں ٹائپ سے شائع کیا جائے اس اہم اور علمی کام مولانا تقی الدین احمد ندوی جن کو فن حدیث کا خصوصی ذوق ہے اور وہ اس موضوع سے متعلق وہ کئی کتابیں لکھ چکے تھے۔ اپنے ذمہ لیا اور اپنی تعلیق کے ساتھ بہترین عربی ٹائپ میں دو جلدوں میں شائع کیا ہے۔ مرتب نے اسے اپنی معروضات کے ساتھ دار العلم دمشق سے شائع کرایا ہے جس کے لئے وہ ہر طرح لائق ستائش ہے۔

ابتدا میں ایک مقدمہ مشہور و معروف عالم عبدالفتاح ابو غدہ کے قلم سے ہے جس میں انہوں نے ان کے علم و فضل اور معاصرین کے درمیان ان کے مقام کی وضاحت کی ہے۔ شیخ ابو غدہ کے مقدمہ کے بعد اس پر پیش لفظ مولانا سید

ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کے قلم سے ہے۔ ان تحریروں نے کتاب کی قدر وقیمت میں مزید اضافہ کر دیا ہے۔

مولانا تقی الدین صاحب نے اس کے حواشی کے ساتھ اس کے بین السطور کی عبارتوں کو بھی اصل شرح میں شامل کر دیا ہے اور پھر جا بجا اپنی تعلیقات کے ساتھ رجال کے ناموں کی تحقیق اور تصحیفات کی تصحیح کرتے گئے ہیں اور ساتھ ہی کتاب کے حوالوں کو بھی نقل کر دیا ہے جس سے اس کی افادیت میں مزید اضافہ ہو گیا ہے

مرتب نے اس اشاعت کے سلسلہ میں جو کاوش کی ہے اسکی تفصیل یہ ہے

۱۔ اوپری حصہ میں کتاب کا متن دیکر اس کے نیچے حواشی کو نقل کر دیا ہے۔

۲۔ کتاب کی غلطیوں کی تصحیح کے ساتھ اس میں جو تغیر و تبدل نظر آیا انھوں نے ان سب کو دور کر دیا ہے۔

۳۔ ضروری مقامات کی وضاحت کیلئے ان پر خود حاشیہ لکھ دیا ہے۔

۴۔ شرح میں کسی لفظ میں تردد محسوس ہوا تو اسے اصل ماخذ سے صحیح کر دیا ہے۔

۵۔ کتاب کی مفصل فہرست بنا دی ہے

ہماری درسگاہوں کے آخری سالوں میں اور کہیں کہیں تخصص میں یہ کتاب پڑھائی جاتی ہے اس لئے اس کی اشاعت ہمارے اساتذہ اور منتہی طلبہ کے لئے ایک خوشخبری ہے۔

مولانا تقی الدین صاحب ندوی اس ٹھوس علمی کام کے لئے اہل علم کی طرف سے قابل مبارکباد ہیں اللہ تعالیٰ قبول فرمائے آمین۔ مولانا تقی الدین ندوی صاحب نے ان علمی کاموں کے ساتھ اپنے گاؤں میں ایک بڑے عربی مدرسے کی بنیاد ڈالی ہے اور اس کے لئے ایک شاندار عمارت اور مسجد کی تعمیر کی جس کے اندر بحمداللہ مدرسہ بحسن وخوبی چل رہا ہے راقم الحروف کو کئی بار وہاں جانے اور طلبہ سے کچھ کہنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔

طبی لغت نویسی کے مبادیات

مصنف حکیم محمد اجمل خاں صاحب مرحوم۔ مترجم ڈاکٹر مولوی رضی الاسلام ندوی اسلامک بک ہاؤس شمشاد مارکٹ علی گڈھ (یوپی)

حکیم اجمل خاں صاحب مرحوم ہندوستان کے ایک مشہور و معروف طبیب ہی نہیں تھے بلکہ وہ علمی اعتبار سے یونانی فن طب پر مجتہدانہ نگاہ بھی رکھتے تھے ساتھ ہی عربی علم و ادب سے ایسا گہرا لگاؤ تھا کہ انہوں نے متعدد یونانی طب پر متعدد کتابیں عربی زبان میں تصنیف کیں وہ یونانی طب کی ایک انسائیکلو پیڈیا لکھنا چاہتے تھے مگر عمر نے وفا نہیں کیا اور یہ کام رہ گیا۔

اس علمی مرتبہ کو ان کی سیاسی سرگرمیوں نے قدرے چھپا دیا ڈاکٹر مولوی رضی الاسلام ندوی قابل مبارکباد ہیں کہ انہوں نے انکی ان نئی کتابوں کا اردو میں ترجمہ کرکے ہم جیسے بیشمار لوگوں کو ان کی علمی حیثیت سے روشناس کرا رہے ہیں اس کتاب کی حیثیت اس کتاب کے مقدمہ کی ہے جو وہ لکھنا چاہتے تھے اس میں تقریباً ۴۳ ابواب ہیں جن میں طب کی مبادیات کا ذکر ہے۔ ذیل میں اس کی کچھ عبارت نقل کی جارہی ہے جس سے اس فن میں ان کی شان اجتہادی کا اندازہ ہوگا۔

> میں نے بتوفیق الٰہی علم طب کی اکثر کتابوں کا مطالعہ کیا ہے ان میں سے ایک "بحر الجواہر" بھی ہے خیال تھا کہ یہ کتاب اسم بامسمی ہوگی اور قیمتی موتیوں اور جواہرات سے مالا مال ہوگی لیکن یہ دیکھ کر تعجب اور افسوس ہوا کہ اسمیں جواہرات کے بجائے خزف ریزے بھرے پڑے ہیں اور وہ بے سروپا باتیں اور بے بنیاد اقوال سے مملو ہے اس کا مصنف قابل ذکر باتوں کو چھوڑ کر ناقابل اعتبار باتوں کا ذکر کرتا ہے اسکے باوجود لوگوں نے اسے بے مثال تصنیف قرار دیا ہے اور اسے تمام لوگوں کیلئے مفید بتلایا ہے صرف یہی کتاب نہیں بلکہ اس کے علاوہ کچھ دوسری کتابیں بھی ہیں (جنکا ہم یہاں تذکرہ کرنا نہیں چاہتے) جو اگرچہ بعض ماہرین فن کی جانب منسوب ہیں لیکن اگر میں ان پر تنقید کرنے لگوں اور بغیر کسی زیادتی کے انصاف کے ساتھ ان کا تجزیہ کروں تو انکے مصنف کے آراء افکار کی رکاکت اور بودا پن واضح ہوجائے گا۔
>
> ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی نے ترجمہ کا پورا حق ادا کیا ہے جس کے لئے وہ ہر طرح قابل تحسین ہیں

محترم مرتب الرشاد مدظلہ کی وہ قابل قدر علمی و دینی تصانیف

جو دار التالیف والترجمہ جامعۃ الرشاد یا دوسرے مکتبوں سے شائع ہوئی ھیں

۱۔ اسلامی فقہ اول دوم

محترم مولانا مجیب اللہ ندوی کی تصنیف کردہ اسلامی فقہ کو بحمد اللہ ملک میں قبول عام حاصل ہے اس کی مقبولیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اب تک اس کے سات ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ مصنف موصوف نے اس میں غیر معمولی اضافہ کر دیا ہے خاص طور پر معاشرتی و معاملاتی مسائل والے حصہ میں سیکڑوں جدید مسائل مثلاً خون چڑھانا، پوسٹ مارٹم، نسبندی اور نلکی زادہ انسانی اعضا کی پیوندکاری وغیرہ کے احکام کا اضافہ کر دیا گیا ہے گویا شریعت اسلامی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جس پر اس کتاب میں روشنی نہ پڑگئی ہو یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا اسلامی فقہ کے موضوع پر اردو زبان میں اس سے زیادہ مفصل کوئی کتاب موجود نہیں ہے تمام اہم مسائل میں ائمہ اربعہ کے مسلک کا متن یا حاشیہ میں ذکر کر دیا گیا ہے تاکہ شریعت اسلامی کی وسعت کا پورا اندازہ ہو سکے اب اس کی ضخامت صفحات سے زیادہ ہوگئی ہے اس لئے دو حصوں میں کر دی گئی ہے یہ کتاب نہ صرف عام پڑھے لکھے لوگوں کے لئے مفید ہے بلکہ عربی مدارس کے طلبہ و اساتذہ کے لئے بھی ایک نادر تحفہ ہے۔ یہ کتاب ہر گھر ہر لائبریری اور ہر مدرسہ میں رکھے جانے کے قابل ہے۔

قیمت حصہ اول ۶۵ حصہ دوم ۵۷

۲۔ اسلامی فقہ کا سرقہ

اسلامی فقہ پہلے مکتبہ الحسنات سے شائع ہوئی تھی اس کے موجودہ مالک نعیم صاحب کی بدمعاملگی کی وجہ سے انہیں شائع کرنے سے روک دیا گیا، اس انتقام میں انہوں نے اصل کتاب میں تھوڑی سی عبارت کی تبدیلی کر کے اسے ایک غیر معروف آدمی کے نام سے شائع کر دیا مگر انشاء اللہ وہ اصل اسلامی فقہ کی جگہ نہ لے سکے گی لیکن یہ افسوس ضرور ہے کہ اقامت دین کے داعی لوگ اس کی تائید کر رہے ہیں اور اپنے مکتبوں میں بیچ رہے ہیں۔

۳۔ قرآن پاک کی تعلیم اور اسکی عظمت

اس میں قرآن پاک کی تعلیم اور اس کی عظمت کو بڑے مؤثر انداز میں پیش کیا گیا ہے اور ساری مثالیں قرآن پاک کی آیات اور احادیث نبوی سے دی گئی ہیں جس سے تلاوت قرآن اور اسکے سمجھنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ قیمت ۵؎

۴۔ اہل دل کی باتیں

یہ حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڈھی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے جس کے پڑھنے سے ایمان میں تازگی، آخرت کی یاد اور عمل کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اس کا نیا ایڈیشن کچھ اضافہ کے ساتھ چھپ گیا ہے۔ قیمت ۲۵؎

۵۔ خطبۂ نکاح

جو خطبہ نکاح کے وقت پڑھا جاتا ہے وہ ایک زبردست معاشرتی ہدایت ہے مصنف نے اس کی بڑی مؤثر تشریح کی ہے ہر نکاح کے وقت تقسیم کرنے کے قابل ہے۔ قیمت ۳؍۵ ہے

۶۔ مسئلۂ کفارت

شادی بیاہ میں برابری کا خیال کرنا صحیح ہے مگر یہ برابری دین و تقویٰ میں ہونی چاہیئے مسلمانوں میں جو پیشہ کے اعتبار سے مستقل طور پر برادریاں قائم ہو گئی ہیں ان کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے بلکہ یہ ہندو تہذیب کے اثر سے ہے اس مسئلہ پر مصنف نے سیر حاصل بحث کی ہے۔

قیمت ۵؎ / ہے

۷۔ جہیز کی شرعی حیثیت

اس وقت شادی بیاہ میں جہیز کے مطالبہ نے ایک فتنہ کی صورت اختیار کر لی ہے جس سے لڑکیوں کی شادی عام آدمی کے لئے ایک مصیبت بن گئی ہے اس پر ایک عالم نے بہت تحقیقی بحث کی ہے جس پر مولانا ندوی کے قلم سے ایک دیباچہ بھی ہے۔

قیمت ۵؎ / ہے

یہ تینوں کتابیں اصلاح معاشرہ کے لئے بہترین تحفہ ہیں۔

۸۔ دینی مدارس اور انکی ذمہ داریاں

اس میں دینی مدارس کی ذمہ داریوں کو بڑے پر اثر اور پرسوز انداز میں بیان

کیا گیا ہے اس کے بعض مضامین کو شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے کئی سو کے مجمع میں پڑھ کر سنو لیا اور فرمایا کہ اس کو ہر استاذ اور طالب علم کو پڑھنا چاہیئے۔

قیمت صرف ۱۰ روپئے

۹۔ عبادت وخدمت

اس میں خدمت خلق پر اس نقطۂ نظر سے بحث کی گئی ہے کہ خدمت خلق بھی عبادت ہے اس کا انگریزی اور عربی ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔ قیمت ۸/ روپئے

۱۰۔ سرمد اور ان کی رباعیاں

اس میں سرمد کے حالات زندگی اور ان کی رباعی گوئی اور ان کے قتل کے اسباب پر مفصل روشنی ڈالی گئی ہے اور آخر میں ان کی رباعیاں ترجمہ کے ساتھ شامل کر دی گئی ہیں اس سے پہلے کسی نے اتنی تفصیل سے اس موضوع پر کوئی چیز نہیں لکھی ہے یہ کتاب اردو اکیڈمی یوپی کی مدد سے شائع ہو گئی ہے۔

۱۱۔ خواجہ میر درد اور انکی شاعری

عام طور پر خواجہ میر درد کو ایک شاعر سمجھا جاتا ہے لیکن شاعری میں ایک بلند مقام رکھتے ہوئے یہ ان کی ثانوی حیثیت ہے وہ ایک زبردست عالم اور صاحب سلسلہ شیخ اور صاحب دل بزرگ تھے مصنف نے ان کی کتابوں کی روشنی میں ان کی زندگی اور شاعری کی والہانہ انداز میں تفصیل کی ہے۔ کتاب زیر ترتیب ہے اس کا کچھ حصہ الرشاد میں شائع ہو چکا ہے۔

۱۲۔ ریاض الحدیث

یہ احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا مختصر مجموعہ ہے جس میں ایمان و عقیدہ اور عبادات سے زیادہ معاملات معاشرت اور اخلاق سے متعلق حدیثیں جمع کر دی گئی ہیں اور محترم مرتب مدظلہ نے حدیث کی مختصر مگر جامع اور دلنشیں تشریح کر دی ہے۔ جس سے اس کی افادیت میں مزید اضافہ ہو گیا ہے مشغول سے مشغول آدمی بھی اس سے سفر وحضر ہر جگہ فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ قیمت ۲/۵۰ روپئے

۱۳۔ وقت ایک دولت ہے

وقت اللہ کی عطا کی ہوئی کتنی قیمتی نعمت ہے اس کی اہمیت کو اس میں بڑے موثر انداز میں

بیان کیا گیا ہے یہ بقامت کہتر اور بقیمت بہتر کا مصداق ہے اسے ہر مسلمان کو نہ صرف پڑھنا چاہیئے بلکہ ہر وقت اپنے پاس رکھنا چاہیئے۔ قیمت ۱٫۵۰ روپئے

۱۴۔ اسلامی قانون اجرت

اس کتاب میں مزدوروں کے مسائل پر اسلامی نقطۂ نظر سے بحث کی گئی ہے اس کا ملیالم میں ترجمہ بھی ہو چکا ہے اس کا پہلا ایڈیشن لاہور سے شائع ہوا ہے اب یہ کتاب تاج کمپنی دلی سے بھی شائع ہو گئی ہے۔

۱۵۔ تبع تابعین

اس کتاب میں انتیس ۲۹ اکابر تبع تابعین اور اکابر امت کے علم و فضل کا مفصل ذکر ہے جن میں امام ابو یوسف، امام محمد اور عبداللہ بن مبارک، امام ظفر، فضیل بن عیاض، سفیان ثوری وغیرہ جیسے اکابر امت شامل ہیں۔ قیمت ۵۰/ روپئے

۱۶۔ اہل کتاب صحابہ و تابعین

اس کتاب میں ان ترانوے صحابہ صحابیات اور تابعین کا ذکر ہے جو اسلام سے پہلے یہودی یا نصرانی تھے اور پھر مسلمان ہوئے دنیا کی کسی زبان میں اس موضوع پر کوئی کتاب نہیں۔

قیمت ۲۵/ روپئے

۱۷۔ اجتہاد اور تبدیلیٔ احکام

اس کتاب میں ان نئے مجتہدین کا مدلل اور مفصل جواب دیا گیا ہے جو کہتے ہیں کہ قرآن و سنت کے صریح احکام کو بھی اجتہاد کے ذریعہ بدلا جا سکتا ہے۔ قیمت ۴۰/ روپئے

۱۸۔ فتاویٰ عالمگیری اور اسکے مولفین

عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے فتاویٰ عالمگیری کو علماء کی ایک پوری جماعت نے مرتب کیا تھا مگر اب تک اس کے مصنفین کے نام سے لوگ ناواقف تھے مصنف نے بڑی تلاش و جستجو سے ان کے حالات جمع کر دیئے ہیں اور اس میں فقہ کی جن کتابوں سے مدد لی گئی ہے اسکی تفصیل بھی کر دی ہے۔ قیمت ۳۵

۱۹۔ اسلام کے بین الاقوامی اصول و تصورات

اسلام نے بین الاقوامی تعلقات کے سلسلہ میں جو

اصول دیئے ہیں ان پر اس میں مفصل بحث کی گئی ہے یہ مقالہ تھا جو ۱۹۵۶ء میں مسلم یونیورسٹی علیگڈھ میں پڑھا گیا تھا اب اضافہ کرکے اسے کتابی شکل دے دی گئی ہے یہ تینوں کتابیں دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری نسبت روڈ لاہور سے شائع ہوئی ہیں ہندوستان میں بھی اسکے چھاپنے کی کوشش کیجارہی ہے ۔ قیمت صہ ۶۵ /

۲۰۔ فقہ اسلامی اور دور جدید کے مسائل

ان میں ان بنیادی اصولوں کا تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے کہ جن کی بنیاد پر نئے پیش آمدہ مسائل میں ایک مفتی غور کرکے ان کے جوابات دے سکتا ہے یہ کتاب مکتبہ جامعہ نئی دلی سے شائع ہوئی تھی اب دوبارہ یہ کتاب دارالتالیف والترجمہ سے شائع ہوئی ہے ۔

۲۱۔ اسلامی تعلیم حصہ اول، دوم، سوم، چہارم

اس میں اسلامی مسائل کو بڑے سلیس اور دلچسپ انداز میں بچوں کے ذہن نشین کرانے کی کوشش کی گئی ہے یہ سیکڑوں مکاتب اسلامیہ کے نصاب میں داخل ہے پورے سیٹ کی قیمت ۲۰ / روپئے ہے ۔

۲۱۔ ان کتابوں کے علاوہ ابھی مصنف مدظلہ کے درجنوں مضامین الرشاد کے قیمتی اداریئے ہیں ۔ جن کو کتابی شکل دینے کی کوشش کیجارہی ہے ۔ مثلاً خدمت حدیث میں عورتوں کا حصہ، قرآن پاک میں رجم، نماز اور خشوع، تواضع وخاکساری، مسلمان بادشاہوں کی تصانیف ذرائع آمدنی اور تقسیم ملکیت کا مسئلہ وغیرہ ،

مکتبہ الرشاد

دارالتالیف والترجمہ کے علاوہ دوسرے مکتبوں سے شائع شدہ اردو عربی کتابیں بھی مکتبہ سے مناسب قیمت پر دستیاب ہیں ۔

پتہ

مہتمم مکتبہ الرشاد ۔ رشادنگر ۔ اعظم گڈھ

سالانہ چندہ
غیر ممالک سے
پندرہ ڈالر امریکی
15/= 5

جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ کا ترجمان
ماہنامہ
جامعۃ
الرشاد

سالانہ چندہ
ہندوستان سے 50/=
خصوصی معاون 100/=
قیمت فی پرچہ 5/=

جلد نمبر ۲۵ | جون، جولائی ۱۹۹۳ء مطابق ذی الحجہ، محرم ۱۴-۱۴۱۳ھ | شمارہ ۱۲۹

فہرست مضامین

نمبر	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	رشحات	مرتب	۲
۲	مضاربت قرآن وحدیث کی روشنی میں	پروفیسر ڈاکٹر فرید الدین شعبۂ اسلامیات گورنمنٹ کالج	۹
۳	موجودہ بینکنگ اور اسلامی بینک کاری	ڈاکٹر محمود الحسن عارف صاحب لاہور	۲۵
۴	ہندوستان میں مسلم عہد حکومت کا مطالعہ (موجودہ حالات کے تناظر میں)	ڈاکٹر ظفر الاسلام شعبہ علوم اسلامیہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ	۳۵
۵	نگاہ اولیں	مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی ندوی	۴۵
۶	جناب مولانا ولی رحمانی صاحب کا انٹرویو		۵۵
۷	اسلامی فقہ اکیڈمی کی طرف سے عربی مدارس کے طلبہ کا دوسرا تربیتی کیمپ	مرتب	۵۹
۸	الرشاد کی ڈاک	مرتب	۶۱
۹	وفیات	مرتب	۶۳
۱۰	کتابوں کا اشتہار	مہتمم مکتبہ الرشاد	۶۴

مجلس ادارت

مجیب اللہ ندوی پرنٹر پبلشر و ایڈیٹر نے نشاط آفسیٹ پریس ٹانڈہ سے چھپوا کر دفتر جامعۃ الرشاد اعظم گڈھ سے شائع کیا

رشحات

اس وقت پوری دنیا میں یہودی لابی اور مغربی ممالک خاص طور پر امریکہ برطانیہ اور فرانس مذہبی عناصر کے خلاف سیاسی اور تہذیبی سطح پر سازش میں لگے ہوئے ہیں اور اس کے لئے میڈیا کا استعمال بھی پورے طور پر کر رہے ہیں یہ طاقتیں ان کے لئے بنیاد پرستی کی (Fandamints) اس گالی کا استعمال کر رہے ہیں جو عیسائیت کے جدید و قدیم طبقہ کی کشمکش کے زمانہ میں قدامت پرست عیسائیوں کے لئے انہوں نے ایجاد کی تھی اس سے دنیا کو وہ یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کا مذہبی طبقہ بھی جدید ترقیات کے راستہ کا سب سے بڑا روڑہ ہے اس لئے وہ دینی و مذہبی طبقہ کی پرامن جدوجہد کو بھی دہشت پسندی (ارہاب و تتطرف) قرار دے رہے ہیں ان کی اس سازش کا خاص طور پر چار پانچ مسلمان ملکوں میں دینی طبقہ شکار ہے لیبیا، مصر، ٹیونس، الجزائر۔ شام اس سلسلہ میں چند باتیں عرض کی جا رہی ہیں،

ایک یہ کہ بنیاد پرستی کا مطلب اگر یہ ہے کہ دینی طبقہ اپنا ایک اصول رکھتا ہے اس کے سامنے کچھ بنیادی اخلاقی قدریں ہیں جس کا وہ سودا نہیں کر سکتا جس کے پاس ایک زندہ ضمیر ہے جسے وہ مفاد پرستی کے لئے فروخت نہیں کر سکتا تو اس حیثیت سے بیشک مسلمان ان لوگوں کے مقابلہ میں جن کے پاس نہ تو کوئی اصول ہے۔ اور نہ وہ کسی اخلاقی قدر کے پابند ہیں جس کے نزدیک۔ انسانی دوستی اور دشمنی کا معیار صرف اپنا مفاد ہے بنیاد پرست ہے اور اسے اپنی بنیاد پرستی پر فخر ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ آج وہ قوتیں اور حکومتیں اس اسرائیل کی پشت پناہی کر رہی ہیں جس نے ان کے بنائے ادارہ یو۔ این۔ او کی ایک بار نہیں ۶۶ بار خلاف ورزی کی ہے جس نے انسانیت کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دی ہیں جس نے دنیا میں دہشت پسندی کا ریکارڈ توڑ دیا ہے۔ وہ ہمیں بنیاد پرست کہہ رہی ہیں؟

آج وہ لوگ امن عالم کے دعویدار بن کر مسلمانوں کو دہشت پسند کہہ رہے ہیں جو ناگا ساکی اور ہیروشیما کے قاتل ہیں جو ویت نام اور کوریا میں برسوں انسانوں کا خون بہاتے رہے ہیں اور جو بوسینا میں ایک سال سے مسلمانوں کا خون ناحق بہانے میں مددگار بنے ہوئے ہیں۔ آج یہ چودھری حضرات وہاں جو صلح کا منصوبہ بنا رہے ہیں اس کی بنیاد اس پر ہے کہ سربوں نے بوسینیا کے جن علاقوں پر قبضہ کر لیا ہے اس کو اپنی جگہ پر باقی رکھتے ہوئے اپنے ملک کے صرف ⅓ حصہ کے قبول کر لینے پر بوسینیا کو راضی کر لیا جائے اس سے پہلے سے بھی اسی طرح کی صلح جوئی کی مہم وہ اسرائیل کی دہشت پسندی کو جائز قرار دینے کے لئے چلائے ہوئے ہیں۔ اگر ہماری نحیف آواز ان مسلم ملکوں تک پہنچ جاتی تو ہم ان سے کہتے کہ آپ لوگ چاہے جتنے سیکولر بن جائیں یہ شر پسند تمہیں بخشیں گے نہیں؟ شام کی دو روزی حکومت نے دین سے اپنا رشتہ توڑ لیا ہے مگر وہ اسرائیل سے گولان کی پہاڑیاں نہ لے سکی۔ یاسر عرفات جو اتنے بڑے سیکولر ہیں کہ ان کی زبان پر نصرت الٰہی کے لئے کبھی خدا کا نام نہیں آیا اس کے باوجود اسرائیل نے ان کو جس وادی تیہہ میں چھوڑ دیا ہے کہ چالیس برس گزر جانے کے بعد بھی وہ اس سے نہیں نکل سکے اور نہ اس کی کوئی امید نظر آرہی ہے اس لئے ان کو سمجھ لینا چاہئے کہ ان کو وقار مل سکتا ہے تو اسلام کے نام سے اسلام سے رشتہ توڑ کر نہ تو دنیا میں انکو کوئی مقام مل سکتا ہے اور آخرت میں تو ناکامی مقدر ہے اس کی زندہ مثال ترکی ہے جس کا رعب ایک زمانہ میں پورے یورپ پر طاری تھا لیکن سیکولرزم کا قلادہ ڈالے ہوئے ستر برس ہو گئے مگر اسے دنیا میں کوئی مقام نہ مل سکا۔ اس کے برخلاف افغانستان نے اسلام کے نام پر کمیونزم کی گرفت سے گلو خلاصی پائی ہے اور اریٹریا کی آزادی اسلام کے نام ہی پر ملی ہے۔

ہمارے ملک کے وزیراعظم صاحب جن کی مجرمانہ پالیسی کی وجہ سے سارے ملک میں دہشت پسندی کو فروغ مل رہا ہے اور جس کی نگرانی اور سازش سے دن دہاڑے دہشت پسندوں کے ہاتھوں بابری مسجد شہید کر دی گئی وہ تاشقند اور عمان میں دہشت پسندی

کے خلاف محاذ بنائے گئے ہیں اسی کو (دزدے کہ بکف چراغ دارد) کہتے ہیں دنیا کے سب سے بڑے دہشت پسند اسرائیل سے ہر روز دوستی کے رشتے مضبوط کیے جا رہے ہیں اور دعظ کہہ رہے ہیں دہشت پسندی کے خلاف۔

راقم الحروف بار بار مسلمانوں کے ذہن میں یہ بات ڈالتا رہا ہے کہ جواہر لال نہرو سے لیکر آج تک کانگریسی حکومتیں اشتہار تو سیکولرزم کا دیتی رہی ہیں مگر عملاً وہی کچھ کرتی رہی ہیں جو آر ایس ایس اور فرقہ پرست عناصر چاہتے رہے ہیں مگر فرق صرف اتنا ہے کہ اس سے پہلے کے لوگوں میں کچھ شرم و حیا اور پاس و لحاظ کی رمق موجود تھی اور کبھی کبھی اپنی غلطی کا اعتراف بھی کر لیا کرتے تھے مگر نرسمہا راؤ کی صورت میں وزارت عظمی کی کرسی پر جو شخص بیٹھا ہے اس کے نزدیک انصاف اور سچائی کے نام کی کوئی اہمیت نہیں ہے بڑی سے بڑی مجرمانہ حرکتوں پر بھی اسے کوئی پشیمانی نہیں ہوتی۔ اس شخص نے شرم و حیا کی چادر کو اپنے ہاتھوں تار تار کر ڈالا ہے۔ افسوس تو یہ ہے کہ اب بھی کچھ مفاد پرست مسلمان اس کی کاسالیسی میں لگے ہوئے ہیں گویا یہ حضرات اس شعر کے مصداق ہیں ؎

ہم کو ان سے وفا کی ہے امید
جو نہیں جانتے وفا کیا ہے

وی پی سنگھ نے بھی ایودھیا کی وقف زمین کو اکوائر کیا تھا مگر جونہی مسلمانوں کے جذبات کا احساس ہوا انہوں نے آرڈیننس واپس لے لیا مگر اس شخص نے مسلمانوں کے جذبات کا ایک شمہ برابر لحاظ نہیں کیا اور دفعہ ۱۴۳ کے تحت وان پائنٹ ریفرنس کے سلسلہ میں بھی نہایت ہی مجرمانہ انداز میں سپریم کورٹ سے رائے مانگ لی اور وقف زمین کا ایک بڑا حصہ اکوائر کر لیا،

اردو زبان کو دیس نکالا تو کانگریس حکومت نے پہلے ہی دن دے دیا تھا اب جو تھوڑی بہت اس میں زندگی کی رمق باقی تھی سول سروسز امتحانات سے نکال کر اسے مزید جاں بلب کرنے کی کوشش کی۔ غرض یہ کہ یہ شخص کانگریس کے نہیں بلکہ آر ایس ایس کے نمائندہ کی حیثیت سے کام کر رہا ہے مگر نرسمہا راؤ اور کانگریس کی طرح وی پی غرض بیت

طاقتوں کو یاد رکھنا چاہیئے کہ خدا کی لاٹھی میں آواز نہیں ہوتی مگر جب کسی قوم کے سر پر پڑتی ہے تو اسے چکنا چور کر دیتی ہے۔ اور اس کے آثار پیدا ہونے لگے ہیں ؎

رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوازی میں معاف :: آج کچھ درد میرے دل میں سوا ہوتا ہے

اوپر موجودہ حالات کی جو تصویر کشی کی گئی ہے وہ اس لئے کہ ہم حالات سے باخبر رہیں سیرت نبوی سے ہمیں واضح طور پر یہ رہنمائی ملتی ہے کہ مسلمانوں کو ہمیشہ دو طرح کی کوششوں کو جاری رکھنا چاہیئے ایک اپنے صفوں کی درستگی دوسرے دشمنوں کی سازشوں اور ان کی خفیہ تدبیروں سے واقفیت عہد نبوی کی پوری تاریخ اس پر شاہد ہے کہ آپؐ کو ایک طرف صحابہ کرام کو بنیانِ مرصوص بنانے کی فکر رہتی تھی تو دوسری طرف دشمنوں کے نقل و حرکت اور ان کی سازشوں کو پتہ لگانے کیلئے ہمیشہ سرایا بھیجا کرتے تھے۔

حالات کی عکاسی کا مقصد کسی مایوسی کا اظہار نہیں ہے بلکہ اس لئے کیجا رہی ہے کہ ہم اپنے خلاف ہونے والی سازشوں اور سازش کرنے والی قوتوں سے باخبر رہیں ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ اگر ایک طرف دشمنانِ اسلام کی یہ سازشیں اور نا روا تدبیریں ہیں تو دوسری طرف اللہ تعالیٰ ان شدید ترین حالات میں بھی اسلام اور مسلمانوں کے لئے مستقبل میں بہت سے روشن پہلو بھی پیدا فرما رہا ہے روس کا بکھراؤ اور اس کے پیٹ سے کئی مسلم حکومتوں کا وجود میں آجانا ارٹیریا کا حبشہ سے الگ ہو کر ایک الگ ملک کا بن جانا افغانستان میں اسلامی حکومت کا قیام امریکہ میں مسلمانوں کی آبادی کا یہودیوں سے آگے نکل جانا یہ سب اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیروں کی کرشمہ سازیاں ہیں خود ہمارے ملک میں ایسے حالات پیدا ہو رہے ہیں کہ آپ کا مستقبل تاریک نہیں بلکہ روشن ہے بس شرط یہ ہے کہ ہم اپنی داخلی دینی و اخلاقی خرابیوں کو دور کر کے اپنی صف بندی کو مضبوط کرلیں بحمد اللہ آج بستی کی بستی دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے لئے بے چین ہے مگر افسوس ہے کہ ہم خود اپنی اخلاقی معاشرتی اور سماجی برائیوں

کی وجہ سے اس میں روک بنے ہوئے ہیں۔

ابھی جو پاکستان کی سپریم کورٹ نے فیصلہ صدر غلام اسحٰق خاں کے خلاف کیا ہے اس کے مضمرات پر جو لوگ غور کریں گے تو یہ محسوس کریں گے کہ وہ تاریخ ساز فیصلہ ہندوستان کی حکومت کے منہ پر ایک زبردست طمانچہ ہے ایک طرف صدر کے خلاف ۳۸ دن میں پاکستان میں فیصلہ ہوتا ہے اور حکومت بحال کر دی جاتی ہے دوسری طرف ہندوستان کی ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ کے آرڈر، قومی یکجہتی کمیٹی کے فیصلے اور مرکزی حکومت کی یقین دہانی کے باوجود بابری مسجد شہید کر دی جاتی ہے اور اس کا سب سے بڑا مجرم وزارت عظمیٰ کی کرسی پر موجود ہے۔ اور ۴۰ برس گزر جانے کے باوجود یہاں کی عدلیہ اپنا کوئی دو ٹوک فیصلہ بابری مسجد کے بارے میں نہ دے سکی۔

کشمیر کے مسئلہ پر مسلمان جماعتیں اور ان کے رہنما کھل کر کوئی بات کرتے ہوئے اس لئے ڈرتے ہیں کہ فوراً ان کی گردن ناپ دی جائے گی مگر اب بھی ہندوؤں میں بھی کچھ حق پسند مفکر اور صحافی موجود ہیں جو صحیح حقائق کو سامنے لاتے رہتے ہیں معاصر دعوت اخبار نے خبر و نظر میں نکھل چکرورتی کے مضمون کو نقل کر کے اس پر جو نوٹ لکھا ہے اسے ہم بن و عن نقل کرتے ہیں تاکہ کشمیریوں کی حق تلفی کی صحیح تصویر سامنے آجائے یوں تو چالیس برس سے ان کو بنیادی حقوق سے محروم کیا جاتا رہا ہے مگر جگموہن کی تقرری کے بعد سے اس وقت تک جو ظلم و بربریت کا چکر وہاں چلایا جا رہا ہے وہ ناقابل بیان ہے جس کی مذمت کئی بین الاقوامی ادارے کر چکے ہیں۔

کشمیر اور ضمیر

Kashmir and conscience

یہ عنوان ہے نکھل چکرورتی کے ایک مضمون کا نکھل انگریزی کے معمر اور تجربہ کار صحافی ہیں

اور سیاسی حالات پر بے لاگ تبصروں کے لئے مشہور ہیں یہ مضمون ان کے اپنے میگزین (Mainstream) یکم مئی ۱۹۹۳ء میں شائع ہوا ہے جس میں انہوں نے کشمیر کی صورتحال کا ذکر کرتے ہوئے بڑے ہی دل سوزی کے ساتھ لکھا ہے کہ مرکزی حکومت کی غیر دانشمندانہ پالیسیوں اور سیاسی لیڈروں کی بے حسی نے کشمیری عوام کو سخت مصیبت میں مبتلا کر دیا ہے ان کا اعتماد ٹوٹ چکا ہے اور وہ دن بدن الگ تھلگ ہوتے جا رہے ہیں کسی بھی حکومت نے کشمیریوں کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی پچھلے تین سال کے عرصہ میں مرکز نے ناعاقبت اندیشیوں کی انتہا کر دی مضمون کا آخری حصہ اس طرح ہے "آج کشمیر میں جن حماقتوں اور جن جرائم کا ارتکاب کیا جا رہا ہے اسے دیکھتے ہوئے ہم سب کے سر شرم سے جھک جانے چاہئیں نہ صرف حکومت نے بلکہ حیرت انگیز طور پر مختلف پارٹیوں سے تعلق رکھنے والے لیڈروں نے کشمیر کی سنگین صورتحال پر پارلیامنٹ میں مکمل بحث کرانے کا مطالبہ تک نہیں کیا امریکہ سے پاکستان کو ایک دہشت گرد ملک قرار دینے کی وکالت کر کے آخر ہم کیا حاصل کرنا چاہتے ہیں جب کہ ہم خود ہی وادی کشمیر کے عوام کا اعتماد کھو چکے ہیں ملک کے کسی بھی حصہ میں عوام (کی گردن) پر فوجی جوتے رکھ کر ہندوستان کی جمہوریت ہی کو برقرار نہیں رکھا جا سکتا۔

ضمیر کی گواہی

انسانی ضمیر آخر ضمیر ہی ہوتا ہے اور کبھی نہ کبھی حق کی گواہی دینے پر خود بخود مجبور پاتا ہے نیشنل پریس کشمیر کے حقائق کے سلسلہ میں ایک زمانہ تک لاپرواہ رہا اور لاپرواہی میں اس بات کو دخل تھا کہ اتفاق سے کشمیر میں اکثریت مسلمانوں کی ہے کچھ اخبارات نے لاپرواہی برتنے پر اکتفا نہ کیا بلکہ حقائق کو توڑنے مروڑنے اور کشمیری عوام کی کردارکشی کی باقاعدہ مہم چلائی اور کچھ اخبارات آج بھی چلا رہے ہیں اس لئے کہ ایک سیاسی پارٹی کے لئے یہ زبردست منافع کا سودا ہے البتہ دوسرے اخبار کا ضمیر جاگا ہے اور حالیہ عرصہ میں کچھ رپوٹیں ایسی آئی ہیں جس میں انسانی و جمہوری حقوق کی صورتحال عام نوجوانوں بچوں بوڑھوں اور عورتوں کے سوچ کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ وادی میں مندر توڑے جانے کے ایک پاسنگ کے افسانوں کو بھی ہمارے ہندوستان پریس ہی نے بے نقاب

گیا ہے اور اب نکھل کا یہ مضمون دراصل ایسے دانشوروں اور بعض باضمیر صحافیوں کے احساسات کا ترجمان ہے جو نقلی دیش بھکتی جعلسازی کی سیاست اور پروپیگنڈے کی دنیا سے باہر نکل کر کشمیری عوام کے ساتھ انصاف کرنا چاہتے ہیں جی ہاں انصاف جو ہر انسانی طبقے کے ساتھ کیا جانا چاہیئے جس کی طرف سے مرکزی حکومت لاپرواہی برت رہی ہے اور ایک سیاسی پارٹی جس کی قائل ہی نہیں ہے۔

موضوع بڑا نازک ہے

گفتگو کیلئے کشمیر دراصل بڑا نازک مسئلہ ہے بڑے قلم اور بڑی زبان ہی سے کچھ نکلے تو وزن محسوس کیا جاتا ہے اور توجہ بھی دیجاتی ہے ورنہ چھوٹی زبانیں اور چھوٹے قلم کچھ کہیں تو فوراً گردنیں ناپ لی جاتی ہیں اور مسلم رہنماؤں اور صحافیوں کیلئے تو اور بھی مشکل ہے۔ وہ حق و انصاف کی وہ بات بھی نہیں کرسکتے جو دوسرے زیادہ شدومد سے کہتے ہیں مثلاً نکھل چکرورتی نے جو کچھ لکھا ہے اگر کسی چھوٹے مسلم صحافی کے قلم سے نکلتا تو نئی دہلی کے کان فوراً کھڑے ہو جاتے ستم ظریفی یہ کہ کوئی مسلم رہنما یا صحافی یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ (اگر کشمیر میں جمہوری حقوق کی اس طرح پامالی ہوتی رہی اور عوامی امنگوں اور خواہشات کو اس طرح بے دردی سے نظرانداز کیا جاتا رہا تو کشمیری عوام ہم سے دور ہو جائیں گے) اس لئے نہیں کہہ سکتا کہ سرکاری کارندہ اپنی ڈائری میں اس بات کے "اگر" والے حصہ کو چھوڑ کر صرف آخری ٹکڑا نوٹ کرے گا کہ وہ بھی اس طرح "کشمیر علیحدہ ہو کر رہے گا" گو اس طرح یہ مسئلہ بڑا نازک ہے اور اسی سے جمہوری ہندوستان میں مسلمانوں کے پوزیشن کا پتہ بھی چل جاتا ہے لیکن بہر حال اطمینان کی بات ہے کہ نکھل جیسے حقیقت پسند لوگ موجود ہیں جو کشمیر کے معاملہ میں اب ضمیر کو آواز دینے پر مجبور ہو گئے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ ہم سب اپنے ضمیر کو ٹٹول کر سوال کریں کہ کشمیری عوام ہم سے اس قدر متنفر آخر کیوں ہو گئے اب دیکھنا یہ ہے کہ موجودہ راؤ حکومت اور حزب اختلاف کے لوگوں کا ضمیر اس کا کیا جواب دیتا ہے؟

یہاں یہ بات بھی عرض کر دینی ضروری ہے کہ بوسنیا میں جو ظلم و بربریت کا مظاہرہ مغربی طاقتوں کے ایماء سے ہو رہا ہے وہ ہر طرح قابل مذمت ہے اور ہمارے رہنما اس کی مذمت

بقیہ صـ ۲۲ پر

قسط دوم

مضاربت
قرآن وحدیث کی روشنی میں

پروفیسر ڈاکٹر فرید الدین شعبہ اسلامیات گورنمنٹ کالج ڈیرہ اسماعیل خاں

مضاربت کا مفہوم اور اصطلاحات مضاربت

مضاربت ایک قسم کی تجارتی شرکت ہے جس میں ایک جانب سے سرمایہ اور دوسری جانب سے محنت ہو اس معاہدے کے تحت کہ اسے کاروبار کے نفع میں ایک متعین نسبت سے حصہ ملے گا نیز سرمایہ فراہم کرنے والے اور محنت کرنے والے متعدد افراد ہو سکتے ہیں۔

اصطلاح شریعت میں مضاربت اس عقد کو کہتے ہیں جس میں ایک جانب سے مال ہو اور دوسرے کی جانب سے عمل ہو اور نفع میں دونوں شریک ہوں۔

جس کی جانب سے مال ہو اس کو رب المال کہتے ہیں اور جس کی جانب سے عمل ہو اس کو مضارب کہتے ہیں اور جو مال دیا جائے اس کو مال مضاربت کہتے ہیں۔

مفردات القرآن میں ہے کہ مضاربت ایک قسم کی تجارتی شرکت ہے جس میں ایک شخص کا سرمایہ دوسرے کی محنت ہوتی ہے اور نفع میں دونوں شریک ہوتے ہیں ۳۵۔

شاہ ولی اللہ مضاربت کی تعریف میں لکھتے ہیں کہ "معاونت باہمی کی چند قسمیں ہیں ان میں سے ایک مضاربت ہے وہ یہ کہ مال ایک شخص کا اور محنت دوسرے شخص کی ہو اور رضامندی طرفین کی تصریح کے ساتھ نفع دونوں کے درمیان ہو" ۳۶

چونکہ اس میں ایک آدمی پیسہ دیتا ہے اور دوسرا آدمی اپنی محنت اور دوڑ دھوپ سے مزید پیسہ پیدا کرنے اور فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس لئے اس معاملہ کو مضاربت کہتے ہیں ؎۳۷ شرعاً ایک طرف سے مال اور دوسری طرف سے عمل کے ساتھ نفع میں شریک ہونے کے معاہدہ کو مضاربت کہتے ہیں۔ پس اگر باوجود ایک طرف سے مال اور دوسری طرف سے عمل ہو لیکن نفع میں شریک نہ ہو بلکہ یہ شرط ہو کہ نفع تمام رب المال کا ہوگا تو یہ بضاعت ہوگی اور اگر یہ شرط ہو کہ سارا نفع مضارب یعنی عامل کا ہوگا تو یہ صورت قرض کی ہوگی ؎۳۸ عام طور پر فقہاء کے نزدیک مضاربت دو فریق کے درمیان اس امر پر مشتمل ایک معاہدہ ہے کہ ایک فریق دوسرے کو اپنے مال پر اختیار دے کہ وہ نفع میں سے ایک مقررہ حصہ نصف یا تہائی یا چوتھائی وغیرہ کے عوض مخصوص شرائط کے ساتھ اس مال کو تجارت میں لگائے ؎۳۹

امام مالکؒ مضاربت کی تعریف میں فرماتے ہیں "مضاربت اس طرح درست ہے کہ کوئی کسی سے اس شرط پر روپیہ لے کہ وہ محنت اور کام کرے گا لیکن اگر نقصان ہوا تو وہ ذمہ دار نہیں اور سفر میں کھانے پینے اور سواری کا خرچہ دستور کے مطابق اسی مال سے دیا جائیگا اقامت کی مدت سے نہیں دیا جائے گا۔" ؎۴۰ مضاربت کی صورت میں مال فراہم کرنے والے اور کاروبار کرنے والے متعدد افراد ہو سکتے ہیں یعنی سرمایہ چند افراد مل کر فراہم کریں اور اس سے چند آدمی مل کر کاروبار کریں یا چند افراد مل کر سرمایہ فراہم کریں اور اس سرمایہ سے ایک فرد کاروبار کرے یہ سب صورتیں جائز ہیں ؎۴۱

اس سلسلہ میں حنفی مالکی اور حنبلی فقہ کے مندرجہ ذیل ماخذ کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے:۔ منہاج الطالبین وعمدۃ المفتین، المغنی، المبسوط، الشرح الصغیر ؎۴۲

بہرحال مندرجہ بالا حوالجات سے معلوم ہوا کہ تجارت کی طرح مضاربت بھی دو آدمیوں یا دو فریقوں کے درمیان ایک معاہدہ کا نام ہے جس میں ایک شخص اپنا روپیہ دیتا ہے اور دوسرا محنت کرنے کا اقرار کرتا ہے اور پھر یہ دونوں معاہدہ کرتے ہیں کہ اس کے روپیہ اور دوسری کی محنت سے اس سے جو کچھ فائدہ ہوگا اس میں آدھا یا چوتھائی وغیرہ سرمایہ لگانے والا پائے گا اور آدھا یا تین چوتھائی وغیرہ محنت کرنے والے کو ملے گا یا اس قسم کی نفع کی کوئی نسبت متعین کر دی جائے۔

مضارب کی حیثیت کا تعین

مال مضاربت میں مضارب قبل از تصرف امین ہوتا ہے۔ بعد از تصرف وکیل ہوتا ہے بعد از وصول منافع میں شریک ہوتا ہے۔ مضاربت فاسد ہونے سے اجیر ہوتا ہے۔ رب المال کے حکم کے خلاف کرنے سے غاصب ہوتا ہے۔ اپنے لئے کل منافع کی شرط لگا دینے سے قرض لینے والا ہوتا ہے اور کل نفع کی شرط رب المال کے لئے کرنے سے سرمایہ لینے والا ہوتا ہے۔

مذکورہ بالا مضارب کی حیثیت کو تفصیل کی روشنی میں ملاحظہ کریں۔ یعنی مضارب جو مال لیتا ہے اس میں وہ قبل از تصرف امین ہوتا ہے کیونکہ وہ مالک کی اجازت سے بلا مبادلہ دوثیقہ اس پر قابض ہوتا ہے پس اگر مال ہلاک ہوجائے تو مضارب پر تاوان نہ ہوگا اور عمل کرنے کے بعد وکیل ہوتا ہے کیونکہ وہ رب المال کے حکم سے تصرف کرتا ہے پس جو ذمہ داری اس کو لاحق ہوگی۔ وہ رب المال کو بھی لاحق ہوگی اور نفع حاصل کرنے کے بعد شریک ہوتا ہے کیونکہ وہ اپنے عمل کے ذریعے جزو مال کا مالک ہوچکا ہوتا ہے اور جب کسی وجہ سے مضاربت فاسد ہوجائے تو اجیر کے درجہ میں ہوتا ہے کہ اس کو محنت کی مزدوری ملتی ہے۔ خواہ تجارت میں نفع ہو یا نہ ہو۔ امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ سے یہی روایت منقول ہے اور اگر مضارب نے رب المال کے حکم کے خلاف کیا مثلاً کسی ایسی چیز کی خرید و فروخت کی جس سے رب المال نے منع کردیا تھا تو وہ غاصب ہوگا کیونکہ غیر کے مال میں تعدی پائی گئی ہے لہذا مضارب پر ضمان لازم ہوگا۔ اور اگر مضارب کے لئے کل نفع مشروط ہو تو مضارب مستقرض ہوگا گویا اس نے رب المال سے مال بطور قرض لے لیا ہے۔ اور اگر کل نفع کی شرط رب المال کے لئے ہو تو مضارب مستبضع ہوگا یعنی عقد مضاربت نہ رہے گا بلکہ عقد بضاعت ہوجائے گا اور مضارب رب المال کے حق میں محسن شمار ہوگا۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے مختلف حالات میں مضاربت کی حیثیت مختلف ہوتی ہے۔ چنانچہ کارکن ابتداء میں تو امین ہوتا ہے اور جب کام شروع کردے تو وکیل بن جاتا ہے اور جب اس میں نفع حاصل کرلیتا ہے تو شریک بن جاتا ہے کیونکہ فریقین نفع میں شریک ہیں اور معاملہ مضاربت فاسد ہوجائے تو وہ مزدور کی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ اس میں یعنی اس حالت میں کارکن کام کے مطابق مزدوری کا حقدار ہوتا ہے

امام ابویوسفؒ فرماتے ہیں کہ مزدوری اتنی زیادہ نہیں ہوگی جتنی کہ معاہدے کے وقت مضاربت میں مقرر کی گئی تھی، اور اگر مالک کی مخالفت کردے یعنی معاہدہ کی خلاف ورزی کرنے کی صورت میں غاصب ہو جاتا ہے اگرچہ بعد میں اس کو اختیار حاصل ہو جائے اور اجازت بھی مل جائے [۴۳] ہدایہ میں ہے اگر کارکن نے اس مقصد کے خلاف کام کیا جس کے لئے مال اس کو سپرد کیا گیا تھا تو یہ مال اور حاصل شدہ نفع مالک مال کو واپس کردے محنت کے معاوضہ کا بھی اسے کوئی حق نہیں ہے کیونکہ غاصب کے بارے میں یہی حکم ہے [۴۴] کافی میں ہے اگر پورا نفع مالک مال کے لئے شرط کیا گیا ہو تو بضاعت ہو جاتی ہے اور اگر سارے کا سارا نفع کارکن کے لئے شرط کردیا گیا ہو تو قرض ہو جاتا ہے [۴۵] فتاویٰ قاضی خاں میں ہے اگر مضاربت صحیحہ ہو اور کارکن نے کچھ نفع کمایا تو اس کو کچھ نہ ملے گا اور اگر مضاربت فاسدہ میں کارکن کے پاس سے مال ضائع ہو گیا تو کارکن ضامن نہیں ہوگا۔

المبسوط میں ہے کہ اس کو اپنے کام کا اجر مثل یعنی محنت کے مطابق مزدوری ملے گی۔ [۴۶] ابن رشد لکھتے ہیں مضاربت نفع کی صورت میں نفع میں حصہ پائیگا معاہدہ مضاربت فاسد ہونے کی صورت میں وہ اجرت پانے کا مستحق ہوگا اگر وہ معاہدہ کی خلاف ورزی کرےگا تو غاصب شمار ہوگا کیونکہ اس نے دوسرے کے مال میں زیادتی کی ہوگی [۴۷]

مضارب اور رب المال میں نفع کی تقسیم نسبت سے ہونا ضروری ہے

صحتِ مضاربت کے لئے مال لینے والے یعنی مضارب اور مال کے مالک یعنی رب المال دونوں کے لئے طے کیا جانے والا حصہ نفع ایک عام نسبت سے ہو۔ اگر ایک متعین رقم طے کرلی گئی تو مضاربت فاسد ہو جائے گی۔

صحت مضاربت کے لئے نفع کا دونوں کے درمیان شائع اور عام ہونا شرط ہے مثلاً نصف یا تین تہائی وغیرہ۔ اگر مضارب نے یا رب المال نے اپنے لئے معین مقدار کی شرط کرلی یا دس درہم زائد کی شرط کرلی تو عقد فاسد ہو جائے گا۔ اور مضارب کو اس کی محنت کی مزدوری ملے گی لیکن جو مقدار مشروط تھی امام ابویوسفؒ کے نزدیک اس مقدار سے زائد مزدوری نہیں دی جائیگی۔ امام محمدؒ اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک پوری مزدوری دی جائے گی گو مشروط سے زائد ہو۔

کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ کے مصنف نے صراحت کر دی ہے اس بات پر کہ مضاربت اور شرکت میں کسی فریق کا حصہ نفع متعین رقم کی صورت میں نہیں طے کیا جا سکتا۔ چاروں مکاتب فکر متفق ہیں نیز اس بات پر بھی کہ مضاربت میں فریقین باہمی رضامندی سے نفع کی تقسیم کی جو نسبت بھی چاہیں طے کر سکتے ہیں[۴۸] فقہائے احناف کے نزدیک یہ ضروری ہے کہ شرکت میں کسی شریک کے لئے طے کردہ حصہ نفع کل نفع کا ایک عام حصہ باعتبار نسبت ہو متعین رقم نہ ہو[۴۹] اور یہ بھی ضروری ہے کہ مضاربت پر مال لینے والے اور مال کے مالک دونوں کے لئے طے کیا جانے والا حصہ نفع ایک عام نسبت سے ہو مثلاً آدھا تہائی یا چوتھائی۔ اگر ایک متعین عدد طے کر لیا گیا ہو مثلاً یہ کہ ان میں سے ایک کے لئے نفع میں سو درہم یا اس سے کم یا زیادہ درہم ہوں گے اور باقی دوسرے کے لئے ہوگا تو یہ جائز نہیں ہے اور مضاربت فاسد ہو جائے گی[۵۰]

مضاربت کے سلسلہ میں مالکی اور شافعی فقہا کا مسلک بھی یہی ہے امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ:

"اگر ایک آدمی دوسرے کو سرمایہ بطور مضاربت دے اور اس سے یہ طے کر لے کہ نفع میں سے کچھ اسی کے لئے مخصوص ہوگا اس کے کاروبار کرنے والے ساتھی کا اس میں کوئی حق نہیں ہوگا۔ تو یہ درست نہ ہوگی خواہ مخصوص کی ہوئی یہ رقم ایک درہم ہی کیوں نہ ہو۔ صحیح صورت صرف یہ ہے کہ وہ آدھا نفع اپنے لئے طے کر لے اور آدھا کاروباری فریق لئے یا تہائی یا چوتھائی یا اس سے کم یا زیادہ طے کر لے"[۵۱]

مالکی فقہا کے نزدیک ضروری ہے کہ مضاربت میں کاروباری فریق کے لئے طے کیا جانے والا حصہ نفع کل نفع کا ایک عام اور متعین جز ہو۔ مثلاً چوتھائی یا آدھا غیر متعین نہ ہو۔ اسی مال کے نفع کا حصہ ہو جو صاحب سرمایہ نے دیا ہے۔ کسی اور مال کا نفع نہ ہو اور کوئی متعین رقم نہ طے کی جائے مثلاً یہ کہ خواہ نفع کم ہو یا زیادہ اس میں سے دس دینار کاروباری فریق کو ملیں گے[۵۲]

شافعی فقہا کے نزدیک جب ایک فریق سرمایہ فراہم کرے اور دوسرا اس سے کاروبار کرے تو ضروری ہے کہ نفع انہی دونوں کے لئے مخصوص ہو اور دونوں اس میں شریک ہوں ہر ایک کا حصہ کل نفع کے ایک جز کے طور پر متعین و معلوم ہو اگر کسی فریق کے لئے دس درہم طے کئے گئے یا کسی خاص قسم کے مال تجارت کا نفع طے کیا گیا ہو تو معاہدہ فاسد ہو جائے گا[۵۳] حنبلی فقہا کا مسلک بھی یہی ہے

نفی فقہاء کا ہے یعنی جب دو افراد شرکت کریں تو نفع ان کے مابین ان کے طے کردہ نسبت سے تقسیم
ہوگا۔ شرکت تمام صورتوں میں جہاں تک مضاربت کی سادہ شکل کا سوال ہے اس بارے میں کوئی
ف نہیں پایا جاتا ہے اور کسی شریک کے لیے مخصوص طور پر چند متعین درہم زائد دینا نہیں طے
جا سکتا ہے۔ شرکت یا مضاربت میں دونوں فریقوں میں سے کوئی اگر اپنے لئے درہموں کی تعداد طے
ے تو ایسا کرنا درست نہیں ہوگا۔

شرط فاسد سے مضاربت فاسد ہو جاتی ہے

جو شرط نفع میں جہالت پیدا کرے وہ مفسد مضاربت ہے اگر کوئی شرط ایسی لگائی گئی ہے
و جب جہالت نفع یا موجب قطع شرکت نہ ہو تو ایسی شرط سے عقد فاسد نہیں ہوتا بلکہ خود شرط باطل
اتی ہے۔ چنانچہ اگر مضاربت میں کوئی موجب جہالت نفع شرط لگائی ہو مثلاً رب المال نے
نارب سے بطریق تردید کہا کہ تیرے لئے نصف نفع ہے یا تہائی یا کوئی ایسی شرط لگائی گئی ہو
اطع شرکت ہو مثلاً کسی ایک کے لئے معین دراہم کی شرط کر لینا تو ایسی شرطوں سے عقد مضاربت
سد ہو جاتا ہے کیونکہ مضاربت میں نفع معقود علیہ ہوتا ہے اور جہالت معقود علیہ مفسد عقد ہوتی
ہ اور اگر کوئی ایسی شرط لگائی گئی جو جہالت نفع یا موجب قطع شرکت نہ ہو جیسے مضارب پر نقصان
خسارے کی شرط کرنا تو ایسی شرط سے عقد فاسد نہیں ہوتا بلکہ خود شرط باطل ہو جاتی ہے جیسے
ت اور عقد بلکہ یہ شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتی۔

مصادر قانون اسلامی میں ہے کہ ہر وہ شرط جو نفع میں جہالت کا سبب بنے یا شرکت
قطع تعلق کا باعث ہو تو وہ مضاربت کے فاسد ہونے کا موجب ہوگی اور جن شرائط سے اس
کا احتمال نہیں ہے وہ شرائط غیر معتبر ہیں اور ان سے مضاربت بھی فاسد نہیں ہوتی۔ اگر مال
لے نے کارکن سے کہا کہ تجھ کو تہائی نفع ملے گا اور دس درہم ہر مہینہ میں ملیں گے اگر تو
نارب کا کام کرے گا تو مضاربت جائز ہے اور شرط باطل ہے۔ لہذا اگر اس کارکن نے اس شرط
م کیا اور نفع اٹھایا تو نفع شرط کے مطابق تقسیم ہوگا اور کارکن کو اس میں سے کوئی مزدوری نہیں
گی۔ اگر آدھے کی مضاربت پر ہزار درہم کارکن کو اس شرط پر دیئے کہ مال والا ایک سال تک اپنی

مضارب یعنی کاشتکار کو دے گا اور وہ اس زمین میں زراعت کرے گا یا کوئی گھر اس کو دے دیا تاکہ وہ اس میں رہائش رکھے تو شرط باطل ہے۔ اور مضاربت جائز ہے ۵۸

ان امور کا بیان جن کا مضارب کیلئے سرانجام دینا جائز یا ناجائز ہے

اگر عقد مضاربت کسی مکان و زمان اور تصرف خاص کے ساتھ مقید نہ ہو بلکہ مطلق ہو تو مضارب کے لئے وہ تمام امور جائز ہیں جو تجار کے یہاں معتاد ہوں۔ اگر رب المال نے تجارت کیلئے کوئی خاص شہر یا کوئی خاص سامان یا کوئی خاص وقت یا کوئی خاص آدمی معین کر دیا جس کے ساتھ وہ معاملہ کرے تو مضارب کیلئے اس کا خلاف کرنا جائز نہیں۔ رب المال کو یہ حق حاصل نہیں کہ کوئی ایسی شرط عائد کرے جو سود مند نہ ہو۔

مندرجہ بالا عبارت کی تفصیل یہ ہے اگر عقد مضاربت کسی مکان و زمان اور تصرف خاص کے ساتھ مخصوص نہ ہو بلکہ مطلق ہو تو وہ مضارب کے لئے ان تمام امور کا معاملہ کرنا جائز ہے جو عام طور پر تجارت کے سلسلہ میں ان امور کی ضرورت واقع ہوتی ہے جیسے ہاتھ در ہاتھ یا ادھار خرید و فروخت کرنا وکیل بنانا۔ سفر کرنا۔ بطریق بضاعت مال دینا۔ کسی کے پاس مال ودیعت رکھنا۔ گروی لینا۔ گروی رکھنا۔ کرایہ پر لینا۔ کرایہ پر دینا وغیرہ کیونکہ یہ سب امور سوداگروں کے یہاں معتاد ہیں اور تجارت کے سلسلہ میں ان کی ضرورت واقع ہوتی ہے ہاں مال مضاربت سے خرید کردہ غلام یا باندی کا نکاح نہیں کرا سکتا کیونکہ تزویج ممالک اعمال تجارت سے نہیں ہے اور نہ کسی کو مال مضاربت پر دے سکتا ہے۔ ہاں اگر رب المال کی طرف سے اس کی اجازت ہو یا اس نے کہہ دیا ہو کہ اپنی رائے سے کام لے۔ اگر رب المال نے تجارت کیلئے کوئی خاص شہر یا کوئی خاص سامان یا کوئی خاص وقت یا کوئی خاص آدمی معین کر دیا جس کے ساتھ وہ معاملہ کرے تو مضارب کیلئے اس کے خلاف کرنا جائز نہیں کیونکہ مضارب جو مال میں تصرف کرنے کا مالک ہوتا ہے وہ رب المال کی تفویض سے ہوتا ہے اور رب المال نے تفویض کو امور مذکورہ کے ساتھ خاص کیا ہے جو فائدہ سے خالی نہیں۔ کیونکہ تجارت اختلاف امکنہ و اشیاء اور اختلاف اوقات و اشخاص کے لحاظ سے مختلف ہوتی ہے۔ اس لئے مضارب کو اس تفویض کے خلاف کرنا جائز نہیں ہوگا لیکن امام شافعی کے نزدیک اگر رب المال نے ان چیزوں کی تعیین کر دی ہو تو مضاربت صحیح

نہیں ہوگی۔ اگرچہ مسالک مختلف ہیں جو تفصیل طلب ہیں لیکن اجمالاً سب سے پہلے احناف کے مسلک کو تحقیق کی روشنی میں سمجھئے۔ احناف کہتے ہیں کہ مالک مال کو خصوصی اختیارات حاصل ہیں۔

۱۔ مالک مال کو حق حاصل ہے کہ معاملہ مضاربت کے لئے خاص میعاد مقرر کردے اور اس کی یہ شرط درست ہے کہ کارکن صرف اس موسم میں کاروبار کرے گا جس میں بیانہ زیادہ روئی ہوتی ہے یا یہ قید لگا دے کہ صرف موسم سرما یا موسم گرما میں تجارت کا کام کیا جائے۔ یا یہ سال بھر سے زیادہ عرصہ تک کاروبار جاری نہ رہے گا وغیرہ۔

۲۔ مالک مال کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ تجارت کیلئے کسی خاص مقام کی تعین کردے لہذا اگر وہ یہ کہے کہ کاروبار صرف پاکستان یا سعودی عرب یا ایسے ہی کسی اور شہر میں کیا جائے تو اسے اختیار حاصل ہے۔

۳۔ مالک مال کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ کارکن کو کسی خاص قسم کی چیز کی تجارت کا پابند کردے لہذا یہ شرط درست ہے کہ فلاں شخص کے علاوہ کسی اور کے ہاتھ مال فروخت نہ کیا جاوے یا فلاں کے سوا کسی اور سے نہ خرید ا جائے۔ تمام صورتوں میں کارکن کے لئے یہ درست نہیں کہ مالک مال کی عائد کردہ شرائط کی خلاف ورزی کرے اگر اس کے خلاف کیا تو اسے غاصب یعنی ناجائز قبضہ کرنے والا تصور کیا جائے گا اور اسی طرح اگر مضاربت کے سرمایہ سے کارکن نے کوئی مال خریدا تو یہ کاروا اس کے اپنے کھاتے سے تصور کیا جائے گا۔ اور اس پر مالکِ مال کو کوئی دخل نہیں ہوگا۔ لیکن اس کی ذمہ داری کارکن پر عائد ہوگی اور اس کام کے معاوضہ کا حقدار نہ ہوگا۔ البتہ اگر کسی شرط کے خلاف کیا اور اس کو درگزر کرنا ممکن ہو اور اس سے رجوع کر لیا تو معاملہ مضاربت بدستور قائم رہے گا۔ مثلاً اگر کارکن نے مال کی خریداری اس شہر کے علاوہ جس کی شرط مالکِ مال نے عائد کی ہے کسی اور جگہ سے کی لیکن اسے واپس کر دیا اور پھر وہیں سے خرید کر لیا جہاں کی شرط تھی تو معاملہ مضاربت بدستور قائم رہے گا۔

۴۔ مالک کو یہ حق نہیں ہے کہ کوئی ایسی شرط عائد کرے جو سود مند نہ ہو مثلاً یہ ممانعت کردے کہ کوئی مال نقد درہم لے کر فروخت نہ کیا جائے ایسی شرط پر عمل نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ اس میں منافع کا نقصان ہے جس میں کارکن کا بھی حصہ ہے البتہ اگر مال کی فروخت ادھار ضمانت پر ہو اور درہم سے زیادہ درہم ملیں تو مالک کو حق ہے کہ نقد فروخت سے روک دے کیونکہ اس میں فائدہ زیادہ ہے۔

اگر کاروبار کے لئے کوئی ایسی شرط عائد کردے جس میں تھوڑا سا فائدہ کا احتمال ہو مثلاً یہ کہا جائے

کہ لاہور کے انارکلی بازار یا لوہاری گیٹ میں کاروبار کیا جائے تو اس قسم کی پابندی پر عمل نہیں کیا جائے گا سوائے اس صورت کے کہ جب کہ کسی خاص جگہ کے سوا دوسری جگہ کاروبار کرنے کی ممانعت کردی ہو۔ مثلاً یہ کہہ دیا ہو کہ صرف بازار میں کاروبار کرنا کیونکہ مالک اپنے مال کا والی اور اس کی حالت کا نگراں ہوتا ہے لہذا اس کے متعلق جس بات سے منع کرے اس کے مطابق عمل کرنا لازمی ہے۔[۵۹]

الہدایہ میں ہے کارکن کو ہر ایسا کام کرنے کا حق اور اختیار ہے کہ جو عام ہو اور لوگوں کے درمیان تجارتی معاملات میں معروف ہو کارکن کے لئے جائز ہے کہ وہ مضارب کے مال کو کسی کے پاس امانت رکھ دے اسے بوقت ضرورت خرید و فروخت کے معاملہ میں کسی کو وکیل بنانے کی بھی اجازت ہے رہن پر چیز رکھ دینا اور لینا۔ کرایہ پر لینا اور دینا ودیعت رکھنا یا بضاعت کے طور پر مال دے دینا اور مال مضاربت کے ساتھ سفر کرنا وغیرہ سبھی امور میں کارکن کو اختیار حاصل ہے کارکن صرف مضاربت کے معاہدہ ہی سے ان امور کا مختار اور مستحق نہیں البتہ اس کو یہ کہہ دیا جائے کہ اپنی رائے سے جو چاہو کام کرو تو اس وقت اس کو اس قسم کے جملہ امور کا اختیار حاصل ہو جاتا ہے۔[۶۰]

امور ثلاثہ میں مضارب مختار نہیں جب تک کہ رب المال ان امور کی صراحت نہ کردے

معاملہ مضاربت میں وہ مخصوص امور اور افعال جن کا مضارب مختار نہیں ہوتا نہ مطلق عقد مضاربت کی وجہ سے اور نہ رب المال کے صرف یہ کہہ دینے سے کہ تو اپنی رائے سے جو چاہے اس پر عمل کر جب تک رب المال ان امور کی صراحت نہ کردے۔ وہ امور تین ہیں ایک معاملہ استدانت دوسرا معاملہ سفاتج تیسرا معاملہ ہبہ یا صدقہ کرنا۔

۱: معاملہ استدانت اس قسم کے افعال میں سے ایک معاملہ استدانت کا ہے جس کی صورت یہ ہے کہ کارکن نے درم و دنانیر نقد کے بدلے کوئی چیز خریدی اور اس سے قبل وہ کل سرمایہ کے بدلے کچھ سامان بھی خرید چکا ہو۔ لہذا اسی قسم کی طرح جو معاملہ بھی اس کے مشابہ ہوگا تو کارکن کو اس قسم کے عمل کا اختیار نہیں ہے۔ جیسے مضارب اصل سرمایہ سے زائد رقم کی کوئی چیز خرید کرلے یعنی اصل سرمایہ ایک ہزار تھا اور کارکن نے ایک ہزار سے زائد کچھ سامان خرید لیا تو اس کا حکم یہ ہے کہ ایک ہزار کا حساب تو مضاربت کے مطابق ہوگا اور اس سے جتنا زائد ہے اسکا

حکم یہ ہے کہ ایک ہزار کا حساب تو مضاربت کے مطابق ہوگا اور اس سے جتنا زائد ہے اس کا ذمہ دار کارکن ہوگا۔ اس لئے کہ اس صورت میں مضاربت کے مال کی مقدار اس اصل سرمایہ سے بھی زیادہ ہوگئی ہے جس پر مضاربت کا معاملہ طے ہوا تھا لہٰذا اس زائد مال پر مال والا راضی نہ ہوگا۔ اور نہ ہی وہ زائد سامان کی خریداری کی وجہ سے اپنے حصے کو قرض میں مشغول کر دینے کو پسند کریگا جو کہ اس کی قیمت قرض ہوگئی ہے[۶۱] کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ جب یہ زائد سامان راس المال کے بدلے نہیں خریدا گیا بلکہ نقد درہم و دنانیر کے بدلے خریدا گیا ہے تو یقیناً یہ قرض مال والے ہی کے ذمہ ہوگا۔ جس پر مال والے کا راضی ہونا کوئی ضروری نہیں ہے۔ اور اگر مال والے نے کارکن کو استدانت کی اجازت دے دی تو پھر اس طرح سے خرید کردہ سامان دونوں کے درمیان آدھا آدھا مشترک ہوگا جیسا کہ شرکت وجوہ میں ہوتا ہے[۶۲] تو اس وقت مضاربت پیش ہوگی۔

۲: سفاتج

ان امور و افعال میں سے ایک معاملہ سفاتج ہے اس کا بھی کارکن مختار نہیں۔ سفاتج کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کو کوئی مال اس شہر میں دے دیا جس کا دوسرے شہر میں یہ مال موجود ہے اور اس کی رسید پر سامان کی وہ قسم دوسرے شہر میں لینا تاکہ راستے کے خطرے سے امن میں رہے یہ ایک قسم کا قرض ہے اس لئے کارکن کو ایسا کرنے کی اجازت نہیں ہے کیونکہ یہ بھی استدانت کی ایک قسم ہے اور سفاتج کا مطلب دراصل مال کو قرض دے دینا ہے اس لئے اس کا اختیار نہیں ہے۔

۳: ہبہ یا صدقہ کا اختیار

کارکن کو قرض دینے ہبہ کرنے یا صدقہ کرنے کا بھی اختیار نہیں کیونکہ یہ سخاوت اور نیکی میں شامل ہے[۶۳] اور ظاہر ہے کہ مال دینے والے کی طرف سے کارکن کو صرف ایسے تصرفات کی اجازت دی گئی ہے جو نفع حاصل کرنے کا ذریعہ ہوں نہ کہ نیکی اور صدقات و خیرات و احسان کی باتیں ہوں۔

ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی شرکت و مضاربت کے شرعی اصول میں لکھتے ہیں۔ مضاربت کی بحث میں علامہ کاسانی مصنف بدائع الصنائع نے یہ لکھا ہے کہ مضاربت میں کاروباری فریقوں کا وعدہ فروخت کرنے کا اختیار حاصل ہونے کی صورت میں امام ابو حنیفہؒ کی رائے ایک ہے اور امام محمدؒ کی رائے دوسری ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ اختیار از روئے معاہدہ خود بخود حاصل ہو جاتا ہے۔

اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بغیر اجازت کے نہیں حاصل ہو سکتا۔ فقہ حنفی میں جو رائے اختیار کی گئی ہے وہ امام ابو حنیفہ کی رائے ہے۔ ادھار خرید نے کے اختیار میں حنفی فقہا کا مسلک یہ ہے کہ یہ اختیار صاحب سرمایہ کی صریح اجازت کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا کیونکہ مال ادھار خریدنا قرض لینے کے مترادف ہے اگر کاروباری فریق صاحب سرمایہ کی اجازت کے بغیر ایسا کریگا تو یہ اقدام اسکی جانب سے اس کی ذاتی حیثیت میں سمجھا جائیگا۔ کاروبار مضاربت سے اس کا تعلق نہ ہوگا۔

علامہ کاسانی لکھتے ہیں قرض لینے کی صورت یہ ہے کہ کاروباری فریق کچھ سامانِ تجارت اس طور پر خریدے کہ اس کی قیمت قرض رہے اور اس کے پاس قیمت کی جنس کا مال موجود نہ ہو..... کاروبار مضاربت کی جانب سے ایسا کرنا جائز نہیں۔۔۔ جب کہ کاروباری فریق مضاربت کے سرمایہ پر قبضہ حاصل کرے تو اسے اس کا اختیار نہیں کہ جو سرمایہ اس کے ہاتھ میں ہے اس سے زیادہ دام کا سامان خرید سے کیوں کہ یہ زیادہ قرض ہوگا۔ اور اس کے پاس مضاربت کے سرمایہ میں سے اس قرض کی ادائیگی کے لئے کچھ نہیں ہے۔ اگر اس نے کچھ سامان دو ہزار درہم پر خریدا اور مضاربت کا اصل سرمایہ صرف ایک ہزار ہے تو خرید سے ہوئے سامان میں سے ایک ہزار کا مال تو کاروبار مضاربت کیلئے ہوگا اور باقی مال کاروباری فریق کا اپنی ذاتی حیثیت میں ہوگا۔ اس کا نفع اسی کو ملے گا اور خسارہ ہوا تو یہ خسارہ بھی اسی کو برداشت کرنا ہوگا۔ یہ زائد قیمت اس کے ذمہ قرض رہے گی جسے وہ اپنے ذاتی سرمایہ میں سے ادا کرنے کا ذمہ دار ہوگا اگر دوسرے شرکا، مضاربت میں سرمایہ فراہم کرنے والے اجازت دے دیں تو کسی مقدار میں بھی ادھار مال خریدا جا سکتا ہے۔ شرکت میں اس مال کی نوعیت مشترکہ مال کی اور اس کی قیمت کی نوعیت مشترکہ ذمہ داری پر لئے ہوئے قرض کی ہوگی مضاربت میں حنفی فقہاء کے نزدیک اس مال کی نوعیت صاحب سرمایہ اور کاروباری فریق کے مشترکہ مال کی اور اس کی قیمت کی نوعیت مشترکہ ذمہ داری پر لئے ہوئے قرض کی ہوگی۔ اس مال کو صاحب سرمایہ کا مال اور اس قیمت کو صرف صاحب سرمایہ کے ذمہ قرض کی حیثیت نہیں دی جا سکتی۔ اس کا سبب وہ یہ بتاتے ہیں کہ مضاربت کا معاہدہ قرض سرمایہ کی بنیاد پر نہیں کیا جا سکتا قرض سرمایہ کی بنیاد پر کاروبار کی جائز شکل شرکت وجوہ کی شکل ہے۔ دو افراد کسی سرمایہ کے بغیر صرف اپنی کاروباری ساکھ کی بنیاد پر ایک دوسرے کی شرکت میں کاروبار کا معاہدہ کرتے ہیں تو یہ معاہدہ شرکت وجوہ قرار پاتا ہے۔ یہ لوگ ادھار مال خریدتے ہیں اور اس کی فروخت کے ذریعہ نفع کماتے ہیں ۔

مضارب کا دوسرے شخص کو مضارب بنانے کا حکم

مضارب نے رب المال کی اجازت کے بغیر کسی دوسرے شخص کو مضاربت پر مال دے دیا تو مضارب اول پر صرف مال دینے سے ضمان عائد نہ ہوگا جب تک کہ مضارب ثانی عمل تجارت نہ کرے خواہ مضارب ثانی کو نفع حاصل ہو یا نہ ہو۔ مندرجہ بالا مسئلہ کی حقیقت صاحبین کے مطابق ہے اور اسی پر فتویٰ ہے اگرچہ اس مذکورہ مسئلہ پر اختلاف پایا جاتا ہے تاہم جمہور فقہا اسی پر متفق ہیں۔ امام اعظم صاحب سے امام حسنؒ کی روایت ہے کہ جب تک مضارب ثانی کو نفع حاصل نہ ہو اس وقت تک مضارب اول پر ضمان نہ آئیگا امام زفرؒ کے نزدیک صرف مال دینے ہی سے ضمان لازم ہو جائے گا۔ خواہ مضارب ثانی عمل کرے یا نہ کرے۔ ائمہ ثلاثہ بھی اسی کے قائل ہیں۔ کیونکہ مضارب کو بطریق ودیعت مال دینے کا حق ہے نہ کہ بطریق مضاربت جیسا کہ ابتدا میں گزر چکا ہے۔

صاحبین یہ فرماتے ہیں کہ مضارب کا مال دینا درحقیقت ایداع ہے۔ مضاربت کے لئے تو وہ اس وقت ہوگا جب مضارب ثانی کی طرف سے عمل پایا جائے گا۔

امام صاحبؒ یہ فرماتے ہیں کہ دفع مال قبل از عمل ایداع ہے اور بعد از عمل ابضاع ہے اور مضارب کے لئے دونوں طرح دینے کا حق ہے پس نہ ایداع سے ضامن ہوگا۔ کیونکہ اب مال میں مضارب ثانی کی شرکت ثابت ہو گئی۔

مذاہب فقہ میں ہے احناف کہتے ہیں کہ اگر کارکن نے کسی اور شخص سے معاملہ مضاربت کیا تو دیکھنا چاہیے کہ آیا اس نے یہ مالک مال کی اجازت سے کیا ہے یا نہیں۔ اگر اس کی اجازت سے نہیں کیا تو معاملہ مضاربت فاسد ہو جائیگا۔ لیکن کارکن اس مال کا ذمہ دار نہیں ہوگا۔ بجز اس صورت کے جب کہ مضارب نے اس سے کاروبار کیا ہے چنانچہ اگر خالد نے وہ رقم جو رب المال نے دی ہے دوسرے شخص کو دی ہے کہ وہ شخص اس کو بطور مضاربت کاروبار میں لگائے اور وہ رقم کام میں لائی جانے سے پہلے تلف ہو گئی تو خالد اس کا ذمہ دار نہ ہوگا کیونکہ اس صورت میں وہ مال جو دوسرے کو دیا گیا ہے اس کی حیثیت سپردگی میں دیئے ہوئے مال کی ہے۔ اور کارکن کو یہ

حق ہوتا ہے کہ وہ مضاربت کی رقم کسی اُمے کے سپردگی میں دے دے اور اس کے تلف ہونیکا ذمہ دار نہیں ہوتا۔ لیکن ہاگر اس مال کو دوسرے شخص نے کاروبار میں لگا لیا تو اب وہ شخص سچے معنوں میں محض مال کا تحویل دار نہیں بلکہ مضارب ہوگیا اور کسی کارکن کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ مالک مال کی اجازت کے بغیر اس رقم سے کوئی اور معاملہ مضاربت کرے۔ ۶۵

مضارب کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ مالک مال کی اجازت کے بغیر کسی شخص کو مال مضاربت پردے دے تو اسے واضح الفاظ میں اجازت دیدے یا اسے اختیار دیدے کہ اپنی رائے یا سمجھ بوجھ کے مطابق کاروبار کرو۔ ۶۶ اگر کسی شخص نے جو کہ خود مضارب اور کارکن ہے۔ اس نے مضاربت کا مال کسی دوسرے شخص کو بطور مضاربت دیدیا حالانکہ مالک مال نے کارکن کو اس کی اجازت نہیں دی تھی تو اس صورت میں مضاربت کا مال دوسرے کارکن کو دیدینے سے یا دوسرے کارکن کے کاروبار اور کام کرنے کی وجہ سے کارکن اول اس وقت تک مال کا ضامن نہیں ہوگا جب تک کہ دوسرے کارکن کو نفع حاصل نہ ہوجائے اور جب نفع حاصل ہوجائے تو پھر کارکن اول مالکِ مال کے سرمایہ کا ضامن نہ ہوگا۔ یہ روایت حسن بن زیادؒ کی ہے جسے وہ امام ابوحنیفہؒ سے نقل کرتے ہیں لیکن امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ جس وقت دوسرا کارکن کام شروع کر دیگا خواہ اسے نفع حاصل ہو یا نہ ہو کارکن اول پر اس وقت ضمان لازم آئے گا۔ یہ ظاہر روایت ہے جسے فقہاء احناف بیان کرتے ہیں اور اس پر فتویٰ ہے۔ امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ کارکن اول دوسرے کارکن کو محض مال مضاربت پر دیدینے سے ضامن ہوجائیگا خواہ دوسرا کارکن کچھ کاروبار کرے یا نہ کرے ۶۷ ایک روایت امام ابویوسفؒ سے بیان کی جاتی ہے کہ پہلے کارکن کو مضاربت کا مال کسی کو دینے کا جو اصل حق اور اختیار حاصل ہے وہ صرف امانت کے طور پر کسی کے پاس رکھنے کا ہے۔ مضاربت پر آگے دینے کا حق حاصل نہیں ہے لہٰذا مالکِ مال کی اجازت سے اور مرضی کے بغیر کسی دوسرے کو بطور مضاربت دینے پر ہی پہلے کارکن پر مال کی ضمانت لازم آئے گی ۶۸

صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ محض مال مضاربت کسی کو دے دینا ایسا ہے جیسے کسی دوسرے کے پاس امانت رکھ دینا ہے اور بطور مضاربت مال سپرد کر دینا اس وقت معلوم ہوگا

ہو ثابت ہوگا جبکہ اس میں کاروبار بھی کرلیا جائے اس لئے کاروبار اور عمل کرنے سے قبل مال کو بطور امانت ہی تصور کیا جائیگا۔ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ کسی کو مضاربت کا مال دیدیا تو کارو بار سے قبل اس کی حیثیت امانت کی ہے اور کاروبار کے بعد وہ مال بطور بضاعت ہوجائیگا یعنی اس کی صورت یہ ہوگی کہ کچھ سامان کوئی نفع بخش معاملہ یا کاروبار کرنے کے لئے کسی دوسرے شخص کو اس طرح دیدینا کہ نفع میں اس کی شرکت طے نہ کی جائے لہٰذا یہ دونوں باتیں ایسی ہیں کہ جنکا کارکن کو اختیار حاصل ہے اس لئے محض ان دو چیزوں کی وجہ سے تو پہلا کارکن ضامن نہیں ہوگا البتہ جب دوسرے کارکن نے اپنے کاروبار کے ذریعے اس مال میں کچھ نفع بھی حاصل کرلیا ہے تو اس مال میں دوسرے کارکن کی شرکت ظاہر اور ثابت ہوگئی تو پھر وہ ضامن ہوگا۔[۶۹]

بقیہ رشحات

کر بھی رہے ہیں مگر ہمارے رہنماؤں کو یہ بات بھی کھل کر کہنی چاہئے کہ کشمیر کو ملک کا اٹوٹ حصہ کہتے ہوئے اسے بوسنیا کیوں بنادیا گیا ہے جبکہ خود اختیاری کی تحریک ملک کے اور حصوں میں بھی چل رہی ہے اور کشمیر کی حیثیت تو دفعہ ۳۷۰ کے تحت دوسرے حصوں سے مختلف بھی ہے۔ پھر دوسری جگہوں پر یہ تحریک چلانے والوں بلکہ علیحدگی پسندی اختیار کرنے والوں کے خلاف یہ تشدد نہیں ہورہا ہے مگر کشمیر میں چونکہ یہ تحریک مسلمان چلا رہے ہیں اس لئے انکی جان ومال وعزت وآبرو سب کو مباح کردیا گیا ہے جو ایک کھلا ہوا ظلم ہی نہیں بلکہ جانبدارانہ ظلم ہے۔ ہماری مرکزی حکومت چالیس برس سے دفعہ ۳۷۰ کو پامال کرکے انکا سیاسی استحصال کرتی اور ان کو نظرانداز کرتی رہی ہے اور کشمیری عوام تمام مظالم کو برداشت کرتے رہے مگر ظاہر ہے کہ ظلم جب حد سے بڑھ جاتا ہے تو "تنگ آمد بجنگ آمد" کی صورت پیدا ہوجاتی ہے اس لئے ہماری حکومت کو اپنی چالیس سالہ غلطی کا اعتراف کرکے اس کی تلافی کی کوشش کرنی چاہئے ورنہ ظلم وبربریت سے ان کے جذبات دبانے کی کوشش کامیاب نہیں ہوسکے گی۔

حوالہ جات

۳۵:۔ امام راغب اصفہانی، مفردات القرآن باب ص۔ س۔ ب۔

۳۶:۔ شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۱۱۶ طبع مصر ۱۳۵۲ھ

۳۷: عین الہدایہ شرح الہدایہ ج ۳، ص ۵۵۶

۳۸:۔ ادارہ تحقیقات جامع اسلامیہ: تراجم مصادر قانون اسلامی۔ ج ۴، ص ۲۰۴

مکتبہ جامع اسلامیہ اسلام آباد۔

۳۹:۔ تراجم مصادر قانون اسلامی۔ ج ۴، ص ۲۰۶۔

۴۰:۔ امام مالک، موطا امام مالک کتاب القراض۔ ص ۵۰۹۔ مکتبہ اسلامی اکیڈمی لاہور ۱۳۸۵ھ

۴۱:۔ علی الخفیف: الشرکات فی الفقہ الاسلامی۔ ص ۶۵ ۱۹۶۲ء طبع دار نشر للجامعات المصریۃ قاہرہ

۴۲:۔ المبسوط للسرخسی: ج ۲۲، ص ۳۰۔۳۱: یحیٰ بن شرف النووی منہاج الطالبین وعمدۃ المفتین

۱۳۳۲ھ ص ۶۵۔ م۔ دار احیاء الکتب العربیۃ القاہرہ

۴۳:۔ السلطان ابی المظفر محی الدین محمد اورنگ زیب: فتاویٰ ہندیہ۔ ج ۴، ص ۲۸۸

مکتبہ نورانی کتب خانہ پشاور۔

۴۴:۔ الہدایہ کتاب المضاربت۔ ج ۳، ص ۲۷۵۔

۴۵:۔ فتاویٰ ہندیہ۔ ج ۴، ص ۲۸۸

۴۶:۔ فتاویٰ ہندیہ۔ ج ۴، ص ۲۸۸

۴۷:۔ بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد۔ ج ۲، کتاب القراض ص

۴۸:۔ کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ۔ ج ۳، مباحث شرکت:

حنفی مسلک ص ۱۰۴۔ مالکی مسلک ص ۱۱۰

شافعی مسلک ص ۱۱۲۔ حنبلی مسلک ص ۱۱۳

مباحث مضاربت: حنفی مسلک ص ۴۶، مالکی مسلک ص ۵۰۔ شافعی مسلک ص ۵۵

حنبلی مسلک ص ۵۹۔

۴۹:۔ بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ج ۶، ص ۵۹

۵۰:۔ بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ج ۶، ص ۸۵

۵۱:۔ احمد الدردیر۔ الشرح الصغیر۔ ج ۲، ص ۲۷ ۳۲ کتب خانہ مصطفیٰ البابی مصر ۱۳۴۰ھ

۵۲:۔ نووی۔ منہاج الطالبین ص ۶۴، ۶۵ (تلخیص)

۵۳:۔ نووی۔ منہاج الطالبین " " "

۵۴:۔ ابن قدامہ المقدسی۔ الشرح الکبیر علی المقنع۔ ج ۵، ص ۱۱۶

۵۵:۔ الشرح الصغیر۔ ج ۲، ص ۱۵۷

۵۶:۔ ابو حامد غزالی۔ کتاب الوجیز مذاہب الامام شافعی۔ ج ۱، ص ۱۸۷، مکتبہ الاداب والمویدقاہرہ ۱۳۱۳ھ

۵۷:۔ تراجم مصادر قانون اسلامی۔ ج ۴، ص ۲۸۴

۵۸:۔ فتاویٰ ہندیہ۔ ج ۴، ص ۲۸۷، ۲۸۸

۵۹:۔ تراجم مصادر قانون اسلامی۔ ج ۴، ص ۲۷۲ تا ۲۷۲ (تلخیص)

۶۰:۔ عین الہدایہ شرح الہدایہ۔ ج ۳، ص ۵۵۸، ۵۵۹ (تلخیص)

۶۱:۔ عین الہدایہ شرح الہدایہ۔ ج ۳، ص ۵۷۶۔ وفتاویٰ عالمگیری اردو۔ ج ۴، ص ۲۹۴

۶۲:۔ الہدایہ وعین الہدایہ۔ ج ۳، ص ۵۷۶ فصل فیما یفعلہ المضارب

۶۳:۔ الہدایہ وعین الہدایہ۔ ج ۳، ص ۵۷۶

۶۴:۔ ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی۔ شرکت ومضاربت کے شرعی اصول۔ ص ۱۰۲ تا ۱۰۴ (تلخیص)

۶۵:۔ ابن عابدین۔ رد المحتار علی الدر المختار ج ۵، ص ۵۰۹ المطبع مصطفیٰ البابی الحلبی مصر۔

۶۶:۔ رد المحتار علی الدر المختار۔ ج ۴، ص ۵۰۹

۶۷:۔ الہدایہ وعین الہدایہ باب المضارب یضارب۔ ج ۳، ص ۵۷۶

۶۸:۔ عبداللہ بن شیخ محمد سلیمان: مجمع الانہر فی شرح الملتقی الابحر۔ ج ۲، ص ۳۲۸

۶۹:۔ عبداللہ بن محمد بن سلیمان " " "

مکتبہ داراحیاء التراث، بیروت، لبنان ۱۳۱۹ھ

موجودہ بنکنگ اور اسلامی بنک کاری

ڈاکٹر محمود الحسن عارف صاحب لاہور

۲۔ رہا یہ سوال کہ حکومت اصل زر، نفع کی ایک خاص مقدار، یا نقصان کے واقع نہ ہونے کی ضمانت دے تو یہ سارے معاملے کو ربائی رنگ دے گا، جس میں کہ ہم آج کل مبتلا ہیں۔

۳۔ تاریخ اسلام میں ایسے نقصانات کی تلافی کا ایک انتظام ملتا ہے اور اگر ضروری ہو تو اس انتظام کو دوبارہ رائج کیا جاسکتا ہے۔ اس کی اجمالی شکل یہ ہے کہ جس شخص کو اپنے نقصان کی تلافی مقصود ہو، وہ بیت المال کو اس کی درخواست دے اور اس درخواست میں اپنے تمام مالی کوائف اور مدد کے استحقاق کی وجوہ تفصیل سے بیان کرے۔ پھر بیت المال اپنے وسائل کی حد تک (نہ کہ پورے نقصان کی حد تک) اس کی اعانت کر دے، لیکن یہ اعانت ہر معاملے میں اس کا استحقاق ثابت ہونے کے بعد ہی کی جاسکے گی۔ اس میں کوئی بالمقطع قسم کی ضمانت نہیں دی جاسکتی۔

۴۔ ہاں اگر کوئی شخص اپنے سرمائے کے تحفظ کیلئے اسلامی اصولوں پر استوار ایک باہمی انشورنس کمپنی (Mutual insurance Company) میں اپنے سرمائے کا بیمہ کرا لیتا ہے تو یہ ایک جائز صورت میں اس شخص کو بیمہ کمپنی کو ایک پریمیم الگ سے دینا ہوگا۔ یہ ضمانت بینک کی طرف سے نہ ہوگی، البتہ بینک اسکا واسطہ بن سکتا ہے کہ ایسے تمام کھاتہ داروں کا پریمیم ایک گروپ کی شکل میں کمپنی کو ادا کر دے۔ نقصان کی صورت میں صرف نقصان کی حد تک کمپنی وہ نقصان پورا کرے گی، اور اگر اصل زر محفوظ رہے تو کمپنی کے ذمے کوئی حق کسی فرد کا ثابت نہیں ہوگا۔

قرضوں کا نیلام: بعض ماہرین کا خیال ہے کہ بینک لمبے عرصے کیلئے پیداواری قرضوں پر مقررہ شرح سے سود لینے کے بجائے اپنے قرضوں کا نیلام کریں۔ اس کی فرضی مثال یہ ہے کہ بینک "الف" کے پاس دس کروڑ روپیہ لمبی مدت کیلئے قرض دینے کو دستیاب ہے۔ بینک مدت

اور رقم کے لحاظ سے اسے مختلف اجزا میں تقسیم کر دیتا ہے۔

پچاس لاکھ روپیہ ۳ سال کیلئے
پچاس لاکھ روپیہ ۷ سال کیلئے
ایک کروڑ روپیہ ۵ سال کے لئے

بینک کے وسائل سرمایہ: جس سے وہ بینک اپنے کاروبار کے لئے مندرجہ ذیل ذرائع سے سرمایہ فراہم کرے گا

(۱) شرکائے بینک کا اپنا سرمایہ: جس سے وہ بینک کا آغاز کریں گے،

(۲) مضاربت کے کھاتے: بینک کا دوسرا اہم ذریعہ مضاربت کے کھاتہ داروں کا سرمایہ ہوگا۔ کھاتے مضاربت کے اصول پر کھولے جائیں گے۔ ان کی کم سے کم مدت تین ماہ چھ ماہ رکھی جائے گی۔ مدت معاہدہ ختم ہونے سے قبل رقم بینک سے واپس نہیں لی جا سکے گی۔ کھاتہ دار اور بینک کی حیثیت مضاربت اور رب المال کی ہوگی۔ بینک اپنے تمام منافع میں سے مضارب کھاتہ داروں کے کل سرمائے پر منافع کا حساب لگائے گا اور ان میں ہر کھاتہ دار اس کو کے سرمائے کے تناسب سے شریک کریگا، لیکن بینک کو نقصان کی صورت میں یہ نقصان کھاتہ داروں کا ہوگا، جو ان کے سرمائے کے تناسب سے وضع کیا جائے گا۔

(۳) بچت کھاتے: بینک کا تیسرا اہم ذریعہ بچت کھاتوں میں رکھی ہوئی رقوم ہوں گی یہ بچت کھاتے ان لوگوں کے ہوں گے جو بینک سے مضاربت کر کے کسی قسم کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتے اور ہر وقت اپنے پیسے کو نکلوانے کی آزادی برقرار رکھنا چاہتے ہیں ایسے لوگوں کا پیسہ بینک کے پاس قرض حسنہ کے طور پر ہوگا۔ بینک ان کے سرمائے کا ایک حصہ مزید قرض حسنہ کیلئے رکھ کر باقی کو نفع بخش کاموں میں لگانے کا مجاز ہوگا۔ بینک کو ایسے کھاتوں پر کسی قسم کی اجرت یا محنتانہ وصول کرنے کا حق نہیں ہوگا کیونکہ وہ ان رقوم کے ایک حصے کو نفع بخش کاموں میں لگا رہا ہوگا۔

(۴) تخلیق زر: بینک اپنی ساکھ کے اعتبار پر تخلیق زر کا رائج الوقت عمل بھی کریگا۔ موجودہ دور کے بینک اعتبار کی بنا پر اپنے نقد اثاثوں سے کئی گنا زیادہ رقوم بطور قرض دے دیتے ہیں۔ اصل میں تخلیق زر کا یہ عمل سود کا مرہون منت نہیں بلکہ اس کی اصل لوگوں کی یہ عادت ہے کہ وہ سب کے سب اپنا

سارا عدیبیک مشت نہیں نکلواتے اور ان کا یہ یقین ہے بینک کے پاس ان کا پیسہ محفوظ ہے اور وہ اسے ہر وقت لے سکتے ہیں۔ یہ اعتبار بینکاری کی جان ہے۔ اس کے بغیر موجودہ سودی ربائی بینک بھی نہیں چل سکتے۔ غیر ربائی بینک کے لئے بھی ایسا اعتبار قائم لازم ہوگا۔ لہٰذا غیر ربائی بینک بھی تخلیق زر کا عمل جاری کر سکے گا اور اس سے اپنے وسائل میں اضافہ کر سکے گا۔[1]

---

[1] استدراک: ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی کی مذکورہ رائے، محل نظر ہے۔ اس لئے کہ شرعی نقطہ نگاہ سے، زیر نظر صورت میں بینک کی حیثیت محض ایک "امانت دار" (مودع الیہ) کی ہوگی۔ اسلئے کہ یہ لوگ (۱) نہ تو بینک کیلئے "رب المال" ہیں اور (ب) نہ ہی اس کے ذریعے سرمایہ کاری کرنے والے۔ یہ لوگ تو بینک کے ذریعے محض اپنی رقوم کی حفاظت چاہتے ہیں۔ اس لئے جب تک ان کے سرمائے سے مذکورہ بالا کاروبار کرنے، یا ان کی رقوم کو، قرض حسنہ پر دینے کی اجازت نہ لے لی جائے، اس وقت تک بینک کے لئے اس تصرف کی شرعاً اجازت نہیں ہے، جیسا کہ فقہ کی کتابوں میں کتاب الودیعہ کے تحت ایسی ہی تصریحات ملتی ہیں۔ لہٰذا اس صورت میں بینک کے سامنے دو راستے ہوں گے۔

(۱) یا تو وہ اپنی ذمہ داری پر کھاتہ داروں سے ان کی رقوم منفعت بخش کاروبار میں لگانے کی اجازت لے؛ تو ایسی صورت میں ان کے سرمائے سے کاروبار کر سکتا ہے، لیکن عند الطلب یا میعاد گزرنے پر ان کا سرمایہ واپس کرنا بینک کی ذمہ داری ہوگی۔ اس صورت میں بینک کی حقیقت ایک "قرض خواہ" کی اور "کھاتہ دار کی حقیقت "مقروض" (قرض دہندہ) کی ہوگی۔

(ب) اور اگر کوئی کھاتہ دار اپنا سرمایہ بینک کی ذمہ داری پر نہیں دیتا، بلکہ بینک کے پاس امانت رکھتا ہے۔ تو ایسی صورت میں بینک اس کے کھاتے میں کوئی تصرف نہیں کر سکتا۔ اور ایسے کھاتہ داروں سے ان کی رقوم کی حفاظت و صیانت کے عوض "حفاظتی رقم" لینے کا مجاز ہوگا۔ اور نقصان کی صورت میں ذمہ داری خود کھاتہ دار کی ہوگی، بینک کی نہیں۔ ایسے کھاتہ دار کی رقم بینک اپنے استعمال میں نہیں لا سکتا۔

کھاتہ دار سے اگر حفاظت کے لئے کچھ معاوضہ وصول کیا جائے تو اس سے اسکو مضاربت یا شراکت کے کھاتوں میں رقوم جمع کرانے کی ترغیب ملے گی۔

۴- مرکزی بینک: اسلامی ریاست میں تجارتی بینکوں کے ساتھ مرکزی بینک کا قیام بھی لازم ہوگا۔ بلکہ صحیح بات تو یہ ہے کہ مرکزی بینک کے کنٹرول اور رہنمائی کے بغیر تجارتی بینک کا کامیابی سے چلنا ناممکن ہے۔ اسلامی ریاست کا مرکزی بینک قریب قریب وہ تمام وظائف انجام دے گا جو کہ موجودہ دور کے مرکزی بینک انجام دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر یہ معیشت میں قانون زر کی تخلیق کا واحد اجارہ دار ہوگا، یہ بینکوں کا بینک ہوگا، جس میں تمام بینک اپنے کھاتے کھولیں گے۔ یہ بینکوں کی آپس کی حسب فہمی کیلئے "کلیرنگ ہاؤس" (Clearing House) کا کام دیگا بینکوں کے لیے "آخری دائن" کے فرائض انجام دیگا، یہ ریاست کے ترقیاتی کاموں کے لیے سرمائے کی فراہمی کا اہم ذریعہ ہوگا اور معیشت میں زر اور اعتبار کی رسد کو کنٹرول کریگا۔ ان میں سے تقریباً تمام وظائف ایسے ہیں جو موجودہ دور میں صرف ربا کی شرح کو گھٹانا بڑھانا کے عمل میں آتے ہیں۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ غیر ربائی مرکزی بینک اس اہم فریضے سے کیسے عہدہ برآ ہوگا؟ ذیل میں ہم ان اقدامات کا ذکر کرتے ہیں جن کے ذریعے غیر ربائی مرکزی بینک معیشت میں زر اور اعتبار کی رسد کو مطلوبہ پیمانے پر رکھ سکتا ہے:

۱- شرکت یا مضاربت حصص کی خرید و فروخت؛

۲- بینکوں کے نقد سرمائے کی شرح میں تبدیلی؛

۳- بینکوں کے مرکزی بینک میں محفوظ سرمائے کی شرح میں تبدیلی؛

۴- بچت کھاتوں میں نقد قرض حسنہ کیلئے سرمائے اور مضاربت کے لئے سرمائے کیلئے تناسب رد و بدل؛

۵- مرکزی بینک کی طرف سے تجارتی بینکوں کو ان کے قرض حسنہ کی بنیاد پر مزید قرض حسنہ دینے کی شرح میں تبدیلی؛

۶- آخری دائن کی حیثیت سے تجارتی بینکوں کو قرض کی سہولتوں میں کمی بیشی؛

۷- مضاربت کھاتہ دار اور تجارتی بینک کے درمیان شرح مضاربت میں تبدیلی؛

۸- تجارتی بینک اور کاروباری حضرات کے درمیان شرح مضاربت میں تبدیلی؛

۹- اخلاقی ترغیب؛

۱۰۔ راست اقدام؛

غیر ربائی بینک کاری کے چند اہم مسائل: غیر ربائی بینکاری کا جو اجمالی خاکہ اوپر پیش کیا گیا ہے اس پر بہت سے سوالات وارد کئے جا سکتے ہیں۔ ذیل میں ہم ان سوالات پر بحث کرینگے اور کچھ تجاویز پیش کرینگے، جن پر مزید گفت وشنید کی ضرورت ہے۔

۱۔ موجودہ معیار دیانت اور نفع ونقصان کی تقسیم: غیر ربائی بینکاری پر سب سے بڑا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ یہ موجودہ معیار دیانت کے ساتھ اگر کوئی بینک لوگوں سے شرکت ومضاربت کی بنا پر یا لی بینک لوگوں سے شرکت ومضاربت کی بنا پر مالی لین دین کرے گا تو ایسے لوگوں کی تعداد بہت کم ہوگی جو دیانتداری سے اپنے حسابات کا انکشاف کریں گے اور زیادہ لوگوں کی خواہش ہوگی کہ وہ اپنے اصل منافع کو چھپالیں۔

اس میں شک نہیں کہ یہ اعتراض عملی دنیا کے مشاہدے پر مبنی ہے اور اگر کوئی ایسا انتظام نہ کیا جائے جو لوگوں کو دیانت پر پابند کرے تو بینک کی کارکردگی خطرناک حد تک متاثر ہو سکتی ہے اس کا اصل حل تو لمبے عرصے کی منصوبہ بندی کے ذریعے لوگوں کی ذہنی تربیت اور ایمانی حالت کا ارتقاء ہے، لیکن اس نصب العین کے حصول تک کے درمیانی عرصے کے لئے مندرجہ ذیل تجویز پر غور کیا جا سکتا ہے۔

حکومت تمام تجارتی شعبوں کے لئے ایسے معاشرتی مطالعے اور تجزیے کا مستقل بندوبست کرے جو کہ مارکیٹ کے اتار چڑھاؤ بین الاقوامی تجارت، ملکی پیداوار، مزدوروں کی کارکردگی اور لاگت پیدائش جیسے عوامل وعناصر کو پیش نظر رکھ کر تمام کاروباروں کے متعلق رپورٹیں شائع کرنے کا ایک سلسلہ شروع کرے۔ یہ رپورٹیں ہفتہ وار، پندرہ روزہ یا ماہوار ہونی چاہئیں، اور انکے ذریعے کاروبار کے اوسط منافع کی شرح کا معیار مقرر کر دیا جائے جو ہر اعتبار سے ایک معتدل معیار ہو تا ہے، یعنی یہ نہ تو ایک بہت زیادہ مستعد تاجر کا معیار ہو اور نہ ایک تن آسان اور بگڑے ہوئے تاجر کا۔ اس شرح کو متعین کرتے وقت حکومت کم سے کم معیار نگرانی (minimum vigilance) کے اصول بھی کام کرے، یعنی ہر کاروباری کیلئے لازم ہو کہ وہ بینک کے سرمایے پر کم سے کم معیار کے مطابق نگرانی کرے اور اسے ضائع نہ کرے۔ یہ کم سے کم معیار کھلے طور پر شائع کیا جا سکتا ہے، جس میں ہر تاجر

کیلئے مختلف مواقع میں جتنا کم سے کم کاروباری صلاحیت کی ضرورت ہے، اسے بیان کیا جاسکتا ہے۔
بینک کے سرمائے کی واپسی کے وقت جو آجر اس اوسط منافع کی شرح سے کم شرح کا اعلان کرے اس کے حسابات کی تفصیلی چھان بین بینک کا فنی عملہ کرے۔ اگر پڑتال کے دوران پتا چلے کہ آجر نے بینک کے سرمائے پر کم سے کم نگرانی کا اصول استعمال نہیں کیا تو بینک اسکا اعلان کردہ منافع کو قبول کرنے سے انکار کرسکتا ہے۔ جھگڑے کی صورت میں ثالثی عدالتوں میں مقدمہ لے جایا جاسکتا ہے۔

اگر یہ ثابت ہو کہ منافع تو اصل میں اتنا ہی ہے جتنا کہ کاروباری ظاہر کر رہا ہے (یعنی وہ اخفا سے کام نہیں لے رہا ہے) تو بینک کیلئے اس کے سوا کوئی چارہ نہ ہوگا کہ وہ اس ظاہر کردہ نفع میں سے بھی اپنا حصہ قبول کرے، لیکن آئندہ کیلئے بینک ایسے کاروباری کو سرمایہ فراہم کرنے پر پابندی لگا سکتا ہے ایسے کاروباریوں کے نام بھی بینکوں کے گزٹ میں شائع کیے جاسکتے ہیں تاکہ دوسرے بینک ان سے ہوشیار رہیں۔

اسی طرح اگر کوئی کاروباری بینک کے سرمائے پر نقصان ظاہر کرے تو بھی بینک کو اختیار ہوگا کہ حسابات کی تفصیلی پڑتال کرلے۔ پڑتال کے دوران میں اگر کسی بددیانتی اخفا یا عدم خلوص کا ثبوت ملجائے تو بینک کو اختیار ہوگا کہ وہ کاروباری کے ظاہر کردہ حسابات کو ماننے سے انکار کردے۔ اس صورت میں سارا نقصان اس کاروباری کو برداشت کرنا پڑے گا۔

بددیانتی حسابات میں گڑبڑ مال کے ضیاع کی دانستہ کوشش وغیرہ اقدامات کو قانوناً سخت سزا کا مستوجب بھی قرار دیا جاسکتا ہے تاکہ لوگ ان کی طرف راغب نہ ہوں۔

یہ بات بھی اہم ہے کہ جن صورتوں میں کسی کاروباری کے حسابات کی پڑتال کی ضرورت آئیگی وہ حسابات اس کاروباری شخص کے اخراجات پر جانچے جائیں گے تاکہ بینک کے اخراجات بھی کم سے کم رہیں اور لوگ بھی اس پوچھ سے بچنے کیلئے حسابات میں گڑبڑ نہ کریں۔

۲ ۔ بچت کی رسد: غیر ربائی بینک پر یہ اعتراض بھی کیا جاسکتا ہے کہ ربو نہ ملنے کی صورت میں لوگ بینک میں اپنی بچتیں نہیں رکھا کریں گے کیونکہ اب ان کے لئے اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں رہے گا کہ وہ یا تو انہیں بچت کھاتے میں رکھیں اور کوئی ربو نہ کمائیں یا پھر مضاربت کی بنیاد

پر رکھیں اور نقصان کا خطرہ مول لیں اور ہر وقت رقم نکلوانے کی سہولت سے دستکش ہو جائیں۔ لہٰذا عام لوگ بینک میں اپنی بچتوں کو رکھنے سے احتراض نہ کریں گے۔

دراصل یہ خطرہ پے درپے غلطیوں کا نتیجہ ہے۔ اول تو یہ بات ہی طے نہیں کہ لوگ بچت ربو کمانے کیلئے کرتے ہیں۔ بچت کے بہت سے محرکات ہیں، جن میں سے ربو صرف ایک ہے، بلکہ خود مغربی معاشرے میں جمع کئے گئے اعداد و شمار کی روشنی میں پتہ چلتا ہے کہ شرح سود میں تبدیلی سے بچتوں کے معیار پر کوئی قابل لحاظ اثر نہیں پڑتا ہے[۵]

دوم اگر کسی معیشت میں ربو کے تمام راستے بند ہو جائیں تو اس جدید دور میں لوگ اپنی بچتوں کا کیا کریں گے؟ ان کے لئے تین ہی راستے کھلے ہیں: یا وہ کاروبار کرلیں، یا انہیں مضاربت یا شرکت کی بنیاد پر بینک کو دے دیں، یا پھر بینک میں امانت قرض حسنہ کے طور پر رکھ دیں۔ اس کے علاوہ کوئی اور صورت ممکن نہیں۔ ہم نہیں سمجھتے کہ اس دور میں کوئی شخص اپنی بچت کو گھر میں گڑھا کھود کر اس میں دبا دے گا، خاص طور پر ایک اسلامی معیشت میں، جہاں کاروبار کی بہت ترغیب ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو اپنا سرمایہ کاروبار میں لگانے کی طرف توجہ دلائی ہے۔

ہنڈیوں میں کٹوتی: واجب الوصول ہنڈیوں میں رائج الوقت کٹوتی صریحاً ربو ہے۔ ایک غیر ربائی بینک اس معاملے میں کیا رویہ اختیار کرے گا؟ کیا وہ ہنڈیوں کو بھنانے کا دستور ہی ختم نہ کر دیگا۔ یا ان کو پوری رقم پر (بغیر کٹوتی کے یا قرض حسنہ کے طور پر) بھنایا جا سکے گا؟ اگر یہ قرض حسنہ ہے تو کیا بینک ان تمام مطالبات سے عہدہ برآ ہو سکے گا جو اس سلسلے میں اس کے گاہکوں کی طرف سے اس پر کئے جائیں گے۔

اس کا ایک جواب تو وہی ہے جو اوپر بیان ہوا ہے۔ یعنی بینک اس کو ایک خدمت خلق سمجھ کر قرض حسنہ کے طور پر پوری رقم کے عوض بھنانے کا بندوبست کر دیگا، لیکن معاشی نقطۂ نظر سے یہ بات زیادہ دل کو نہیں لگتی، لہٰذا ایک دوسری تجویز یہ ہے کہ بینک واجب الوصول ہنڈیاں کو بھنانے کا انتظام کریں اور اس میں جو کٹوتی مقررہ شرح سے کی جائے وہ بینک کے لئے قرض

---

[۵] ملاحظہ ہو ریڈکلف کمیشن رپورٹ، نیو یارک ۱۹۶۴ء، تا ۲۱، ریڈکلف کمیٹی رپورٹ، مطبوعہ لندن ص ۵۶

حسنہ کے طور پر ہو اور بینک اسے اس تناسب سے استعمال کرے جس تناسب سے اس نے کسی گاہک کو ہنڈی کے ذریعہ[1] رقم دی ہے۔ مثال کے طور پر اگر کٹوتی کا نرخ دس فیصد ہے اور ایک ہنڈی برائے ۱۰۰۰ روپے تین ماہ کے بعد واجب الوصول ہے تو بینک آج ۹۰۰ روپے نقد ادا کرے" جو کہ گویا بینک کی طرف سے اس شخص کو تین ماہ کے لئے قرض حسنہ ہے اور اس کے ساتھ ہی اس حسن سلوک کے جواب میں وہ شخص بینک کو ۱۰۰۰ روپے ۲۷ ماہ ($\frac{900 \times 3}{100}$) تک کیلئے قرض حسنہ کے طور پر دے، جسے بینک یہ مدت گزرنے کے بعد شخص مذکور کو واپس کردے۔ قرض حسنہ کی یہ مدت کٹوتی کی شرح اور بل کی مدت کے حساب سے طے ہونی چاہئے یہ ایک باہمی احسان کا معاملہ ہے، جس میں شرعی اعتبار سے کوئی نقص معلوم نہیں ہوتا۔

● ۔ صارفین کے قرضے: مذکورہ بالا غیر ربائی بینک کی ضروریات کے قرضوں کا ذکر نہیں آیا سوال پیدا ہوتا ہے کہ صارفین کو ضرورت کے لئے قرض حسنہ دینے کا کیا طریقہ ہوگا؟ عام طور پر صارفین کی تعداد بہت زیادہ اور ان کے مطلوبہ قرض کی رقم بہت قلیل ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں انہیں یہ قرض روزمرہ ضروریات کے لئے درکار ہوتا ہے۔ لہٰذا ایک تجارتی بینک کو ان بے شمار چھوٹے چھوٹے گاہکوں سے قرض حسنہ کی بنیاد پر معاملہ کرنے میں بے حد دشواری لاحق ہوسکتی ہے اس سلسلے میں ایک تجویز یہ پیش کی گئی ہے کہ غیر ربائی صارفین کے سٹورز (STORES) ان کو قرض حسنہ دینے کا بندوبست کریں۔ یہ سٹور عام لوگوں کو قرض حسنہ دیں گے۔ بعض صورتوں میں تجارتی بینک ان سٹورز کے ساتھ مضاربت بھی کرسکتا ہے۔ اس کا انحصار اس مدت پر بھی ہے جس کیلئے کسی سٹور کو بینک سے روپیہ درکار ہو۔

● ۔ ضمانت برائے اصل نفع ونقصان: اس سلسلے میں حسب ذیل سوالات اٹھائے جاتے ہیں: (۱) کیا حکومت کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ یہ ضمانت دے کہ اگر غیر سودی بینک کو نقصان اٹھانا پڑے تو اس صورت میں بھی عند الطلب کھاتے داروں کا پورا سرمایہ محفوظ رہے گا (چاہے حکومت کو اپنے پاس سے ادا کرنا پڑے)۔

(۲) کیا بینک کو نقصان ہونے کی صورت میں حکومت ان کھاتے داروں کے نقصان کی تلافی کرے گی جنہوں نے اپنی رقوم بینک میں نفع ونقصان میں حصہ داری کے اصول پر رکھی تھیں۔

(۳) اگر یہ خاص شرح سے کم نفع ہو تو کیا حکومت اس کی کی (الف) ہر حال میں تلافی کرے گی، یا (ب) اس حال میں تلافی کرے گی جب یہ نقصان کسی اتفاقی یا قدرتی وجہ سے ہوا ہو یا (ج) اس حال میں تلافی کرے گی کہ اس کی وجہ یا تو حکومت کی پالیسی ہو یا غیر متوقع ملکی یا بین الاقوامی عوامل؟

اگر اس قسم کی ضمانتیں دی جا سکتی ہیں تو کیا یہ ضمانتیں حکومت کے بجائے بیمہ کمپنی بھی دے سکتی ہے؟

سوالات کے انداز سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اس مفروضے پر کئے گئے ہیں کہ شرکت و مضاربت کی شکل میں بینکاری پر لوگوں کا اعتماد قائم رکھنے کے لئے حکومت کسی طرح سے یہ ضمانت دیدے کہ ایسے نئے تجربے میں کسی نقصان کا احتمال نہیں۔ اس سلسلے میں حسب ذیل معروضات قابل توجہ ہیں:

ا۔ جہاں تک بینکاری کے لئے نئے نظام پر اعتماد قائم کرنے کا تعلق ہے اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا، بلکہ اگر یہ اعتماد نہ ہو تو بینکاری کا تجربہ سرے سے آزمایا ہی نہیں جا سکتا۔ اعتماد کی صرف یہی ایک صورت نہیں کہ حکومت اصل زر کے تحفظ یا نقصان نہ ہونے کی بدیہی ذمہ داری اپنے سر لے۔ آج کل کاغذ کے کرنسی نوٹ گردش میں ہیں۔ جب اوّل اوّل یہ گردش میں آئے تو انہیں سونے چاندی میں تبدیل کرایا جا سکتا تھا۔ آہستہ آہستہ حکومتوں نے یہ تبادلہ بالکل ختم کر دیا۔ اب محض رسم کے طور پر ہر نوٹ پر تبادلے کی ضمانت کے الفاظ لکھے ہوتے ہیں۔ اگرچہ یہ نوٹ سونے چاندی میں تبدیل نہیں کئے جا سکتے، تاہم نوٹ پر مرتسم الفاظ بہرحال ایک ضمانت فراہم کرتے ہیں۔ اسی طرح کی ضمانت کی ایک مثال زر کی تاریخ میں یہ واقعہ ہے کہ جب ہٹلر کے بعد جرمنی میں قیمتیں دس لاکھ گنا تک چڑھ گئیں تو لوگ بوریوں کی بوریوں مارک کی لیے پھرتے تھے، لیکن کوئی چیز نہ خرید سکتے تھے اس وقت کی حکومت نے تمام موجودہ کرنسی کو ختم کر دیا اور ایک نیا سکہ، جسکا نام رینٹن مارک (Rentenmark) تھا، جاری کیا اور اعلان کیا کہ اس سکے کے پیچھے پورے ملک کی زمین ضمانت ہے۔[1] ظاہر ہے کہ یہ ایک لفظی کھیل تھا، لیکن اس

---

[1] An outline of money : Crowther P.6

ضمانت سے لوگوں کا اعتماد نئی کرنسی پر قائم ہوگیا۔ لہٰذا غیر ربائی بینکاری میں بھی حکومت کو لازم ہوگا کہ وہ مجمل الفاظ میں تمام نظام کی کامیابی کی ضامن بنے، تمام ربائی کاروبار سختی سے بند کرے اور قانون کے پورے تحفظ کے ساتھ اس نظام کو رائج کرے۔ ان اقدامات سے لوگوں کا اعتماد قائم کیا جا سکتا ہے۔

پچیس پچیس لاکھ کے آٹھ اجزا دس دس سال کے لئے اور

دو کروڑ روپیہ چار سال کے لئے۔

بینک ٹنڈر طلب کرتا ہے کہ جو شخص مقررہ مدت گزارنے کے بعد سرمایہ اور سرمائے کا زیادہ سے زیادہ نفع فیصد دینے کی پیش کش کرے گا۔ اسے یہ رقم دے دی جائے گی۔

یہ معاملہ اول تا آخر ایک ربائی معاملہ ہے۔ عام ربائی معاملے اور اس میں صرف اتنا فرق ہے کہ یہاں ربٰو کی شرح مدیون مقرر کر رہا ہے۔

اس طرح کا کوئی اقدام صرف اسی صورت میں جائز ہو سکتا ہے کہ ٹنڈر میں مدیون اپنے نفع کا جو حصہ بینک کو دینے کا پابند ہو اس کا اظہار کرے، یعنی یہ اصل زر پر نہ ہو بلکہ متوقع نفع کا کوئی حصہ ہو۔ اس طرح کا کوئی ٹنڈر بینک کے لئے اسی صورت میں سود مند ہو سکتا ہے جب خود نفع کا کوئی یکساں تصور سب کے لئے استعمال کیا جا سکے، لہٰذا اگر بینک یہ طے کر دے کہ لاگت پیدائش میں کون کون سے عناصر ہونگے اور نفع کا تعین کیسے کیا جائے گا تو پھر بعض صورتوں میں تقابل ممکن ہوگا[1] ان صورتوں میں بہت سے دوسرے عوامل از قسم کاروباری تجربہ، ماضی کی کارکردگی، بینک اور کاروبار کے باہمی تعلقات، ضمانت، مدت واپسی، وغیرہ بھی نظر انداز نہیں کئے جا سکیں گے[2]

---

[1] استدراک لیکن ایک مسئلہ اس کے باوجود محل نظر ہے، وہ یہ کہ ایسی صورت میں متوقع نفع محض ایک "تصوراتی" شئی ہوگا۔ جو فی الوقت موجود نہیں ہے۔ اور اسلامی نقطۂ نگاہ سے غیر موجود شئی کی فروخت جائز نہیں ہے۔

[2] تفصیل کیلئے دیکھئے: ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی: غیر سودی بینک کاری، مطبوعہ، لاہور، ڈاکٹر محمد اکرام: مقالہ علم (معاشیات) در اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ۱۴/۱، ۳۴۵-۳۴۴ — (۱۹۶۹ء)

ہندوستان میں مسلم عہد حکومت کا مطالعہ

(موجودہ حالات کے تناظر میں)

ڈاکٹر ظفر الاسلام شعبہ علوم اسلامیہ مسلم یونیورسٹی علی گڈھ

۶ دسمبر ۱۹۹۲ء کو ایودھیا میں آئین وقانون کی کھلم کھلا خلاف ورزی عدلیہ کے وقار کی پامالی کا جو مذموم ترین واقعہ پیش آیا اور بابری مسجد کو منہدم کر کے ملک میں مذہبی تشدد اور فرقہ وارانہ جنون کی جو نئی روایت قائم کی گئی اس کے اسباب علل پر اگر غور کیا جائے یا اس کے پس منظر کا گہرائی سے مطالعہ کیا جائے تو مختلف باتیں سامنے آئیں گی لیکن واقعہ یہ ہے کہ اصلاً جس چیز نے بابری مسجد کی تہدیم اور مسلمانوں کے مذہبی وثقافتی ورثہ پر دست درازی کا ہندوستان کی تاریخ میں ایک نیا باب کھولا ہے وہ ہے عہد وسطیٰ کے ہندوستان یا مسلم عہد حکومت کی تاریخ مسخ کر کے اس زمانہ کی تصویر بگاڑنا اور اس کے ذریعہ مسلمانوں کے خلاف نفرت وعداوت کے جذبات بھڑکانا اور انتقام کی آگ کو ہوا دینا، اس میں شبہ نہیں کہ مسلمانوں کے خلاف جذبات برانگیختہ کرنے کیلئے برادران وطن کے ایک طبقہ کی جانب سے جو مسائل سامنے لائے جاتے ہیں ان میں سے کچھ کا تعلق آزادی کے بعد کے واقعات یا موجودہ حالات سے ہے لیکن حقیقی معنوں میں جن بنیادوں پر فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور باہمی میل جول کی فضا کو ملیا میٹ کرنے کی مہم جاری ہے (خواہ اس کے جو بھی مقاصد ہوں) انکا تعلق عہد وسطیٰ کے تاریخی واقعات وحالات سے ہے اس کے واضح ثبوت اس طبقہ کے نمائندوں کی تقریروں وتحریروں سے ملتے ہیں اور اس کی مزید توثیق اسکولوں کی تاریخی درسیات کے اسباق ومشتملات میں تبدیلیوں سے ہوتی ہے جو مختلف صوبوں میں بی جے پی حکومتوں کے زیر انتظام عمل میں لائی گئیں۔ تاریخی درسیات میں حقائق کو مسخ کرنے اور فرقہ وارانہ منافرت پھیلانے والے مباحث کی شمولیت کی مہم آر ایس ایس جیسی تنظیموں کی جانب سے بہت پہلے سے جاری ہے اور ان کے اثرات ان تنظیموں

کے قائم کردہ اداروں تک ہی محدود تھے لیکن متعدد صوبوں میں بی جے پی حکومت کے قیام کے بعد سرکاری سطح پر اس نوع کی تبدیلیوں سے وسیع پیمانہ پر ذہنوں کے مسموم ہونے اور مسلمانوں کے خلاف نفرت و عداوت کے جذبات بھڑکنے کے جو بھیانک نتائج سامنے آرہے ہیں یا آئیں گے وہ اب کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں رہ گئی ہے۔ اس صورتحال میں عہد وسطی کے ہندوستان کی تاریخ میں دلچسپی فطری طور پر بڑھ گئی ہے اور مختلف نہج سے اس زمانہ کے حالات وواقعات کے مطالعہ وتحقیق کی کوششیں جاری ہیں موجودہ حالات میں جب کہ منفی نقطۂ نظر سے یہ کوششیں تیز سے تیز تر ہوتی جارہی ہیں یہ ضروری ہوگیا ہے کہ ہندوستانی مسلمان اس عہد کی تاریخ سے بخوبی جانکاری حاصل کریں اور اہل علم واصحاب قلم مستند تاریخی مآخذ کا مطالعہ کرکے اس زمانہ کے حالات وواقعات کو صحیح سیاق وسباق میں پیش کرنے کی کوشش کریں تاکہ مسلم حکومت کی کارکردگی بالخصوص ہندوؤں کے ساتھ حکمرانوں کے طرز عمل سے متعلق غلط فہمیوں کا کچھ ازالہ ہوسکے اور اس عہد کی صحیح تصویر ابھر کر سامنے آسکے۔ قابل غور بات یہ ہے کہ یہ محض اس عہد کے مسلم حکمرانوں یا مسلمانوں کے بارے میں غلط تاثرات کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ اسی کے ذریعہ اسلام، اسلامی تعلیمات اور اسلامی طرز سیاست وحکومت کو بھی ہدف تنقید بنایا جاتا ہے اس لئے گہرے مطالعے کے ذریعہ یہ معلوم کرنا اور واضح کرنا ضروری ہے کہ اس زمانہ کی حکومت کی نوعیت کیا تھی۔ اس کے اصول وضوابط کن بنیادوں پر قائم تھے اور شریعت کی پابندی کے نقطہ نظر سے اس کی کارکردگی کیسی تھی۔

سب سے پہلے یہ وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کا زمانۂ حکومت عہد وسطی کے ہندوستان (MEDIEVAL INDIA) کے نام سے جانا جاتا ہے پھر اسے عہد سلطنت وعہد مغلیہ دو حصوں میں منقسم کیا جاتا ہے۔ پہلا حصہ ۱۲۰۶ء سے ۱۵۲۶ء تک محیط ہے جس میں سلطان قطب الدین ایبک سے سلطان ابراہیم لودی تک کا زمانۂ حکومت شامل ہے۔ دوسرا حصہ ۱۵۲۶ء سے ۱۷۰۷ء تک پھیلا ہوا ہے جو بابر سے اورنگ زیب تک کے زمانۂ حکومت پر مشتمل ہے۔ گرچہ مغل بادشاہت

کو رسمی و دستوری طور پر ۱۸۵۷ء یعنی بہادر شاہ ظفر کی حکومت کے خاتمہ تک محیط مانا جاتا ہے لیکن عظیم مغلوں کی بادشاہت کا نکتہ اختتام ۱۷۰۷ء کو ہی تسلیم کیا جاتا ہے۔

تاریخی کتب اور دوسرے معاصر ماٰخذ کے گہرے مطالعہ سے اس عہد سے متعلق جو حقائق سامنے آتے ہیں انہیں مختصراً ان الفاظ میں بیان کیا جاسکتا ہے:-

ہندوستان میں مسلمانوں کا یہ دورِ حکومت انکی سیاسی، مذہبی و ثقافتی تاریخ کا ایک اہم باب ہے اس عہد کی تاریخ اور اس سے قبل کی مشرقِ وسطیٰ کی مسلم حکومتوں میں اس اعتبار سے گہرا ربط پایا جاتا ہے کہ اس عہد میں ہندوستان میں جو سیاسی اصول و ضوابط رائج ہوئے اور نظم و نسق کے جو شعبے قائم کئے گئے وہ کافی حد تک ان مسلم حکومتوں سے مستعار تھے۔ اس میں شبہ نہیں کہ حکومت بادشاہی نظام پر قائم تھی اور اس کی کارکردگی مین تیموری اصولِ جہاں بانی کے اثرات پائے جاتے تھے لیکن اس رہنما اصولوں اور ترکیبی عناصر میں کافی حد تک مسلم طرزِ حکومت کا عمل دخل بھی ملتا ہے، اس عہد میں دیوان خراج قضا، احتساب و افتا روغیرہ متعدد ایسے انتظامی شعبہ جات قائم تھے جو واضح طور پر ایشیا و افریقہ کے مختلف علاقوں میں پہلے کی مسلم حکومتوں میں پائے جاتے تھے اسیطرح نظم و نسق کے دائرے بالخصوص شعبۂ مالیات میں بہت سی ایسی اصطلاحیں رائج تھیں جو بنیادی طور پر اسلام کے معاشی نظام کا جز تھیں مثلاً زکوٰۃ، خراج، جزیہ، عشور، عشری و خراجی، مزارعت، مضاربت بیت المال وغیرہ۔ مزید براں اس دور میں دیگر علوم و فنون کے علاوہ تفسیر، حدیث و فقہ کے میدان تدریس اور تصنیف دونوں ذرائع سے ایسی نمایاں خدمات انجام دی گئیں کہ ان کے نقوش آج بھی زندہ و تابندہ ہیں۔ ان خدمات میں اہلِ علم و فن کی اپنی دلچسپیوں اور کوششوں کے علاوہ سلاطین و امراء کی معارف پروری اور علمی سرپرستی کا بھی حصہ رہا ہے سرکاری اخراجات پر مکاتب و مدارس کے قیام کے علاوہ علماء و فضلاء کی علمی کاوشوں پر سلاطین و ملوک کی جانب سے فراخدلانہ انعام و اکرام کی مثالوں کی کمی نہیں ہے۔

یہ عہد حکومت مسلمانوں کی سیاسی، مذہبی و تمدنی تاریخ کا ایک اہم باب بھنے

کے ساتھ اس ملک کی سیاسی وسماجی اور علمی وتمدنی تاریخ کا بھی ایک نمایاں حصہ ہے جسے کسی بھی صورت میں ہندوستان کی تاریخ سے بھی الگ نہیں کیا جاسکتا سیاسی وانتظامی سماجی واقتصادی، علمی وتمدنی ہر شعبہ میں اس وقت کے حکمرانوں نے اس وقت کے انداز و مزاج کے مطابق قابل ذکر خدمات انجام دیں۔ سیاسی وحدت اور انتظامی یکسانیت کے حصول کے لئے مسلم حکمرانوں کی کوششیں اور عوام کی فلاح وبہبود کے کاموں میں انکی دلچسپی ملک کی تعمیر وترقی کے لئے ان کی اہم خدمات کا حصہ ہیں۔ اس عہد کے متعدد رفاہی کاموں سے آج بھی ہندوستانی عوام مستفید ہو رہے ہیں۔

ہندوسطیٰ کی مسلم حکومت غیر ملکی نہیں بلکہ ایسے حکمرانوں کی سلطنت تھی جنہوں نے یہاں حکومت قائم کرنے کے بعد اسی ملک کو اپنا وطن بنایا اور اسی کی تعمیر وترقی و مضبوطی میں اپنی سیاسی وانتظامی صلاحیتوں اور ریاست کے ذرائع آمدنی کو صرف کیا۔ اولین دور کے بعد ان حکمرانوں میں بیشتر ایسے تھے جن کی نشو و نما و تربیت اسی سرزمین میں ہوئی اور جو اسی ماحول کے پیداوار تھے۔

حکومت کے انتظامیہ میں ترک نژاد اور بیرونی افسران کے علاوہ ہند نژاد مسلمان بھی شامل رہے ہیں۔ اولین ادوار میں سلطنت کے اہم مناصب کے لئے ان کے یہاں اور کسی تصور کے بجائے نسلی وخاندانی تصورات زیادہ کارفرما تھے گرچہ بعد کے زمانہ میں یہ تصورات بھی کمزور پڑ گئے۔ جہاں تک عام نظم ونسق چلانے کی روایت قائم کی اور انہوں نے حکومت کے کام وکاج کے لئے ہندوؤں کی صلاحیتوں وتجربات سے فائدہ اٹھانے میں مذہبی اختلاف کو آڑے نہیں آنے دیا۔ اسی طرح نظم ونسق میں بالخصوص محاصل کے شعبہ میں قدیم ہندوستان کی بعض روایات کو باقی رکھنے میں انہوں نے کوئی حرج نہیں محسوس کیا۔

علم کے میدان میں اس عہد حکومت کی سب سے بڑی خدمت یہ ہے کہ ہندوستان میں اس کے تصور کو وسعت ملی جس کا اثر یہ ہوا کہ اس کی تحصیل عوام کے کسی خاص طبقہ تک محدود نہ رہی بلکہ ایک وسیع پیمانہ پر اس کے حصول کا سلسلہ شروع ہوا سلاطین وملوک

نے مختلف علوم و فنون کی توسیع و ترقی میں دلچسپی لی اور انہوں نے بلا کسی تفریق اہل علم و فن کی سرپرستی و حوصلہ افزائی کی۔ مسلمانوں کے ساتھ ہندوؤں کو بھی اس بات کے مواقع فراہم ہوئے کہ وہ اپنی علمی صلاحیتوں کو اجاگر کریں۔ اپنے تہذیبی و ثقافتی ورثہ کو قائم رکھیں اور اپنی زبان کو فروغ دیں۔ سنسکرت زبان اور ہندوستان کے قدیم علوم و فنون میں بھی مسلمانوں کی دلچسپیاں ظاہر ہوئیں۔ مختلف علوم و فنون سے متعلق سنسکرت کی کتابوں کا فارسی میں ترجمہ کرا کے مسلم سلاطین نے نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کو ان سے متعارف ہونے کا موقع فراہم کیا بلکہ اس ملک کے قدیم علمی و ثقافتی ورثہ کو بقا و تحفظ بھی عطا کیا۔

جہاں تک ہندوؤں کی شرعی حیثیت اور سماجی پوزیشن کا تعلق ہے فاتح سندھ یا یہاں کے اولین مسلم حکمراں محمد بن قاسم کے زمانہ میں انہیں "مشابہ اہل کتاب" تصور کرتے ہوئے ذمی کا درجہ دیا گیا۔ دہلی سلطنت کے قیام کے بعد اور عہد مغلیہ میں بھی ان کی یہ حیثیت مسلم رہی۔ گرچہ عہد سلطنت میں شافعی مسلک کے بعض علماء انہیں یہ درجہ دینے کے حق میں نہ تھے لیکن یہ بات قطعی طور پر ثابت ہے کہ سلاطین و ملوک نے متفقہ طور پر ہندوؤں سے ذمی کی حیثیت سے تعلقات و معاملات قائم کیں ہندوؤں کو ذمی کی حیثیت سے تسلیم کرنے کے بعد حکومت نے ان کے جان و مال کے تحفظ کی ضمانت لی اور انہیں اپنے مذہبی رسوم و روایات کی بجا آوری اور سماجی تقریبات کے انعقاد کی آزادی دی۔ انہیں منادر کی تعمیر و مرمت اور ان میں بلا روک ٹوک پوجا پاٹ کی اجازت ملی گرچہ وہ خاص مسلم شہروں میں نئے منادر کی تعمیر کے مجاز نہ تھے۔ ذمی ہونے کی حیثیت سے وہ معاشی میدان میں تگ و دو میں کسی پابندی کے شکار نہ تھے۔ اس میدان میں انھیں اپنی صلاحیتیں استعمال کرنے اور کسب معاش کے مختلف ذرائع اختیار کرنے کی پوری آزادی تھی۔ زراعت و تجارت، صنعت و حرفت کون سا ایسا شعبہ تھا جس میں ان کی سرگرمیاں نہ جاری ہوئی ہوں۔

ہندوستان کے مسلم سلاطین و ملوک کی بابت یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ وہ اسلام

کے سچے نمائندے اور سیاست وحکومت کے دائرہ میں اسلامی اصول وضوابط پر مکمل طور سے عمل پیرا تھے لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان کے یہاں [illegible] پر شریعت کا احترام اور شرعی قوانین کا پاس ولحاظ پایا جاتا تھا۔ ان کی شخصی وعوامی زندگی صحیح معنوں میں ایک مسلم حکمراں کی زندگی کی عکاس نہ تھی لیکن انکی حکومتوں کے دوران اسلام واسلامی تعلیمات کی اشاعت اور اسلامی تہذیب وتمدن کے فروغ کے لئے جو خدمات انجام پائیں انھیں نظر انداز بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اس حقیقت کے اعتراف میں بھی کوئی تکلف نہیں کہ اس عہد کی حکومتوں کے تحت نظم ونسق اور دوسرے امور میں اسلامی تعلیمات یا شرعی قوانین کی خلاف ورزی کی مثالیں بھی ملتی ہیں، بالخصوص سیاسی مصلحت، تخت وتاج کی حفاظت یا سیاسی مخالفین سے نپٹنے کے لئے جو اقدامات کئے جاتے تھے ان میں بعض اوقات شریعت کے تقاضوں کا پاس ولحاظ باقی نہیں رہتا تھا۔ تخت وتاج کو چیلنج کرنے والوں کے خلاف اور سیاسی مجرمین کو سزا دینے میں اس وقت کے حکمراں بہت سخت رویہ اپناتے تھے خواہ مذکورہ زمرہ میں مسلم شامل ہوں یا غیر مسلم۔

عہد وسطیٰ کے ہندوستان سے متعلق مذکورہ بالا حقائق وتاثرات کے برعکس واقعات کی بے سیاق وسباق ترجمانی، غلط بیانی اور مسخ حقائق کے ذریعہ اس عہد کے بارے میں آجکل جو خیالات مشتہر کئے جاتے ہیں ان کا خلاصہ ان الفاظ میں پیش کیا جا سکتا ہے۔

وہ ایک غیر ملکی حکومت تھی جس کے تحت ہندوستان ایک طویل مدت تک غلام رہا اس زمانہ کے مسلم حکمرانوں کو نہ تو اس ملک سے کوئی لگاؤ تھا اور نہ یہاں کے لوگوں سے کوئی ہمدردی تھی۔ ان کا مقصود محض یہاں کے مال ودولت کو سمیٹنا، قوت وطاقت کا مظاہرہ کرنا، لوگوں کو زبردستی مسلمان بنانا اور اپنے ہم مذہبوں کے مفاد کے لئے کام کرنا تھا۔

ہندوؤں کے ساتھ بدسلوکی وزیادتی، ان کے مذہبی وسماجی حقوق کی پامالی

عبادت گاہوں کی بے حرمتی و مسماری' اور ہندوستان کے قدیم تمدنی و تہذیبی آثار کی بیخ کنی مسلم حکمرانوں کی عام پالیسی رہی ہے۔ جو حکمراں دینی رجحان و مذہبی جذبہ رکھتے تھے ان کے زمانہ میں اس پالیسی کو مزید سختی و تعصب سے بروئے کار لایا گیا اور جن حکمرانوں نے نظم و نسق میں شریعت کا قانون نافذ کرنے کی کوشش کی انکی قانونی سختی کا خاص نشانہ ہندو بنے
اس وقت کی مسلم حکومت کے تحت ہندوؤں کو ذمی کا درجہ دیا گیا اس کا مطلب تھا انہیں مستقل طور پر ذلت و خواری میں رکھنا، مذہبی و سماجی آزادی سے انھیں محروم کرنا اور جزیہ کے نفاذ کے ذریعہ ان پر ایک بھاری بوجھ لادنا۔
اس ملک کی سماجی و معاشی ترقی اور علمی و ثقافتی سرگرمیوں کے فروغ میں مسلم عہد حکومت کی خدمات بہت معمولی رہی ہیں جنہیں بآسانی نظرانداز کیا جا سکتا ہے۔ اسطرح اس ملک کے لئے اس عہد کی دین نہیں کے برابر ہے۔
مسلم حکمرانوں نے رفاہ عام یا عوام کی بھلائی کے کاموں میں بہت کم دلچسپی لی اور اس سلسلہ میں انہوں نے جو کچھ کام انجام دیے ان کا فائدہ ایک مخصوص طبقہ کے لوگوں یعنی مسلمانوں تک محدود رہا۔

یہاں اس طرف توجہ دلانا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ عہد وسطی کی مسلم حکومت ان غلط تاثرات کو پھیلا کر اور حکمرانوں کی زیادتیوں و ناانصافیوں کی من گھڑت کہانیاں مشتہر کر کے ان کے ہم مذہبوں کے تئیں عداوت و انتقام کا جو ماحول گرم کیا جا رہا ہے اس کی ہولناکیاں و تباہ کاریاں اپنی جگہ ہیں اس کا ایک اور خطرناک پہلو یہ سامنے آ رہا ہے کہ خود مسلمانوں کے ایک طبقہ میں اس زمانہ کی حکومت اور حکمرانوں کے تئیں بیزاری پیدا ہونے لگی ہے اور یہ احساس ابھرنے لگا ہے کہ اس وقت کے حکمرانوں کی غلطیوں کی سزا آج کے دور کے مسلمانوں کو بھگتنی پڑ رہی ہے۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا یہ دعویٰ ہرگز نہیں کیا جا سکتا کہ اس زمانہ کی حکومت مکمل طور پر عدل و انصاف پر مبنی اور غلط اقدامات سے مبرا تھی لیکن بحیثیت مجموعی تمام مسلم حکمرانوں کو مورد الزام ٹھہرانا اور انکی حکومتوں کو ظلم و زیادتی کا مجموعہ بتانا نہ تو تاریخ کے ساتھ انصاف ہے اور نہ منصفانہ طرز فکر

ہے. یہ بالکل ضروری نہیں کہ ان سلاطین و ملوک کے ہر اقدام کا دفاع کیا جائے لیکن محض غلط فہمیوں کی تشہیر اور پروپیگنڈہ کی بنیاد پر اس وقت کے مسلم حکمرانوں کو مجرم سمجھنا اور اسی کی نسبت سے آج کے مسلمانوں میں احساس جرم پیدا ہونا قطعاً نامناسب اور ایک غیر صحت مندانہ طرز فکر ہے. اس طرح کی سوچ سے نہ صرف یہ کہ مسلم تہذیب و تمدن کے قیمتی ورثہ سے بھرپور اس عہد سے قطع تعلق کا رجحان ابھریگا بلکہ اس سے خطرناک یہ کہ اس "احساس جرم" کی وجہ سے ان کے عزم و حوصلے پست ہو جائیں گے اور ان کی قوت عمل و اقدامیت بھی متاثر ہو گی اور یہ یقیناً انفرادی و اجتماعی دونوں اعتبار سے ملت کیلئے بہت نقصان دہ ثابت ہوگا. موجودہ صورتحال میں بہتر یہی ہوگا کہ تاریخی واقعات کو ان کے سیاق و سباق میں دیکھا جائے، معروضی مطالعہ کی روشنی میں اس عہد سے متعلق حقائق کو سامنے لایا جائے. اس دور کے حکمرانوں کی خامیوں و کمزوریوں کی نشاندہی میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ ان کے کارناموں اور ملک و اہل ملک کے لئے ان کی خدمات کو بھی منظر عام پر لایا جائے بلکہ منفی پہلو کی نسبت مثبت پہلو کے ابھارنے پر زیادہ توجہ دی جائے. بہتر ہوگا کہ اس نوع کے مثبت مطالعہ کے نتائج کو لوگوں کے سامنے پیش کرنے کے لیے ملک کی مختلف زبانیں اختیار کی جائیں اور ان کی وسیع پیمانہ پر اشاعت کے لئے ابلاغ عامہ کے نئے نئے ذرائع استعمال میں لائے جائیں.

عہد وسطیٰ کے ہندوستان یا مسلم عہد حکومت کی تاریخ کا اس انداز سے مطالعہ اس وقت ممکن ہے جب اس زمانہ کی حکومت کی نوعیت اور اس کے مزاج کو سمجھا جائے اور معاصر مورخین کے انداز تحریر و اسلوب بیان کو پیش نظر رکھا جائے خاص طور سے بادشاہوں سے درباری مورخین کی گہری عقیدت و محبت اور واقعات کی ترجمانی و حالات کی عکاسی پر اس کے اثرات بھی ملحوظ خاطر رکھے جائیں. اس سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا کہ اس دور سے متعلق غلط تاثرات کو جنم دینے میں دوسرے اسباب و عوامل کے علاوہ بعض معاصر مورخین کے غیر محتاط بیانات اور مبالغہ آمیزیوں کا بھی حصہ رہا ہے

اسی کے ساتھ یہ پہلو بھی سامنے رہے کہ فارسی مآخذ کا انگریزی میں ترجمہ کرنے میں انگریز اہل قلم نے دانستہ یا غیر دانستہ طور پر ایسی غلطیاں کی ہیں جس سے اس عہد سے متعلق بہت سی غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں اس لئے فارسی مآخذ یا ان کے تراجم کا مطالعہ کرتے وقت ان امور کو مد نظر رکھنا چاہیے اس زمانہ کے کسی بھی واقعہ یا معاملہ سے متعلق ترجمہ کی بنیاد پر کوئی رائے قائم کرنے کے بجائے بہتر ہوگا کہ اصل مآخذ سے ان کا موازنہ کیا جائے۔ ظاہر ہے کہ یہ ہر شخص کے بس کی بات نہیں کہ براہ راست مآخذ کا مطالعہ کرے یا ان کے تراجم کا اصل سے موازنہ کرے لیکن یہاں پر کہا جا سکتا ہے کہ عام لوگوں کیلئے انگریزی اردو اور دوسری زبانوں میں ہندوستانی و بیرونی مورخین کی ایسی کتابیں دستیاب ہیں جن کے مطالعہ سے اس عہد کے حالات و واقعات سے متعلق حقائق کا پتہ لگایا جا سکتا یا کسی اہم واقعہ کی اصل نوعیت معلوم کی جا سکتی ہے۔

کسی امر یا معاملہ سے متعلق کسی سلطان کی پالیسی متعین کرنے یا اسکی کارکردگی کے بارے میں فیصلہ کرنے کے لئے مناسب یہ ہے کہ اس کے پورے عہد پر بحیثیت مجموعی نگاہ ڈالی جائے۔ اس کے کسی ایک اقدام یا اس کے زمانہ کے کسی ایک واقعہ کو الگ کرکے اس کی بنیاد پر کوئی نتیجہ نہ اخذ کیا جائے۔ بعض اوقات کسی مخصوص صورتحال میں کوئی قدم اٹھایا جاتا ہے یا کوئی فیصلہ لیا جاتا ہے۔ اس لئے اس طرح کے اقدام کو اس مخصوص صورتحال کی روشنی میں دیکھا جائے۔ ورنہ غلط تاثر قائم ہونا یقینی ہے۔ اسی طرح ایک دو واقعہ کی بنیاد پر پورے عہد سے متعلق کوئی فیصلہ صادر کرنا یا مستثنیات کو عام اصول قرار دینا تاریخ کے ساتھ انصاف نہ ہوگا۔ بلکہ تاریخ کی غلط ترجمانی کہلائے گی کسی بھی حکمراں کے زمانہ کے واقعات و اقدامات کی چھان بین اور صحیح سیاق و سباق میں ان کے مطالعہ کے بعد ہی اس کے بارے میں کوئی تاثر پیش کرنا تاریخ کی صحیح ترجمانی اور حقیقت سے قریب تر ہوگا۔

ہندوستان کے موجودہ حالات کے تناظر میں عہد وسطیٰ کی تاریخ کا سب سے اہم و حساس پہلو ہندوؤں کے ساتھ مسلم حکمرانوں کا برتاؤ و طرز عمل ہے اس نقطہ نظر سے

اس زمانہ کی تاریخ پر نظر ڈالتے وقت مطالعہ کا صحیح طریقہ اختیار کرنے، باریک بینی گہرائی سے کام لینے اور احتیاط برتنے کی زیادہ ضرورت ہے۔ یہاں خاص طور سے اس جانب اشارہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہندوؤں سے متعلق کسی واقعہ یا اقدام پر غور کرتے وقت یہ دیکھنا چاہئے کہ جو ہندو یا ہندوؤں کا جو گروہ زیر بحث ہے اس کا تعلق غیر مسلموں کے کس طبقہ سے ہے اس میں شبہ نہیں کہ اس زمانہ کی حکومتوں کے تحت ہندوؤں کو ذمی کی حیثیت سے تسلیم کیا گیا تھا لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہندوؤں میں سیاسی مخالف، باغی اور انتشار پسند عناصر بھی پائے جاتے تھے اور تاریخی کتب میں ایسے لوگوں کے خلاف سلاطین کے سخت اقدامات کے واقعات مذکور ہیں اس لئے ہندوؤں کے دونوں طبقوں میں امتیاز کے بغیر دوسرے طبقہ کے ساتھ حکمرانوں کے برتاؤ کو ذمیوں یا عام امن پسند ہندوؤں پر منطبق کرنا لازمی طور پر بہت سی غلط فہمیوں میں نتیج ہوگا۔ یہاں اس وضاحت کی چنداں ضرورت نہیں کہ قانونی و اخلاقی دونوں اعتبار سے دوسرے طبقہ کے لوگ کسی بھی حکومت کے تحت اس سلوک و برتاؤ کے مستحق نہیں جو مطیع و امن پسند شہریوں کے ساتھ روا رکھا جاتا ہے۔

آخر میں یہ اعتراف مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عہد وسطیٰ سے متعلق مذکورہ تاثرات و خیالات کے حق میں کچھ شواہد فراہم کیے جانے کی ضرورت تھی اور یہ بھی ضروری تھا کہ اس زمانہ کی تاریخ کے مطالعہ کے لئے محولہ بالا رہنما اشارات کو مثالوں سے واضح کیا جاتا لیکن یہاں مقصود محض اس زمانہ کی تاریخ اور اس کے مطالعہ سے متعلق کچھ اہم مسائل کی نشاندہی اور ان کی مختصر وضاحت تھی اس لئے باقی تفصیلات کو آئندہ کسی اور موقع کے لئے موخر کیا جا رہا ہے۔ خدا کرے اس کی توفیق نصیب ہو۔

معاشرہ کی داخلی خرابیوں، موجودہ صبر آزما حالات اور خاص طور پر بوسنیا کے سلسلہ میں معاصر الفرقان کے محترم مدیر صاحب نے جو اداریہ لکھا ہے اسے یہاں نقل کیا جا رہا ہے مسلمانوں کے عوام نہ سہی کاش خواص ہی اس پر غور کرتے تو ملت کے لئے یہ چیز نیک فال ہوتی۔ (مرتب)

نگاہِ اوّلیں

ہم مسلمانوں کے ساتھ پوری دنیا میں کیا ہو رہا ہے؟ کون کر رہا ہے؟ اور کیوں کر رہا ہے؟ اور نجات کا راستہ کیا ہے ـــــ یہ وہ سوالات ہیں جن کے صحیح جواب کے علم اور پھر "علم" کے تقاضے کے مطابق "عمل" کے بغیر "نجات" ناممکن نظر آتی ہے ـــــ آیئے آج کی صحبت میں پہلے تو یہ جاننے کی کوشش کریں کہ۔

ہمارے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ ویسے تو ہر اخبار کی زیادہ تر خبریں ہمارے ساتھ دنیا والوں کے سلوک کے ہی بارے میں ہوتی ہیں۔ اور ہر گلی کوچے میں قصے ہمارے ہی بربادی کے ہیں لیکن شاید میرا یہ احساس مبالغہ پر مبنی نہیں ہے کہ سب سے زیادہ بے خبر، اور بے حس خود ہم ہیں۔ ہمارے ساتھ کیا ہو رہا ہے، اس کی سب سے کم خبر اور اس کا سب سے کم احساس خود ہم کو ہے۔ ذرا ایک گہری نگاہ ڈالئے اپنی قوم کی شادیوں کی زرق برق محفلوں پر، بازاروں میں خریداری کرتے ہوئے اپنے بھائیوں اور بہنوں پر، تفریح گاہوں اور پارکوں میں ہنستے کھیلتے اور ریڈیو اور ٹی وی پر کھیلوں کا آنکھوں دیکھا حال سننے اور دیکھنے میں مست ہمارے نوجوان پر، اور حد ہے کہ مدرسوں میں پڑھنے پڑھانے میں مگن ہمارے طلبہ اور مدرّسوں پر، یہاں تک کہ اصلاحی و دینی کاموں میں بظاہر لگے ہوئے ہمارے دوستوں پر، ہمارے تاجروں، ہمارے وکیلوں، ہمارے ڈاکٹروں، ہمارے شہریوں اور ہمارے دیہاتیوں پر اور قصہ مختصر پوری قوم پر، آپ کو شاید ہی کہیں محسوس ہو کہ آپ اس قوم کے

افراد کو دیکھ رہے ہیں، جس کی بربادیوں کے تذکروں سے خاکم بدہن زمین سے آسمان تک کی فضائیں گونج رہی ہیں، جس کی ہلاکتوں کے فیصلے آسمانوں سے اتر کر شاید زمینوں پر بھی آچکے ہیں، بلکہ ان کے نفاذ کا عمل بھی شروع ہو چکا ہے ـــــ ایک عجب مستی و سرشاری کی سی کیفیت قوم پر چھائی ہوئی ہے ـــــ جو جہاں ہے، مگن ہے، مست ہے، اور نہایت چھوٹی چھوٹی فکروں، اور حقیر مشغلوں میں "مشغول و منہمک" ہے۔

پتا پتا بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے
جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

اس لیے پہلی ضرورت تو یہ ہے کہ جس گل کے ساتھ یہ سب ہو رہا ہے اسے ہی یہ بتایا جائے کہ تمہارے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ اور صورتحال کتنی سنگین ہے؟

میرے سامنے اس وقت لندن سے نکلنے والے موقر جریدے امپیکٹ انٹرنیشنل کا ۱۲ مارچ / ۸ اپریل والا شمارہ ہے۔ اس میں ایک مضمون۔

NEW METAPHOR IN THE "NEW WORLD ORDER"
WHERE IS HUMANITY? WHERE IS THE UMMAH?

(نئے عالمی نظام میں ایک نئی علامت، انسانیت کہاں ہے؟ امت کہاں ہے؟) کے زیر عنوان چھپا ہے ـــــ مضمون میں بوسنیا سے شروع ہونے والی "قیامت صغریٰ" کے چشم دید حالات بیان کئے گئے ہیں۔ مضمون نگار کیمبرج یونیورسٹی کے کوئی پروفیسر اکبر احمد صاحب ہیں۔ جو بی بی سی لندن کی ایک ٹیلی ویژن ٹیم کے ساتھ وہاں گئے تھے ـــــ مضمون سے ایسا لگتا ہے کہ جو کچھ انہوں نے وہاں دیکھا، اس سے "مسلماں کو مسلماں کر دیا طوفانِ مغرب نے" کے مصداق ان کے اندر دبی ہوئی حمیتِ ایمانی و غیرتِ اسلامی کی چنگاری فروزاں ہو گئی۔ (خدا کرے کہ ہمارا یہ گمان بالکل درست ہو) یہ بتانے کے لئے کہ ہمارے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ پہلے اسی مضمون کے منتخب حصوں کا ترجمہ ذیل میں پیش کرنا بہتر سمجھتا ہوں۔

پروفیسر اکبر احمد لکھتے ہیں:-

بوسنیا کی صورتحال کے بارے میں مختلف داستانیں لوگوں کی زبان پر ہیں۔ جہاں تک آخری درجہ کی وحشیانہ بربریت اور سفاکی اور درندگی کے متعلق مشہور داستانوں کا تعلق ہے تو بدقسمتی سے وہ سب صحیح ہیں سربیائی فوجوں کا عام دستور یہ ہے کہ وہ ایک مسلم گاؤں کو گھیر لیتی ہیں، وہاں کے باشندوں کو ایک الٹی میٹم دیتی ہیں۔ اگر گاؤں والے اپنے جوان کے حوالے نہیں کرتے تو ایک ایک متنفس کو مار دیا جاتا ہے۔ اور اگر ہتھیار ڈال دیتے ہیں تو چن چن کر تمام جوانوں کو قتل کر دیا جاتا ہے۔ جوان عورتوں کو اجتماعی آبرو ریزی ہی کے لئے نصب کردہ خیموں میں لے جایا جاتا ہے ــــ پناہ گزینوں کے خیموں میں ایسے بوڑھے لوگوں سے میں خود ملا ہوں جو بالکل تن تنہا اور سخت پریشانی کے عالم میں حد درجہ دشوار گذار پہاڑی راستوں سے گزر کر اور ۳۰۰ کیلومیٹر کا فاصلہ پیدل طے کر کے کسی نہ کسی طرح ان خیموں تک پہنچے تھے۔

عورتوں اور لڑکیوں کی آبرو ریزی کے لئے خصوصی طور پر لگائے گئے خیموں میں جو کچھ ہو رہا ہے، کم از کم مجھے تو ان کی نظیر تاریخ کی کسی کتاب میں اب تک نہیں ملی۔ اس جنگ کی یہ بالکل نرالی خصوصیت ہے۔ بوسنیا میں ہونے والے مظالم کے یہ منظر اتنے خوفناک اور وحشت انگیز ہیں کہ جن انسانوں کی نگاہ ان میں سے کچھ پر بھی پڑ جائے تو وہ یقیناً چیخ اٹھے گا کہ خدایا! یہ کون سی مخلوق ہے جس سے سابقہ پڑا ہے؟؟؟ وہاں ایسی چھوٹی چھوٹی بچیاں ہیں جو قوت گویائی سے محروم ہو گئی ہیں اس لئے کہ ان ظالموں نے اپنی جنسی ہوس ان کے منہ میں رچی ہاں! ان کے منہ میں، اسی طرح بار بار پوری کی ہے کہ ان کے صوتی اعضاء تک کے پرخچے اڑ گئے ہیں۔ ایسی حاملہ عورتیں ہیں جن کے پیٹ چیر کر معدے میں سور کا گوشت بھر دیا گیا ہے۔ ایسے جوان مرد اور جوان عورتیں ہیں جنہیں مادر زاد برہنہ کر کے کتوں

کی طرح ان کی گردنوں میں زنجیریں ڈال دی گئی ہیں۔ ان کے ساتھ اسی حالت میں بار بار بدفعلی کی جاتی ہے۔ اور کتوں کی طرح انھیں بند رکھا جاتا ہے۔ انہیں جو کچھ کھانے کو دیا جاتا ہے اسی حالت میں یعنی دونوں ہاتھوں اور دونوں پیروں پر چوپایہ کی طرح بندھے بندھے ہی) دیا جاتا ہے اور اسی حالت میں پاخانہ پیشاب کرنے پر بھی مجبور کیا جاتا ہے۔

میں نے ایسی کئی بوڑھی عورتوں کو دیکھا، (جنہیں دیکھ کر مجھے اپنی ماں یاد آگئیں) جن کے خاندان کا کوئی فرد نہیں بچا ہے۔ ان کے پاس نہ ایک پیسہ تھا اور نہ کوئی چیز ہی، ایک کونے میں بیٹھی وہ چپکے چپکے رو رہی تھیں۔ میں ایسے بوڑھے مردوں سے بھی ملا جن کی آنکھیں دہشت، شرم اور ذلت و بیچارگی کی پوری پوری داستانیں سنا رہی تھیں، مگر زبان سے کہنے کو ان کے پاس ایک لفظ بھی نہیں رہ گیا تھا۔ جوانوں کا حال یہ ہے کہ غیظ و غضب اور نفرت کی چنگاریاں برقی رو کی طرح ان کی آنکھوں میں چمک رہی ہیں۔ ان کی واحد تمنا اب انتقام ہے، صرف انتقام!!!

لیکن مجھے .... ان کا انجام اچھا نہیں نظر آتا۔ میرا یہ خیال نہایت تلخ اور ناخوشگوار ہے۔ اور میری دعا ہے کہ خدا کرے یہ غلط ثابت ہو جائے۔

ایک دوسری بات یہ ہے کہ ایسا لگتا ہے کہ بوسنیا ہی میں آگ اور خون کا یہ طوفان رکنے والا نہیں ہے۔ بلکہ وہاں جو کچھ ہوتا ہے وہ ایک مسلسل وار مہم کا آغاز ہے۔ کوسوو، البانیہ اور بلقان کے کچھ اور علاقوں میں بھی مسلمان ہیں۔ وہ بھی بالکل نہتے اور بے یار و مددگار ہیں۔ اور ان کا مقابلہ جن حکومتی ڈھانچوں سے ہے وہ بہت مضبوط اور فوج اور پولیس سے لیس ہیں ـــــ دنیائے اسلام کو یہ پوری صورتحال ٹھیک سے جانچنی چاہئے تاکہ وہ طے کر سکے کہ وہ کیا کیا کر سکتی ہے؟؟ اور اسے

کیا کیا کرنا چاہئے۔

بوسنیا کے لوگوں کی اس پوری بپتا کا ایک بہت اہم اور قابل صد آفریں پہلو ان کی خودداری اور ان کی قوت برداشت ہے ـــــ میں سچ کہتا ہوں کہ اسے دیکھ کر میں دنگ رہ گیا!! مجھ سے کسی شخص نے کچھ نہیں مانگا، کسی چیز کا سوال نہیں کیا، وہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ ہم خود اپنا دفاع کرنے کے لائق ہو جائیں۔ ہمیں صرف ہتھیار درکار ہیں۔ وہ اپنی کھوئی ہوئی عزت بحال کرنا چاہتے ہیں، جان ومال کی اتنی بربادی کے باوجود انہوں نے اپنی خودی کو جس طرح محفوظ رکھا ہے، وہ حد درجہ غیر معمولی بات ہے۔ ہمارا جانا ایسے کئی خیموں میں ہوا جن میں چٹائیوں کو اپنا فرش بنائے ہوئے درمیانی عمر کے بھی اور کم عمر بھی مرد اور عورتیں بھرے ہوئے تھے، مگر اس حال میں بھی وہ ہماری تواضع نہ کر پانے کی وجہ سے بڑی خفت محسوس کرتے تھے انہیں یہ احساس بہت شرمندہ کرتا تھا کہ وہ ایک پیالی چائے سے بھی ہماری خاطر نہیں کر پا رہے ہیں۔

محاذ جنگ سے تھوڑے ہی فاصلے پر ایک چھوٹے سے خوبصورت گاؤں میں میرا جانا ہوا، پہاڑ کی بلندی پر ایک مسجد نظر آئی، میں چڑھ کر وہاں گیا، یہ مسجد صدیوں پرانی اور ترکی کے حسین طرز تعمیر پر بنی تھی۔ اور بڑے اہتمام سے اس کی دیکھ ریکھ بھی کی جاتی تھی۔ نوجوان نمازیوں سے مسجد بھری ہوئی تھی، میں نے امام صاحب کے پاس اطلاع اور ملاقات کی درخواست بھجوائی، وہ باہر تشریف لائے۔ اور فوراً مجھ سے بغل گیر ہو گئے۔ میرے دونوں رخساروں کو انہوں نے خوشی سے چوم لیا، ان کی ہر ہر ادا سے غیر معمولی فرحت و انبساط کی عکاسی ہو رہی تھی، وہ ایک پاکستانی مسلمان سے مل کر بہت خوش تھے۔ ان کی شخصیت بڑی باوقار تھی، سیاہ عبا

میں ملبوس، آنکھوں میں ایک خاص قسم کی چمک، اٹھتے ہوئے طوفانی بادلوں کے زیر سایہ اس مردِ مومن کی قلندرانہ شان دیکھ کر میں بیحد متأثر ہوا، مگر جب میں وہاں سے رخصت ہوا تو یہ خوفناک اندیشہ میرے ذہن و دماغ پر چھایا ہوا تھا کہ جب سربیائی اس چھوٹے سے گاؤں کو مسلمانوں سے "پاک" کرنے کی مہم پر آئیں گے تو شاید سب سے پہلا نشانہ یہی امام صاحب ہوں گے اور ان کی یہ چھوٹی سی مسجد!!!

بوسنیا والوں کی کیفیت کا یہ پہلو بھی قابلِ ذکر ہے کہ وہ اخوت اسلامی کے جذبہ سے سرشار اور اپنے مسلمان بھائیوں کو دیکھنے کے لئے ترس رہے ہیں۔ میرے بارے میں یہ جان کر کہ میں ایک پاکستانی مسلمان ہوں ان کے چہرے خوشی سے کھل اٹھتے تھے، اس منظر کی تصویر کشی میں کیسے کروں جو میرے دل کی گہرائیوں کو چھو لیتا تھا، اور آہ، میں اپنی اس حسرت کو بھی کیسے بیان کروں کہ میرے پاس انہیں پیش کرنے کے لئے کچھ نہیں تھا ــــــ نوجوان برابر مجھ سے ہاتھ ملانے کے لئے بار بار آتے تھے۔ خوشی اور امید کے نہ جانے کتنے چراغ ان کے دلوں میں صرف اسی سے روشن ہو جایا کرتے تھے، کاش کہ میں ان سے یہی کہہ سکتا کہ ان کے ہزاروں ہزار بھائی ان کی مدد کو آنے والے ہیں۔ کاش کہ میں ان سے کوئی تو وعدہ کر سکتا، امت مسلمہ نے بوسنیا کے قصہ میں سرد مہری اور بے وفائی کا مظاہرہ کیا ہے، میں اس پر حیران بھی ہوں اور رنجیدہ بھی!! ــــــ مجھے اس میں شک نہیں ہے کہ جو مسلمان بوسنیا کے حالات سنتے ہیں غم و غصہ کی شدید لہر ان کی رگ رگ میں دوڑ جاتی ہے۔ خاص کر مجھے اعتراف کرنا چاہیے کہ مساجد کے ائمہ حضرات نے اپنے جمعہ کے خطبوں میں بوسنیا، کشمیر اور فلسطین کے مسلمانوں پر ہونے والے مظالم کی طرف عام مسلمانوں کی توجہ بار بار

مرکوزکی ہے۔ لیکن شاید یہ حقیقت بھی اپنی بالکل درست ہے کہ ان.... مظلوموں کی "یاد تازہ رکھنے" کے سوا اور کوئی خاص نتیجہ ان کی تقریروں کا نہیں نکلا ہے ___ حکومتوں، "خواص" اور جاہ جلال والوں کا جو رویہ رہا ہے وہ بے رحمانہ بے حسی ہی کا ہے۔ مسلمان فوجیں کہاں ہیں؟ تیل کی دولت کہاں ہے؟ مسلمانوں کی وہ طاقت کہاں ہے جو سربیائیوں پر موثر دباؤ ڈال سکتی تھی، لگتا ہے کہ جیسے میدان میں کوئی ہے ہی نہیں!! میرا خیال ہے کہ اگر ہر مسلم ملک سے صرف دو، دو نوجوان بھی بوسنیا پہنچ جائیں تو نہ صرف کہ بوسنیا والوں کا مقدر بدل سکتا ہے، بلکہ مغرب کو ایک واضح سگنل بھی مل جائے گا کہ اگر اس نسل کشی کو انہوں نے مزید جاری رہنے دیا تو عالم اسلام اسے برداشت نہیں کریگا۔ مگر ہائے افسوس کہ ایسا کچھ ہوتا دکھائی نہیں پڑتا تھوڑے سے نوجوان ضرور بوسنیا پہنچے ہیں۔ ان کی تعداد اتنی کم اور ان کے پاس جو سامان ہے وہ اتنا معمولی سا ہے کہ پوری صورتحال پر وہ کیا اثر ڈال پائیں گے؟ ہاں ان کی موجودگی کو سربیائی لوگ اپنے پروپیگنڈے کے لئے بڑے مؤثر طریقہ پر استعمال کر رہے ہیں۔

اصل میں سب سے اہم مسئلہ امت ہی کے ردعمل کا ہے، دنیائے اسلام کی طرف سے اب تک جو ردعمل سامنے آیا ہے وہ انتہائی سست رفتار اور ڈھیلا ڈھالا ہے۔ ہر کچھ دن بعد کسی نہ کسی مسلم ملک کے لیڈر کا بالکل بے سوچے سمجھے اور الٹکل پچو قسم کا بیان سننے میں آتا رہتا ہے۔ اسلامی ملکوں کی تنظیم O.I.C کا بالکل بے اثر الٹی میٹم بھی ہم سن چکے ہیں۔ سیاسی لیڈروں کی لفاظی بھری باتیں بھی ہم نے بہت سنی ہیں۔ مگر بوسنیا میں ان میں سے کسی چیز کا ذرہ برابر اثر ہمیں نہیں نظر آیا سربیائی فوجیں جو کچھ کر رہی ہیں وہ صرف راستہ صاف دیکھ کر کر رہی ہیں۔

سربیائی اپنے کو ایسی ملکی فوج سمجھتے ہیں جو ایک خالص مذہبی جنگ میں مسلمانوں کا قلع قمع کر کے ماضی کا بدلہ چکا رہی ہے۔ سربیائی فوجوں کا طرزِ عمل ان کے اصل ارادوں کو ظاہر کرنے کے لئے بالکل کافی ہے۔ سب سے پہلی چیز جو کسی گاؤں میں برباد کی جاتی ہے وہ مسجد ہے۔ اس کے تمام نشانات نہایت اہتمام سے بالکل مٹا دیئے جاتے ہیں۔ پھر اس زمین پر درخت لگا دیئے جاتے ہیں تاکہ مسجد کی یاد بھی ذہنوں سے محو ہو جائے۔ مسجد کے بعد باری آتی ہے اس شخص کی جو "اسلام" کے بارے میں کچھ جانتا ہے۔ چاہے وہ امام ہو یا گاؤں کا کوئی معمر شخص، اور یہی قصہ صرف "ترتیب" کا ہے۔ ورنہ چھوڑا کسی کو نہیں جاتا۔ وہ مسلمان جو مقامی معاشرہ میں ضم ہو گئے ہیں، یا اپنی بود و باش اور وضع قطع کے لحاظ سے بالکل غیر مسلم لگتے ہیں۔ اور یہ سمجھتے ہیں کہ انہیں تو کوئی پہچان نہیں پائے گا، (بلکہ کچھ نے تو سربیائی عورتوں سے شادی بھی کرلی ہے) انہیں بھی نہیں بخشا جاتا، بلکہ قتل عام کی شروعات ایسوں ہی سے ہوتی ہے۔

پروفیسر اکبر نے بوسنیا میں جو کچھ دیکھا اس سے ان کے ذہن میں دو سوال پیدا ہوئے ایک تو وہ جو انہوں نے بی، بی، سی کے اس ٹی وی پروگرام میں وہاں بپا قیامت صغریٰ کے کچھ مناظر دکھانے کے بعد دنیا بھر کے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے، دنیا بھر کے لوگوں کے سامنے ان لفظوں میں رکھا تھا۔

To me these people are fellow Muslims from a muslim point of view they can be seen as victims of a struggle that is happening. not just here in former yugoslavia. but in many countries and in many different forms - And I ask is this another crusade The last crusade?

یہ سب میرے مسلمان بھائیوں اور بہنوں کے ساتھ ہو رہا ہے۔
اور ایک مسلمان کی نظر میں یہ سب ایک ایسی جارحیت کا شکار ہوئے
ہیں۔ جو صرف یہیں۔ سابق یوگوسلادیہ۔ ہی میں نہیں، بلکہ دنیا کے
مختلف ملکوں میں شکلوں کے تھوڑے بہت فرق کے ساتھ برتی جارہی
ہے۔ میں پوچھتا ہوں کہ کیا یہ ایک نئی صلیبی جنگ ہے ؟
آخری صلیبی جنگ ؟ ؟ ؟

دوسرا سوال انہوں نے امت مسلمہ کے ضمیر کے سامنے رکھا ہے، وہ ضمیر جسے انہوں نے اپنے بوسنیائی بھائیوں بہنوں کے حال زار سے یکسر غافل پایا۔ اس بارے میں انہوں نے پہلے اپنے احساسات بیان کرتے ہوئے لکھا کہ:۔

اس پورے المیہ میں "امت" کے طرز عمل کے بارے میں سوچتے سوچتے
مجھے حال ہی کا یہ واقعہ بھی یاد آیا کہ بابری مسجد کے انہدام پر بعض خلیجی
ملکوں میں رہنے والے پردیسی مسلمانوں نے اپنے غم وغصہ کا جب کچھ
اظہار کرنا چاہا تو وہاں کی عرب حکومتوں نے الٹے انہیں ہی گرفتار کرکے
اور ان کے ویزے منسوخ کرکے انہیں آناً فاناً ملک بدر کر دیا۔۔۔۔
مجھے چند دن پہلے پڑھی ہوئی یہ رپورٹ بھی یاد آئی کہ "ایک عرب شہزادے
نے صرف ایک دن اور ایک رات کے عوض فرانس کی ایک پیشہ ور
عورت کو تقریباً ایک لاکھ پونڈ کا نذرانہ پیش کیا۔ اس وقت مجھے یہ
خیال آیا تھا کہ صرف یہی رقم کتنے بوسنیائی مسلمانوں کی جان بچا سکتی تھی ؟؟؟
اور یہ سب سوچ کر جو سوال میرے ذہن میں آیا وہ یہ تھا کہ:۔

قرآن آگاہ کر چکا ہے کہ اگر مسلمانوں نے
"آداب مسلمانی" کو بالکل ہی خیر باد کہہ دیا
تو اللہ ان کی جگہ دوسری قوم لے آئے گا۔۔۔
میں سوچتا ہوں کہ کیا ہم اس مرحلہ تک

پہنچ گئے ہیں؟ کیا واقعۃً اب ہم مسلمان
کی حیثیت سے سوچنے اور اسی حیثیت سے عملی
قدم اٹھانے کی صلاحیت بالکل ہی کھو بیٹھے ہیں؟؟؟

ہمارے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے، اس کی تھوڑی سی تفصیل سطور بالا میں آپ نے پڑھی اور ابھی جو دو سوال آپ کے سامنے آئے، ان سے کچھ اشارہ مسئلہ کی اصل نوعیت کی طرف بھی ہوا، اس دوسرے پہلو کی وضاحت انشاء اللہ آئندہ گفتگو میں کیجائے گی ——— یار زندہ صحبت باقی!

بقیہ صـ ۶۲ کا

کر دوں گا کہ آپ اسے جو کتابیں مجھ تک پہنچانے کے لئے دیں وہ بحفاظت لے آئے اس طرح انشاء اللہ یہ مسئلہ حل ہو جائے گا۔

ایودھیا کے مسلمانوں کی باز آبادکاری کے سلسلہ میں جو کچھ آپ کر رہے ہیں اس کا علم خط سے بھی ہوا۔ اپیل کے الرشاد سے بھی۔ اور ہمارے ایک دوست مولانا سکندر علی اصلاحی نے زبانی بھی تفصیل سے بتایا۔ کہ وہاں مکانات اور مساجد کے تعمیر کے علاوہ آپ نے مدرسہ بھی قائم کر دیا ہے۔ اس خدمت پر دل سے دعائیں نکلیں کہ اللہ تعالیٰ اس پر اجر جزیل عطا فرمائے۔ ورنہ آج کے زمانے میں بیان بازی اور زبانی جمع خرچ کرنے والے تو بہت سے لوگ ہیں مگر سنجیدگی اخلاص اور دلسوزی سے کام کرنیوالے خال خال ہی نظر آتے ہیں۔

والسلام
دعاؤں کا طالب
رضی الاسلام ندوی

جناب محمد کمال الظفر صاحب جنرل سکریٹری مونس (مسلم یونین فور نیشنل انٹی گریشن اینڈ سیکولرزم)

کو جناب مولانا ولی رحمانی صاحب کا انٹرویو

س ۱- ۶ دسمبر کو بابری مسجد کی شہادت کے بعد فرقہ پرستی کو ختم کرنے یا کم کرنے کے لئے مرکزی حکومت اور سیاسی پارٹیوں کے اقدامات پر آپ کی کیا رائے ہے؟

ج م د:- میں نہیں جانتا کہ مرکزی حکومت نے ۶ دسمبر کے بعد فرقہ پرستی کو کم کرنے کیلئے کوئی اقدام کیا ہے لیکن یہ واقعہ ہے کہ وزیراعظم نے ۷ دسمبر کو یہ اعلان کیا کہ بابری مسجد کو توڑنے کا شرمناک واقعہ فرقہ پرستوں نے کیا ہے ہم مسجد بنائیں گے مگر جس دن وزیراعظم یہ اعلان کر رہے تھے اسی دن بابری مسجد کے ملبوں پر رام مندر کی دیوار کھڑی کی جا رہی تھی۔ یہ تو کوئی یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ رام مندر کو توڑ کر مسجد بنائی گئی ہے۔ مگر یہ بات یقین کے ساتھ کہی جاتی رہے گی کہ وزیراعلیٰ کے کورٹ میں حلفیہ اقرار، وزیراعظم کے اعلان اور عدالت کے احتیاطی اقدام کے باوجود ۶ دسمبر کو مسجد توڑی گئی اور مندر بنایا گیا۔ جہاں تک سیاسی پارٹیوں کا تعلق ہے کئی پارٹیوں نے فرقہ پرستی کے خلاف ذہن بنانے کی کوشش کی ہے مگر وہ پھیلی ہوئی فرقہ پرستی کے بھرپور مقابلہ کے لئے ناکافی ہے۔

س:- ارجن سنگھ کے اقدامات نے فرقہ پرستی کو کم کیا ہے؟

ج:- ارجن سنگھ اور بعض دوسرے بڑے کانگریسی لیڈروں نے فرقہ پرستی کا مقابلہ کرنے کے لئے عوامی جدوجہد کی ہے اور ان کے اثرات پڑے ہیں۔

س:- اس پورے عرصہ میں فرقہ پرستی کے بخار کو کم کرنے میں سب سے نمایاں رول کس لیڈر نے ادا کیا؟

ج:- یہ نمایاں رول کسی لیڈر نے نہیں ایک واقعہ نے انجام دیا ہے بمبئی دھماکہ نے فرقہ پرستی کے بخار کے زور کو توڑا ہے۔ یہ تکلیف دہ سچائی ہے اس واقعہ نے فرقہ پرستوں کے سامنے سوالیہ نشان ضرور بنا دیا ہے اور کم از کم ایڈوانی صاحب سے جے للیتا نے منہ موڑا

ہے ہمیں اس حقیقت کا بھی اعتراف کرنا چاہیے کہ ۶؍ دسمبر کے حادثہ پر انگریزی اور ہندی اخبارات نے کڑی تنقید کی ہے اور فرقہ پرستی کے خلاف مضبوط محاذ آرائی کی ہے۔

س :۔ بات چیت جب بمبئی کی آنکلی تو بتائیے کہ بمبئی کے مجرموں کو گرفتار کرنے کی کوشش سے آپ مطمئن ہیں ؟

ج :۔ بمبئی کے مجرموں کا پتا لگانا حکومت کی ذمہ داری ہے اور وہ بڑی مستعدی کے ساتھ ہندوستان کے اندر اور باہر مجرموں کا پتہ لگا رہی ہے اور اس کام میں وہ اتنے مستعد ہے کہ دلیپ کمار اور سنیل دت جیسے وطن پرستوں کو بھی مشتبہ نگاہ سے دیکھتی ہے۔ اس حقیقت سے انکار کرنا غلط ہوگا کہ کسی ایک معاملہ میں مستعدی کا مطلب ہرگز نہیں ہے کہ دوسرے معاملوں میں بھی پولیس اور افسران فرض شناس یا غیر جانبدار ہیں۔ ہم بم حادثہ کے فرض شناسوں سے دسمبر اور جنوری کے فساد بمبئی کے مجرمین کی سرگرم تلاشی کی بھی توقع رکھتے ہیں ہم ان پولیس افسروں کے خلاف کارروائی ضروری سمجھتے ہیں جن کے فرقہ پرستانہ، بدبختانہ اور مسلمانوں کے خلاف نفرت آمیز جملے ٹیپ میں محفوظ ہیں، سیتا، ساوتری، رادھا کے دیش میں سیناؤں، رادھاؤں کا جو حشر سورت میں کیا گیا اور ان کی ویڈیو فلم پورے ملک میں بانٹی گئی اور فروخت کی گئی، انہیں گرفتار کرنے میں اگر پولس سرگرمی نہیں دکھاتی تو اسے غیر جانبدار اور قانون کا وفادار کیسے کہا جا سکتا ہے ؟

س :۔ آپ کے خیال میں کیا بمبئی کیس میں پاکستان کا ہاتھ ہو سکتا ہے ؟

ج :۔ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے عالمی سیاست جس انداز پر جا رہی ہے کسی بھی ملک کا ہاتھ بمبئی کے واقعہ میں ہو سکتا ہے۔ اگر ہم ۱۹۷۱ء کے مشرقی پاکستان (موجودہ بنگلہ دیش) میں کارروائی کر سکتے ہیں تو یہ ناممکن نہیں کہ بمبئی حادثہ میں پاکستان کا ہاتھ ہو دوسروں کے گھروں میں تاک جھانک کرنے والے یہ بھول جاتے ہیں کہ ان کے آنگن پر بھی نگاہ جمائی جا سکتی ہے۔

س :۔ دہشت گردی کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے ؟

ج :۔ یہ کسی بھی سماج کا ناسور اور ملک کے لئے مہلک ہے، ہمیں عوامی اور سرکاری

دونوں طرح کی دہشت گردی کو غلط سمجھتا ہوں۔ عوامی دہشت گردی تو سب سمجھتے ہیں۔ سرکاری دہشت گردی کا نمونہ جگموہن (گورنر کشمیر موجودہ ممبر پارلیمنٹ) کے زمانۂ گورنری میں سرکاری عملہ کی کشمیر میں جابرانہ اور قانون سوز کارروائی ہے۔ بمبئی کے حالیہ حادثہ میں ۱۰۷ افراد کی گرفتاری اور ان کا لاپتہ ہونا سرکاری دہشت گردی کی ایک قسم ہے۔

س :۔ موجودہ حالات میں مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے ؟

ج :۔ سمجھدار، باکردار، روادار، تیار۔ کسی بھی جماعت اور ملت کی عظمت ان چار ستونوں پر قائم ہو سکتی ہے۔

س :۔ لوگوں کا خیال ہے کہ بابری مسجد اگر اصلی جگہ پر بننا شروع ہوئی تو ملک میں مسلمانوں کے خلاف زبردست خون ریزی ہوگی۔

ج :۔ خیال پر کون پابندی لگا سکتا ہے ؟

س :۔ بابری مسجد کی دوبارہ تعمیر اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی و سکون میں سے کسی ایک کو چننا ہو تو؟

ج :۔ پنجاب میں، میزورم میں، کشمیر میں ذات پات کی لڑائی میں کوئی بابری مسجد بیچ میں نہیں ہے مگر ہم آہنگی نہیں ہے۔ مسئلہ صرف بابری مسجد کا نہیں ہے مسئلہ اس ملک کے آئین اور دستور کا ہے۔ عدلیہ اور پارلیمنٹ کا ہے، مسئلہ یہ ہے کہ کیا لاکھ دو لاکھ کی بھیڑ جمع کر کے جو کچھ کر لیا جائے، وہ درست ہے ؟

س :۔ مسلم اقلیت کو موجودہ حالات میں کیا کرنا چاہئے ؟

ج :۔ جب ہم اقلیت کہتے ہیں تو اکثریت اور اقلیت، حق تلفی اور حق طلبی کی تاریخ سامنے آتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ذہین لوگوں نے مسلم کے ساتھ اقلیت کا لفظ جوڑا ہے، اور مسلمانوں نے سوچے سمجھے بغیر اس لفظ کو قبول کر لیا ہے پھر یہ ذہن بنتا گیا کہ ایک طرف بہت بڑی اکثریت ہے اور دوسری طرف چھوٹی اقلیت۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ ہمارا وطن عزیز صرف مذہبی اقلیت اور اکثریت کا ملک نہیں ہے۔ یہ ملک اقلیتوں کا ملک ہے اس میں مختلف قسم کی اقلیتیں آباد ہیں۔ یہاں مذہبی اقلیتیں ہیں، لسانی اقلیتیں ہیں، تہذیبی اکائیاں ہیں، صوبائی تقسیم جیسے ہم بہت ہلکا سمجھتے ہیں اس کا اثر یہ ہے کہ ۴۵ سال گذر گئے مگر بنگلہ دیش اور پاکستان

میں "بہاری مسلمانوں کا مسئلہ" موجود ہے۔ یہ وہ بہاری ہیں جن کے آباؤ اجداد بنگلہ دیش یا پاکستان گئے تھے ان کی بہت بڑی اکثریت نے بہار کو دیکھا تک نہیں ہے مگر "بہاری مسلمان" ان کی شناخت بنا ہوا ہے۔ ایک خالص ہندوستانی بنگالی کے لئے بھی "آمار سنار بنگلہ" کا خواب کتنا حسین ہوتا ہے یہ ان کے دل میں جھانک کر دیکھئے۔ رام جی کے سلئے سب کچھ نچھاور کرنے والے کروڑوں ہیں تو راون کی عظمت کا گن گانے والے بھی دکھن ہندوستان میں بھرے پڑے ہیں۔ جب کسی مندر میں جانے سے بابو جگجیون رام کو روکا جائے تو ایک ہریجن کے دل پر کیا بیت جاتی ہے اسے سمجھئے اور جب کشمیری برہمن نسل کی پروقار خاتون محترمہ اندرا گاندھی کو اس جرم میں مندر میں داخلہ کی اجازت نہیں ملی کہ ان کا شوہر پارسی تھا تو اس عظیم خاتون کو کیسا جھٹکا لگا ہوگا اور ہندوستان کی تمام آبادی کی بہت بڑی تعداد کا اعتماد رکھنے والی خاتون نے اپنے آپ کو کس طرح کمزور ترین اقلیت سمجھا ہوگا۔ یہ ہمارے ملک کی اقلیت کی قسمیں ہیں اس لئے یہ ملک اقلیتوں کا مجموعہ ہے جو کسی اعتبار سے اکثریت میں ہے۔ دوسرے اعتبار سے اقلیت کی صف میں کھڑا ہے۔ اس لئے میں ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے "مسلم اقلیت" کے لفظ کو واقعہ کی غیر واقعی تعبیر سمجھتا ہوں۔

س :۔ آپ کی یہ تشریح مان بھی لی جائے تو میرا سوال یہ ہوگا کہ مسلمانوں کو موجودہ حالات میں کیا کرنا چاہئے۔

ج :۔ میں نے گفتگو کے دوران چار الفاظ استعمال کئے ہیں جو کسی بھی ملت کی ترقی کا زینہ بن سکتے ہیں، "سمجھدار، باکردار، رواداری، تیار"

• • •

بقیہ وفیات

کے وہ بے حد گرویدہ تھے، یہی جذبہ ان کو مولانا مودودی مرحوم کے قریب لے گیا اور ۱۹۴۱ء میں ابتداً جو علماء جماعت اسلامی میں شریک ہوئے ان میں وہ بھی تھے مگر اس کے مرکز دارالسلام میں کچھ دن رہنے کے بعد ان کو اس سے زیادہ اطمینان نہیں رہا اس لئے خاموشی سے علیحدہ ہو گئے مگر کبھی زبان و قلم سے اس کے خلاف کوئی بات نہیں کہی اور نہ لکھی۔

افسوس ہے کہ ان ہمہ جہتی خوبیوں کے صاحب دل علماء ایک ایک کر کے

٢٥١

اسلامی فقہ اکیڈمی کیطرف سے

عربی مدارس کے طلبہ کا دوسرا تربیتی کیمپ

بمقام دارالعلوم الاسلامیہ بستی (یوپی)

اس وقت عام طور پر شکایت ہے کہ عربی مدارس کے فضلا میں دن بدن استعداد کم ہوتی جا رہی ہے اس وجہ سے نہ تو مدارس کو اچھے مدرس مل پا رہے ہیں اور نہ زندگی کے دوسرے شعبوں کے لئے وہ کارآمد ثابت ہو رہے ہیں، اور موجودہ حالات کے لحاظ سے جس حکمت و وسعت نظری کے ساتھ ملت کی رہنمائی کا فریضہ انہیں انجام دینا چاہئے وہ اس سے بالکل ناآشنا ہوتے ہیں انہی کمیوں کو دور کرنے کے لئے اسلامی فقہ اکیڈمی جس کے سربراہ حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب ہیں کی طرف سے مدارس کے منتہی طلبہ کے لئے تربیتی کیمپ کا سلسلہ شروع کیا گیا ہے پہلا کیمپ پچھلے سال غازی آباد میں ہوا تھا اب دوسرا کیمپ دارالعلوم الاسلامیہ بستی کی شاندار مسجد اور خوبصورت وسیع عمارت میں انجام پذیر ہوا اس پانچ روزہ کیمپ میں علماء اور جدید تعلیم دونوں حلقہ کے ممتاز لوگوں نے طلبہ کے سامنے مختلف علوم وفنون پر قیمتی لکچر دیئے اکیڈمی کے سربراہ قاضی مجاہد الاسلام صاحب تین دن تک وہاں بنفس خود موجود رہے اور علوم دینیہ اور خاص طور پر اسلامی فقہ پر کئی قیمتی تقریر بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہے کہ قیمتی درس دیئے راقم الحروف نے بھی ایک مختصر تحریر پیش کی اور کچھ باتیں زبانی عرض کیں اسی طرح علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اور دوسری یونیورسٹیوں کے متعدد پروفیسر حضرات نے جدید علوم پر طلبہ کو بڑی قیمتی باتیں بتائیں اس کیمپ کی کامیابی کیلئے اسلامی فقہ اکیڈمی کے ذمہ دار کے ساتھ مولانا باقر حسین صاحب مدظلہٗ بانی ادارہ اور مولانا ظہیر انور صاحب اور دوسرے اساتذہ اور طلبہ مبارکباد اور شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے آنے والے طلبہ علماء اور معزز مہمانوں کی راحت وآرام کا پورا انتظام کیا اور پوری دلچسپی

سے اس میں دن رات لگے رہے اور اس مفید تربیتی کیمپ کو کامیابی سے ہمکنار کرنے میں اپنا پورا حق ادا کیا اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کو جزائے خیر عنایت کرے۔

اس سلسلہ میں راقم الحروف نے ملی کونسل کی ضلع بستی کی تنظیم پر ادارہ کے ذمہ دار یا خاص طور پر مولانا اسعد صاحب سے گفتگو کی انشاء اللہ یہ حضرات پورا تعاون کریں گے جلد ہی ضلع بستی کی باقاعدہ تنظیم قائم ہو جائے گی۔ یہ بھی خوشی کی بات ہے کہ ملی کونسل کے سامنے ملک میں تعلیم کو پھیلانے کا جو وسیع پروگرام پیش نظر ہے اس کو حضرت مولانا محمد باقر صاحب مدظلہ نے بہت پسند کیا اور جلد ہی اس شعبہ کو مدرسہ کی اس وسیع زمین پر شروع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ جو شہر سے باہر انہوں نے بہت پہلے خریدی تھی مگر کچھ شرپسندوں کی وجہ سے اس پر کوئی بڑا کام نہ ہو سکا تھا۔ اللہ تعالیٰ ان کے اس ارادہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچائے آمین۔

...

عیدگاہ سہارنپور کا مسئلہ

سہارنپور کی عیدگاہ کا مسئلہ واقعی بڑا سنجیدہ مسئلہ ہے عیدگاہ کی زمین کا حکم بھی مسجد کی زمین کے حکم جیسا ہے اس لئے اس زمین پر دوکانیں بنانا یا کوئی کیمپکس بنانا کس طرح صحیح ہے جیسا کہ مظاہر العلوم کے فتوے سے ظاہر ہوتا ہے اس کے باوجود جناب فرحت علی کنٹرولر وقف اگر اس غیر شرعی کام پر مصر ہیں تو بڑی دیدہ دلیری کی بات ہے۔ اگر وہ فتویٰ اور عدالت کے حکم کے باوجود نہیں مانتے ہیں تو سہارنپور کے مسلمانوں کا فرض ہیکہ وہ انکو اس اقدام سے روکیں۔

اور جناب انور صاحب ایڈوکیٹ جو اقدام اس سلسلہ میں کر رہے ہیں وہ ہر طرح لائق تحسین ہے فرحت علی کا اقدام نہ یہ کہ صرف شرعی اعتبار سے غلط ہے بلکہ وہ اس سے ایسی مثال قائم کر رہے ہیں جس سے ہماری نہ جانے کتنی مسجدیں اور عیدگاہیں اس کی زد میں آجائیں گی۔

وقف زمین اللہ تعالیٰ کی ملک ہے، اس میں شریعت کے حدود سے تجاوز کر کے اپنے خواہش نفس کے تحت کوئی تصرف کرنا نا جائز ہے بلکہ یہ خدا تعالیٰ سے کھلی ہوئی بغاوت ہے۔

الرشاد کی ڈاک

مکرمی و محترمی! جناب مولانا ولی رحمانی صاحب مدظلہ،

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے مزاج گرامی بخیر ہو

آج آپ کا وہ انٹرویو میں نے پڑھا جو آپ نے کمال الدین ظفر صاحب کو دیا ہے جس سے دل خوش ہو گیا ایسا محسوس ہوا کہ حضرت مولانا منت اللہ کی روح اس میں سرایت کئے ہوئے ہے کاش یہ انٹرویو تمام تمام نیشنل پریس میں آجاتا تو کیا کہنا تھا۔ گو کہ یہ طاقت کی زبان سمجھنے والوں کے لئے بڑی سے بڑی سچائی اور حقیقت بے قیمت ہوتی ہے۔

میں امید کرتا ہوں کہ ملت کے تمام مسائل اور اس کے حل کرنے والوں کے سلسلہ میں آپ اسی انصاف پسند اور صاف ذہن کے ساتھ تعاون دیتے رہیں گے۔

فقط خادم

مجیب اللہ ندوی

۲۶ / ۵ / ۹۳ء

مکرم و محترم زید حسناتکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کرم نامہ نظر نواز ہوا۔ یاد آوری کے لئے مشکور ہوں۔ انٹرویو آنجناب کو پسند آیا۔ فالحمد للہ۔ اس انٹرویو میں آپ کو والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کی سرایت کی ہوئی روح محسوس ہوئی، یہ میرے لئے اطمینان کی بات ہے۔

آپ نے اس امید کا اظہار کیا ہے کہ ملت کے تمام مسائل اور اس کے حل کرنے والوں کے سلسلہ میں میں اسی انصاف پسند اور صاف ذہن کے ساتھ تعاون دونگا۔ مجھے اعتماد ہے کہ ملت کے مسائل کے بارے میں ہمیشہ میں نے اخلاص کے ساتھ غور وفکر کیا ہے،

اور اپنی محدود صلاحیت کے لحاظ سے جو کچھ ہوسکا، خدمت انجام دی ہے۔ "مسائل کے حل کرنے والوں" یا صحیح لفظوں میں مسائل سے دلچسپی لینے والوں کے ساتھ بھی میں نے انصاف سے کام لیا ہے۔ آپ کے علم میں اگر میری روش کہیں کچھ اور بھی رہی ہے تو براہ کرم اس کی نشاندہی فرمائیں۔ اپنی اصلاح یا آپ کو مطمئن کرنے کی کوشش کرونگا۔
شاید الرشاد میں میرا وہ انٹرویو آرہا ہے، اس کے ساتھ آپ کا کرم نامہ اور اس گذارش احوال واقعی کی بھی اشاعت ہو جائے، تو ایک چیز محفوظ ہو جائے گی۔
خدا کرے آنجناب اور تمام رفقاء کار بخیر ہوں۔ والسلام

محمد ولی رحمانی ۹/۷/۹۳ء

محترمی ومکرمی جناب مولانا مدظلہ العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ بصحت وعافیت ہوں۔
اس وقت میرے پیش نظر آپ کے دو خطوط ہیں ایک ۵ / اپریل ۹۳ء کا لکھا ہوا اور دوسرا الی کونسل کے دعوت نامہ کے ہمراہ ۴ / مئی کو گھر سے والدہ کی طبیعت خراب ہونے کی اطلاع آئی اور میں فوراً گھر چلا گیا جہاں سے ۱۳ کو واپسی ہوئی۔ کاش اگر مجھے آپکا دوسرا خط پہلے مل جاتا تو آپ سے ملاقات کی صورت ضرور نکل آتی اس لئے کہ میں لکھنؤ کے راستے ہی گھر گیا تھا۔ اس سوء اتفاق پر جتنا افسوس کروں کم ہے۔
یہ جان کر خوشی ہوئی کہ تبصرے جو ادھر ادھر ہو گئے تھے مل گئے ہیں اور انہیں آپ مئی کے شمارے میں شائع کر رہے ہیں۔ یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ سارے تبصرے مل گئے یا چند ہی، بہر حال میں مئی کا شمارہ دیکھ کر بقیہ کتابوں پر دوبارہ تبصرہ کر کے بھیج دونگا انشاء اللہ
یہاں ڈاکٹر کبیر احمد جائسی نے کئی بار یاد دلایا کہ "کبیر احمد جائسی کی علمی وادبی خدمات" نامی کتاب پر تبصرہ اب تک نہیں شائع ہوا ہے۔ بقرعید کے موقع پر اعظم گڑھ جانے والا کوئی ساتھی مل گیا تو میں اس کے ساتھ تبصرہ شدہ کتابیں بھیج دونگا اور اسے بھی ہدایت

بقیہ ص ۵۵ پر

وفیات

حضرت مولانا سید صبغۃ اللہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا سانحۂ ارتحال

مولانا سید صبغۃ اللہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ ان گنے چنے ممتاز علماء میں تھے جو صاحب علم ہونے کے ساتھ صاحب نسبت بزرگ بھی تھے جن کا سلسلہ ارشاد دکن کے ایک بڑے حلقے تک پھیلا ہوا تھا عام طور پر صاحب ارشاد بزرگ اپنے حلقہ سے باہر کے علما اور بزرگوں سے کم تعلق رکھتے ہیں مگر اس دور میں دو بزرگوں کو دیکھنے کا اتفاق ہوا جو اپنی مسندوں کو چھوڑ کر دوسرے علماء اور بزرگوں کے یہاں حاضری دیتے میں انہیں کوئی تکلف نہیں ہوتا تھا ایک حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاب گڈھی رحمۃ اللہ علیہ دوسرے سید صبغۃ اللہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہی وجہ تھی کہ ہر طبقہ اور ہر حلقہ کے لوگ ان بزرگوں سے استفادہ کرنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتے تھے مجھے یاد ہے کہ ندوہ کے صد سالہ جشن میں مولانا بخاری اپنا زیادہ تر وقت حضرت پرتاب گڈھی کی خدمت میں گزارتے تھے راقم الحروف سے بھی بڑی محبت کرتے تھے ایک دو مہینے اگر خط نہ لکھ پاتا تو وہ فوراً دریافت خیریت کے لئے گرامی نامہ لکھ دیتے تھے، اب ایسی وسعت نظری رکھنے والے علماء خال خال نظر آتے ہیں، مولانا ایک مدت تک جامعہ دارالسلام عمر آباد میں شیخ التفسیر اور مدرسہ باقیات صالحات میں شیخ الحدیث اور شیخ الفقہ رہے علوم دینیہ میں پورا درک تھا، خاص طور پر اسماء الرجال پر گہری نظر تھی، ادھر کئی برس سے معہد احسانی کے نام سے ایک ادارہ قائم کر کے اہل طلب علماء اور عوام کی تربیت و تزکیہ کا کام خاموشی سے انجام دے رہے تھے۔

طبیعت میں اخلاص تھا اس لیے جو بھی کوئی دینی تحریک اٹھتی تھی اسے تعاون کرتے تھے، ان کو تبلیغی جماعت سے بھی انس تھا، جمعیۃ العلماء کے اکابر سے بھی انکے روابط تھے، ندوہ سے ان کو حد درجہ محبت تھی، حضرت سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ

بقیہ صفحہ ۵۸ پر

محترم مرتب الرشاد مدظلہ کی وہ قابل قدر علمی و دینی تصانیف

جو دار التالیف والترجمہ جامعۃ الرشاد یا دوسرے مکتبوں سے شائع ہوئی ہیں

۱۔ اسلامی فقہ اول دوم

محترم مولانا مجیب اللہ ندوی کی تصنیف کردہ اسلامی فقہ کو بحمد اللہ ملک میں قبول عام حاصل ہے اس کی مقبولیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اب تک اس کے سات ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں مصنف موصوف نے اس میں غیر معمولی اضافہ کر دیا ہے خاص طور پر معاشرتی و معاملاتی مسائل والے حصہ میں سیکڑوں جدید مسائل مثلاً خون چڑھانا، پوسٹ مارٹم، نسبندی اور تلکی زادہ انسانی اعضا کی پیوندکاری وغیرہ کے احکام کا اضافہ کر دیا گیا ہے گویا شریعت اسلامی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جس پر اس کتاب میں روشنی نہ پڑ گئی ہو یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا اسلامی فقہ کے موضوع پر اردو زبان میں اس سے زیادہ مفصل کوئی کتاب موجود نہیں ہے تمام اہم مسائل میں ائمہ اربعہ کے مسلک کا متن یا حاشیہ میں ذکر کر دیا گیا ہے تاکہ شریعت اسلامی کی وسعت کا پورا اندازہ ہو سکے اب اس کی ضخامت صفحات سے زیادہ ہو گئی ہے اس لئے دو حصوں میں کر دی گئی ہے یہ کتاب نہ صرف عام پڑھے لکھے لوگوں کے لئے مفید ہے بلکہ عربی مدارس کے طلبہ و اساتذہ کے لئے بھی ایک نادر تحفہ ہے۔ یہ کتاب ہر گھر ہر لائبریری اور ہر مدرسہ میں رکھے جانے کے قابل ہے۔

قیمت حصہ اول ۶۵؍ حصہ دوم ۶۵؍

۲۔ اسلامی فقہ کا سرقہ

اسلامی فقہ پہلے مکتبہ الحسنات سے شائع ہوئی تھی اس کے موجودہ مالک نعیم صاحب کی بدمعاملگی کی وجہ سے انہیں شائع کرنے سے روک دیا گیا، اس انتقام میں انہوں نے اصل کتاب میں تھوڑی سی عبارت کی تبدیلی کر کے اسے ایک غیر معروف آدمی کے نام سے شائع کر دیا مگر انشاء اللہ وہ اصل اسلامی فقہ کی جگہ نہ لے سکے گی لیکن یہ افسوس ضرور ہے اقامت دین کے داعی لوگ اس کی تائید کر رہے ہیں اور اپنے مکتبوں میں بیچ رہے ہیں۔

۳۔ قرآن پاک کی تعلیم اور اسکی عظمت

اس میں قرآن پاک کی تعلیم اور اس کی عظمت کو بڑے مؤثر انداز میں پیش کیا گیا ہے اور ساری مثالیں قرآن پاک کی آیات اور احادیث نبوی سے دی گئی ہیں جس سے تلاوت قرآن اور اسکے سمجھنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ قیمت صہ

۴۔ اہل دل کی باتیں

یہ حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڈھی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے جس کے پڑھنے سے ایمان میں تازگی، آخرت کی یاد اور عمل کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اس کا نیا ایڈیشن کچھ اضافہ کے ساتھ چھپ گیا ہے۔ قیمت ۲۵

۵۔ خطبۂ نکاح

جو خطبہ نکاح کے وقت پڑھا جاتا ہے وہ ایک زبردست معاشرتی ہدایت ہے مصنف نے اس کی بڑی مؤثر تشریح کی ہے ہر نکاح کے وقت تقسیم کرنے کے قابل ہے۔ قیمت ۳ ۔/ روپے

۶۔ مسئلۂ کفاءت

شادی بیاہ میں برابری کا خیال کرنا صحیح ہے مگر یہ برابری دین و تقویٰ میں ہونی چاہیئے مسلمانوں میں جو پیشہ کے اعتبار سے مستقل طور پر برادریاں قائم ہو گئی ہیں ان کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے بلکہ یہ ہندو تہذیب کے اثر سے ہے اس مسئلہ پر مصنف نے سیر حاصل بحث کی ہے۔

قیمت ۵ ۔/ روپے

۷۔ جہیز کی شرعی حیثیت

اس وقت شادی بیاہ میں جہیز کے مطالبہ نے ایک فتنہ کی صورت اختیار کر لی ہے جس سے لڑکیوں کی شادی عام آدمی کے لئے ایک مصیبت بن گئی ہے اس پر ایک عالم نے بہت تحقیقی بحث کی ہے جس پر مولانا ندوی کے قلم سے ایک دیباچہ بھی ہے۔

قیمت ۔/ روپے

یہ تینوں کتابیں اصلاح معاشرہ کے لئے بہترین تحفہ ہیں۔

۸۔ دینی مدارس اور انکی ذمہ داریاں

اس میں دینی مدارس کی ذمہ داریوں کو بڑے پر اخلاص پر سوز انداز میں بیان

کیا گیا ہے اس کے بعض مضامین کو شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے کئی سو کے مجمع میں پڑھ کر سنوایا اور فرمایا کہ اس کو ہر استاذ اور طالب علم کو پڑھنا چاہیئے۔

قیمت صرف ۲ روپیئے

۹۔ عبادت و خدمت

اس میں خدمت خلق پر اس نقطۂ نظر سے بحث کی گئی ہے کہ خدمت خلق بھی عبادت ہے اس کا انگریزی اور عربی ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔

قیمت ۲/ روپیئے

۱۰۔ سرمد اور ان کی رباعیاں

اس میں سرمد کے حالات زندگی اور ان کی رباعی گوئی اور ان کے قتل کے اسباب پر مفصل روشنی ڈالی گئی ہے اور آخر میں ان کی رباعیاں ترجمہ کے ساتھ شامل کر دی گئی ہیں اس سے پہلے کسی نے اتنی تفصیل سے اس موضوع پر کوئی چیز نہیں لکھی ہے یہ کتاب اردو اکیڈمی یوپی کی مدد سے شائع ہوئی ہے۔

۱۱۔ خواجہ میر درد اور انکی شاعری

عام طور پر خواجہ میر درد کو ایک شاعر سمجھا جاتا ہے لیکن شاعری میں ایک بلند مقام رکھتے ہوئے یہاں کی قانونی حیثیت ہے وہ ایک زبردست عالم اور صاحب سلسلۂ شیخ اور صاحب دل بزرگ تھے مصنف نے ان کی کتابوں کی روشنی میں ان کی زندگی اور شاعری کی والہانہ انداز میں تفصیل کی ہے۔ کتاب زیر ترتیب ہے اس کا کچھ حصہ الرشاد میں شائع ہو چکا ہے۔

۱۲۔ ریاض الحدیث

یہ احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا مختصر مجموعہ ہے جس میں ایمان و عقیدہ اور عبادات سے زیادہ معاملات معاشرت اور اخلاق سے متعلق حدیثیں جمع کر دی گئی ہیں اور محترم مرتب مدظلہ نے حدیث کی مختصر مگر جامع اور دلنشیں تشریح کر دی ہے۔ جس سے اس کی افادیت میں مزید اضافہ ہو گیا ہے مشغول سے مشغول آدمی بھی اس سے سفر و حضر ہر جگہ فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

قیمت بیس/ روپیئے

۱۳۔ وقت ایک دولت ہے

وقت اللہ کی عطا کی ہوئی کتنی قیمتی نعمت ہے اس کی اہمیت کو اس میں بڑے موثر انداز میں

بیان کیا گیا ہے یہ بلحاظ کہتر اور بقیمت بہتر کا مصداق ہے اسے ہر مسلمان کو نہ صرف پڑھنا چاہیئے بلکہ ہر وقت اپنے پاس رکھنا چاہیئے۔ قیمت ۱۰/۵۰ روپئے

۱۴۔ اسلامی قانون اجرت

اس کتاب میں مزدوروں کے مسائل پر اسلامی نقطۂ نظر سے بحث کی گئی ہے اس کا ملیالم میں ترجمہ بھی ہو چکا ہے اس کا پہلا ایڈیشن لاہور سے شائع ہوا ہے اب یہ کتاب تاج کمپنی دلی سے بھی شائع ہو گئی ہے۔

۱۵۔ تبع تابعین

اس کتاب میں ۲۹ اکابر تبع تابعین اور اکابر امت کے علم و فضل کا مفصل ذکر ہے جس میں امام ابو یوسف، امام محمد اور عبداللہ بن مبارک، امام ظفر، فضیل بن عیاض، سفیان ثوری وغیرہ جیسے اکابر امت شامل ہیں۔

قیمت ۵۰/ روپئے

۱۶۔ اہل کتاب صحابہ و تابعین

اس کتاب میں ان ترانوے صحابہ صحابیات اور تابعین کا ذکر ہے جو اسلام سے پہلے یہودی یا نصرانی تھے اور پھر مسلمان ہوئے دنیا کی کسی زبان میں اس موضوع پر کوئی کتاب نہیں۔

قیمت ۲۵/ روپئے

۱۷۔ اجتہاد اور تبدیلی احکام

اس کتاب میں ان نئے مجتہدین کا مدلل اور مفصل جواب دیا گیا ہے جو کہتے ہیں کہ قرآن و سنت کے صریح احکام کو بھی اجتہاد کے ذریعہ بدلا جا سکتا ہے۔ قیمت ۳۰/ روپئے

۱۸۔ فتاویٰ عالمگیری اور اسکے مولفین

عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے فتاویٰ عالمگیری کو [illegible] کی ایک پوری جماعت نے مرتب کیا تھا مگر اب تک اس کے مصنفین کے نام سے لوگ ناواقف تھے مصنف نے بڑی تلاش جستجو سے ان کے حالات جمع کر دیئے ہیں اور اس میں فقہ کی جن کتابوں سے مدد لی گئی ہے اسکی تفصیل بھی کر دی ہے۔ قیمت ۲۵/

۱۹۔ اسلام کے بین الاقوامی اصول و تصورات

اسلام نے بین الاقوامی تعلقات کے سلسلہ میں جو

اصول دیئے ہیں ان پراس میں مفصل بحث کی گئی ہے یہ مقالہ تھا جو ۱۹۵۷ء میں مسلم یونیورسٹی علیگڈھ میں پڑھا گیا تھا اب اضافہ کرکے اسے کتابی شکل دے دی گئی ہے یہ تینوں کتابیں دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری نسبت روڈ لاہور سے شائع ہوئی ہیں ہندوستان میں بھی اسکے چھاپنے کی کوشش کیجا رہی ہے۔ قیمت صہ ۶۵ /

۲۰۔ فقہ اسلامی اور دور جدید کے مسائل ان میں ان بنیادی اصولوں کا تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے کہ جن کی بنیاد پر نئے پیش آمدہ مسائل میں ایک مفتی غور کرکے ان کے جوابات دے سکتا ہے یہ کتاب مکتبہ جامعہ نئی دلی سے شائع ہوئی تھی اب دوبارہ یہ کتاب دارالتالیف والترجمہ سے شائع ہوئی ہے۔

۲۱۔ اسلامی تعلیم حصہ اول، دوم، سوم، چہارم اس میں اسلامی مسائل کو بڑے سلیس اور دلچسپ انداز میں بچوں کے ذہن نشین کرانے کی کوشش کی گئی ہے یہ سیکڑوں مکاتب اسلامیہ کے نصاب میں داخل ہے پورے سیٹ کی قیمت ۲۰ / روپئے ہے۔

۲۲۔ ان کتابوں کے علاوہ ابھی مصنف مدظلہ کے درجنوں مضامین الرشاد کے قیمتی اداریئے ہیں۔ جن کو کتابی شکل دینے کی کوشش کیجا رہی ہے۔ مثلاً خدمت حدیث میں عورتوں کا حصہ، قرآن پاک میں رحم، نماز اور خشوع، تواضع وخاکساری، مسلمان بادشاہوں کی تصانیف ذرائع آمدنی اور تقسیم ملکیت کا مسئلہ وغیرہ،

مکتبہ الرشاد دارالتالیف والترجمہ کے علاوہ دوسرے مکتبوں سے شائع شدہ اردو عربی کتابیں بھی مکتبہ سے مناسب قیمت پر دستیاب ہیں۔

پتہ

مہتمم مکتبہ الرشاد۔ رشاد نگر۔ اعظم گڈھ

سالانہ چندہ	جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ کا ترجمان	سالانہ چندہ
ہندوستان سے 50/-	ماہنامہ	غیر ممالک سے
خصوصی معاون 100/-	جامعۃ	پندرہ ڈالر امریکی
قیمت فی پرچہ 5/-	الرشاد	15/- $

جلد نمبر ۲۵ — اگست ۱۹۹۳ء مطابق صفر ۱۴۱۴ھ — شمارہ ۱۵۰

فہرست مضامین

نمبر	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	رشحات	مرتب	۲
۲	مضاربت قرآن وحدیث کی روشنی میں	پروفیسر ڈاکٹر فرید الدین شعبۂ اسلامیات گورنمنٹ کالج	۶
۳	موجودہ بنکنگ اور اسلامی بنک کاری	ڈاکٹر محمود الحسن عارف صاحب لاہور	۱۸
۴	ملت کے اختلافات کا وقتی علاج	مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ	۲۴
۵	طلاق کا مسئلہ اور ابلاغ عامہ	مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب	۲۹
۶	شریعت اسلامی کی روشنی میں اصلاح معاشرہ کے سلسلہ میں کچھ ضروری مشورے	مرتب	۳۳
۷	ہر روز ایک اچھا کام کرنے کی عادت ڈالو	ندیم شمسی (علیگ)	۳۷
۸	وفیات	مرتب	۳۹
۹	نئی کتابیں	مولانا رضی الاسلام ندوی	۴۴
۱۰	کتابوں کا اشتہار	مہتمم مکتبہ الرشاد	۴۸

مجلس ادارت

مجیب اللہ ندوی (مرتب)

ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی (علیگ)

ڈاکٹر محمد نعیم صدیقی ندوی

مقیم ابوظبی

منیجر توسیع واشاعت
مولوی عقیل احمد صاحب ندوی

کتابت
عبدالرحمن اعظمی

مجیب اللہ ندوی پرنٹر پبلشر وایڈیٹر نے نشاط آفسیٹ پریس ٹانڈہ سے چھپوا کر دفتر جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ سے شائع کیا

رشحات

راقم الحروف بار بار عرض کرتا رہے کہ ہندوستان میں جو فرقہ وارانہ سیاسی صورتحال ہے اس میں مسلمانوں کو ملی اتحاد کی شدید ضرورت ہے آپ جس مجلس جس ہوٹل اور جس محلہ اور گاؤں میں بیٹھیں ہر شخص آپ کو شکوہ اور افسوس کے انداز میں یہ کہتا ملے گا کہ ہمارے اندر کوئی قیادت نہیں ہے ہمارے اندر کوئی اتحاد نہیں ہے اس ملک میں ہمارا کوئی وزن نہیں ہے مگر انہی حضرات سے جب یہ کہئے کہ آپ ملکی پیمانہ پر نہ سہی محلہ اور گاؤں کی سطح پر اتحاد و اتفاق پیدا کرنے کی کوشش کریں تو پھر وہ نہ تو ایک قدم چلنے کے لیے تیار ہوں گے اور نہ اس کے لئے ایک گھنٹہ وقت دینے کے لئے تیار ہوں گے گویا شکوہ اور افسوس کے اظہار ہی تک ان کی یہ گفتگو محدود رہتی ہے ایک پڑھے لکھے مجمع میں اتحاد و اتفاق اور سیاسی وقار کی بحالی پر بات چیت ہو رہی تھی اور دانشور حضرات اتحاد اور مضبوط قیادت کے فقدان کا شکوہ کر رہے تھے ان حضرات سے جب یہ کہا گیا کہ ملی کونسل کا قیام اسی غرض سے کیا گیا ہے آپ حضرات عملاً اس کا تعاون کریں تو پھر اس کی کمیوں پر گفتگو شروع کر دی ان سے کہا گیا کہ آپ ہی حضرات کوئی صورت بتائیں کہ ہماری قیادت اور اتحاد کی کمی کیسے دور ہو تو اس کا کوئی جواب ان کے پاس نہیں تھا۔ اسی اثنا میں ایک صاحب بول اٹھے کہ ایک حدیث نظر سے گذری ہے کہ مسلمانوں کو امام مہدی کے آنے کی دعا کرنی چاہئے وہی آکر حالات درست کریں گے ان کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ ہم کو ساری جد وجہد چھوڑ کر امام مہدی کے آنے کا انتظار کرنا چاہئے یہ حدیث سن کر ان لوگوں کو اطمینان سا محسوس ہوا مگر ان لوگوں کو وہ حدیث کیوں نہیں یاد تھی جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اگر تمہارے سامنے قیامت کے آثار بالکل ظاہر ہو جائیں اور تمہارے ہاتھ میں ایک پودا ہو تو اسے لگا دو" یعنی قیامت کے آثار ظاہر ہو جانے کے بعد بھی جو موقع میسر ہے

اسے ضائع نہ کرو۔

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ عام طور پر جو لوگ اس قسم کی باتیں کرتے ہیں وہ اپنے لئے اسی طرح کے بہانے تلاش کر کے اپنے گوشۂ عافیت سے باہر قدم نکالنا نہیں چاہتے اگر کسی کو ملی کونسل پر اعتماد نہیں ہے تو اتحاد ملت کی کوششیں جس گوشہ سے بھی ہو رہی ہیں اس کو اس میں اپنی استطاعت کے بقدر حصہ لینا چاہئے یا پھر خود کوئی کوشش کرنی چاہئے تمناؤں اور آرزوؤں اور تنقیدوں سے تو کوئی کام ہونے والا نہیں ہے۔ ہمارے ذمہ صرف کوشش کرنا ہے اگر مقصد صحیح ہے اور اس کے پیچھے مخلصانہ جدوجہد کارفرما ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے نتائج بھی ضرور ظاہر کرے گا اور اگر بظاہر کوئی نتیجہ نہ بھی دکھائی دے تو بھی ہمیں ہر حال میں صحیح سمت پر کوشش جاری رکھنا چاہئے نتیجہ اللہ کے ہاتھ میں ہے ہم اگر نتیجہ کے بنیاد پر اپنی جدوجہد کو موقوف رکھیں گے تو اس کے معنیٰ یہ ہوئے کہ جو چیز اللہ کے ہاتھ میں ہے اسے ہم اپنے اختیار میں لینا چاہتے ہیں اگر ہم اس ذہن کے ساتھ ملی اتحاد اور اجتماعی قیادت کو برپا کرنے کی جدوجہد جاری رکھیں گے تو ہمکو انشاء اللہ کبھی مایوسی نہیں ہوگی۔

اس وقت ہمارے معاشرہ میں بدگمانی بے اعتمادی اور حسد اور اپنی رائے پر اصرار جو ہر طرف دکھائی دے رہا ہے اس سے یقیناً مایوس کن صورتحال کی عکاسی ہوتی ہے مگر اس خاکستر میں اب بھی بہت سی چنگاریاں چھپی ہوئی ہیں محض اسے ہوا دیدی جائے تو یہ شعلہ بن کر بھڑک اٹھیں گی۔ اس وقت بھی ملک کے مختلف حصوں میں اجتماعی احساس اور صلاحیت رکھنے والے افراد بکھرے ہوئے ہیں اگر ان کو یکجا کر لیا جائے تو ہمیں ہر شعبۂ زندگی کے لئے بہتر سے بہتر آدمی میسر آسکتے ہیں بحمد اللہ ملک کے دوروں کے درمیان ملی کونسل کو برابر ایسے افراد مل رہے ہیں۔

مسلم یونیورسٹی ہندوستان کے مسلمانوں کا ایک بہت بڑا سرمایہ ہے مگر آزادی کے بعد سے مرکزی حکومت برابر اس کوشش میں رہی ہے کہ وہاں کی باگ ڈور

ایسے لوگوں کے ہاتھ میں دے دی جائے جو اس کی ملی اور تہذیبی خصوصیات آہستہ آہستہ ختم کرتے رہیں چنانچہ وہاں پردہ کے قدیم اسلامی شعار کو ختم کیا گیا مخلوط تعلیم کو رواج دیا گیا بے دینوں اور ملحدوں کو ہر طرح کے مواقع دئے گئے اور اندرا گاندھی نے تو اسے بالکل ہندو یونیورسٹی بنانے کی کوشش کی تھی مگر مسلمانوں کے شدید ترین احتجاج نے ان کو اپنا آرڈیننس واپس لینے پر مجبور کر دیا مسلم یونیورسٹی کے اندر کمیونسٹ اور نیشلسٹ مسلمان ہمیشہ حکومت کا آلہ کار بنتے رہے ہیں جنہوں نے کبھی طلبہ کو انتظامیہ اور وائس چانسلر کے خلاف کھڑا کیا اور کبھی وائس چانسلر اور انتظامیہ کو طلبہ کے مدمقابل کر دیا اور یہ کھیل وہاں اب تک جاری ہے۔ یہ سب کچھ ہوتے ہوتے مسلم یونیورسٹی میں رشوت ستانی طلبہ کے داخلہ میں دھاندھلی غنڈہ گردی بداخلاقی کے جو چرچے موجودہ وائس چانسلر کے دور میں سنائی دے رہے ہیں وہ اس سے پہلے اس یونیورسٹی میں اس بڑے پیمانہ پر کبھی سنائی نہیں دئے مسلم یونیورسٹی کی کردار کشی کے خلاف وائس چانسلر سے ہمارے متعدد رہنماؤں نے گفتگو کی مگر وہ کسی طرح بھی اپنی روش بدلنے کے لئے تیار نہیں ہیں طلبہ میمورنڈم پر میمورنڈم دے رہے ہیں فریاد کر رہے ہیں مگر ان کی فریاد بادِ رہوا ہوتی جا رہی ہے۔ ہم تمام مسلم جماعتوں اور رہنماؤں سے درخواست کرتے ہیں کہ مسلم یونیورسٹی کے موجودہ انتظامیہ کو یکسر تبدیل کرنے کی سنجیدہ تحریک چلائیں اور مسلم یونیورسٹی کی ملی اور تہذیبی خصوصیات جو باقی رہ گئی ہیں انہیں ضائع ہونے سے بچانے کی پوری کوشش کریں۔ یہ ملت کی امانت ہے جس کی حفاظت ہمارا فرض ہے۔

اس وقت فرقہ پرست طاقتیں اور خود مرکزی حکومت اور الکشن کمشنر جو حقیقتاً آر ایس کے نمائندے ہیں کے ذریعہ ہندوستان میں بنگلہ دیشیوں کے مسئلہ کو ابھار کر مسلمانوں کے خلاف ایک نیا محاذ کھول دیا گیا ہے۔ اس کی سنگینی کا اندازہ صرف اس سے لگائیے کہ صرف آسام میں ۳۰ لاکھ آدمیوں کو ووٹر لسٹ سے خارج کر کے ان کو

بنگلہ دیش بھیجنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ اسی طرح، بہار، اڑیسہ، بنگال، یہاں تک کہ دلی میں بھی ان کی نشاندہی کا کام الیکشن کمشنر سیشن صاحب کرارہے ہیں۔ ان کے نزدیک ہندوستان میں ڈیڑھ کروڑ آدمی بنگلہ دیش سے یہاں آباد ہیں آل انڈیا ملی کونسل اس کے خلاف اپنے کئی اجلاسوں میں تجویزیں پاس کرچکی ہے اب اس نے پورے ملک سے احتجاجی تار اور خط روانہ کرنے کا پروگرام بنایا ہے۔ بحمداللہ جس پر عمل کیا جارہا ہے مگر ضرورت ہے کہ اس کے لئے تمام مسلمان جماعتوں کا ایک کنونشن بلایا جائے جس میں سیاسی جماعتوں کے نمائندوں کو بھی بلایا جائے اور اس مسئلہ پر ایک واضح پالیسی مرتب کرنے کی کوشش کی جائے۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو مسلمانوں کے لئے ایک سنگین صورت حال پیدا ہوجائے گی گو کہ اس میں چند ہزار غیر مسلم بھی ہوں گے مگر اس تحریک کا اصل نشانہ مسلمان ہیں فرقہ پرست گروہ سرحدی علاقوں میں مسلمانوں کی آبادی کے تناسب میں اضافہ کو کسی طرح برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ اور آسام اور کشمیر میں جو ظلم و زیادتی ہورہی ہے وہ سب اسی ذہنیت کا نتیجہ ہے اس لئے ہمیں ان کی سازش کو ناکام بنانے کے لئے ہر طرح کی پرامن کوشش جاری رکھنی چاہئے۔

قسط دوم

مُضاربت

قرآن وحدیث کی روشنی میں

پروفیسر ڈاکٹر فریدالدین شعبۂ اسلامیات گورنمنٹ کالج ڈیرہ اسماعیل خاں

مختلف حیثیات سے رب المال مضارب اول۔ اور مضارب ثانی میں نفع کی تقسیم

(۹) اگر مضارب نے رب المال کی اجازت سے دوسرے شخص کو مضاربت بالثلث یعنی ⅓ پر مال دیا اور جب کہ رب المال کی جانب سے مضارب اول کیلئے یہ طے تھا کہ جو کچھ نفع ہو ا ہم دونوں میں نصف نصف ہے تو رب المال کو کل نفع کا نصف ملے گا مضارب ثانی یعنی ⅓ یعنی تہائی اور باقی ایک سدس یعنی ⅙ مضارب اول کو ملے گا۔

(ب) اگر رب المال نے بوقت مضاربت یہ کہا جو تجھے نفع ہو وہ ہم میں نصف نصف ہے جب کہ مضارب اول نے دوسرے شخص کو مضاربت بالثلث یعنی ⅓ پر مال دیا تو مضارب یعنی ⅓ اور باقی نفع رب المال اور مضارب اول کے درمیان آدھوں آدھ تقسیم ہوگا۔

(ج) اگر رب المال نے بوقت مضاربت یہ کہا جو تجھے نفع ہو وہ ہم میں نصف نصف ہے جب کہ مضارب اول نے دوسرے شخص کو مضاربت بالنصف پر مال دیا تو مضارب ثانی کے لئے نصف یعنی ½ اور باقی نصف میں رب المال اور مضارب اول دونوں برابر ہوں گے۔

(د) اگر رب المال نے بوقت مضاربت یہ کہا جو کچھ نفع ہو اس میں نصف میرا ہے جب کہ

مضارب اول نے دوسرے شخص کو مضاربت بالنصف پر مال دیا تو نصف یعنی ½ رب المال کا ہوگا اور نصف یعنی ½ مضارب ثانی کا ہوگا۔ اور مضارب اول کو کچھ نہ ملے گا۔ صنے

(ک) اگر رب المال نے بوقت مضاربت یہ کہا جو کچھ نفع ہوا اس میں نصف میرا ہے جب کہ مضارب اول نے دوسرے شخص کو مضاربت بالثلثین یعنی ⅔ پر مال دیا تو کل نفع کا نصف یعنی ½ رب المال کو ملے گا اور باقی نصف یعنی ½ مضارب ثانی کو ملے گا جب کہ مزید کل نفع کا سدس یعنی ⅙ مضارب اول اپنے پاس سے مضارب ثانی کو دیگا۔

صورت مذکورہ بالا کے پانچ اجزا میں ہر جز کا مفہوم اور حکم علیحدہ علیحدہ ہے جب کہ دقیق نظر سے دیکھا جائے تو فرق بالکل واضح ہو جاتا ہے وضاحت درج ذیل ہے۔

صورت مذکورہ بالا کی جز الف یہ ہے کہ مضارب نے رب المال کی اجازت سے دوسرے شخص کو مضاربت بالثلث پر مال دیا جب کہ رب المال نے مضارب اول سے یہ طے کر لیا تھا کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ دیگا وہ ہمارے درمیان نصف نصف ہوگا تو رب المال کو اس شرط کے بموجب کل نفع کا نصف ملے گا اور مضارب ثانی کو ایک ثلث کیونکہ مضارب اول نے اس کیلئے کل نفع کا ایک ثلث مقرر کیا تھا اب باقی رہا ایک سدس وہ مضارب اول کو ملے گا مثلاً مضارب ثانی کو چھ (۶) روپے کا نفع ہوا تو تین روپے رب المال کو ملیں گے اور دو روپے مضارب ثانی کو اور ایک روپیہ مضارب اول کو ملے گا۔ اس لئے کہ دوسرے کارکن کو یہ مال مضاربت پر دینا صحیح ہے کیونکہ مالک مال کی طرف سے پہلے کارکن کو اس کی اجازت حاصل ہے اور پھر مالک مال نے اپنے لئے نصف کی شرط بھی کی ہوئی ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نفع عطا فرمائے گا آدھا آدھا ہوگا۔ اس لئے جب پہلا کارکن مالک مال کو اس کا آدھا نفع دے دیگا تو اب اس کے پاس علاوہ باقی نصف کے کچھ نہیں بچا اور اس نے اپنے نصف حصے میں دوسرے کارکن کے لئے تہائی حصہ مقرر کیا ہے جو اسی آدھے میں ادا کیا جائے گا اس لئے اب مضارب اول کیلئے چھٹے حصے کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوگا اور یہ نفع دونوں کارکنوں کے واسطے حلال و جائز بھی ہوگا کیونکہ دوسرے کارکن کا کام پہلے کارکن کے لئے ہی کیا جاتا ہے جس کی اجازت مالک کی طرف سے اسکو پہلے

ہی حاصل ہے انکا یہ عمل ایسے ہی ہوگا جس طرح کسی شخص کو کپڑے کی سلائی کیلئے مزدور لگایا گیا اور سلائی ایک درہم طے پائی تو اس درزی نے آگے ایک اور درزی کو یہ کپڑا نصف درہم میں سلنے کے لئے دے دیا تو دونوں کے واسطے یہ اجرت حلال ہوگی ۱؎

صورت مذکورہ بالا کی جز "ب" کی تفصیل یہ ہے اگر رب المال نے بوقت مضاربت طے ہونے مضارب اول سے یہ کہا ہو کہ تجھ کو جو کچھ نفع ہوگا وہ ہمارے درمیان نصف نصف ہوگا اور مسئلہ کی حیثیت علی حالہ ہے تو مضارب ثانی کو ایک ثلث ملے گا اور باقی دو ثلث رب المال اور مضارب اول کے درمیان نصف نصف میں تقسیم ہوگا پس اس صورت میں تینوں کو دو دو روپے ملیں گے کیونکہ یہاں رب المال نے اپنے لئے نفع کی اس مقدار کا نصف مقرر کیا ہے جو مضارب اول کو ہوگا اور وہ یہاں ۲/۳ دو ثلث ہے لہٰذا رب المال کو اس کا نصف یعنی ۱/۳ ایک ثلث ملے گا بخلاف پہلی صورت کے کہ اس میں رب المال نے اپنے لئے کل نفع کا نصف مقرر کیا تھا ۲؎

الہدایہ میں ہے اگر مالک نے کارکن سے یہ کہا تھا کہ میں مضاربت کا معاملہ اس شرط پر کرتا ہوں کہ جو نفع اللہ تعالیٰ تجھ کو عطا فرمائے وہ ہمارے درمیان آدھا آدھا ہوگا تو اس صورت میں دوسرے کارکن کے لئے ایک تہائی نفع ہوگا اور باقی نفع پہلے کارکن اور مالک مال کے درمیان برابر آدھا آدھا تقسیم ہوگا کیونکہ مالک مال نے تصرف اور مضاربت کے معاملہ کا اختیار پہلے کارکن کو اس طرح سپرد کیا ہے کہ جو کچھ نفع پہلے کارکن کو حاصل ہوگا اس کے نصف کا مستحق مالک مال ہوگا اور اس وقت صورتحال یہ ہے کہ پہلے کارکن کو دوسرے کارکن کا حصہ نکالنے کے بعد دو تہائی ۲/۳ حصہ حاصل ہوا ہے اس لئے یہ دو تہائی ۲/۳ حصہ مالک مال اور پہلے کارکن کو برابر تقسیم ہوگا برخلاف پہلی صورت کے کیونکہ وہاں مالک مال نے اپنے واسطے نصف نفع کی شرط کرلی تھی اس لئے دونوں صورتوں میں مذکورہ بالا حیثیت سے فرق واضح ہوگا ۳؎

صورت مذکورہ بالا کے جز "ج" کی تفصیل یہ ہے اگر رب المال نے مضارب سے

یہ کہا کہ تو جو نفع حاصل کرے وہ ہمارے درمیان نصف ہے اور مضارب اول نے مضارب ثانی کو مضاربت بالنصف پر مال دیا تو مضارب ثانی کو اس کی شرط کے بموجب نصف ملے گا اور باقی نصف میں رب المال اور مضارب اول دونوں برابر کے شریک ہونگے یعنی ربع ¼ رب المال اور ربع ¼ مضارب اول کا ہوگا۔ دوسرے لفظوں میں اس صورت میں مضارب ثانی کو تین روپے ملیں گے رب المال اور مضارب اول کو ڈیڑھ ڈیڑھ ½۱ روپیہ ملے گا ۱۷۴ مصادر قانون اسلامی میں یہی تفصیل ہے کہ اگر مالک مال نے کارکن سے یہ کہا کہ جو کچھ تو نفع حاصل کرے وہ میرے اور تیرے درمیان برابر نصف نصف ہے اور حال یہ ہے کہ پہلے کارکن نے یہ مال مضاربت کسی دوسرے شخص کو نصف نفع کی مضاربت پر دے دیا تو اب اس صورت میں دوسرے کارکن کے لئے نصف نفع ہوگا اور باقی نصف پہلے کارکن اور مالک کے درمیان برابر مشترک رہے گا۔ اس لئے کہ پہلے کارکن نے دوسرے کارکن سے نصف نفع کی شرط کرلی تھی اور اس چیز کا اختیار اس کو مالک مال کی طرف سے حاصل ہے اس وجہ سے دوسرا کارکن نصف حصہ کا مستحق ہے اور صورتحال یہ ہے کہ مالکِ مال نے اپنے لئے نفع کی اس مقدار کا نصف مقرر کیا ہے جو پہلے کارکن کو حاصل ہو اور پہلے کارکن کو صرف نصف حاصل ہوا ہے لہٰذا یہی نصف مقدار نفع کی ان دونوں یعنی مالک مال اور پہلے کارکن کے درمیان برابر مشترک رہے گی ۱۷۵

صورت مذکورہ بالا کے جزء "د" کی تفصیل یہ ہے کہ اگر رب المال نے مضارب اول سے کہا کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ دے گا اس کا نصف میرا ہے اور مسئلہ علیٰ حالہ ہو تو نصف نفع رب المال کا ہوگا اور نصف مضارب ثانی کے لئے اور مضارب اول کو کچھ نہ ملے گا کیونکہ اس نے اپنا نصف نفع مضارب ثانی کو دے دیا ۱۷۶

مصادر قانون اسلامی میں بھی یہی وضاحت موجود ہے۔ اگر رب المال یعنی مالکِ مال نے کارکن سے یہ کہا کہ اس شرط پر عقد مضاربت کرتا ہوں کہ جو کچھ نفع اللہ تعالیٰ عطا فرمائے تو میرے واسطے اس کا آدھا حصہ ہوگا یا اس نے کارکن سے یہ کہا کہ جو کچھ اصل سرمایہ میں اضافہ ہو تو وہ میرے اور تیرے درمیان برابر نصف نصف ہوگا اور حال یہ ہے کہ

پہلے کارکن نے یہ مال نصف نفع کی مضاربت پر دوسرے کارکن کو دے دیا ہے تو ایسی صورت میں نصف نفع مالکِ مال کا ہوگا اور نصف نفع دوسرے کارکن کا ہوگا اور پہلے کارکن کے لئے نفع میں سے کچھ بھی نہیں ہوگا اس لئے کہ مالک مال نے اپنے واسطے مطلقاً نفع اور منافہ میں نصف مقدار مقرر کرلی ہے اس وجہ سے پہلے کارکن کی دوسرے کارکن کے واسطے نصف نفع کی یہ شرط اس کے پورے حصے کی طرف لوٹے گی لہٰذا یہ نصف حصہ اس شرط ورمعاہدہ کی روسے دوسرے کارکن کے لئے ہی ہوگا اور پہلا کارکن بغیر کسی نفع ان میں سے خارج ہوگا اور معاملے سے کسی قسم کا نفع حاصل کئے بغیر نکل جائیگا جیسے کسی شخص کو بطور اجیر (مزدور) مقرر کیا گیا ہو کہ وہ ایک درہم کے عوض کپڑے کی سلائی کردے تو اس نے ایک شخص کو مزدوری پر لگا دیا کہ اسی ایک درہم کے عوض وہ کپڑا سی دے تو دوسرا مزدور ایک درہم کی اجرت کا حقدار ہوگا۔ اس معاملہ کے درست ہونے کی وجہ سے پہلے مزدور (درزی) کو کچھ نہیں ملے گا کیونکہ اس نے اپنی ہی مرضی سے اپنے حق کو دوسرے کے لئے مخصوص کردیا ہے۔

صورت مذکورہ بالا کی آخری جز "د" کی تفصیل یہ ہے اگر مضاربِ اول نے مضارب ثانی کے لئے نفع کے دو ثلث کی شرط کرلی تو مضاربِ اول مضارب ثانی کو نفع کا ایک سدس یعنی ۱/۶ اپنے پاس سے دیگا کیونکہ کل نصف تو رب المال کا ہوا اور مضاربِ ثانی کل نفع کے دو ثلث ۲/۳ کا مستحق ہے تو اس کے حصہ میں جو سدس ۱/۶ کی کمی واقع ہوئی ہے وہ مضاربِ اول اپنے پاس سے پوری کرے گا ۱۷۸

مصادر قانون اسلامی نے جزء مذکورہ کو تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ اگر پہلے کارکن نے دوسرے کارکن سے دو تہائی ۲/۳ حصہ نفع کی شرط مقرر کرلی تو مالک مال کے واسطے نصف نفع ہوگا اور دوسرے کارکن کے واسطے اسی نفع میں سے نصف ہوگا اور پہلا کارکن دوسرے کارکن کو اپنے مال میں سے نفع کے چھٹے حصے کا ضمان ادا کرے گا۔ حصہ کی صورت یہی ہے کہ مالک نے اپنے واسطے نصف نفع کی شرط کی تھی اس لئے کہ پہلے کارکن نے دوسرے کارکن کے واسطے ایک ایسی چیز کی ذمہ داری شرط کرلی ہے کہ جس کا مالک مال ہی مستحق ہے۔ اس لئے مالک مال کے حق میں تو کارکن کی شرط نافذ نہ ہوگی کیوں کہ اس صورت میں مالک مال

کے حق کو باطل کرنا لازم آتا ہے جس کا کارکن کو اختیار نہیں ہے لیکن دوسرے کارکن کے واسطے نفع کی شرط مقرر کرنے میں جو وضاحت کی ہے وہ صحیح اور درست ہے کیونکہ وہ ایک ایسی تصریح اور معلوم شدہ چیز ہے اور جو ایسے معاہدہ کے ضمن میں پائی جا رہی ہے اور جس کا یہ کارکن حق دار بھی ہے اور مختار بھی ہے اور یہ پہلا کارکن دوسرے کارکن کیلئے اس حقدار کی سلامتی کا ضامن بھی ہو چکا ہے لہٰذا اس حقدار کا پورا کرنا اس کے لئے لازم ہوگا۔ اس بنا پر دو تہائی ۲/۳ کو پورا کرنے کے لئے نفع کے چھٹا حصہ کا ضمان ادا کرے گا۔ یہ ضمان اس وجہ سے بھی ادا کرے گا کہ پہلے کارکن ہی نے دوسرے کارکن کو اس معاہدے کے بارے میں دو تہائی ۲/۳ نفع کی شرط کر کے دھوکے میں رکھا ہے حالانکہ اتنی مقدار کا وہ خود بھی حقدار نہیں ہے اور یہ دھوکہ ہی دوسرے کارکن کے رجوع کرنے کا سبب ہے لہٰذا یہ پہلے کارکن سے چھٹا حصہ لے گا، اس کی مثال یوں سمجھئے جیسے کوئی شخص کسی کپڑے کی سلائی کیلئے ایک درہم مزدوری کے بدلے لگایا گیا تو اس نے یہی کپڑا کسی دوسرے مزدور کو ڈیڑھ درہم کے بدلے سینے کے لئے دیا تو اس صورت میں پہلا مزدور ایک درہم تو وہ دے گا جو اس کو کپڑے کے مالک کی طرف سے ملے گا اور جو زائد نصف درہم ہے وہ اپنی گرہ سے دوسرے مزدور کو ادا کرے گا ۱۷۹

معاہدۂ مضاربت کے باطل ہونیکی صورتیں

(الف) فریقین (رب المال مضارب) میں سے کسی ایک کی موت واقع ہو جائے تو معاہدہ مضاربت باطل ہو جاتا ہے۔

(ب) رب المال کے مرتد ہو جانے پر جب کہ وہ دار الحرب میں کافروں کے ساتھ جا ملا ہو تو مضاربت باطل ہو جاتی ہے۔

جز "الف" کی تفصیل تحقیق کی روشنی میں ملاحظہ ہو۔ اگر رب المال یا مضارب مر جائے تو مضاربت باطل ہو جاتی ہے۔ کیونکہ مضارب کے عمل کے بعد مضاربت توکیل کے حکم میں ہوتی ہے اور وکالت موکل یا وکیل کے مرنے سے باطل ہو جاتی ہے تو مضاربت

بھی باطل ہوجائے گی۔ نیز اگر رب المال خدا نخواستہ مرتد ہو کر دار الحرب میں چلا جائے تب بھی مضاربت باطل ہوجاتی ہے۔ فقیہ علی خفیف تمام فقہاء کا متفقہ مسلک بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جب کوئی شریک انتقال کر جائے تو اس کے حصہ کی حد تک معاہدہ شرکت ختم ہوجاتا ہے کیونکہ وہ حصہ وراثت میں اس کے وارث کی طرف منتقل ہوجاتا ہے۔ لہٰذا مورث کا کیا ہوا معاہدہ کالعدم ہوجاتا ہے یہی حکم مضاربت میں صاحب سرمایہ کاروباری فریق کی موت کا ہے۔ اس اصول کے مطابق اگر شرکت تین افراد کے درمیان تھی اور ان میں ایک کی موت واقع ہو گئی تو وہ صرف اس شریک کے حصے کی حد تک شرکت ختم ہوجائے گی۔ باقی دو شرکاء کے حصے میں نہیں ختم ہو گی ؎۱۸۰

علامہ کاسانی لکھتے ہیں کہ فریقین میں سے کسی ایک کی موت سے معاہدہ ختم ہوجاتا ہے کیونکہ مضاربت میں ایجنٹ بنانا شامل ہے اور ایجنسی ایجنٹ بنانے والے یا ایجنٹ کی موت سے ختم ہوجاتی ہے۔ خواہ کاروباری فریق کو صاحب سرمایہ کی موت کا علم ہو یا نہ ہو۔ کیونکہ یہ قانونًا معزولی ہے جو علم واطلاع پر موقوف نہیں ایسا ہی ایجنٹ بنانے میں ہوتا ہے البتہ اگر سرمایہ اشیاء تجارت کی شکل میں ہو تو ایجنٹ کو یہ حق حاصل ہے کہ اسے فروخت کرے تاکہ وہ نقد کی صورت میں آجائے ؎۱۸۱ مالکی فقہاء کا مسلک بھی یہی ہے احمد الدردیر الشرح الصغیر میں لکھتے ہیں۔ جو وفات پا جائے اور اس کی جانب یعنی اس کے پاس مضاربت کا لیا ہوا مال ہو، .... تو اگر یہ مال اس کے ترکہ میں بعینہ پایا جائے اور یہ بات ثابت ہو گئی تو اسے بعینہ لے لیا جائے گا اور اگر بعینہ نہیں پایا گیا تو اس کے ترکہ میں اس طرح کا مال یا اس کی قیمت لی جائے گی ؎۱۸۲

شافعی فقہاء کے نزدیک یہی صراحت ہے کہ مضاربت کی صورت میں بھی مضاربت ایک جائز معاہدہ ہے جو فریقین میں سے کسی ایک کے ختم کر دینے سے یا اس کی موت سے ختم ہو جاتا ہے ؎۱۸۳

حنبلی فقہاء کا مسلک بھی یہی ظاہر کرتا ہے۔ ابن قدامہ المغنی میں لکھتے ہیں کہ مضاربت جائز معاہدوں میں سے ہے جو فریقین میں سے کسی کے ختم کرنے یا کسی کی موت سے ختم ہوجاتا

ہے ۱۸۳۔ چنانچہ چاروں فقہی مکاتب سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ کسی کی موت سے اس فریق کے حصے کی حد تک مضاربت کا معاہدہ ختم ہو جائے گا البتہ کاروبار اور حساب کتاب میں نزاعی صورت حال پیدا ہو جانے پر حنفی اور شافعی فقہاء کی رائے کے مطابق اس کام کی تکمیل کیلئے مزید وقت دیا جائے گا۔ ۱۸۴

اب جزو "ب" کی تفصیل تحقیق کی روشنی میں ملاحظہ ہو۔ رب المال کے مرتد ہو جانے پر جبکہ اس نے دارالحرب میں جا کر پناہ حاصل کر لی ہو تو معاہدہ مضاربت ختم متصور ہو گا۔ اس سلسلے میں تراجم مصادر قانون اسلامی کی تحقیق درج ذیل ہے۔

اگر خدانخواستہ مال والا اسلام سے مرتد ہو کر دارالحرب میں کافروں کے ساتھ جا ملے تو مضاربت باطل ہو جائے گی اس لئے کہ دارالحرب میں الحاق کر لینا موت کی طرح ہے چنانچہ مرتد ہو کر دارالحرب میں چلے جانے والے کا مال اس کے وارثوں کے درمیان تقسیم کر دیا جاتا ہے اور قبل اس کے کہ وہ دارالحرب سے جا ملے جبکہ وہ مرتد ہو چکا ہے اس کے کارکن کا تصرف معلق رکھا جائے گا۔ یہ مسلک امام ابو حنیفہؒ کا ہے اس لئے کہ کارکن جو کچھ تصرفات کرتا ہے وہ مال والے کیلئے اور کارکن کا تصرف خود مال والے کے تصرف کی طرح ہو گا۔ تو جن صورتوں میں اصل سرمایہ دار کا تصرف رک جاتا ہے ان ہی صورتوں میں اس کے کارکن کا تصرف بھی رک جانا چاہیے ۱۸۵ نیز الہدایہ میں ہے:۔

واذا مات رب المال او المضارب بطلت المضاربة لانه توكيل على ما تقدم وموت الموكل يبطل الوكالة وكذا موت الوكيل۔ وان ارتد رب المال عن الاسلام والعياذ بالله ولحق بدار الحرب بطلت المضاربة لان اللحوق بمنزلة الموت ۱۸۶

فقہاء جعفریہ کے نزدیک صرف اتنا ہے کہ اگر کوئی شریک شریکوں میں سے مر جائے یا دیوانہ ہو جائے یا بے ہوش ہو جائے تو دوسرے شریک مشترکہ مال میں سے تصرف نہیں کر سکتے اسی طرح اگر ایک ان میں سفیہ ہو جائے کہ جو اپنے مال کو بیہودہ کاموں میں خرچ کرنے لگ جائے

تو بھی دوسرے شریک مشترک مال میں تصرف نہیں کر سکتے ہیں۱۸۵

معاہدۂ مضاربت ختم ہو جانے پر بقیہ قرضوں کی وصولی کا حکم

اگر فریقین معاملہ مضاربت ختم کر کے ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں لیکن تاحال مضاربت کے سلسلہ میں لوگوں پر کچھ قرضے باقی ہیں جب کہ مضارب مال مضاربت پر نفع بھی حاصل کر چکا ہے تو شرعی عدالت مضارب کو قرضوں کی وصولی پر مجبور کرے گی بصورت دیگر اگر مضارب نے مال مضاربت پر نفع حاصل نہیں کیا تو مجبور نہیں کیا جائے گا بلکہ مضارب کے لئے یہ لازمی ہو گا کہ وہ رب المال کو قرضوں کی وصولی کے لئے وکیل بنائے۔

تجارت میں نفع حاصل ہونے کی صورت میں مضارب قرض وصول کرنے پر اس لیے مجبور کیا جائے گا کیونکہ مضارب اجیر کی مانند ہے اور نفع اجرت کی مانند ہے۔ لہٰذا اس تمام عمل پر مجبور کیا جائے گا اور اگر مضارب کو نفع حاصل نہ ہوا تو مجبور نہیں کیا جائے گا کیونکہ اس صورت میں مضارب متبرع اور محسن ہے اور متبرع پر جبر نہیں ہوتا بلکہ اس سے کہا جائیگا کہ قرض وصول کرنے کیلئے رب المال کو وکیل بنادے تاکہ اس کا حق ضائع نہ ہو۔ الہدایہ میں ہے اگر کارکن اور مال والا مضاربت ختم کرکے ایک دوسرے سے حالانکہ اس مضاربت کے سلسلہ میں لوگوں کے ذمے کچھ قرضے ہیں اور کارکن نفع بھی حاصل کر چکا ہے تو قاضی قرضوں کے مطالبہ اور قرض داروں سے قرضوں کی وصولی کے بارے میں کارکن کو مجبور کرے گا کیونکہ کارکن اجیر کے مانند ہے اور نفع گویا اس کی اجرت ہے اور اگر کارکن نے عمل مضاربت میں کوئی نفع حاصل نہیں کیا ہے تو اس پر قرضوں کا تقاضا لازمی نہیں ہوگا اس لئے کہ ایسی صورت میں وہ محض وکیل کی حیثیت رکھتا ہے اور اس کا کام بھی احسان اور نیکی کی خاطر ہے تو نیکی کرنے والے اور احسان سے کام لینے والے کو اس کے عمل پر مجبور نہیں کیا جاتا البتہ قاضی کی طرف سے کارکن کو کہا جائے گا کہ وہ مالک مال کو قرضوں کے تقاضے کے لیے وکیل بنادے کیونکہ حقوق معاہدہ کرنے والے کو حاصل ہوتے ہیں اس لئے اسکا وکیل بنانا اور مالک مال کا وکالت قبول کر لینا ضروری ہے تاکہ اس کا حق ضائع نہ ہو ۱۸۶

مال مضاربت میں نقصان کا واقع ہونا

اگر مال مضاربت کا کچھ حصہ ہلاک ہو جائے تو اس کو نفع سے مجرا کیا جائے گا۔ کیونکہ اس لئے مال یعنی سرمایہ اصل ہے اور نفع اس کے تابع ہے اور نقصان کو تابع کی طرف پھیرنا زیادہ بہتر ہوتا ہے جیسا کہ نصاب زکوٰۃ میں ضائع ہونے کو زائد از نصاب میں سے شمار کرتے ہیں یعنی ہلاکت مقدار عفو کی طرف راجع ہوتی ہے اور اگر اتنا مال ہلاک ہو جائے یعنی ضائع یا نقصان ہو جائے کہ نفع سے بڑھ جائے تو مضارب اس کا ضامن نہ ہوگا کیونکہ وہ امین ہے اور امین پر ضمان نہیں ہوتا۔

کنز الدقائق میں ہے اور جو مال ہلاک ہو جائے مال مضاربت سے تو وہ نفع سے ہوگا اگر نفع سے زیادہ ہلاک ہو جائے تو ضامن نہ ہوگا یعنی مضارب اور اگر نفع تقسیم کر لیا گیا ہو اور مضاربت باقی رہی ہو پھر کل مال ہلاک ہو گیا یا کچھ مال تو نفع کو لوٹا دیں تا کہ مالک اپنا راس المال لے لے اور جو بچے وہ ان دونوں کے درمیان ہوگا اور اگر کم پڑ جائے تو مضارب ضامن نہ ہوگا ۱۸۹ کیونکہ یہ اصول ہے کہ مشترکہ کاروبار خواہ وہ مضاربت کی بنیاد پر ہو یا شراکت کی بنیاد پر نقصان ہونے کی صورت میں یہ نقصان اصحاب سرمایہ کو یا صرف صاحب سرمایہ کو برداشت کرنا ہوتا ہے۔ تمام مکاتب فکر اور فقہ اس پر متفق ہیں اسی اصول کی صراحت [illegible] نے بدایۃ المجتہد میں یوں کی ہے:-

مسلمانوں کے درمیان مضاربت کے جواز کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں۔۔۔۔ اور وہ سب اس پر متفق ہیں۔۔۔۔ کاروباری فریق پر اصل سرمایہ کے ضائع ہو جانے والے حصہ کے سلسلہ میں کوئی ذمہ داری نہیں بشرطیکہ اس میں اس کی زیادتی کو دخل نہ ہو ۱۹۰

مشہور حنفی محقق شمس الدین سرخسی لکھتے ہیں کہ:-

> نقصان سرمایہ کے ہلاک ہو جانے والے حصہ کا نام ہے اور یہ کہ اس امر میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا کہ نقصان کی کوئی ایسی نسبت طے کرنا جو سرمایہ کی مقدار کے مطابق نہ ہو باطل شرط ہے۔ مضاربت میں مضاربت پر مال لیکر

کام کرنیوالے کے ذمے کچھ بھی نقصان طے کرنا جائز نہیں ۱۹۱ یہ بات کہ مضاربت میں کاروباری فریق جو اپنا سرمایہ کاروبار میں نہ لگائے نقصان کا ذمہ دار نہ ہوگا"

موطا امام مالک کی کتاب القراض سے بھی واضح ہے کہ مضاربت اس طور پر درست ہے کہ آدمی ایک شخص سے روپیہ لے اس شرط پر کہ محنت کرے گا لیکن اگر نقصان ہو تو اس پر ضمان نہ ہوگا ۹۲ شافعی مکتب فکر کا اصول بھی یہی ہے نفع و نقصان دونوں سرمایوں کی مقدار کے مطابق تقسیم ہوگا خواہ شرکار کے کاروباری اعمال برابر ہوں یا ان میں فرق ہو۔ اگر وہ اس کے خلاف تقسیم کا کوئی اصول طے کرتے ہیں تو معاہدہ فاسد ہو جائیگا۔

شافعی فقہ کی مستند کتابوں میں مضاربت کی بحث میں یہ واضح کر دیا گیا ہے یہ ایک معاہدہ ہے جو کاروبار کرنے والے فریق کے ساتھ سرمائے کا مالک کاروبار کے نفع میں ایک متعین حصہ کے ساتھ شرکت کرتا ہے نقصان سے کاروباری فریق کا کوئی تعلق نہیں ہے ۹۳

حنبلی محقق ابن قدامہ المقدسی لکھتے ہیں نقصان یعنی خسارہ شرکت میں ہر شریک کا اس کے سرمایہ کے مطابق ہوگا اور مضاربت میں نقصان مخصوص طور پر سرمائے پر ہوگا۔ کاروباری فریق پر نہ ہوگا کیونکہ خسارہ اصل سرمایہ میں کمی کا نام ہے جو صاحب سرمایہ کی ملکیت ہے جس میں کاروباری فریق کا کوئی حصہ نہیں لہذا نقصان مالک کے سرمایہ میں ہی ہوگا دوسرے فریق کا نہیں ہوگا ۱۹۳

حوالہ جات

۷۰:۔ ابی بکر بن علی بن محمد الحداد الیمنی: الجوہرۃ النیرۃ ج ۱، ص ۳۵۴، مکتبہ امدادیہ ملتان

۷۱:۔ عینی الہدایہ۔ ج ۳، ص ۶۹۔ ۷۰

۷۲:۔ الجوہرۃ النیرۃ ج ۱، ص ۳۵۴

۷۳:۔ عینی الہدایہ ج ۳، ص ۶۹۔ ۷۰

۷۴:۔ الجوہرۃ النیرۃ ج ۱، ص ۳۵۴۔ ۳۵۵

٧٥:۔ تراجم مصادر قانون اسلامی ۔ ج ۴، ص ۲۷۸

٧٦:۔ الجوہرۃ النیرۃ ج ۱، ص ۳۵۵

٧٧:۔ مصادر قانون اسلامی ج ۴، ص ۲۷۹

٧٨:۔ الجوہرۃ النیرۃ ج ۱، ص ۳۵۵

٧٩:۔ مصادر قانون اسلامی ج ۴، ص ۲۷۹۔ ۲۸۰

٨٠:۔ علی الخفیف: الشرکات فی الفقہ الاسلامی، ص ۲۰۳

٨١:۔ بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع۔ ج ۶، ص ۱۱۲

٨٢:۔ الشرح الصغیر ج ۳، ص ۲۳۶

٨٣:۔ منہاج الطالبین وعمدۃ المفتین ۔ ص ۲۸۹

٨٤:۔ المغنی۔ ج ۵، ص ۱۷۹

٨٥:۔ تراجم مصادر قانون اسلامی ج ۴، ص ۲۸۹

٨٦:۔ عین الہدایہ۔ ج ۳، ص ۵۷۲

٨٧:۔ اختر عباس، توضیح المسائل، ص ۴۳۶، مکتبہ ناصر لاہور

٨٨:۔ تراجم مصادر قانون اسلامی ۔ ج ۴، ص ۲۹۰۔ ۲۹۱

٨٩:۔ محمد حنیف گنگوہی ۔ معدن الحقائق، شرح کنز الدقائق ج ۲، ص ۱۱۲ مکتبہ جامعہ اشرفیہ لاہور

٩٠:۔ بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد ۔ ج ۲، ص ۱۷۸

٩١:۔ المبسوط للسرخسی ۔ ج ۱۱، ص ۱۵۷

٩٢:۔ موطا امام مالک، کتاب القراض، ص ۵۰۹

٩٣:۔ منہاج الطالبین ۔ ص ۵۶

٩٤:۔ الشرح الکبیر علی المقنع۔ ج ۵، ص ۱۱۵

موجودہ بنکنگ اور اسلامی بنک کاری

ڈاکٹر محمود الحسن عارف صاحب لاہور

قسط چہارم

۴۔ اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات

مرحوم صدر جنرل محمد ضیاء الحق کے حکومت کی باگ ڈور سنبھالنے کے بعد" اسلامی نظریاتی کونسل" کو ہدایت کی کہ وہ پاکستان میں" اسلامی بینک کاری" کے متعلق سفارشات اور تجاویز مرتب کر کے حکومت کو پیش کرے، چنانچہ اسلامی نظریاتی کونسل نے نومبر ۱۹۷۷ء میں پاکستان کے معروف ماہرین معاشیات اور ممتاز بینکاروں پر مشتمل ایک پینل تشکیل دیا۔ جس نے فروری ۱۹۸۰ء میں اپنی سفارشات حکومت کو پیش کیں۔ یہ سفارشات بلاسود بینکاری رپورٹ کے نام سے شائع ہو کر، منظر عام پر آ چکی ہیں۔

یہ سفارشات و تجاویز اس لحاظ سے منفرد اور اپنی مثال آپ ہیں کہ اس کی تیاری میں پاکستان کے ممتاز اور ذہین دماغوں نے باہم مل بیٹھ کر کام کیا ہے اور یہ جامع رپورٹ تیار کی ہے۔ یہ رپورٹ مجموعی طور پر گو ایک منفرد کاوش ہے۔ لیکن بعض مسائل پر اس میں خصوصی توجہ مبذول کی گئی ہے۔ اگرچہ اس کے بعض مندرجات محل نظر بھی ہیں بہر حال اس رپورٹ کے اہم مندرجات کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ نگرانی

۱۔ نئے نظام کے تحت بینک ایسی پارٹیوں کو نفع و نقصان کی بنیاد پر سرمایہ فراہم کریں گے، جن کے کھاتوں کا آڈٹ چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ کر سکیں جن پارٹیوں کے حسابات کا آڈٹ چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ نہ کر سکیں انہیں ملکیتی کرایہ داری۔ بیع موجل یا پٹہ داری انتظامات کے تحت امداد دی جائے گی۔ چھوٹی چھوٹی پارٹیاں جو حساب کتاب نہ رکھ سکتی ہوں۔ انہیں عام شرح منافع۔ ملکیتی کرایہ داری یا بیع موجل کی سکیم کے تحت مالی امداد مہیا کی جائے گی" (پیرا نمبر ۲-۶-۷)

ــ نئے نظام کے تحت سرمایہ کاری کے معاہدے بینکوں کو ان منصوبوں کی واقعی کارکردگی کی نگرانی سونپیں گے جن میں انہوں نے سرمایہ کاری کی ہوگی، تاکہ ان کے مفادات محفوظ رہیں[1]۔ (پ ۲۰ - ۸)

نفع ونقصان کی بنیاد پر مختلف شرح سے واجب الادا ہوگا (۲ - ۳)

۳۔ نئے نظام میں کے تحت امانتوں کے عنوان نیز ان سے متعلق قوانین اور طریق کار حتی الامکان تبدیل نہیں ہونے چاہئیں۔ تاکہ الجھنیں پیدا نہ ہوں، تاہم بینکاری کی اصطلاح میں بعض تبدیلیاں موجودہ نظام میں انقلاب لانے کی راہ میں معاون ثابت ہو سکتی ہیں، بینکوں کو اس بات کی بھی مکمل آزادی رہنی چاہئے کہ وہ امانتوں کو مختلف مدات میں لگا سکیں۔ امید کی جاتی ہے۔ کہ امانتوں کو نئے نظام کے مطابق ڈھلنے کے بعد جس طرح حکومت اس وقت قومیائے گئے بینکوں کی امانتوں کی ضمانت دیتی، اسی طرح عبوری مدت میں بھی دیتی رہے گی (پ ۲۱ - ۳۳)

۴۔ نئے نظام میں کم منافع دینے والے بینکوں کی طرف امانتوں کی منتقلی روکنے کے لئے ضروری ہے۔ کہ قومیائے گئے بینکوں میں جمع شدہ تمام امانتوں کا کل منافع ایک جمع کرلیا جائے، اور پھر اسے جملہ امانتداروں میں یکساں شرح سے تقسیم کیا جائے[2]۔ (پ ۲-۳۴)

---

[1] ان سفارشات کے ذریعے اسلامی نظریاتی کونسل نے بینکوں کے نگرانی

[2] ۔ دفع اسلام کے قانون مضاربت اور قانون شراکت دونوں کی روح کے منافی ہے۔ اسلئے کہ جب بینک (الف) کے امانت داروں کے حصے میں منافع مثلاً دس فیصد آرہا ہو، تو اسے بینک (ب) کے ساتھ ملاکر، انھیں کم حصہ دینا۔ ان کی ملکیت میں تصرف کرنا ہے، جسکی شریعت میں اجازت نہیں ہے۔ اسی طرح یہ دفعہ بینکوں کے درمیان مسابقت کے جذبے کو ختم کرنے کا بھی باعث ہوگی، اس لئے کہ جب انہیں معلوم ہوگا کہ دوسرے بینکوں کے ساتھ مل کر اس کے منافع بھی یکساں ہوجائیں گے۔ تو وہ منافع کے حصول کیلئے زیادہ محنت، اور دماغ سوزی سے کام نہ لیں گے۔ اس لئے ہمارے خیال میں بینکوں کے درمیان مسابقت کا جذبہ باقی رکھنا ضروری

بینک بجائے خود انفرادی طور پر دیگر مالیاتی اداروں کے تعاون سے نئے منصوبے بنا سکتے ہیں اور ایسے منصوبوں کے لئے مطلوبہ پلانٹ اور مشینری کے خریدنے کے لئے رقم "نیلامی سرمایہ کاری" کے تحت فراہم کر سکتے ہیں۔[1]

۲- ورکنگ (WORKING) بینک مختلف لوگوں کو جس طرح سرمایہ فراہم کرینگے اس کے بارے میں کونسل کی سفارشات حسب ذیل ہیں:

(- زرعی قرضہ جات: کسانوں کو قلیل المیعاد سرمایہ فراہم کرتے وقت تجارتی بینکوں کو گزارہ یونٹ سے کم اور گزارہ یونٹ سے زیادہ مالکان اراضی کے مابین فرق ملحوظ رکھنا چاہیئے، "گذارہ یونٹ" کے مالکان کو نقد یا جنس کی صورت میں کسی معاوضہ کے بغیر قرضوں کی سہولت" کے ذریعے امداد دی جا سکتی ہے۔ گزارہ یونٹ کے مالکان کو نقد یا جنس کی صورت میں کسی معاوضہ کے بغیر قرضوں کی سہولت کے ذریعے

بقیہ حاشیہ پچھلے صفحہ کا

ہے اور اگر کسی بینک کی بہتر کارکردگی، بہتر اخلاقی معیار اور بہتر خدمات کی بنا پر اس کی طرف لوگوں کا رجحان زیادہ ہو جائے، تو یہ بات اسلامی بینکاری کے منافی نہیں ہے۔ البتہ حکومت کو اس بات کا دھیان رکھنا چاہیئے کہ آیا کوئی بینک "سودی" کاروبار کے ذریعہ تو کاروبار کو وسعت نہیں دے رہا ہے جو اسلامی بینک کاری کے لئے واقعی خطرے کی بات ہوگی۔

کے نظام کو بہتر بنانے کی ضرورت پر زور دیا ہے۔ جو ایک اچھی تجویز ہے اس لئے کہ اسی نگرانی اور آڈٹ پر "اسلامی بینکاری" کے نظام کی اساس رکھی جائے گی۔ موجودہ بینک چونکہ نفع و نقصان کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں رکھتے، لہذا ان کا کام صرف اپنی شرح سود کی وصولی تک محدود رہتا ہے جبکہ اسلامی بینکاری میں بینک "سرمایہ کار" (رب المال) یا مضاربت کی حیثیت سے براہ راست اس کی ورکنگ میں شامل ہوتا ہے۔ لہذا نگرانی اور آڈٹ کو خوب تر بنانے کی اہمیت از خود واضح ہے۔

[1] سرمایہ کاری کے نیلامی کے جواز و عدم جواز پر آئندہ صفحات میں دشیخ محمود احمد صاحب کی تجویز کے تحت بحث ہوگی۔

مالی امداد دی جا سکتی ہے، عام طور پر ایسے قرضے بینکوں کے ان فنڈز سے دیے جانے چاہئیں، جو غیر سودی بنیادوں پر جمع کیے گئے ہوں۔ تاہم اگر ایسے فنڈز ناکافی ہوں تو حکومت بینکوں کو متعلقہ صورت میں ان کی "اوسط شرح منافع" کی بنیاد پر ان قرضوں کے عوض مالی امداد دے سکتی ہے، (پ-۲-۶)

گزارہ یونٹ سے زیادہ اراضی کے مالکان کو مختصر مدت کے لیے "بیع موجل" یا بیع سلم کے تحت سرمایہ فراہم کیا جا سکتا ہے[1] (پ ۲-۱۷)

درمیانی اور طویل مدت کے لئے سرمایہ کاری زرعی مشینری، و آلات کی خرید و مرمت کنوؤں کی کھدائی، ٹیوب ویلوں کی تنصیب، زمین کی اصلاح، گودام، سٹور، پولٹری اور ڈیری فارموں کی تعمیر کے لئے ضرورت ہوتی ہے، زرعی شعبہ میں درمیانی اور طویل المقاصد سرمایہ کاری کے لئے سود کی جگہ کسی ایسے متبادل طریقے کو رائج کرنا جو شریعت کے مطابق ہو، ممکن نہیں ہے بس مختلف مقاصد کے لئے مختلف متبادل طریقے اختیار کرنے پڑیں گے" (پ ۲-۱۸- ۲-۲۴)

---

[1] یہاں کونسل نے کاشتکاروں کو جو بیع موجل یا بیع سلم کے تحت قرض فراہم کرنے کی جو سفارش کی ہے، وہ محل نظر ہے؛ بیع "بیع سلم" کی کچھ شرائط ہیں، جن میں سے ایک شرط یہ ہے۔ کہ اس میں دونوں طرف نقدی رسکے نہ ہوں لہٰذا اس صورت میں یہ لازم آتا ہے، کہ حکومت کاشتکاروں سے ان کی مجنس "قبل از وقت رقم ادا کر کے، قدرے کم قیمت پر خرید ے۔ اور زمینداروں کو قیمت قبل از وقت دے دے۔ اس کی دوسری شرط یہ ہے۔ کہ اس میں وقت کی تعیین بیع کے وقت کی جانی چاہئیں۔ لہٰذا یہ اس کے لئے "مدت مجہول" نہیں ہو سکتی۔ تیسری شرط یہ ہے۔ کہ اس کے "بدل" یا قیمت پر مجلس میں قبضہ ضروری ہے۔ گویا جس مجلس میں معاہدہ ہو اسی مجلس میں انہیں رقم ادا کر دی جائے۔ جب کہ "بیع موجل" میں معاملہ برعکس ہوتا ہے، یعنی "مبیع" پہلے اور قیمت بعد میں۔ لہٰذا اس تجویز پر مذکورہ شرائط کی روشنی میں عمل کیا جا سکتا ہے۔ تاہم زیادہ بہتر یہ ہے۔ کہ زمینداروں کو قرض قرض حسنہ کے طور پر دیا جائے۔

ب۔ تجارتی قرضہ جات / سرمایہ کاری: نئے نظام کے تحت ایسے خوردہ فروشوں کو جو اپنے کاروبار کا باقاعدہ حساب کتاب نہیں رکھ سکتے، بیع مؤجل کے تحت، یا خصوصی قرضوں کی سہولت کی بنیاد پر ایسے فنڈز سے قرضے دیے جا سکتے ہیں جو بینک نے بلا سودی بنیاد پر جمع کیا ہو۔

اگر یہ فنڈان کی مدد کیلئے کافی نہ ہو، تو حکومت ان خصوصی قرضوں کے عوض تجارتی بینکوں کو اس دوران میں ان کی اوسط شرح منافع کی بنیاد پر امداد مہیا کرے۔ جہاں بینکوں کی جانب سے تجارتی شعبے میں اقراض زر، اور ڈرافٹ اور عندالطلب قرضوں اور ہنڈی بھنانے کی صورت میں سرمایہ کاری کا تعلق ہے، تو اس سلسلے میں وہی طریق کار اختیار کیا جا سکتا ہے، جس کی سفارش صنعتی شعبے کی رواں سرمائے کی ضرورتیں پوری کرنے کے ضمن میں اوپر کی گئی ہے لیٹر آف کریڈیٹ۔ کی صورت میں بینک اپنی خدمات کے عوض کچھ معاوضہ وصول کر سکتے ہیں اور ان کے لئے نفع ونقصان میں شرکت ضروری نہیں ہوگی (پیراگراف ۲-۲۳)

ٹرکوں، بسوں، بڑی گاڑیوں اور پرائیویٹ کاروں کی خرید کے لئے بنک "ملکیتی کرایہ داری" یا بیع مؤجل کے نظام کے تحت سرمایہ فراہم کر سکتے ہیں۔ (پ ۲-۲۵)

تعمیر مکانات کیلئے تجارتی بینک وہی طریقے کار اپنا سکتے ہیں جس کی سفارش کونسل نے ہاؤس بلڈنگ فنانس کارپوریشن کے لئے کی تھی، اور جسے مذکورہ کارپوریشن اختیار کر چکی ہے۔ (۲-۲۴)

محنتی اور ہونہار طلبا کو تعلیمی مقاصد کے لئے بلا سود قرضے دیے جا سکتے ہیں آفت زدہ علاقوں کے لوگوں کو وفاقی زکوٰۃ فنڈ سے قرضے دیے جا سکتے ہیں، اس کے علاوہ صارف کو پائیدار اشیا کی فراہمی کے لئے جو اقتصادی طور پر بیع مؤجل یا "ملکیتی کرایہ داری" کے تحت محدود پیمانے پر سرمایہ فراہم کیا جا سکتا ہے (پ ۲-۲۶)

۳۔ بینکوں کی بچتیں / امانتیں / منافع

ا ا انتہو ۔ جمہوکرا ا ا اور ۳ کہ ۔ ۔ ۔

طرف سے چلائی گئی بچت اسکیموں کی کامیابی کے لئے مختصر عبوری مدت میں بینکوں میں امانتیں جمع کرانے کا موجودہ طریقہ جاری رہنا چاہئے (پ ۲-۲۹)

۴- نئے نظام میں بچت کھاتوں اور میعادی امانتوں پر قابل تقسیم منافع بینکوں کے

۵- بینکوں کے ابین کاروبار نفع ونقصان میں حصہ داری کی بنیاد پر جاری رکھا جائیگا (پ ۲-۳۵)

۴- اسٹیٹ بینک (STATE BANK) کا کردار

اسٹیٹ بینک (STATE BANK) تجارتی بینکوں کو اپنی مال کاری کی مختلف اسکیموں کے تحت اور اس کے علاوہ ان کی نقد پذیری کی عارضی قلتیں دور کرنے کیلئے مالی امداد فراہم کرتا ہے۔ نئے نظام کے تحت عام طور پر ایسی امداد نفع ونقصان میں حصہ داری کی بنیاد پر فراہم کی جائے گی۔ (پ/۲-۳۶)

۲- پاکستانی بینکوں کی غیر ملکی شاخوں نیز اندرون ملک تجارتی بینکوں جن میں غیر ملکی کرنسی جمع ہوتی ہے اور بیرون ملکوں کے ساتھ پاکستانی بینکوں کا لین دین بعض خاص صورتوں میں سود کی بنیاد پر جاری رہے گا۔ غیر سودی آمدنی کو سودی آمدنی سے علیحدہ رکھنے کے لئے پاکستانی بینکوں کا انتظام ایک علیحدہ کارپوریشن کے سپرد کر دیا جائے[1] اور غیر ملکی کرنسی میں جمع کردہ امانتیں بھی اس کی تحویل میں دے دی جائیں، اس کارپوریشن کو مقامی امانتیں جمع نہیں کرنی چاہئیں۔ (پ/۲-۲۸)

(جاری ہے)

---

[1] اس شق میں نظریاتی کونسل نے پاکستانی بینکوں کی غیر ملکی شاخوں، نیز اندرون ملک کی ایسی شاخوں جن میں غیر ملکی کرنسی جمع کرنے کی اجازت ہے۔ کو سودی کاروبار جاری رکھنے کی اجازت دی گئی ہے جو اگرچہ فی الوقت پاکستان اور دوسرے اسلامی ملکوں کی ضرورت ہے۔ لیکن بہرحال اس سے ایک چور دروازہ باقی رہ جاتا ہے۔ اور فی الوقت پاکستان کے تمام بینکوں کو غیر ملکی کرنسی میں کھاتے کھولنے کی اجازت ہے اور غیر ملکی کرنسی کا حصول بھی آسان ہے، (Black market) اس لیے یہ چور دروازہ تمام اسلامی بینک کاری کو تلپٹ کر سکتا ہے۔

ملت کے اختلافات کا وقتی علاج

مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مضمون کا کچھ حصہ نقل کیا جاتا ہے حضرت مولانا محمد مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں ہے ہند و پاک میں ان سے عوام و خواص سب واقف ہیں وہ اپنے علم و فضل ہی میں نہیں بلکہ زہد و اتقاء اور اخلاق و کردار میں بھی اسلاف کی یادگار تھے ان کے بارے میں یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ غیر معمولی علم و فضل کے ساتھ ان کے فتاوے اور رایوں میں جو اعتدال اور توازن ملتا ہے کاش ہمارے علماء طبقہ میں اس کا عشر بھی پیدا ہو جاتا تو امت اسلامیہ کی بے وزنی بڑی حد تک دور ہو جاتی اسی جذبے سے یہ تحریر یہاں نقل کی جا رہی ہے (مرتب)

آج جب کہ مسلمانوں کا تفرق انتہا کو پہنچا ہوا ہے، اپنی مزعومات کے خلاف کوئی کسی کی بات ماننے، بلکہ سننے کے لئے بھی تیار نہیں اور کوئی ایسی قوت نہیں کہ کسی فریق کو مجبور کر سکے تو اس باہمی جنگ و جدال اور اس کے مہلک اثرات سے اسلام اور مسلمانوں کو بچانے کا صرف ایک راستہ ہے کہ فرقوں اور جماعتوں کے ذمہ دار ذرا اس پر غور کریں کہ جن مسائل میں ہم جھگڑ رہے ہیں کیا وہی اسلام کے بنیادی مسائل ہیں جن کے لئے قرآن نازل ہوا، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے آپ نے اپنی زندگی ان کے لئے وقف کر دی اور ان کے پیچھے ہر طرح کی قربانیاں دیں یا بنیادی مسائل اور قرآن اور اسلام کا اصلی مطالبہ کچھ اور ہے جس میں ایک طرف عیسائی مشنریاں اپنی پوری قوت اور دنیا کو لالچ و مکر کے ساتھ کئی اسلامی ملکوں کو عیسائی ملک بنانے کے خواب دیکھ رہی ہیں ایک طرف کھلے بندوں خدا اور رسول اور ان کی تعلیمات کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔ ایک طرف قرآن اور اسلام کے نام پر وہ سب کچھ کیا جا رہا ہے جس کو دنیا سے مٹانے

ہی کے لئے قرآن اور اسلام آیا تھا۔ اس جگہ صرف فروعی مسائل اور ان کی تحقیق و تنقید اور ترویج کی کوششوں میں الجھ کر ان بنیادی مہمات سے غفلت برتنے والوں سے اگر اللہ تعالیٰ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ مطالبہ ہو کہ ہمارے دین پر یہ افتادیں پڑ رہی تھیں، تم نے اس کے لئے کیا کیا؟ تو ہمارا کیا جواب ہوگا؟ مجھے یقین ہے کہ کوئی فرقہ کوئی جماعت جب ذرا اپنے وقتی جھگڑوں سے بلند ہو کر اس کو سوچے گی تو اس کو اپنی موجودہ مصروفیات پر ندامت ہوگی اور اس کی کوشش کا رخ بدلے گا۔ اس کے نتیجے میں باہمی آویزش یقیناً کم ہوگی۔

میں اس وقت کسی کو یہ نہیں کہتا کہ وہ اپنے خیالات و مزعومات کو بدلے گذارش صرف اتنی ہے کہ اپنی توانائی صرف کرنے کا صحیح حل تلاش کر کے اس پر لگادیں اور باہمی اختلافات کو صرف حلقہ درس یا فتویٰ یا تحقیقی رسائل تک محدود کر دیں اور ان میں بھی لب و لہجہ قرآنی اصول دعوت کے مطابق نرم رکھیں۔ فقرے کسنے اور دوسرے کی توہین کرنے کو زہر سمجھیں۔ ہمارے پبلک جلسے، اخبار، اشتہار، بجائے باہمی آویزش کو ہوا دینے کے لئے اسلام کے بنیادی اور متفق علیہ مسائل پر لگ جائیں تو پھر ہماری جنگ، جو فساد کی صورت اختیار کر چکی ہے، دوبارہ جہاد میں تبدیل ہو جائے گی اور پھر اس کے نتیجے میں عوام کا رخ بھی باہمی جنگ و جدل سے پھر کر دین کی صحیح خدمت کی طرف ہو جائے گا۔

صحیح اور غلط طرز عمل

بہت سے حضرات مسائل میں علماء کے اختلافات سے پریشان ہو کر پوچھا کرتے ہیں کہ ہم کدھر جائیں جس کی تہہ میں یہ پوشیدہ ہوتا ہے کہ اب ہم کسی کی نہ سنیں سب سے آزاد ہو کر جو سمجھ میں آئے کیا کریں اور بظاہر ان کا یہ معصومانہ سوال حق بجانب نظر آتا ہے۔ لیکن ذرا غور فرمائیں تو ان کو اس کا جواب اپنے گرد و پیش کے معاملات میں خود ہی مل جائے گا۔ ایک صاحب بیمار ہوئے۔ ڈاکٹروں یا حکیموں کی آراء میں اس کی تشخیص و تجویز کے بارے میں اختلاف ہو گیا تو وہ کیا کرتے ہیں؟ یہی نا کہ وہ ان ڈاکٹروں حکیموں کی ڈگریاں معلوم کر کے یا پھر ان کے مطب میں علاج کرانے والے مریضوں سے یا دوسرے اہل تجربہ سے دریافت کر کے

اپنے علاج کے لیے کسی ایک ڈاکٹر کو متعین کر لیتے ہیں۔ اسی کی تشخیص و تجویز پر عمل کرتے ہیں مگر دوسرے ڈاکٹروں حکیموں کو برا بھلا کہتے نہیں پھرتے۔ یہاں کسی کا یہ خیال نہیں ہوتا کہ معالجوں میں اختلاف ہے تو سب کو چھوڑو، اپنی آزاد رائے سے جو چاہو کرو۔ کیا یہی طرز عمل علماء کے اختلاف کے وقت نہیں کر سکتے۔

ایک مثال اور لیجیے۔ آپ کو ایک مقدمہ عدالت میں دائر کرنا ہے۔ قانون جاننے والے وکلاء سے مشورہ کیا۔ ان میں اختلاف رائے ہوا تو کوئی آدمی یہ تجویز نہیں کرتا کہ مقدمہ دائر کرنا ہی چھوڑ دے یا پھر کسی وکیل کی نہ سنے۔ خود اپنی رائے سے جو سمجھ میں آئے کرے۔ بلکہ ہوتا یہی ہے کہ مختلف طریقوں سے ہر شخص اپنی تحقیق کر لیتا ہے کہ ان میں کون سا وکیل اچھا جاننے والا اور قابل اعتماد ہے اس کو اپنا وکیل بنا لیتا ہے اور دوسرے وکلاء کو باوجود اختلاف کے دشمن نہیں سمجھتا۔ برا بھلا نہیں کہتا اس سے لڑتا نہیں پھرتا۔

یہی فطری اور سہل اصول اختلاف علماء کے وقت کیوں اختیار نہیں کیا جاتا۔

یہاں ایک بات یہ بھی سن لی جائے کہ بیماری اور مقدمے کے معاملات میں تو اگر آپ نے کسی غلط ڈاکٹر یا غیر معتمد وکیل پر اعتماد کر کے اپنا معاملہ اس کے حوالے کر دیا تو اس کا جو نقصان پہنچتا ہے وہ آپ کو ضرور پہنچے گا، مگر علماء کے اختلاف میں اس نقصان کا بھی خطرہ نہیں حدیث میں ہے کہ کسی شخص نے اگر کسی عالم سے سوال کیا اور اس نے فتویٰ غلط دے دیا تو اس کا گناہ سوال کرنے والے پر نہیں، بلکہ فتویٰ دینے والے پر ہے۔ شرط یہ ہے کہ سوال اس شخص سے کیا گیا ہو جس کا عالم ہونا آپ نے ایسی ہی تحقیق و جستجو کے ذریعہ معلوم کیا ہو جو اچھے معالج اور اچھے وکیل کی تلاش میں آپ کیا کرتے ہیں، اپنی مقدور بھر صحیح عالم کی تلاش و جستجو کر کے آپ نے ان کے قول پر عمل کر لیا تو آپ اللہ کے نزدیک بری ہو گئے۔ اگر اس نے غلط بھی بتا دیا ہے تو آپ پر اس کا کوئی نقصان یا الزام نہیں ہاں یہ نہ ہونا چاہیے کہ ڈاکٹر کی تلاش میں تو اس کا ایم۔ بی۔ بی ایس ہونا بھی معلوم کریں اور یہ بھی کہ اس کے مطب میں کس طرح کے مریض زیادہ شفایاب ہوتے ہیں، مگر عالم کی تلاش صرف عمامے کرتے اور داڑھی کو یا زیادہ سے زیادہ جلسے میں کچھ بول لینے کو معیار بنا لیں

اگر آپ نے ایسا کیا تو آپ اپنی ذمہ داری سے بری نہیں۔ اس نے جواب میں کوئی غلطی کی تو آپ اس کے مجرم قرار پائیں گے۔

باہمی جنگ وجدال کے دور کن ہیں

خلاصہ کلام یہ ہے کہ آج مذہب کے نام پر جو جنگ وجدال کا بازار گرم ہے اس کے دور کن ہیں۔ ایک ہر فرقہ اور جماعت کے علماء دوسرے وہ عوام جو ان کے پیچھے چلنے والے ہیں۔
علماء اگر اپنی تحقیق و تنقید میں قرآنی اصول دعوت کے مطابق دوسروں کی تنقیص و توہین سے پرہیز کرنے لگیں اور اسلام کے وہ بنیادی مسائل جن میں کسی فرقے کو اختلاف نہیں اور اسلام اور مسلمانوں پر جو مصائب آج آرہے ہیں وہ سب انہیں مسائل سے متعلق ہیں۔ اپنی کوششوں اور محنتوں کا رخ اس طرف پھیر دیں اسی طرح عوام اپنی مقدور بھر پوری کوشش کر کے کسی صحیح عالم کا انتخاب کریں اور پھر اس کے بتائے ہوئے طریقے پر چلتے رہیں۔ دوسرے علماء یا ان کے ماننے والوں سے لڑتے نہ پھریں تو بتلائیے کہ ان میں اشکال کیا ہے؟ سارے فرقے اور ان کے اختلافات بدستور رہتے ہوئے بھی یہ باہمی جنگ وجدل ختم ہو سکتا ہے جس نے آج مسلمانوں کو کسی کام کا نہیں چھوڑا صرف ذرا سی توجہ دینے اور دلانے اور طرز عمل بدلنے کی ضرورت ہے۔ کاش میری یہ آواز ان بزرگوں اور دوستوں تک پہنچے، جو اس راہ میں کچھ کام کر سکتے ہیں اور محض اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر اس ہمدردانہ دعوت کے لئے کھڑے ہو جائیں تو امت کی بہت سی مشکلات حل ہو جائیں اور ہمارا پورا معاشرہ جن مہلک خرابیوں کی غار میں جا چکا ہے ان سے نجات مل جائے۔

عام سیاسی اور شخصی جھگڑوں کا علاج

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ مذہبی معاملات میں جس شخص نے کوئی خاص رخ اختیار کر رکھا ہے وہ اسی کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تلقین سمجھ کر اختیار کئے ہوئے ہے۔ خواہ وہ حقیقت کے اعتبار سے بالکل غلط ہی ہو مگر اس کا نظریہ کم از کم یہی ہے کہ وہ اللہ کا دین ہے۔ ان حالات میں اس

کو ہمدردی اور نرمی سے اپنی جگہ افہام وتفہیم کی کوشش تو بجائے خود جاری رہنا چاہئے لیکن جب تک اس کا نظریہ نہ بدلے اس کو یہ دعوت نہیں دی جا سکتی کہ تم ایثار کر کے اپنا نظریہ چھوڑ دو اور صلح کر لو۔ ان سے تو صرف یہ کہا جا سکتا ہے کہ اختلاف رائے کو اپنی حدود کے اندر رکھیں اور افہام وتفہیم، قرآنی اصولِ حکمت، موعظت، مجادلہ باللتی ہی احسن کو نظر انداز نہ کریں مگر جن معاملات کا تعلق صرف شخصی اور ذاتی حقوق اور خواہشات ہے، وہاں یہ معاملہ سہل ہے کہ جھگڑے سے بچنے کے لئے دوسرے کے لئے اپنی جگہ چھوڑ دے، اپنے حق سے دست بردار ہو جائے اور جو شخص ایسا کرے دنیا میں بھی اس کے عزت کو چار چاند لگ جاتے ہیں اور جس مقصد کو چھوڑا ہے وہ بھی دوسرے راستے سے حاصل ہو جاتا ہے اور آخرت میں تو اس کے لئے ایک عظیم الشان بشارت ہے جس کا بدل پوری دنیا اور دنیا کی ساری حکومتیں اور ثروتیں بھی نہیں ہو سکتیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں ضامن ہوں اس شخص کو وسط جنت میں مکان دلانے کا جس نے حق پر ہونے کے باوجود جھگڑا چھوڑ دیا۔"

میں آخر میں پھر اپنے پہلے جملے کی طرف رجوع کرتا ہوں کہ ہماری ساری خرابیوں کی بنیاد قرآن کو چھوڑنا اور آپس میں لڑنا ہے اور یہ آپس کی لڑائی بھی درحقیقت قرآنی تعلیمات سے ناواقفیت یا غفلت ہی کا نتیجہ ہے۔ گروہی تعصبات نے یہ حقائق نظروں سے اوجھل کر رکھے ہیں۔

دنیا میں صالحین کی اگرچہ قلت ضرور ہے مگر فقدان نہیں۔ افسوس ہے کہ ایسے مصلحین کا سخت قحط ہے جو گرد وپیش کے چھوٹے چھوٹے دائروں سے ذرا سر نکال کر باہر دیکھیں اور اسلام اور قرآن ان کو کس طرف بلا رہا ہے ان کی صدا سنیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کے راستے پر چلنے کی توفیق کامل عطا فرمادیں۔

• • •

طلاق کا مسئلہ اور ابلاغِ عامہ

————: از جناب مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب

ادھر ایک مہینے سے ایک مجلس میں دی گئی تین طلاق کے مسئلہ کو بلا وجہ ابھار کر ہمارے معاشرہ کو نیشنل پریس کی طرف سے انتشار میں مبتلا کرنے کی کوشش جاری ہے اس مسئلہ پر حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام نے جو مختصر اور متوازن تحریر اخبارات کو بھیجی ہے وہ یہاں نقل کی جارہی ہے اسی شمارہ میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر دی جارہی ہے اس میں بھی اختلافی مسائل کے سلسلہ میں متوازن بات کہی گئی ہے ہم عوام سے یہ عرض کریں گے کہ آپ کو جن عالم پر اعتماد ہو اس کے فتویٰ پر عمل کیجئے اگر اس نے غلط فتویٰ دیا ہے تو اس کا گناہ اس کے ذمہ ہے آپ بری الذمہ ہیں اس میں اختلاف پیدا کرنے کی ضرورت نہیں ہے حدیث میں آتا ہے من أفتی بغیر علم کان اثمہ علی من افتاہ (ابو داؤد)

اس سلسلہ میں البحوث الاسلامیہ سعودی عرب نے تمام دلائل پر غور کرنے کے بعد یہی فتویٰ دیا ہے کہ ایک مجلس میں دی گئی تین طلاق تین ہی شمار ہوگی اور ائمہ اربعہ کی رائے بھی یہی ہے۔ اس لئے جمہور امت کے فتوے پر جن لوگوں کو اعتماد نہ ہو وہ تین کو ایک قرار دینے والوں کے فتوے پر عمل کرسکتے ہیں مگر براہ کرم اسے انتشار کا سبب نہ بنایا جائے۔

(مرتب)

ابھی چند اخبارات نظر سے گذرے جن میں تین طلاق کے بارے میں جریدہ ترجمان دہلی میں شائع شدہ ایک فتویٰ کو بنیاد بنا کر ہندوستان میں مسلم پرسنل لا کے نفاذ کو نشانہ بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ آج میڈیا (ذرائع ابلاغ) اور بزعم خود دانشور اور ترقی پسند افراد کسی نہ کسی بہانے کی تلاش میں رہتے ہیں تاکہ شریعت اسلامی کو مجروح کیا

جائے (OUT OF DATE) اور موجودہ حالات کے لئے نامناسب قرار دے کر شریعت کی پابندی سے آزادی حاصل کی جائے اور آہستہ آہستہ یونیفارم سول کوڈ کے لئے راستہ ہموار کیا جائے یہ صورت حال بے حد خطرناک ہے اور مسلمانوں کو ہمہ دم چوکنا رہنے کی ضرورت ہے۔

مسئلہ کی اصل نوعیت یہ ہے کہ شرعاً اگر تین طلاق تین طہر (ماہواری سے خالی ایام) میں دی جائے تو سبھی فقہا کا اس پر اتفاق ہے کہ تیسری طلاق کے بعد وہ عورت قطعی طور پر مطلقہ ہو جاتی ہے اور جب تک عدت گذرنے کے بعد دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے اور اگر وہ مرد بھی کسی وجہ سے جنسی تعلقات کرنے کے بعد اس عورت کو طلاق دیدے اور عدت گذر جائے پھر سابق شوہر اور یہ عورت دوبارہ رشتہ قائم کرنا چاہیں تو باہم نکاح کر سکتے ہیں۔

اصل تو یہی ہے کہ طلاق بیک وقت ایک سے زائد دفعہ بیک لمحہ نہ دی جائے۔ لیکن اگر کسی شخص نے اصل طریقہ کو چھوڑ کر ایک سے زائد بار طلاق ایک مجلس میں دے دی تو امام شافعیؒ اور سبھی ائمہ اسے ناقص مانتے ہیں لیکن اتنا فرق ہے کہ امام شافعیؒ اس عمل کو گناہ قرار نہیں دیتے ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ ایک مجلس میں ایک سے زائد طلاق دینے کو گناہ قرار دیتے ہیں۔ لیکن سبھی ائمہ اس پر متفق ہیں کہ جس طرح تین مجلسوں میں تین طلاق ہوتی ہے اسی طرح ایک مجلس میں دی گئی تین طلاق بھی تین ہی ہوگی۔

شیعہ حضرات کا مسلک یہ ہے کہ تین طلاق سرے سے واقع ہی نہیں ہوتی۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی تحقیق کو بنیاد بنا کر علماء اہل حدیث اس کے قائل ہوئے کہ ایک مجلس میں دی گئی تین طلاق ایک ہی طلاق شمار کیجائے گی۔ علماء اہل حدیث کا یہ فتویٰ کوئی نیا نہیں ہے اور جو لوگ مسلک اہل حدیث پر عمل کرتے ہیں وہ عرصہ دراز سے تین طلاق کو ایک ہی طلاق شمار کرتے رہے ہیں۔ علماء اہل حدیث اور دیگر مسالک کے علماء کے مابین عرصہ دراز سے اس بات پر تحقیق ہوتی رہی ہے اور سینکڑوں کتابیں موافق و مخالف رائے کی تائید و تقویت کے لئے لکھی گئی ہیں ہیں۔ اور چھپتی رہی ہیں۔

البتہ اس مسئلہ کی دو صورتیں ہیں کہ تین طلاق ایک مجلس میں اس طرح دی جائے کہ عدد تین کی صراحت نہ کی جائے۔ بلکہ طلاق کے جملہ کو ایک سے زائد بار دہرایا جائے مثلاً یہ کہا جائے میں نے طلاق دیا، میں نے طلاق دیا، میں نے طلاق دیا۔ اسی صورت میں اس کا امکان ہے کہ کہنے والے کا مقصد ایک سے زائد طلاق دینا نہیں بلکہ محض اپنی بات پر زور دینا ہے جیسے تاکید کہتے ہیں جیسے پانی لاؤ، پانی لاؤ، پانی لاؤ" اور یہ بھی ممکن ہے کہ کہنے والا تین بار طلاق کا لفظ استعمال کر کے تین طلاق دینا چاہتا ہے۔ پس اگر الفاظ طلاق کو دہرا کر شوہر کی نیت تین طلاق دینا ہے تو تین طلاق واقع ہو جائے گی۔ اور اگر اس کا مقصد ایک ہی طلاق دینا ہے اور محض زور دینے کے لئے اس نے ایک سے زائد بار طلاق کا جملہ دہرایا ہے تو اس کی یہ وضاحت تسلیم کر لی جائے گی۔ اور ایک طلاق کے واقع ہونے کا فتویٰ دیا جائے گا۔ وہ حدیث جس میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ عہد نبوت اور عہد ابوبکر صدیقؓ اور ابتدائے عہد فاروقی میں تین طلاق کو ایک شمار کیا جاتا تھا۔ جمہور علماء اہل سنت کے نزدیک اسی خاص صورت حال پر محمول ہے یعنی جب کہ عدد طلاق کی صراحت نہ کی گئی ہو اور الفاظ طلاق دہرائے گئے ہوں لیکن ان واقعات کی کثرت کو دیکھتے ہوئے سیدنا عمر فاروقؓ نے حکم دے دیا کہ جملہ طلاق کو دہرانے کے بعد شوہر کی یہ وضاحت کہ اس نے محض زور (تاکید) دینے کے لئے یہ بات کہی تھی تسلیم نہیں کی جائے گی۔ چنانچہ جمہور اہل سنّت کے نزدیک عدالت اس طرح کی وضاحت کو تسلیم نہیں کریگی۔ البتہ مفتی جس کا فتویٰ دیانت پر مبنی ہوتا ہے وہ یہ فتویٰ دے گا کہ اگر شوہر کی ایسی نیت تھی تو ایک ہی طلاق واقع ہوگی۔

دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی شخص یہ کہے کہ میں نے تین طلاق دی یا یہ کہے کہ دو طلاق دی۔ تو اس نے جو کچھ کہا ہے وہی واقع بھی مانا جائے گا۔ اس پر بھی ائمہ کا اتفاق ہے اور یہی مسلک جمہور اہل سنت کے یہاں ہمیشہ سے آج تک معمول بہ بھی ہے۔ جہاں تک حضرات اہل حدیث کا تعلق ہے بلاشبہ وہ دونوں قسم کی تین طلاقوں کو ایک مانتے رہے ہیں۔ لیکن یہ نہ کوئی نیا انکشاف ہے اور نہ کوئی نیا فتویٰ اس وقت جس طرح

پولیس اور بزعم خود ترقی پسند طبقہ داویلا مچا رہا ہے اس کا مقصد دو ہے ایک تو یہ کہ جس طرح بھی ہو شریعت میں ترمیم تحریف کا راستہ کھل جائے۔ دوسرے یہ کہ موجودہ نازک حالات میں حضرات اہل حدیث اور دیگر مسالک کے مسلمانوں کے درمیان بحث ومناظرہ شروع ہو جائے اور آپس میں اختلاف وتفرقہ پیدا ہو جائے ایسے نازک موقع پر میں مسلمانوں سے اور خاص کر دونوں مسلک کے علماء سے یہ اپیل کرنا چاہتا ہوں کہ وہ دشمن کے نشانہ کو سمجھیں اور جمہور علماء اہل سنت نے کتاب وسنت سے اپنے مسلک کے دلائل مرتب فرمادیئے ہیں اسی طرح شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور علامہ ابن قیمؒ نواب صدیق حسن خاں مرحوم ودیگر علماء اہل حدیث نے اپنے مسلک کے دلائل لکھ دیئے ہیں۔ مزید اس مسئلہ پر کسی بحث کی ضرورت نہیں یہ چاہتے ہی ہیں کہ ہم لوگ اس طرح کے مباحثات میں الجھیں اور اختلافات وتفرقہ کا شکار ہو کر ان کو یہ موقع دیں کہ ہندوستان میں شریعت اسلامی پر یہ شبخوں مار سکیں۔

ہم لوگ جو اپنے کو مسلمان کہتے ہیں آج تین طلاق کے قانون کے بارے میں کہتے ہیں۔ It has no placl in moduzntimus.

یعنی "یہ قانون موجودہ عہد میں چلنے کے لائق نہیں ہے۔" ان حضرات کے لئے اس قانون یا اُس قانون میں کوئی فرق نہیں۔ یہ پوری شریعت کو از کار رفتہ سمجھتے ہیں اور اس کی بنیاد ہلا دینا چاہتے ہیں۔

ایسے خطرات سے مسلمانوں کو ہوشیار رہنا چاہیے۔ ان حضرات کی فکرمندی کی ایک بنیاد یہ بھی ہے کہ مسلمان آج بھی اپنے دین کے بارے میں علماء کے فیصلوں پر عمل کرتے ہیں اور یہ لوگ چاہتے ہیں کہ علماء پر سے مسلم عوام کا اعتماد اٹھ جائے۔ تاکہ یہ شریعت کی من مانی تعبیر کر سکیں جبکہ اصلاح کا راستہ یہ ہے کہ مسلمان سلف کے راستے پر چلتے ہوئے معتمد علماء کے فتاویٰ پر عمل کرتے رہیں۔

●●

شریعت اسلامی کی روشنی میں

اصلاحِ معاشرہ کے سلسلہ میں کچھ ضروری مشورے

محترم حضرات ..... ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

ساری دنیا کے اور خاص طور پر ہندوستان کے مسلمانوں کے سامنے اس وقت دو طرح کے خطرات ہیں ایک خارجی دوسرے داخلی خارجی خطرات سے مراد یہ ہے کہ اس وقت پوری دنیا میں یہودی لابی اور بڑی طاقتیں اسلام اور مسلمان حکومتوں کے خلاف سازش میں لگی ہوئی ہیں اور خود ہمارے ملک کے اندر آر ایس ایس، بی جے پی، بجرنگ دل اور وشو ہندو پریشد جیسی فرقہ پرست طاقتیں اسلام اور مسلمانوں کو مٹانے کے لئے معاندانہ تحریک چلا رہی ہیں اور اسرائیل سے تعلقات کے بعد اس میں مزید شدت پیدا ہوگئی ہے لیکن خارجی طاقتوں اور انکی سازشوں اور داخلی جارحانہ تحریکوں کے ذریعہ انشاء اللہ وہ نہ تو اسلام کی شمع فروزاں کو بجھا سکیں گی اور نہ مسلمانوں کو مٹا سکیں گی مگر جو سب سے اہم اور بڑا خطرہ ہے وہ ہم کو اپنے معاشرہ کی اندرونی خرابیوں سے ہے آج ہماری صفوں میں انتشار ہے آپسی جھگڑے ہیں شادی بیاہ کی فضول خرچیاں اور تعلیم کی کمی ہے پورے ہندوستان کی کوئی بستی کوئی محلہ ایسا دکھائی نہیں دے رہا ہے جس میں بھائی چارہ کی کوئی فضا اور اتحاد و اتفاق کا کوئی منظر ہو نوجوانوں میں نہ تو ماں باپ اور بڑوں کا لحاظ رہ گیا ہے اور نہ ہی انکا احترام و ادب باقی ہے گھروں کے ماحول سے دین کا چرچا مٹتا چلا جا رہا ہے اور اس کی جگہ ایک گندہ ماحول پیدا ہوتا جا رہا ہے عورتوں کے ذریعہ ہماری بہت سی اسلامی اور تہذیبی قدریں محفوظ تھیں مگر اب وہ بھی ختم ہوتی جا رہی ہیں عورتوں میں گھروں سے دلچسپی کم ہوتی جا رہی ہے اور بازار سے بڑھتی جا رہی ہے آج بازاروں اور ہوٹلوں میں مسلمان عورتوں کی جتنی بھیڑ نظر آنے لگی ہے دس برس پہلے یہ بات نہیں تھی۔

بزرگو اور دوستو! اس وقت ہم کو ایک طرف خارجی خطرات سے بچاؤ کی متحدہ تدبیریں اختیار کرنے کی شدید ضرورت بھی ہے مگر اس سے زیادہ اپنی داخلی خرابیوں کو دور کرنے کی فکر کرنے کی ضرورت ہے اگر داخلی خرابیاں دور نہ ہوئیں تو چھوٹے سے چھوٹے خارجی خطرات کا مقابلہ بھی نہیں کرسکتے کل ہند مسلم پرسنل لا بورڈ کے فیصلے کے مطابق معاشرہ کی اصلاح کے لئے ہم علماء اور خواص اہل علم احکام سے درخواست کرتے ہیں کہ حسب ذیل مشوروں پر خود عمل کرنے کی کوشش کریں اور دوسروں کو اس کی

ب دیں۔ آل انڈیا ملی کونسل نے بھی مسلم پرسنل لاء بورڈ کے اس فیصلہ کو کچھ اضافے کے ساتھ اپنے وسیع پروگرام بنا لیا ہے۔

۔ مسلکی اور جماعتی عصبیت سے اوپر اٹھ کر ہر مسلمان کلمہ گو کو اپنا بھائی سمجھیں اور اس سے اسلامی بھائی کا معاملہ کریں اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ (سارے مسلمان بھائی بھائی ہیں) کو ہمیشہ سامنے رکھیں۔

۔ گاؤں گاؤں شرعی پنچایتیں قائم کرکے اسکا ایک ذمہ دار بنالیں اور آپسی جھگڑے عدالتوں میں لیجانے کے بجائے بیٹھ کر طے کریں اور اگر وہاں نہ طے ہو تو اپنے قریبی قصبہ اور شہر کے دارالقضا یا علماء اور ذمہ دار حضرات کے سامنے پیش کرکے حل کرنے کی کوشش کریں یہ مشورہ قرآن پاک کی اس ہدایت کی روشنی میں دیا گیا ہے جو اس نے ایسے جھگڑوں کے سلسلہ میں سورۂ حجرات میں دیا ہے۔

۔ اپنے غیر مسلم پڑوسیوں سے اپنے تعلقات کو زیادہ سے زیادہ اچھا رکھنے کی کوشش کریں اور ان کی خدمت کو بھی دینی فریضہ سمجھیں ساری مخلوق کو اللہ تعالیٰ نے اپنی عیال قرار دیا ہے اور ان کی خدمت کو جنت میں اجر و ثواب کا باعث قرار دیا ہے۔

۔ اپنے گاؤں اور محلہ کی پوری مردم شماری کر ڈالیں، گاؤں یا محلہ میں جو بچے یا بچیاں کہیں تعلیم نہ پا رہی ہوں ان کی اور بیواؤں کی فہرست ملی کونسل کے دفتر واقع رشاد نگر بھیجا دیں تاکہ اس کمی کو دور کرنے کی کوشش کی جائے۔

۔ صبح سویرے اٹھنے کی کوشش کریں، نماز اور تلاوت کے بعد کچھ دیر ورزش ضرور کریں خاص طور پر نوجوانوں اور بچوں کو اس کی زیادہ سے زیادہ ترغیب دیں۔

شادی بیاہ کے موقع پر ان باتوں پر عمل کرنے کی کوشش کریں

۔ منگنی یعنی شادی کی تاریخ طے کرتے وقت کوئی تقریب اور لین دین نہ کیا جائے یہ غیر شرعی رسم ہے۔

۔ حتی الامکان نکاح مسجد میں کیا جائے۔

۔ لڑکی کے گھر بارات لیجانا ہندوانہ رسم ہے لیکن اگر کسی وجہ سے لیجانا آپ ضروری سمجھتے ہوں تو دس آدمی سے زیادہ نہ ہوں کھانے میں زیادہ سے زیادہ سادگی برتی جائے۔ اور باراتیں میں عورتوں کے جانے کے رواج کو بالکل ختم کیا جائے یہ نہایت غیر شرعی رسم ہے۔

۔ شادی کے موقع پر اعزہ و اقارب سے نوید کے لینے دینے اور کپڑا جوڑا لینے دینے کا رواج ختم کیا جائے سب اعزہ کی مدد آپ چپکے سے کردیں۔

۵ :۔ نکاح کے دن لڑکی کو چند جوڑے کپڑے بستر اور ایک دو زیور اور کچھ مٹھائی کے علاوہ دوسرا کوئی سامان نہ دیا جائے ہر شخص کو اپنے لڑکی اور داماد سے محبت ہوتی ہے آپ ان کے ساتھ زندگی بھر سلوک کرتے رہیے مگر دکھاوے کا سامان دیکر اور بلاوجہ فضول خرچی کر کے معاشرہ کو خراب نہ کیجیے شرعی نقطۂ نظر سے سامان کا مہیا کرنا شوہر کا فرض ہے لڑکی سے لینا یا اس کا مطالبہ کرنا انتہائی قابل مذمت اور ناجائز ہے ۔

۶ :۔ مہر شوہر کی حیثیت کے مطابق مقرر کی جائے اور فوراً ادا کر دی جائے اگر فوراً ادا نہ کی جائے تو سونے یا چاندی کی مقدار میں مقرر کی جائے اور اپنے اوپر قرض سمجھ کر جلد سے جلد ادا کرنے کی کوشش کی جائے ۔

۷ :۔ عام طور پر لڑکیوں کو جہیز وغیرہ کا سامان دیکر محبت کا اظہار کرنے کے بجائے ان کو وراثت میں حصہ دیکر حقیقی محبت کا ثبوت دیجئے اور شریعت کے اس اہم حکم کی پابندی کیجیے (۷) عام طور پر مشہور ہے کہ ہمارے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ کو جہیز کا سامان دیا تھا اس لئے یہ سنت ہے یہ بات بالکل غلط ہے بلکہ جو سامان آپ نے دیا تھا وہ حضرت علی کی زرہ فروخت کر کے جو رقم ملی تھی اس سے آپ نے گھر بسانے کا معمولی سامان دیا تھا اور مہر ادا کی تھی اپنی طرف سے کوئی سامان نہیں دیا تھا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو صاحبزادیوں رقیہ اور ام کلثوم کو یکے بعد دیگرے حضرت عثمانؓ کے نکاح میں دیا مگر جہیز کا کوئی سامان نہیں دیا ۔ عہد نبوی اور عہد صحابہ میں اس کا بالکل رواج نہیں تھا ۔

(۸) :۔ لڑکی کے والدین سے سامان کا مطالبہ کرنا ناجائز اور حرام ہے شریعت اسلامی نے گھر کا سامان مہیا کرنے کی ذمہ داری شوہر پر ڈالی ہے لڑکی پر نہیں ۔

۹ :۔ کیا یہ افسوسناک بات نہیں ہے ، کہ ماں باپ اپنی بچی کو کس لاڈ اور پیار سے پالتے ہیں اور ان کی پرورش اور تعلیم و تربیت میں کتنی تکلیفیں برداشت کرتے ہیں اور ان پر اپنی کمائی کا کتنا روپیہ خرچ کرتے ہیں اور جب وہ شادی کی عمر کو پہنچتی ہے تو اس کے لیے رشتہ کی تلاش میں در در کی خاک چھانتے ہیں ۔ یہ تمام پریشانیاں اٹھانے کے بعد اپنی نور نظر اور لخت جگر جوان بچی کو ایک اجنبی مرد کو شوہر بنا کر اس کے حوالہ کرتے ہیں اب اس ہونے والے شوہر اور اس کے ماں باپ کے لئے یہ کتنی بےغیرتی اور بےشرمی کی بات ہے اس قیمتی نعمت کے پا جانے کے بعد بھی ان سے ایسی حقیر چیزوں کا مطالبہ کریں جو چند دنوں میں ختم ہو جانے والی ہیں جب کہ ایسے مطالبات کو شریعت نے قابل مذمت قرار دیا ہے تفصیل کے لئے ایک عالم کی کتاب جہیز کی شرعی حیثیت کا مطالعہ کرنا چاہیے ۔

یہ مشورے آپ کو اس احادیث نبوی کی روشنی میں دیئے جارہے ہیں جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان اعظم النکاح برکۃ ایسرہ مؤنۃ سب سے بابرکت نکاح وہ ہے جس میں کم سے کم خرچ ہو اور کم سے کم بوجھ اٹھانا پڑے اور النکاح من سنتی فمن رغب عن سنتی فلیس منی یعنی شادی بیاہ میرے طریقہ سے کرو اگر ایسا نہیں کرتے تو تم میرے امتی نہیں ہو۔

ہم عوام سے اور خاص طور سے علماء سے درخواست کرتے ہیں کہ آپ حضرات خود اس پر عمل کریں اور جو لوگ ان پر عمل کرنے کے لئے آمادہ نہ ہوں ان کے یہاں شرکت نہ کریں اس موقع پر مولانا الیاس کی بات حرز جان بنانے کے قابل ہے۔ آپ نے فرمایا کہ شادی بیاہ کے موقع پر ہم خاندان برادری سب کو خوش کرنے کی کوشش کرتے ہیں یہاں تک کی اپنی پونی پرجا اور نوکر چاکر کو بھی خوش کرتے ہیں لیکن کتنے افسوس کی بات ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کو خوش کرنے کے بجائے ہم ان کو ناراض کرتے ہیں'

اوپر جو کچھ عرض کیا گیا ہے اگر آپ اسے پابندی سمجھتے ہیں تو یہ پابندیاں آپ ہی کے فائدے کے لئے لگائی جارہی ہیں تاکہ آپ پریشانیوں سے بچ جائیں اور آپ کی دولت برباد نہ ہو اور وہ کسی اچھے کام میں صرف ہو اور معاشرہ کے عام لوگ بھی پریشانی اور بگاڑ سے بچ جائیں کیا یہ بات دینی و اخلاقی اعتبار انتہائی افسوسناک نہیں ہے کہ ہمارے معاشرہ اور ہمارے خاندان میں بہت سے لوگ روزی روٹی کے محتاج ہوں اپنے بچوں کو اچھی تعلیم نہ دے سکتے ہوں اور اپنے لڑکوں اور لڑکیوں کی شادی میں دو چار ہزار بھی خرچ کرنے کے قابل نہ ہوں اور کچھ لوگ نمود و نمائش کیلئے اپنے لڑکوں اور لڑکیوں کی شادی میں لاکھوں روپے خرچ کریں آپ سوچیں کہ کیا اس سے غریب بھائیوں کے دل کو تکلیف نہیں پہنچے گی اور ان کے لڑکے اور لڑکیوں کی شادی میں دقت نہیں پیدا ہوگی؟ کیا یہ بات اخلاق و مروت اور بھائی چارگی کے خلاف نہیں ہے؟ —— کیا یہ بات آپ کو زیب دیتی ہے؟

ہم امید کرتے ہیں کہ ہماری اس دردمندانہ اپیل اور مشوروں کو مسلمان عملی جامہ پہنانے کی کوشش کریں گے اور جو لوگ اس پر عمل نہ کریں ان پر اخلاقی دباؤ ڈال کر عمل کرنے پر مجبور کریں گے اور جو لوگ ایسا نہ کریں ان کی کھل کر مذمت کریں اور انکی شادی کی تقریب میں شرکت نہ کریں ایسا کرنا قرآن پاک اور حدیث نبوی کی ہدایت کے مطابق ہے۔

ہم نوجوانوں سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ خود آگے بڑھ کر ان تمام رسم و رواج کی مخالفت کریں اور

باقی ص ۳۸ پر

ہر روز ایک اچھا کام کرنے کی عادت ڈالو

م ندیم شمسی (علیگ)

وہ جنوری کی بہت سرد صبح تھی۔ ٹھنڈی ہوا تیر کی مانند جسم کو لگ رہی تھی۔ آسمان پر بادل گھرے ہوئے تھے اور ہلکی ہلکی پھوار پڑنا شروع ہو گئی تھی وہ تینوں سڑک کے کنارے کھڑے تھے اور ہر گذرنے والے تین پہیہ والے اسکوٹر کو روکنے کا اشارہ کرتے تھے۔ ایک دو اسکوٹر ان کے اشارے پر رکے بھی لیکن اسٹیشن جانے کے لئے کوئی بھی راضی نہ تھا۔ ایک بوڑھا ایک بوڑھی عورت اور ایک بچہ وہ تینوں سردی میں ٹھٹھرے کھڑے تھے۔ اب وہ ناامید ہو گئے تھے اور ان کو اب ادھر سے گذرنے والی بس کا انتظار تھا۔

"اماں بس کب آئے گی"؟ بچے نے پوچھا۔

"بیٹا صبر کرو آتی ہوگی" ماں نے جواب دیا۔

"جب تک بس آئے گی اس وقت تک تو ٹرین کا وقت نکل جائے گا۔ ہم لوگوں کو اب دن بھر ریلوے اسٹیشن پر شام کی گاڑی کا انتظار کرنا پڑے گا" بوڑھے نے کہا۔

اسی وقت ان کو دور سے ایک آٹو رکشہ آتا ہوا دکھلائی دیا۔ بوڑھے آدمی نے اسے رکنے کا اشارہ کیا آٹو رکشہ رک گیا۔

"بھائی ہم کو ریلوے اسٹیشن جانا ہے ہماری گاڑی نکل جائے گی ہم بہت دیر سے یہاں کھڑے ہیں" آدمی نے عاجزی سے کہا۔

"چلو بیٹھو" ڈرائیور نے کہا۔

"لیکن پہلے کرایہ ٹھہرا لو۔ میں جھگڑا نہیں کرنا چاہتا" بوڑھے نے کہا۔

"ارے بھائی تم فکر نہ کرو میں بھی برا آدمی نہیں ہوں' چلو بیٹھ جاؤ بس پانچ منٹ میں تم کو اسٹیشن پہنچا دوں گا' ڈرائیور نے سامان رکھنے میں مدد کی اور آٹو رکشہ چل پڑا۔

"لو جی آ گیا اسٹیشن" ڈرائیور نے رکشہ روکتے ہوئے کہا اور پھر قلی کو آواز دی۔

"ارے او بھائی لا لو۔ دیکھ بھائی جی کو گاڑی میں بٹھا دینا آرام سے انکو تکلیف نہ ہو"

انہوں نے جیب سے پرانا بٹوہ نکالا اور کہا "آپ کا بہت بہت شکریہ کیا کرایہ ہوا؟"
"اجی کیسا کرایہ۔ بس آپ لوگوں کی دعا چاہیے۔" ڈرائیور نے ہنس کر کہا۔
"نہیں ڈرائیور صاحب۔ میں اتنا غریب آدمی نہیں ہوں کہ آپ کا کرایہ بھی نہ دے سکوں۔ آپ کرایہ لے لیں۔" بوڑھے نے کہا۔
"نہیں بھائی صاحب۔ میرا یہ اصول ہے کہ صبح سویرے پہلی سواری سے کرایہ نہیں لینا چاہیے وہ امیر ہو یا غریب کوئی بھی ہو میرے باپ نے مجھے بچپن میں یہ سبق سکھلایا تھا کہ روزانہ ایک نیک کام ضرور کیا کرو۔ بس میں یہ کام ضرور کرتا ہوں۔"
"اچھا اب اجازت چاہوں گا۔" اور وہ چلا گیا۔
جب قلی نے ان تینوں کو گاڑی میں بٹھا دیا تو قلی نے بھی اپنی مرضی سے اپنی مزدوری نہیں لی اور کہا۔
"بھائی صاحب میرا یہ اصول ہے کہ میں پہلی سواری سے مزدوری نہیں لیتا ہوں چاہے وہ امیر ہو یا غریب۔"
"تم نے یہ اصول کس سے سیکھا؟" بوڑھے نے پوچھا۔
"یہ ڈرائیور جو ابھی آپ لوگوں کو چھوڑ کر گیا ہے اس سے۔"
میں ایک بار اس کے آٹو رکشہ پر گھر سے اسٹیشن آیا تھا تو اس نے مجھ سے کرایہ نہیں لیا تھا۔ اور کہا تھا کہ وہ ہر روز ایک اچھا کام ضرور کرتا ہے۔ بس اس دن سے میں نے بھی یہ فیصلہ کر لیا کہ میں بھی ہر روز ایک اچھا کام ضرور کروں گا۔" قلی نے بتایا۔

بقیہ اصلاحِ معاشرہ ●●

اسلامی طرز زندگی اور سادگی پر اپنے والدین کو مجبور کریں۔ اگر وہ نہ مانیں تو ایسے رشتے سے انکار کر دیں انشاء اللہ ایسے نوجوان **شَابٌّ نَشَأَ فِي عِبَادَةِ اللّٰهِ** کے زمرے میں شمار ہونگے یعنی ایسے نوجوان کو قیامت کے دن عرش کے سایہ میں جگہ ملے گی جو اللہ کی اطاعت میں جوان ہوا ہے۔

غلام محبوب اللہ ندوی
جامعۃ الرشاد۔ رشاد نگر۔ اعظم گڈھ

وفیاتؒ

ملّت کے ایک جاں باز رہنما

مولانا ضیاءالدین بخاری مرحوم کا سانحۂ شہادت

مولانا ضیاءالدین بخاری کا حادثۂ شہادت ملت اسلامیہ اور خاص طور پر بمبئی کے
مسلمانوں کے لئے ایک سانحۂ عظیم ہے مگر افسوس ہے کہ ان کے شہادت کے واقعہ کو ہمارا
پریس ذاتی رنجش اور خاندانی جھگڑے وغیرہ کی صورت میں پیش کر رہا ہے۔ تاکہ ان کے
سانحۂ شہادت کی اہمیت کو کم کر دیا جائے اور اس کے پیچھے جو برسر اقتدار ٹولے کی گندی
سیاست اور سازش کارفرما ہے اس پر پردہ پڑ جائے بہرحال اس سازش کا پردہ قانونی
طور پر چاہے چاک نہ ہو مگر ہر گلی کوچے میں یہ بات زبان زدِ ہر خاص و عام ہے کہ ان کی
شہادت میں برسر اقتدار لوگوں کا ہاتھ ہے۔

بہرحال ہم ملت کے ایک پرعزم بیباک اور جانباز رہنما سے محروم ہو گئے
کمیاں اور خامیاں کس انساں میں نہیں ہوتیں مگر مسلمانوں کے مسائل میں سینہ
سپر ہو کر آگے بڑھنے والا اب اس وقت بمبئی میں کوئی دکھائی نہیں دیتا سڑکوں پر
جمعہ کی نماز پر روک لگانے کی کوشش کی گئی تو وہ اس کے خلاف میدان میں آ گئے
مسلمانوں کا کوئی بھی مسئلہ ہوتا وہ اس کے حل میں صف اول میں نظر آتے بمبئی کے
فساد کے موقع پر ملی کونسل کے وفد کے ساتھ جانے کا اتفاق ہوا تو اندازہ ہوا کہ وہ روزانہ
۱۸ اور ۲۰ گھنٹے اس کام میں اپنا وقت صرف کر کے فساد زدگان کی مدد کر رہے ہیں۔
محترم مولانا قاضی مجاہدالاسلام صاحب نے ملی کونسل کی طرف سے فساد زدگان کے
لئے ایک بڑی رقم کی پیش کرنے کی خواہش ظاہر کی تو بڑی تواضع سے کہا کہ بحمداللہ
یہاں اس کے لئے بمبئی کے مسلمان کافی ہیں بس آپ حضرات کی اخلاقی ہمدردی اور
دعا کافی ہے انہوں نے دن رات ایک کر کے جس طرح مسلمانوں کی نہ صرف نصرت

بندھائی بلکہ ان کی آبادکاری میں دن کا آرام اور رات کی نیند کی بھی پرواہ نہ کی اس عزیمت وجانبازی کی مثال اس دور میں بہت کم ملے گی۔

ملت نگر کالونی تنہا ان کا اتنا بڑا کارنامہ ہے کہ اسے ان کا مخالف سے مخالف بھی بھلا نہیں سکتا انہوں نے ملت نگر سے نئی کالونی بسانے کا جو کام شروع کیا تھا اس نے بہت سے دوسرے لوگوں کے لئے مہمیز کا کام کیا اور کئی اور بمبئی اور دوسری جگہوں پر مسلم کالونیاں آباد ہوگئیں۔ اسی طرح حاجیوں کے لئے مسلم مسافر خانہ بنانے میں بھی ان کا بڑا ہاتھ رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کی نیکیوں کے بدلے ان کو اپنے جوار رحمت خاص میں جگہ عنایت کرے اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل اور ان کے بتائے ہوئے راستہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

احسان شناسی کا تقاضا ہے کہ بمبئی میں ان کے نام سے کوئی اسکول یا رفاہی ادارہ قائم کیا جائے یا کم از کم منسوب کیا جائے۔

مولانا ابو علی عبدالباری مرحوم

جو لوگ دارالمصنفین سے واقف ہیں وہ مولانا عبدالباری مرحوم سے ضرور واقف ہوں گے جو دارالمصنفین سے دس بیس برس نہیں پورے ساٹھ برس وابستہ رہے افسوس ہے کہ وہ ۲۸ رجون ۱۹۹۳ء کو انتقال کر گئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان کی وصیت تھی کہ تجہیز وتکفین کا اہتمام میں کروں اور نماز جنازہ خود پڑھاؤں افسوس ہے کہ میں ان دنوں سفر پر تھا اور اس سعادت سے محروم رہا۔

مولانا عمر طبعی سے تجاوز کر گئے تھے یعنی وہ تقریباً ۹۳ برس کے ہو چکے تھے مگر آخیر عمر تک چاق وچوبند رہے روزانہ ایک دو کلو میٹر ٹہلنے کا معمول تھا جو کم وبیش انتقال سے چند ہفتے پہلے تک باقی رہا چند ہفتہ پہلے سڑک حادثہ میں ان کے کولھے کی ہڈی ٹوٹ گئی اور اسی میں کئی روز بعد انتقال ہوگیا۔

فارسی اور عربی کی ابتدائی تعلیم شہری میں مولانا الٰہی بخش صاحب مرحوم سے حاصل کی پھر مدرستہ الاصلاح سرائمیر میں داخلہ لیا درجہ چہارم یا پنجم تک پہونچے تھے کہ معاشی پریشانی نے تعلیم کو خیرباد کہنے پر مجبور کیا پھر وہ کلکتہ اپنے چچا محمد احمد کے پاس چلے گئے جو ایک اچھے تاجر تھے مگر وہاں وہ زیادہ دنوں تک نہ رہ سکے اور پھر واپس اعظم گڈھ آگئے۔ حضرت الاستاذ علامہ سید سلیمان ندوی رحمتہ اللہ علیہ نے ان کو بحیثیت مصحح دارالمصنفین میں رکھ لیا اور تقریباً ساٹھ برس اس سے وابستہ رہے وہ تھے تو کاپی اور پروف کے مصحح مگر شاید ہی کوئی ایسا رفیق دارالمصنفین رہا ہو جس کی تحریر پر ان کا قلم نہ چل جاتا ہو حتیٰ کہ کاپی دپروف پڑھتے ہوئے وہ سید صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی تحریروں میں بھی اسطرح اصلاح کر دیا کرتے تھے کہ ان کو پتہ نہیں چلتا خود کہتے کہ علامہ شبلی کے علاوہ میری اصلاح سے کوئی بچ نہیں سکتا۔ راقم الحروف کی تحریروں کی بھی اکثر اصلاح کر دیا کرتے تھے اور میں اسے اکثر قبول بھی کر لیا کرتا تھا میری ہزاروں صفحات کی بدخط تحریروں کو انہوں نے نہایت خوشخط صاف کیا ہوگا۔ جس سے نظر ثانی میں آسانی ہو جاتی تھی اگر وہ صاف نہ کرتے تو میری بہت سی تحریریں شاید اب تک شائع نہ ہو پاتیں اللہ تعالیٰ انہیں بہترین جزا سے نوازے بہت ہی خوشخط تھے اس لئے حضرت سید صاحب بھی اپنی تحریر اکثر انہی سے صاف کراتے تھے وہ تھے تو مصحح مگر جب اس سے وقت بچتا تو وہ کتبخانہ کی فہرستوں کی تیاری اور کتابوں کی ترتیب میں اپنا وقت صرف کرتے آج بھی انہی کے مرتب کردہ رجسٹر سے فائدہ اٹھایا جا رہا ہے۔

وہ تھے تو مسلکاً اہلحدیث مگر مزاج میں خشکی بالکل نہیں تھی بلکہ وہ سدا بہار تھے ہر وقت ان کی خوش مزاجی اور بذلہ سنجی جاری رہتی تھی۔

یہی وجہ تھی کہ ان کے دوستوں اور ملنے والوں میں خورد و کلاں دونوں ہوتے تھے خوردوں میں خورد رہتے اور بڑوں میں بڑے۔ ایک بار ہم لوگ طالب علمی کے زمانہ میں چھٹیوں میں سید صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تقریباً پندرہ دن رک کر حضرت سید صاحب سے استفادہ کرتے رہے اس موقع پر بھی حضرات کی خوبیوں پر

ایک ایک قطعہ کہا تھا۔ مولانا عبدالباری صاحب پر یہ قطعہ کہا تھا۔

خوش مزاجی ہے جبلت آپ کی ہے بہت سادہ طبیعت آپ کی
دید میں کوتاہ لیکن ہیں بڑے کیجئے گوہر سے نسبت آپ کی

اکثر سیاسی اور مذہبی مسائل میں ان کی رائے عام لوگوں سے بالکل جدا ہوتی تھی اور پھر جرأت سے اس کو کہتے اور اس پر ان کو پورا اصرار ہوتا تھا ایک بار انہوں نے میرے پاس ایک تحریر بھیجی کہ اسے الرشاد میں شائع کر دوں اس میں تفصیل کے ساتھ لکھا تھا کہ میں اہلحدیث ہوں مگر یہ چیز برابر خلش پیدا کرتی رہی کہ اہلحدیث حضرات کے مسلک کا سارا مدار مستحبات پر ہے جسے انہوں نے واجبات کا درجہ دے دیا ہے اصرار کے باوجود میں نے ان کی تحریر شائع نہیں کی جس پر بہت ناخوش ہوئے اور کہا کہ تم میری ناقدری کرتے ہو جب وہ کسی کی تعریف پر آتے اس میں بھی حد درجہ مبالغہ ہوتا۔ اور کسی کی تنقید پر آتے تو اسے تحت الثریٰ تک پہنچا دیتے۔

دوسروں اور خود اپنے بارے میں وہ جو ناقدانہ تاثرات ظاہر کرتے تھے وہ بہت دلچسپ ہوتے تھے اپنے بارے میں کہتے تھے کہ میں اپنے چھوٹے قد پر اکثر افسوس کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا بنایا ورنہ تم لوگوں سے کم تھوڑے ہی تھا بعض ممتاز لوگوں کے بارے میں کہتے کہ ان کو زندگی بھر لکھنا نہیں آسکتا۔

مولانا ابوالکلام آزاد اور حضرت سید صاحب کے حد درجہ مداح تھے اور ان پر انہوں نے بڑی لمبی لمبی تحریریں بھی لکھی ہیں ان کی بعض تحریروں کو کھوکھر صاحب نے پاکستان سے شائع بھی کر دیا ہے مگر جب کبھی ترنگ میں آتے تو ان پر بھی دو چار چھینٹے ڈال دیتے مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے اس حیثیت سے بڑے مداح تھے کہ علماء میں صرف وہ ایک تنہا شخص تھے جو مغربی تہذیب سے زندگی کے کسی گوشہ میں متأثر نہیں ہوئے کہتے کہ ان کے خلفا سب نرے علوم ہوتے ہیں، علامہ شبلی کے بارے میں کہتے کہ جب وہ تحریر لکھنے بیٹھتے ہیں تو جملے، فقرے، محاورے اور الفاظ دست بستہ ان کے سامنے کھڑے رہتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں موقع سے استعمال

کر لیتے ہیں۔ پرسوں جمعہ کے دن ٹہلتے ہوئے میرے یہاں آئے اور ناشتہ میرے ساتھ
کرتے اگر کبھی ذرا بے توجہی ہو گئی تو دوسروں سے جا کر کہتے کہ آج مجیب اللہ نے میری
سخت توہین کی انداز اتنا سخت ہوتا کہ آدمی شرمندہ ہو جاتا مگر اس کے باوجود معمول
میں فرق نہیں آتا، شاید ہی کوئی ایسا ممتاز آدمی ہو جس کے بارے میں ان کی ایک
مخصوص رائے نہ ہو، اگر کسی کی اچھی علمی تحریر دیکھ لیتے تو اس کے قدرداں ہو جاتے
اسی معیار پر ترقی پسند ادیبوں سے لے کر قدامت پرست علماء سب کو پرکھتے تھے
مجھ سے کہتے کہ تمہاری علمی و دینی تحریر بڑی عمدہ ہوتی ہے انہی موضوعات پر لکھا کرو
ادبی تحریریں تمہارے بس کی نہیں ہیں ساتھ ہی سرمد اور ان کی رباعیاں پر میں
نے جو کچھ لکھا تھا وہ اس کے مداح بھی تھے۔ غرض یہ کہ ان کی مدح اور قدح ساتھ ساتھ
چلتی تھی۔ ان کے بارے میں شاید یہ کہنا صحیح ہو کہ وہ مزاجاً اس دور کے عربی شاعر
حطیئہ تھے۔ آزادروی کے باوجود طبیعت میں
کاٹ کپٹ نہیں تھی بلکہ سادہ طبیعت اور عقیدے کے پختہ اور نماز روزے کے
حد درجہ پابند تھے خشخشی داڑھی ہمیشہ رہتی مگر آخر عمر میں داڑھی بہت زیادہ بڑھا
لی تھی ملاقات ہوتی تو کہتے کہ اب تم لوگ داڑھی میں میرا مقابلہ نہیں کر سکتے۔
حق مغفرت کرے بڑا آزاد مرد تھا۔

تعارف وتبصرہ

نئی کتابیں

محمد رضی الاسلام ندوی

نام کتاب : اقوال سلفؒ (حصہ سوم)

مصنف : مولانا محمد قمر الزماں صاحب

ناشر : مکتبہ دار المعارف الہ آباد

صفحات ۴۴۸ طبع اول ۱۹۹۱ء قیمت ۵۵ روپے

مولف کتاب مصلح الامت مولانا وصی اللہ صاحب کے مجاز صحبت اور بقیۃ السلف مولانا محمد احمد صاحب کے مجاز بیعت اور خلیفہ ہیں۔ مستند مراجع سے استفادہ کرکے انہوں نے اقوال سلف کے نام سے یہ کتاب مرتب کی ہے۔ دو حصے پہلے شائع ہو چکے ہیں زیر تبصرہ اس کا تیسرا حصہ ہے۔ بقول مؤلف "اس حصہ میں انہوں نے گیارہویں صدی ہجری سے تیرہویں صدی تک کے اسلاف کرام اور مقتدیان اسلام کے اقوال و ارشادات درج کئے ہیں" (ص ۲۷) اس کتاب کے چوتھے حصہ کی تالیف بھی مؤلف کے پیش نظر ہے جس میں چودھویں صدی سے لیکر پندرھویں صدی کے اوائل تک کے علماء مشائخ کے اقوال و احوال درج کئے جائیں گے (ص ۴۵)

اس کتاب کے مضامین حضرت مولانا محمد احمد صاحب مرحوم کی مجلس میں پڑھے گئے ہیں اور موصوف نے انہیں پسندیدگی کی نظر سے دیکھا ہے۔ بلکہ کتاب کے شروع میں ایک مختصر تعارف بھی تحریر فرمایا ہے: "میں نے اسکو سنا ہے۔ اس کے وجد آفریں اور اثر انگیز مضامین سے محظوظ ہوا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے ان مضامین کے اندر بہت مقبولیت اور نافعیت رکھی ہے۔ ان کو سننے اور پڑھنے سے دل پر ایک خاص اثر ہوتا ہے" (ص ۹)

کتاب کی ابتداء میں مؤلف نے انچاس ۴۹ مراجع کی فہرست دی ہے۔ اس کے بعد بعض علماء کی تقریظیں بھی درج کی ہیں۔ پھر پچاس سے زائد علماء و مشائخ کے اقوال

ذریں درج کئے ہیں۔ اقوال سے قبل مؤلف نے ان علماء و مشائخ کے حالاتِ زندگی پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ اس فہرست میں کچھ سلاطین کے نام بھی نظر آتے ہیں جیسے جہانگیر، شاہجہاں، اورنگ زیب، اور ٹیپو سلطان۔

کتاب اقوالِ سلف کا ایک اچھا انتخاب پیش کرتی ہے۔ اس میں زندگی کے تمام پہلوؤں پر بزرگانِ دین کے فرمودات نصائح اور افادات ملتے ہیں۔ ان کی اکثریت چونکہ شاہراہِ تصوف کی سالک ہے اس لئے اس کتاب کے ذریعے تصوف کا بھی قابل استناد تعارف ہو جاتا ہے۔ مثلاً مصلح امت شاہ وصی اللہؒ کا یہ ارشاد:

"شیخ دراصل وہی ہے جو متبع سنت ہو اور اپنے مریدین سے بھی شریعت کی اتباع کرائے اور صاحب بصیرت ہو۔ پس مرید کے لئے یہ ضروری ہے کہ شیخ کے حکم پر عمل کرنے سے پہلے اس بات کو دیکھ لے کہ وہ خلافِ شریعت تو نہیں ہے۔ اگر شریعت سے اس فعل کی کے کرنے کا جواز نہ پائے تو ہرگز اس پر عمل نہ کرے" (ص ۴۱)

اسی طرح شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا یہ قول:

"تصوف صرف وہی ہے جو موافق کتاب و سنت رسول اللہ ہو۔ باقی سب گمراہی ہے۔ مشائخ کا تصوف ایسا ہی تھا۔ جو لوگ کتاب و سنت پر عامل نہیں وہ وہ صوفی نہیں۔ ان کو حشویہ یا باطنیہ کہنا چاہئے۔ اور ان کے عمل کو صوفیہ صافی کا عمل سمجھ کر حقیقی تصوف کی مخالفت نہ کرنی چاہئے۔ حقیقی تصوف کا مرتبہ بہت اعلیٰ وارفع ہے" (ص ۱۱۲)

بطور مجموعی یہ کتاب ہر خاص و عام کے لئے قابل استفادہ ہے۔

گلدستۂ اذکار ❖

مؤلف مولانا قمر الزماں صاحب
ناشر: مکتبہ دار المعارف الہ آباد

صفحات ۱۴۴ طبع محرم ۱۴۱۳ھ قیمت ۱۵ روپے

یہ کتابچہ درحقیقت مجموعہ ہے دعاؤں کے چار کتابچوں کا۔ ضیاء الابصار (ہلنا)

محمد حسین الہ آبادی۔ مسنون دعائیں از حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب۔ منزل از شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب۔ وظائف از مولانا شاہ محمد احمد صاحب۔ ساتھ ہی مؤلف کی جانب سے کچھ اضافات بھی ہیں۔

دعا کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق مانگی جائے۔ اس سلسلہ میں اس کتابچہ سے بھی استفادہ کیا جاسکتا ہے (محمد رضی الاسلام ندوی)

کتابچے:

۱۔ یہ وہ راز ہے جسے ہر مسلمان کو سمجھنا چاہئے	۱۶ صفحات
۲۔ ہمارے معاشرے کا بگاڑ صرف تعلیم ہی کے ذریعے دور ہو سکتا ہے	۳۲ صفحات
۳۔ نظام زکوٰۃ اور سماجی تحفظ	۴۸ صفحات
۴۔ ۱۷ رمضان کی فضیلت	۴۸ صفحات
۵۔ عالم اسلام کدھر؟	۹۸ صفحات

مصنف: سید عبدالرزاق قادری

ناشر: ادارہ عالمگیر تحریک قرآن فہمی۔ دہلی۔

جناب سید عبدالرزاق قادری صاحب کافی عرصہ سے ادارہ عالمگیر تحریک قرآن فہمی کے تحت مسلم معاشرہ میں اسلامی و قرآنی تعلیمات عام کرنے کے لئے کوشاں ہیں کچھ دنوں تک آپ نے راہ عمل کے نام سے ایک رسالہ بھی نکالا تھا۔ اس ادارہ کے تحت مختلف دینی موضوعات پر آپ نے تقریباً پندرہ کتابچے تصنیف کئے ہیں ان میں سے مذکورہ بالا پانچ کتابچے ادارۂ الرشاد کو تبصرہ کیلئے موصول ہوئے ہیں۔

پہلے کتابچے میں مصنف نے لکھا ہے کہ مسلمانوں کی زندگی سے قرآن کا کتنا گہرا تعلق ہے اس سے دشمنانِ اسلام بھی بخوبی واقف ہیں۔ آج عملاً قرآن سے مسلمانوں کی وابستگی میں کمی آرہی ہے۔ انہیں قرآن سے اپنے رشتہ کو پھر مضبوط کرنا چاہیئے۔

دوسرے کتابچے میں علم کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے عقائد کی اصلاح میں علم کا کردار واضح کیا گیا ہے دین سے ناواقفیت کے عبرتناک نتائج سے آگاہ کیا گیا ہے اور آخر میں اصلاح معاشرہ کا ایک خاکہ مرتب کیا گیا ہے۔ تیسرا کتابچہ (جو دراصل ۱۹۷۵ء میں زکوٰۃ کانفرنس حیدرآباد میں بصورت مقالہ پیش کیا گیا تھا) مصارف زکوٰۃ کی تشریح اور سماجی مصلحتوں کے بیان پر مشتمل ہے اس میں مصنف نے قرآن و حدیث کی روشنی میں، دولت جمع کرکے رکھنے اور زکوٰۃ ادا نہ کرنے کا انجام بھی بیان کیا ہے چوتھے کتابچہ میں ۱۷ رمضان المبارک کے تعلق سے غزوہ بدر کی اسلامی تاریخ میں اہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ حق و باطل کا یہ اولین معرکہ تھا اس کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے اس سے حاصل ہونے والے عبرو نتائج پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ آخری کتابچہ ایرانی انقلاب کے موقع پر تحریر کیا گیا تھا۔ اس میں مصنف نے ایک طرف ایرانی انقلاب کے خلاف پروپیگنڈا کرنے والوں کا رد کیا ہے اور دوسری طرف عرب حکمرانوں کی عیاشی سے پردہ اٹھایا ہے۔

یہ کتابچے دعوتی و اصلاحی مقصد سے تحریر کئے گئے ہیں اسلوب بیان عام فہم اور مؤثر ہے۔ دعا ہے کہ ان کا فائدہ عام ہو اور زیادہ سے زیادہ لوگ ان سے استفادہ کر سکیں۔

آل انڈیا ملی کونسل کی رفتار کار

بحمداللہ آل انڈیا ملی کونسل کا کام فطری رفتار سے چل رہا ہے، اس نے اجودھیا میں جو کام کیا ہے اسکا ذکر آچکا ہے بمبئی میں بھی اسکے تعمیری کام کی ابتدا ہوگئی ہے۔

اس نے اس وقت پرائمری پاس بچوں کیلئے ایک وظیفہ اسکیم بنائی ہے جسکے تحت ٹسٹ میں کامیاب ہونیوالے دو سو طلبہ کو دس ماہ تک پچاس روپے ماہوار وظیفہ ملیگا

دوسرا اہم کام اس نے لاکھوں مسلمانوں کو بنگلا دیشی قرار دیکر جو ملک بدر کرنیکی جو اسکیم مرکزی حکومت الکشن کمشنر اور فرقہ پرست طاقتوں نے بنائی ہے اسکے خلاف احتجاجی خطوط اور تار پورے ملک سے بھجوائے جارہے ہیں، اس مسئلہ پر ایک کنونشن بلانے کا بھی پروگرام ہے۔

محترم مرتب الرشاد مدظلہ کی وہ قابل قدر علمی و دینی تصانیف

جو دار التالیف والترجمہ جامعۃ الرشاد یا دوسرے مکتبوں سے شائع ہوئی ہیں

۱۔ اسلامی فقہ اول دوم

محترم مولانا مجیب اللہ ندوی کی تصنیف کردہ اسلامی فقہ کو بحمد اللہ ملک میں قبول عام حاصل ہے اس کی مقبولیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اب تک اس کے سات ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں مصنف موصوف نے اس میں غیر معمولی اضافہ کر دیا ہے خاص طور پر معاشرتی و معاملاتی مسائل والے حصہ میں سیکڑوں جدید مسائل مثلاً خون چڑھانا، پوسٹ مارٹم، نسبندی اور نلکی زادہ انسانی اعضا کی پیوندکاری وغیرہ کے احکام کا اضافہ کر دیا گیا ہے گویا شریعت اسلامی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جس پر اس کتاب میں روشنی نہ پڑ گئی ہو یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا اسلامی فقہ کے موضوع پر اردو زبان میں اس سے زیادہ مفصل کوئی کتاب موجود نہیں ہے تمام اہم مسائل میں ائمہ اربعہ کے مسلک کا متن یا حاشیہ میں ذکر کر دیا گیا ہے تاکہ شریعت اسلامی کی وسعت کا پورا اندازہ ہو سکے اب اس کی ضخامت صفحات سے زیادہ ہو گئی ہے اس لئے دو حصوں میں کر دی گئی ہے یہ کتاب نہ صرف عام پڑھے لکھے لوگوں کے لئے مفید ہے بلکہ عربی مدارس کے طلبہ و اساتذہ کے لئے بھی ایک نادر تحفہ ہے۔ یہ کتاب ہر گھر ہر لائبریری اور ہر مدرسہ میں رکھے جانے کے قابل ہے۔

قیمت حصہ اول ۶۵ حصہ دوم ۵۰

۲۔ اسلامی فقہ کا سرقہ

اسلامی فقہ پہلے مکتبہ الحسنات سے شائع ہوئی تھی اس کے موجودہ مالک نعیم صاحب کی بدمعاملگی کی وجہ سے انہیں شائع کرنے سے روک دیا گیا، اس انتقام میں انہوں نے اصل کتاب میں تھوڑی سی عبارت کی تبدیلی کر کے اسے ایک غیر معروف آدمی کے نام سے شائع کر دیا مگر انشاء اللہ وہ اصل اسلامی فقہ کی جگہ نہ لے سکے گی لیکن یہ افسوس ضرور ہے کہ اقامت دین کے داعی لوگ اس کی تائید کر رہے ہیں اور اپنے مکتبوں میں بیچ رہے ہیں۔

۳۔ قرآن پاک کی تعلیم اور اسکی عظمت

اس میں قرآن پاک کی تعلیم اور اس کی عظمت کو بڑے مؤثر انداز میں پیش کیا گیا ہے اور ساری مثالیں قرآن پاک کی آیات اور احادیث نبوی سے دی گئی ہیں جس سے تلاوت قرآن اور اسکے سمجھنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ قیمت صہ

۴۔ اہل دل کی باتیں

یہ حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاب گڈھی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے جس کے پڑھنے سے ایمان میں تازگی، آخرت کی یاد اور عمل کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اس کا نیا ایڈیشن کچھ اضافہ کے ساتھ چھپ گیا ہے۔ قیمت صہ ۲۵

۵۔ خطبۂ نکاح

جو خطبہ نکاح کے وقت پڑھا جاتا ہے وہ ایک زبردست معاشرتی ہدایت ہے مصنف نے اس کی بڑی مؤثر تشریح کی ہے ہر نکاح کے وقت تقسیم کرنے کے قابل ہے۔ قیمت ۳ روپے

۶۔ مسئلۂ کفاءت

شادی بیاہ میں برابری کا خیال کرنا صحیح ہے مگر یہ برابری دین و تقوی میں ہونی چاہیئے مسلمانوں میں جو پیشہ کے اعتبار سے مستقل طور پر برادریاں قائم ہو گئی ہیں ان کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے بلکہ یہ ہندو تہذیب کے اثر سے ہے اس مسئلہ پر مصنف نے سیر حاصل بحث کی ہے۔

قیمت صہ روپے

۷۔ جہیز کی شرعی حیثیت

اس وقت شادی بیاہ میں جہیز کے مطالبہ نے ایک فتنہ کی صورت اختیار کر لی ہے جس سے لڑکیوں کی شادی عام آدمی کے لئے ایک مصیبت بن گئی ہے اس پر ایک عالم نے بہت تحقیقی بحث کی ہے جس پر مولانا ندوی کے قلم سے ایک دیباچہ بھی ہے۔

قیمت صہ روپے

یہ تینوں کتابیں اصلاح معاشرہ کے لئے بہترین تحفہ ہیں۔

۸۔ دینی مدارس اور انکی ذمہ داریاں

اس میں دینی مدارس کی ذمہ داریوں کو بڑے پر اثر اور پر سوز انداز میں بیان

کیا گیا ہے اس کے بعض مضامین کو شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے کئی سو کے مجمع میں پڑھ کر سنوایا اور فرمایا کہ اس کو ہر استاذ اور طالب علم کو پڑھنا چاہیئے۔
قیمت صرف ۱۰ روپئے

۹۔ عبادت وخدمت اس میں خدمتِ خلق پر اس نقطۂ نظر سے بحث کی گئی ہے کہ خدمتِ خلق بھی عبادت ہے اس کا انگریزی اور عربی ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔ قیمت ۸/ روپئے

۱۰۔ سرمد اور ان کی رباعیاں اس میں سرمد کے حالات زندگی اور ان کی رباعی گوئی اور ان کے قتل کے اسباب پر مفصل روشنی ڈالی گئی ہے اور آخر میں ان کی رباعیاں ترجمہ کے ساتھ شامل کر دی گئی ہیں اس سے پہلے کسی نے اتنی تفصیل سے اس موضوع پر کوئی چیز نہیں لکھی ہے یہ کتاب اردو اکیڈی یوپی کی مدد سے شائع ہو گئی ہے۔

۱۱۔ خواجہ میر درد اور انکی شاعری عام طور پر خواجہ میر درد کو ایک شاعر سمجھا جاتا ہے لیکن شاعری میں ایک بلند مقام رکھتے ہوئے یہ ان کی قانونی حیثیت ہے وہ ایک زبردست عالم اور صاحب سلسلہ شیخ اور صاحب دل بزرگ تھے مصنف نے ان کی کتابوں کی روشنی میں ان کی زندگی اور شاعری کی والہانہ انداز میں تفصیل کی ہے۔ کتاب زیر ترتیب ہے اس کا کچھ حصہ الرشاد میں شائع ہو چکا ہے۔

۱۲۔ ریاض الحدیث یہ احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا مختصر مجموعہ ہے جس میں ایمان و عقیدہ اور عبادات سے زیادہ معاملات معاشرت اور اخلاق سے متعلق حدیثیں جمع کر دی گئی ہیں اور محترم مرتب مدظلہ نے حدیث کی مختصر مگر جامع اور دلنشیں تشریح کر دی ہے۔ جس سے اس کی افادیت میں مزید اضافہ ہو گیا ہے۔ مشغول سے مشغول آدمی بھی اس سے سفر و حضر ہر جگہ فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ قیمت بیس/ روپئے

۱۳۔ وقت ایک دولت ہے وقت اللہ کی عطا کی ہوئی کتنی قیمتی نعمت ہے اس کی اہمیت کو اس میں بڑے موثر انداز میں

بیان کیا گیا ہے یہ بقامت کہتر اور بقیمت بہتر کا مصداق ہے اسے ہر مسلمان کو نہ صرف پڑھنا چاہیئے بلکہ ہر وقت اپنے پاس رکھنا چاہیئے۔ قیمت ۵۰/۱ روپیئے

۱۴۔ اسلامی قانون اجرت

اس کتاب میں مزدوروں کے مسائل پر اسلامی نقطۂ نظر سے بحث کی گئی ہے اُس کا ملیالم میں ترجمہ بھی ہو چکا ہے اس کا پہلا ایڈیشن لاہور سے شائع ہوا ہے اب یہ کتاب تاج کمپنی دہلی سے بھی شائع ہو گئی ہے۔

۱۵۔ تبع تابعین

اس کتاب میں اننتیس ۲۹ اکابر تبع تابعین اور اکابر امت کے علم و فضل کا مفصل ذکر ہے جس میں امام ابو یوسف، امام محمد اور عبد اللہ بن مبارک، امام ظفر، فضیل بن عیاض، سفیان ثوری وغیرہ جیسے اکابر امت شامل ہیں۔ قیمت ۵۰/ روپئے

۱۶۔ اہل کتاب صحابہ و تابعین

اس کتاب میں ان ترانوے صحابہ صحابیات اور تابعین کا ذکر ہے جو اسلام سے پہلے یہودی یا نصرانی تھے اور پھر مسلمان ہوئے دنیا کی کسی زبان میں اس موضوع پر کوئی کتاب نہیں۔

قیمت ۲۵/ روپیئے

۱۷۔ اجتہاد اور تبدیلیٔ احکام

اس کتاب میں ان نئے مجتہدین کا مدلل اور مفصل جواب دیا گیا ہے جو کہتے ہیں کہ قرآن و سنت کے صریح احکام کو بھی اجتہاد کے ذریعہ بدلا جا سکتا ہے۔ قیمت ۲۰/ روپیئے

۱۸۔ فتاویٰ عالمگیری اور اسکے مولفین

عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے فتاویٰ عالمگیری کو علماء کی ایک پوری جماعت نے مرتب کیا تھا مگر اب تک اس کے مصنفین کے نام سے لوگ ناواقف تھے مصنف نے بڑی تلاش جستجو سے ان کے حالات جمع کر دیئے ہیں اور اس میں فقہ کی جن کتابوں سے مدد لی گئی ہے اسکی تفصیل بھی کر دی ہے۔ قیمت ۳۵/

۱۹۔ اسلام کے بین الاقوامی اصول و تصورات

اسلام نے بین الاقوامی تعلقات کے سلسلہ میں جو

اصول دیئے ہیں ان پراس میں مفصل بحث کی گئی ہے یہ مقالہ تھا جو ۱۹۵۶ء میں مسلم یونیورسٹی علیگڈھ میں پڑھا گیا تھا اب اضافہ کرکے اسے کتابی شکل دے دی گئی ہے یہ تینوں کتابیں دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری نسبت روڈ لاہور سے شائع ہوئی ہیں ہندوستان میں بھی اسکے چھاپنے کی کوشش کیجارہی ہے۔ قیمت صہ ۶۵ /

۲۔ فقہ اسلامی اور دور جدید کے مسائل

ان میں ان بنیادی اصولوں کا تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے کہ جن کی بنیاد پر نئے پیش آمدہ مسائل میں ایک مفتی غور کرکے ان کے جوابات دے سکتا ہے یہ کتاب مکتبہ جامعہ نئی دلی سے شائع ہوئی تھی اب دوبارہ یہ کتاب دارالتالیف والترجمہ سے شائع ہوئی ہے۔

اسلامی تعلیم حصہ اول، دوم، سوم، چہارم

اس میں اسلامی مسائل کو بڑے سلیس اور دلچسپ انداز میں بچوں کے ذہن نشین کرانے کی کوشش کی گئی ہے یہ سیکڑوں مکاتب اسلامیہ کے نصاب میں داخل ہے پورے سیٹ کی قیمت ۲۰/ روپئے ہے۔

۲۔ ان کتابوں کے علاوہ ابھی مصنف مدظلہ کے درجنوں مضامین الرشاد کے قیمتی اداریئے ہیں۔ جن کو کتابی شکل دینے کی کوشش کیجارہی ہے۔ مثلاً خدمت حدیث میں عورتوں کا حصہ، قرآن پاک میں رحم، نماز اور خشوع، تواضع وخاکساری، مسلمان بادشاہوں کی تصانیف ذرائع آمدنی اور تقسیم ملکیت کا مسئلہ وغیرہ،

مکتبہ الرشاد

دارالتالیف والترجمہ کے علاوہ دوسرے مکتبوں سے شائع شدہ اردو عربی کتابیں بھی مکتبہ سے مناسب قیمت پر دستیاب ہیں۔

پتہ

مہتمم مکتبہ الرشاد۔ رشادنگر۔ اعظم گڈھ

جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ کا ترجمان

ماہنامہ
جامعۃ الرشاد

سالانہ چندہ
ہندوستان سے ۶۰/=
خصوصی معاون ۱۰۰/=
قیمت فی پرچہ 5/=

سالانہ چندہ
غیر ممالک سے
پندرہ ڈالر امریکی
5 15/=

جلد نمبر ۲۷ | ستمبر ۱۹۹۳ء مطابق ربیع الاول ۱۴۱۴ھ | شمارہ ۱۵۲

فہرست مضامین

نمبر	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	رسحات	مرتب	۲
۲	موجودہ بنکنگ اور اسلامی بنک کاری	ڈاکٹر محمود الحسن عارف صاحب لاہور	۱۰
۳	عشر فقہ حنفی میں	مولانا عبد الرشید صاحب استاد جامعہ مدینہ لاہور	۲۰
۴	عالم اسلام کی صورتحال کیسے تبدیل ہو	از ڈاکٹر نجم الدین اربکان	۳۶
۵	اسلامی فقہ کے بارے میں حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب کی رائے گرامی	مرتب	۴۴
۶	الرشاد کی ڈاک	مرتب	۴۷
۷	نئی کتابیں	مولانا رضی الاسلام ندوی	۵۱

مجیب اللہ ندوی پرنٹر پبلشر و ایڈیٹر نے نشاط آفسیٹ پریس ٹانڈہ سے چھپوا کر دفتر جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ سے شائع کیا

رشحات

راقم الحروف برسوں سے الرشاد کے صفحات میں یہ بات لکھتا رہا ہے کہ اس وقت اسلام اور مسلمانوں کے خلاف امریکہ یہودی لابی۔ اور مغربی ممالک کی طرف سے ایک زبردست سازش کا جال بچھایا جا رہا ہے اور اب اس کے نتائج ہر شخص اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے آج سے پانچ سال قبل جب تک روس کا بکھراؤ نہیں ہوا تھا اس سازش کا اصل مرکز روس تھا اور امریکہ و مغربی ممالک اپنی مصلحت کے تحت کیمونزم کی روک کے لئے نہ چاہتے ہوئے بھی اسلامی ممالک اور اس کی دینی تحریکوں کی یہی نہیں کہ ان کی طرف سے کھلی مخالفت نہیں ہو رہی تھی بلکہ وہ سمجھتے تھے کہ کیمونزم کو کوئی نظریاتی طاقت اگر روک سکتی ہے تو وہ اسلام اور مسلمانوں ہی کی طاقت ہے اس لئے وہ مددگار ثابت ہو رہے تھے ان کی طرف سے پاکستان کی حمایت اور افغان مجاہدین کی مدد اسی مصلحت کے نتیجہ میں تھی مگر جب سے روس بکھر گیا ہے اور مشرقی یورپ کی کیمونسٹ حکومتیں آزاد ہو گئیں اور دیوار برلن ٹوٹ گئی اور دونوں جرمنی ایک ہو گئے اس لئے اس نئی سیاسی تبدیلی سے ان کے سوچنے کا انداز اب بالکل بدل گیا ہے اس وقت امریکہ نے جو ایک نئے عالمی نظام کا نقشہ بنایا ہے اس میں اس وقت پورا یورپ اس کا ہمنوا بن گیا ہے گویا ـــــ اس نئے سیاسی عالمی نظام کے ذریعہ ایک نئی عالمگیر صلیبی جنگ کا آغاز کیا جا رہا ہے جس کا پہلا نشانہ اسلامی اقدار۔ اسلامی تہذیب اور مسلم ممالک کی شکست و ریخت ہے اس لئے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ اب اگر کوئی دوسری طاقت دنیا میں ابھر سکتی ہے تو وہ اسلام کی طاقت ہے جسے وہ بنیاد پرستی کا نام دے کر بدنام کرنا چاہتے ہیں۔ اس کا کھلا ہوا ثبوت لیبیا۔ عراق۔ سوڈان، بوسنیا، صومالیہ وغیرہ میں ان موجودہ فوجی مداخلت یا عدم مداخلت اور پاکستان اور افغانستان کے سلسلہ میں سیاسی رویہ کی تبدیلی ہے ابھی حال میں برطانیہ کے وزیر اعظم جان میجر کا وہ خفیہ خط جو انہوں نے بوسنیا کے سلسلہ میں اپنی کابینہ کے وزیر ڈگلس ہاگ کو ۲؍ مئی ۱۹۹۳ء کو لکھا تھا اخبار والوں نے حاصل کر کے شائع کر دیا ہے جس کے چند جملے ملاحظہ ہوں ــــ

سابق یوگوسلاویہ کے علاقے بوسنیا ہرزیگوینا کی حالیہ اور ماضی کی صورتحال کے بارے میں آپ کی تفصیلی رپورٹ پر آپ کا شکریہ آپ اس سلسلہ میں کابینہ میں مباحثے اور دیگر موقعوں پر ہونے والے مذاکرات سے بخوبی واقف ہیں اور آپ کو یہ بھی اچھی طرح معلوم ہے کہ ان مباحث کی روشنی میں ملکہ عالیہ کی حکومت نے جو پالیسی طے کی تھی اس میں کسی تبدیلی کی ضرورت نہیں ہے اس پالیسی کے نکات مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) ہم بوسنیا ہرزیگوینا کے مسلمانوں کو مسلح کرنے یا انہیں بھاری اسلحہ کی تربیت دینے کے کسی بھی پروگرام پر اب یا مستقبل میں متفق نہیں ہو سکتے۔

(۲) ہم اس علاقے میں اسلحہ کی سپلائی پر عائد اقوام متحدہ کی پابندی کو نافذ کرنے اور اس مقصد کے لئے طاقت استعمال کرنے کے پروگرام پر مستقل عمل کرتے رہیں گے ہمیں معلوم ہے کہ یونان۔ روس۔ اور بلغاریہ کی طرف سے سربیا کو اسلحہ مل رہا ہے اور جرمنی اسٹریلیا سلوانیا حتیٰ کہ ویکٹن سٹی (پوپ جان پال کا شہر ' کیتھولک عیسائیوں کی ریاست، کروشیائی افواج کے ساتھ ایسا ہی تعاون کر رہے ہیں۔ اس ضمن میں یہ بات بنیادی اہمیت رکھتی ہے کہ ہم اس بات کو یقینی بنائیں کہ کسی بھی اسلامی ملک یا اسلامی گروہ کی طرف سے بوسنیا کے مسلمانوں کو اسلحہ فراہم کرنیکی کوشش کامیاب نہ ہو سکے۔ جب تک صورتحال کا واضح نتیجہ بوسنیا ہرزیگوینا کی تقسیم اور یورپ میں ممکنہ اسلامی حکومت (جسے ہرگز برداشت نہیں کیا جا سکتا) تباہی کی صورت میں نکل نہیں آتا ہم اس پالیسی پر عمل پیرا رہیں گے مزید برآں سابق سوویت یونین کے خلاف افغان جنگجوؤں (فائٹرس) کو مسلح کرنے، انہیں تربیت دینے اور انہیں "اسلامی جنگجو" بنا دینے کی غلطی کو دنیا کے دیگر حصوں مثلاً بوسنیا ہرزیگوینا میں ہرگز نہیں دہرایا جائیگا ایسا کرنے سے مستقبل میں وہ مسلم [illegible] ہمارے لیے خطرہ بن جائیں گے جو ہجرت کرکے مختلف یورپی ممالک یا شمالی امریکہ میں آباد ہو چکے ہیں۔ میں آپ کو ایران کے

حوالہ سے ایک امریکی دستاویز بھی ارسال کر رہا ہوں اسے ملاحظہ فرما لیجئے یہ رپورٹ یکم ستمبر ۹۲ء کی تیار کردہ ہے موجودہ صورتحال میں اس رپورٹ میں درج ہدایات پر عمل کرنا نہایت ضروری ہے چنانچہ مغربی ممالک اور بالخصوص برطانیہ میں مقیم آبادی پر ہمارے داخلی سلامتی محکمہ کو کڑی نظر رکھنی چاہیئے۔

(۳) سابق یوگوسلاویہ میں جب تک صورتحال غیر یقینی ہے ہمیں اس بات کا خاص خیال رکھنا ہوگا کہ کوئی اسلامی ملک مغرب کی اس متفقہ پالیسی کی مخالفت نہ کر سکے ترکی پر خاص طور سے نظر رکھنے کی ضرورت ہے وانس اووین مذاکرات کو جاری رکھنے کی ضرورت ہے یہ عمل اس وقت تک جاری رکھنا چاہیئے جبتک کہ بوسینا ہرزیگووینا کا ایک آزاد ریاست کے بطور خاتمہ نہ ہو جائے اور اس کی آبادی کو اپنی زمین سے مکمل طور پر مٹا نہ دیا جائے ہو سکتا ہے کہ یہ ایک سخت پالیسی محسوس ہو مگر میں آپ سے اور پالیسی ساز ادارے ایف۔ سی۔ او اور مسلح فورسیز کو زور دے کر کہتا ہوں کہ یہی "ریل پالٹکس" حقیقی سیاست ہے جو مستقبل میں ایک مستحکم یورپ کے لئے لازمی ہے جسکا اخلاقی نظام عیسائی تہذیب و اقدار پر قائم ہے اور رہنا چاہیئے میں آپ کو یہ بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ شمالی امریکہ اور یورپ کی تمام حکومتیں اس پالیسی پر عمل پیرا ہیں۔ لہٰذا ہم اس خطہ میں مسلم آبادی کو بچانے کے لئے کسی قسم کی مداخلت نہیں کریں گے اور نہ ہی اسلحہ پر عاید پابندی کو ختم ہونے دیں گے مغرب میں مقیم مسلمانوں کو ہم یہ باور کرا دینا چاہتے ہیں کہ انہیں نئے عالمی نظام کی مخالفت نہیں کرنا چاہیئے نیز ہم ان پر یہ بھی واضح کر دینا چاہتے ہیں نام نہاد مسلم حکومتوں کی بے حسی و بے عملی کی وجہ سے دنیا کی کوئی طاقت بوسنیا ہرزیگووینا کو تباہی سے نہیں بچا سکتی انہیں یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ ۱۵ جنوری ۱۹۹۳ء کے اسلامی کانفرنس کے منصوبوں پر عمل کرانے کے وہ اہل نہیں ہیں لہٰذا وہ اپنا وعدہ پورا نہیں کر سکیں گے انہیں یہ بھی اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ اگر مغرب نے

مسلمانوں کو بچانے کی کوشش نہ کی تو کوئی دوسرا انہیں نہیں بچا سکتا ہم ان پر یہ بھی واضح کر دینا چاہتے کہ ان میں ہماری مخالفت کا دم نہیں ہے کیوں کہ ہم ہی ان کی حکومتوں کو کنٹرول کرتے ہیں (دعوت نے ۱۰ راگست ۱۹۹۳ء کی اشاعت میں اس خط کا انگریزی متن بھی شائع کر دیا ہے)

مذکورہ بالا خط سے ناظرین نے جان میجر کے معاندانہ جذبات کا پورا اندازہ کر لیا ہوگا یہ جذبات صرف ایک جان میجر کے نہیں ہیں بلکہ جیسا کہ اس نے خود اشارہ کیا ہے پورے عیسائی یورپ اور شمالی امریکہ یہاں تک کہ ویکٹن سٹی کے پوپ پال کے دل میں بھی یہی معاندانہ جذبات موجزن ہیں۔ اسی سے آپ یہ بھی اندازہ کر سکتے ہیں کہ گو تمام مسلمان ملک سیاسی طور پر آزاد نظر آتے ہیں مگر وہ اپنے تہذیبی تشخص اور اندرونی و بیرونی سیاسی و معاشی پالیسی بنانے میں بالکل آزاد نہیں ہیں اور اس سلسلہ میں جو ملک کچھ دم خم دکھاتے ہیں انہیں مغربی ممالک اور امریکہ دبوچ لینے کی کوشش کرتے ہیں اس وقت صرف چار ممالک لیبیا۔ سوڈان۔ ایران، افغانستان ایسے ہیں جو کسی حد تک مغرب کے دباؤ سے قدرے آزاد دکھائی دیتے ہیں مگر شاید یہ کہنا صحیح ہوگا کہ بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی چنانچہ ان ممالک کو دہشت گرد قرار دیکر عراق کی طرح فوجی کاروائی کے بہانے تلاش کئے جارہے ہیں حد تو یہ ہے کہ دنیا کا عالمی ادارہ یو۔ این۔ او اس میں معاون بن رہا ہے بلکہ یہ کہنا صحیح ہے کہ وہ بڑی طاقتوں کا آلۂ کار بنا ہوا ہے کاش اسلامی ممالک کے حکمراں اپنے محدود شخصی مفادات سے بالاتر ہو کر اسلامی حمیت و غیرت اور اتحاد کا ثبوت فراہم کر کے اپنے کو انکی گرفت سے بالکل آزاد کر لیتے تو وہ آج بھی مغرب اور امریکہ کو اپنا ذلہ ربا اور حاشیہ بردار بنا سکتے ہیں افسوس یہ ہے کہ ان مسلمان ملکوں کو خود اپنی طاقت کا حقیقی احساس نہیں ہے یا پھر طاؤس و رباب نے ان کے بازو شل کر دیئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس نئی عالمی صلیبی جنگ کے مقابلے کے لئے وہ کوئی دوسرا صلاح الدین ایوبی پیدا کر دے وَمَا ذَالِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیزٍ۔

اوپر بین الاقوامی صورتحال کی جو تھوڑی سی عکاسی کی گئی ہے بالکل یہی صورتحال ہمارے ملک میں ہے یہاں جو پالیسی صوبائی یا مرکزی حکومتیں بناتی ہیں یا جو بل پارلیامنٹ یا اسمبلیوں میں پاس ہوتے ہیں یا جو بھی آرڈی ننس نکلتے ہیں اس میں یہ بات ضرور مدنظر رکھی جاتی ہے کہ اسلامی تہذیب و تشخص اور مسلم پرسنل لا اور شعائر اسلام کو کس طرح پامال کیا جا سکے ہندو کوڈ بل ہو یا اسپیشل میرج ایکٹ یا زمینداری ابالیشن ایکٹ ہو سب میں یہی ذہن کام کرتا رہا یہاں چاہے جس پارٹی کی حکومت رہی ہو ذہنی طور پر ہر پالیسی ساز اداروں میں آر۔ ایس۔ ایس کی مسلمان دشمنی کی پالیسی برقرار رہتی ہے یہ سنگل پائنٹ ریفرنس یہ سیاست سے مذہب کو الگ کرنے والا بل بظاہر اسے فرقہ پرستوں اور ان کی جماعتوں کے خلاف سمجھا جا رہا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ اگر یہ پاس ہو گیا تو نہ صرف ہمارے خلاف استعمال ہوگا بلکہ ہم مسجدوں میں نماز کے بعد یا جمعہ کے دن ملت کے مسائل کے بارے میں اپنی رائے کا جو اظہار کرتے ہیں اس پر بھی پابندی عائد کر دی جائے گی یہ ہمارے وزیراعظم صاحب نے ائمہ مساجد پر جو کرم کی بارش شروع کی ہے وہ اسی کا پیش خیمہ ہے علامہ اقبال نے بہت پہلے کہا تھا ؎

قوم کیا چیز ہے قوموں کی امامت کیا ہے ٭ اس کو کیا جانیں یہ دو رکعت کے امام

اگر ان دو رکعت کے اماموں کے اندر واقعی امامت کی عظمت کا احساس پیدا ہو جاتا تو وزیراعظم کی بلائی مجلس میں شمع محفل بننے اور ان کی باتوں پر تالیاں بجانے کے بجائے وہ آنسو بہاتے اور یہ کہہ کر ان کی پیش کش کو ٹھکرا دیتے کہ ؎

بروایں دام بر مرغے دیگر نہ ٭ کہ عنقا را بلند است آشیانہ

یعنی یہ جال تم کسی دوسرے کو پھنسانے کے لئے ڈالو عنقا کا مقام اس "دام ہم رنگ زمیں" سے بہت اونچا ہے خانۂ خدا کی نسبت سے انکا مقام تو عالم لاہوت ہے اس ناسوتی خزف ریزوں کو تو حقارت سے یہ کہکر ٹھکرا دینا ان کا منصب تھا ؎

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی ٭ جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

ابھی وقف کے سلسلے میں جو بل پارلیامنٹ میں آیا ہے وہ بھی اسی سازش کا ایک

حصہ ہے۔

ہم تمام مسلمانوں اور خاص طور پر علماء اور ائمہ مساجد سے عرض کرنا چاہتے ہیں کہ اس وقت ان لوگوں کی طرف سے جو بابری مسجد کی شہادت کے مجرم ہیں آپ کی طرف جو نظر کرم دکھائی دے رہی ہے اور بہت بڑے پیمانہ پر آپ کی خریداری کے لئے کانگریس پارٹی اور حکومت کی طرف سے جو پیسے کی ریل پیل دکھائی دے رہی ہے اس کو آپ ذہن کی تبدیلی اور ہمدردی نہ سمجھیں بلکہ یہ سب کچھ سیاسی مصلحت اور ایک سازش کے تحت ہو رہا ہے اس زبردست سازش کا مقصد یہ ہے کہ وہ اس کے ذریعہ محلہ محلہ گاؤں گاؤں اختلاف کی بنیاد ڈال کر مدرسوں اور مسجدوں کی حرمت و عظمت کو پاش پاش کر دیں جسے ہمارے اسلاف نے ہمیشہ سیاسی مداخلت سے آزاد رکھنے کی کوشش کی ہے اور یہ اسلام دشمن طاقتیں مدرسوں اور مسجدوں کو بھی پردھانی کا الکشن بنا کر جھگڑے اور فساد کی آماجگاہ بنا دینا چاہتی ہیں غور کرنے کی بات ہے کہ نرسمہا راؤ جو بابری مسجد کے شہادت کے سب سے بڑے ذمہ دار ہیں اس وقت انکے دل میں مساجد کے ائمہ کرام کی آؤ بھگت کا خیال کیسے پیدا ہو گیا؟ یہ آپ سے ہمدردی نہیں ہے بلکہ ملت میں انتشار پیدا کرنے کی نئی چال ہے اس لئے آپ چند پیسوں کی خاطر اپنے کو ملت کے وسیع مفاد سے علیٰحدہ نہ کیجیئے اگر ملت زندہ رہے گی تو آپ کو بھی اس سے زندگی ملے گی خدانخواستہ ملت کے اسلامی جذبات و احساسات کو مجروح کر کے آپکو اگر کچھ مل بھی گیا تو وہ زیادہ دن باقی نہیں رہے گا یہ کرم کی بارش صرف الکشن تک ہے آپ کو اپنی تاریخ سے سبق لینا چاہئے کہ سلطان ٹیپو شہید سے جن لوگوں نے کچھ عہدہ اور وقار کی لالچ میں غداری کی تھی ان کی شہادت کے بعد انہوں نے انگریزوں کو ان کا وعدہ یاد دلایا تو انگریز جنرل نے جو جواب دیا اسے آپ کو نہ بھولنا چاہئے اس نے کہا تھا کہ ۔

"جب تم اپنے اتنے بڑے محسن کے احسان کو بھول گئے تو پھر ہم تم پر کیسے اعتماد کر سکتے ہیں"

دشمنوں کے پیسے اور وعدوں کی بنا پر ملت سے کٹنے والوں کا ہمیشہ یہی انجام ہوا ہے آزادی کے بعد کی تاریخ میں بھی ملت سے کٹنے والوں کی بہت سی عبرت خیز مثالیں آپ کو مل جائیں گی .... ع ۔ کبھی فرصت سے سن لینا بڑی ہے داستاں میری

ابھی حال ہی میں دیوبند میں دانشوروں کا ایک اجتماع ہوا تھا جسمیں یہ بات زور دیکر کہی گئی کہ مسلمان بابری مسجد کو بھول جائیں اور اپنی تعلیمی اور اقتصادی ترقی میں لگ جائیں جہاں تک تعلیمی و معاشی ترقی کی بات ہے اس کی اہمیت سے کسی کو انکار نہیں ہے اور بحمد اللہ اسوقت مسلمانوں کی تمام جماعتیں اور ادارے اس پر توجہ بھی دے رہے ہیں مگر اس مصرعۂ طرح پر جو یہ گرہ لگادی گئی ہے "کہ مسلمان بابری مسجد کو بھول جائیں" اس سے ذہن میں بہت سے شبہات پیدا ہوتے ہیں۔

ہم دانشوران قوم سے یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ مسلمان کس کس چیز کو بھول جائے اسلامی مسلم پرسنل لاء میں مداخلت کو بھول جائے، اردو زبان کو بھول جائے اسلامی تہذیب و امتیازات کو مٹانے کو بھول جائے، ۴۴ برس سے ہونے والے جانی و مالی اور عزت و آبرو کے نقصانات کو بھول جائے، تاریخ کو مسخ کرنے اور نصاب تعلیم میں ہندو میتھالوجی کے داخل کئے جانے کی کوششوں کو بھول جائے بابری مسجد کو بھول جائے کاشی اور متھرا کی مسجدوں کو بھول جائے، آپ بتائیں وہ کیا کیا بھول جائے۔

۶ر دسمبر ۹۲ء کو بابری مسجد کی شہادت کے بعد پورے ہندوستان میں مجروح دل مسلمان نوجوان سڑکوں پر نکل آئے تو جو گولیاں کارسیوکوں پر چلنی چاہئے تھیں وہ ان کے سینوں پر چلیں پھر اس سے بھی تسکین نہیں ہوئی تو انکے جان و مال اور عزت و آبرو سے اس طرح کھیلا گیا کہ انسان تو انسان جانور بھی پناہ مانگ جائے جسکا سلسلہ بمبئی وغیرہ میں آج بھی جاری ہے ان خونچکاں واقعات کے بارے میں دانشور حضرات کی کوئی کانفرنس نہیں ہوئی اور نہ ان مظلوموں کے لئے ان میں سے کسی نے اظہار افسوس ہی کیا مگر آج وہی حضرات بابری مسجد کو بھول جانے کا مشورہ دے رہے ہیں۔

بابری مسجد کے شہادت کی صرف اتنی ہی اہمیت نہیں ہے کہ ایک اسلامی شعار اور مسلمانوں کے وقار کو دن دھاڑے پامال کردیا گیا بلکہ اس کے ذریعہ ہندوستان کے دستور کی اہمیت، جمہوریت کی عزت، پارلیامنٹ کی بالادستی، اور عدلیہ کی عظمت کو بھی اسکے ساتھ

دفن کر دیا گیا یہ دانشور حضرات کم از کم اسی حیثیت سے اس واقعہ کی پرزور مذمت کر دیتے تو بھی غنیمت تھا مگر اس مصیبت کی گھڑی میں بھی یہ حضرات اپنے ڈرائنگ روموں سے باہر نہیں آئے اور آج ان کے دل میں مسلمانوں کی تعلیمی و معاشی ترقی کا درد اٹھ رہا ہے اور طرفہ تماشہ یہ کہ ان کے پاس نہ اس کا کوئی پروگرام ہے اور نہ اس کے لئے ان کے پاس کوئی بڑی منصوبہ بندی ہے ۔

ہماری مرکزی حکومت اس وقت اپنی سیاسی مصلحت کے تحت اس مسئلہ کیطرف سے مسلمانوں کی توجہ ہٹانے کیلئے جس کوشش اور سازش میں لگی ہوئی ہے اس کی طرف ہم اوپر اشارہ کر چکے ہیں اگر اسے بدگمانی نہ کہا جائے تو ہم کہیں گے کہ اس وقت اس طرح کی کانفرنسیں بھی اسی سازش کا ایک حصہ ہیں اس لئے کہ یہ حضرات نہ تو وقف زمین کے سلسلہ میں حکومت کی غیر قانونی اور غیر اخلاقی پالیسی کے سلسلہ میں ایک لفظ زبان سے نہ نکال سکے اور نہ سنگل پائنٹ ریفرنس کی غیر معقولیت پر زبان کھول سکے ۔

ہمیں بیشک تعلیمی واقتصادی ترقی کی ضرورت ہے اور ہم اس کے لئے بے چین بھی ہیں اور اس خلا کو پر کرنے کی کوشش بھی کر رہے ہیں مگر یہ بات بھی ذہنوں میں اچھی طرح بٹھا لینے کی ضرورت ہے کہ برادر وطن کے سامنے تعلیم کے سلسلہ میں ایک مسئلہ ہے کہ انکے بچے اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے اپنی روٹی روزی کا انتظام کریں چاہے وہ کسی طرح کے نصاب تعلیم کیوں نہ ہو مگر مسلمانوں کے سامنے تعلیم سے جڑا ہوا ایک دوسرا مسئلہ بھی ہے وہ یہ کہ ہر مسلمان کی یہ خواہش ہے کہ ان کے بچے اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم حاصل کریں اور وہ بھی اچھے سے اچھے ڈاکٹر، انجینئر، سائنٹسٹ، اور ٹکنیشن بنیں مگر اسی کے ساتھ کم از کم ۹۵ فیصد مسلمان والدین کی یہ بھی خواہش ہوتی ہے کہ انکا بچہ اپنے عقیدہ و فکر میں مسلمان بھی باقی رہے اسلئے ہم کم از کم ابتدائی مرحلہ میں کسی ایسے نظام تعلیم کو قبول نہیں کر سکتے جس میں ہمارے بچہ کو اسکا موقع میسر نہ ہو اسی لئے یہ مسلمان قوم اپنی غربت کے باوجود اپنے نرسری اسکولوں، مکتبوں اور مدرسوں پر کروڑوں روپے سالانہ خرچ کرتی ہے اس لئے تعلیم کے مسئلہ پر غور کرتے وقت ہم کسی صورت میں اس پہلو کو نظر انداز نہیں کر سکتے آج سے چونتیس برس پہلے دینی تعلیمی کونسل کا قیام اسی مقصد سے

ڈاکٹر محمود الحسن عارف صاحب لاہور

۵۔ شیخ محمود احمد کی تجاویز

اسلامی نظریاتی کونسل کی مذکورہ بالا کمیٹی میں شیخ محمود احمد بھی شامل تھے۔ انہوں نے کمیٹی کی سفارشات پر، جو بعد میں "بلا سود بینکاری رپورٹ" کے نام سے شائع ہوئیں، مختلف اعتراضات کئے اور بعض مثبت تجاویز بھی پیش کیں۔ مگر کونسل نے اکثریت کی رپورٹ بعض ترمیموں کے ساتھ منظور کر لی اور شیخ صاحب کا اختلافی "نوٹ" منظور نہ کیا اور نہ ہی اپنی رپورٹ میں اسے اہمیت دی۔

شیخ صاحب نے اپنا یہ اختلافی نوٹ "سود کی متبادل اساس" ادارۂ ثقافت اسلامیہ سے ۱۹۸۶ء میں شائع کر دیا ہے۔ اس کتاب میں شیخ صاحب نے اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات پر مفصل اور مدلل بحث کی ہے۔

اسی کتاب میں سود کی متبادل اساس کے طور پر حسب ذیل صورتوں پر بحث کی گئی ہے:-

۱۔ پہلی مجوزہ اساس: سروس چارج | اس کا مفہوم یہ ہے۔ کہ بینک اپنے کھاتہ داروں سے ان کی امانتوں کی حفاظت کے لئے "مصارف" وصول کرے۔ یہ مصارف بہت معمولی نوعیت کے ہونگے۔ اسلامک ڈویلپمنٹ بینک اور ایران اس اساس کو قبول کر چکے ہیں[۱] مگر مجموعی طور پر یہ اساس قبول کرنا ممکن نہیں ہے[۲]۔

۲۔ دوسری مجوزہ اساس: قرضوں اور بچتوں کا انڈیکس | یعنی سکے کی قیمت جتنی گرے اسکے اعتبار سے قرضوں اور بچتوں میں اضافہ کر دیا جائے۔ تاہم رپورٹ کے مطابق مختلف تعمیری سمتوں میں منافع ایک جیسا نہیں ہے۔

۳۔ تیسری مجوزہ اساس: کرایہ کاری | تیسری یہ ہے۔ کہ صنعت کاروں کو قرض دینے کے بجائے ایسے کارخانے یا مشینیں خرید کر دے دی جائیں، جن کو وہ اپنی صنعتوں میں استعمال کرنا چاہتے ہوں یہ مشینیں کرایہ پر دی جائیں گی۔ اور کرایہ کا تعین کرتے ہوئے گھسائی کے علاوہ منافع کا عنصر شامل کر لیا جائے گا شیخ صاحب نے اس اساس کی مخالفت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس تجویز میں رپورٹ کے مرتبین نے قرض کی رقم کو مشین کی شکل دے دی ہے۔ جو سود ہی کی بدلی ہوئی صورت ہے۔ پھر اسلام نے جن اشیاء کے کرائے کو لینا جائز قرار دیا ہے مشینیں اس میں شامل نہیں ہیں[۳]۔

۴۔ چوتھی مجوزہ اساس: سرمایہ کی نیلامی | اسلامی نظریاتی کونسل کی رپورٹ میں اس اساس کو لمبے اور درمیانی مدت کے قرضوں کے لئے استعمال کرنے کی تجویز پیش کی گئی ہے جس کا طریقہ یہ

---

[۱] سود کی متبادل اساس، ص ۵۹۔ ۶۲۔ [۲] ایضاً: ۶۲

[۳] ایضاً: ۶۲۔ ۶۸ [۴] متبادل اساس ۶۸۔ ۷۰

ہوگا۔ کہ تمام بینک ایک مشترک ادارہ بنالیں گے۔ اور سرمایہ کاری کی کوئی سکیم جو صنعت کار لائیں یا بینک خود ایسی اسکیم بنائے، اسے نیلام کردیں گے۔ نیلامی سے قبل اس کی کم از کم قیمت مقرر کردی جائے گی، جس میں بینک کے مصارف کے علاوہ اس کے ۸ فیصد منافع بھی شامل ہوں گے۔ اس نیلامی کے نتیجے میں بینک کو وہ قیمت مل جائے گی جو وہ چاہتا ہے۔ لیکن شیخ صاحب کے بقول یہ بھی "سود" ہی کی ایک بدلی ہوئی صورت ہے اور پھر اس سے مہنگائی کم ہونے کا وہ مقصد بھی حاصل نہیں ہوتا۔ جو اسلامی معیشت میں ہر جگہ کارفرما نظر آتا ہے۔[1]

۵۔ پانچویں مجوزہ اساس : مرابحہ اسلامی نظریاتی کونسل نے غیر منقول سرمایہ کاری، متوسط اور چھوٹے پیمانے پر ایسی فرموں کے لئے جو باقاعدہ حساب نہیں رکھ سکتیں، بڑے زمینداروں کے لئے چھوٹی مدت کے قرضے پر وغیرہ پر "بیع مرابحہ" کی متبادل تجویز پیش کی ہے، جس مراد یہ ہے۔ کہ بینک کوئی شے خرید کر، اپنے ایجنٹ کی معرفت، اسے ایک مناسب گراں قیمت پر آگے کسان کو فروخت کردے۔ مثال کے طور پر وہ کھاد کی ایک بوری اپنے ایجنٹ کی معرفت ۵۰ روپے پر خرید کر، آگے ۵۵ روپے پر فروخت کرے۔ جس کی اسلام نے اجازت دی ہے، لیکن کیا بیع مرابحہ۔ ادھار پر ہوسکتی ہے؟ شیخ صاحب کے خیال میں یہ بھی سود ہی کی ایک شکل ہے اور یہ بھی اصل مسئلے کا حل نہیں ہے[1] تاہم ہمارے خیال میں شیخ صاحب کی یہ رائے محل نظر ہے۔

۶۔ چھٹی مجوزہ اساس : قسطوں میں خریداری اس تجویز کی رو سے بینک کو یہ اختیار حاصل ہوگا کہ وہ اس کی خرید کردی ہوئی شے کی جب تک پوری قیمت قسطوں میں وصول نہیں کرلیتا اس وقت وہ اس شے کا کرایہ بھی وصول کرتا رہے گا۔ یہ تجویز صنعت و حرفت کی پائیدار

---

[1] ایضاً : ۷۱ - ۷۵

اشیار کی حرفی ضروریات اور دیگر مطلوبہ اشیار کی خریداری وغیرہ کے لیے پیش کی گئی ہے۔ بقول شیخ صاحب یہ تجویز بھی سود ہی کی بدلی ہوئی شکل ہے ۲

۷۔ ساتویں مجوزہ اساس: نفع ونقصان میں یا اوسط منافع کی سطح پر شرکت

چونکہ اسلامی نظریاتی کونسل کی مذکورہ رپورٹ کے مرتبین کے ذہن وفکر پر "سود" اور "منفعت" کا تصور غالب تھا، اس لئے انہوں نے ہر مسئلے میں ممکنہ نفع کو پیش نظر رکھا ہے۔ چنانچہ زیر نظر تجویز کا ماحصل یہ ہے کہ حکومت ایک ایسا ادارہ قائم کرے جو ہر صنعت اور کاروبار پر اوسط شرح منافع تخمینہ مقرر کرے، اور تمام تجارتی بینک اسی تخمینی شرح کے مطابق لوگوں اور صنعت کاروں کو قرض دیں۔ لیکن ارباب بصیرت پر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ "معین منافع" سود ہی کی ایک بدلی ہوئی صورت ہے۔ لہٰذا یہ تجویز اسلام کے قانونِ عدل کے مطابق نہیں ہے ۳

۸۔ آٹھویں مجوزہ اساس: متبادل قرض کا تصور

یہی تجویز بقول شیخ صاحب کے نزدیک مذکورہ بالا تمام تجویزوں سے بہتر اور مناسب ہے، انہوں نے اس کے حق میں بہت سے دلائل پیش کئے ہیں۔

اس تجویز کا ماحصل یہ ہے کہ ہر قرض کے مقابل مقروض سے ایک متبادل قرض جو قرض کی رقم کی ایک کسر ہو، لے لیا جائے۔ اور کسر کی کمی وقت کے مضاعف سے پوری کی جائے، اس تجویز کے پس منظر میں یہ نقطہ ہے، کہ مثلاً درج ذیل سب قرض برابر قدر و قیمت رکھتے ہیں:

ایک سال کے لئے ۱۰۰۰ روپے

---

۲ متبادل اساس: ۵ ۷ - ۸۱

۳ ایضاً : ۸۱ - ۳۳

دو سال کے لئے ۵۰۰ روپے

چار سال کے لئے ۲۵۰ روپے

پانچ سال کے لئے ۲۰۰ روپے

دس سال کے لئے ۱۰۰ روپے

گویا اگر ایک قرض خواہ ایک ہزار روپیہ ایک سال کے لئے مانگتا ہو تو اس کی حیثیت اور ملک کی بینکاری کی پالیسی کے مطابق قرض کیجئے، اس سے متبادل قرض پانچ سال کے لئے دو سو روپیہ لیا جائے، تو قرض کی اساس فراہم ہو گی۔ کیونکہ جو ایک فریق نے لیا ہے۔ اسی کے برابر دوسرے فریق کو فراہم کر دیا ہے، اس طرح ترازو کے دونوں پلڑے برابر ہے۔ مقروض ایک سال کے بعد بینک کو ایک ہزار روپیہ واپس لوٹا دے گا۔ اور اس میں کوئی اضافہ شامل نہیں کرے گا، اسی طرح بینک پانچ سال کے بعد مقروض کے دو سو روپیہ اسے یا اس کے وارثوں کو لوٹا دے گا۔ اور وہ کسی قسم کی بڑھوتری ادا نہیں کرے گا۔

شرعی نقطۂ نظر سے اس تجویز پر پہلا اعتراض یہ ہے۔ کہ "قرض" کے "عوض" قرض ہے اور موطا امام مالک کی روایت کی رو سے۔ جس دین کے عوض بیع سے منع فرمایا گیا ہے۔ ممنوع ہے؛ تاہم بقول شیخ صاحب زیر نظر صورت اس ممانعت کی زد میں اس لئے نہیں آتی۔ کہ اس میں ربوٰ یعنی سود کا معاملہ نہیں ہے۔ اور کتب فقہ کی رو سے مذکورہ ممانعت ربائی صورت میں ہے۔ جب قرض خواہ قرض دہندہ سے یہ کہے۔ کہ "مجھے اتنی مہلت اور دے دو اور قرض کی اتنی رقم اور بڑھا لو"[1]

تاہم اگر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے، تو شیخ صاحب کا جواب مذکورہ "اعتراض" کو ختم نہیں کرتا، اس لئے کہ انہوں نے فقہ کے جس جزیئے کا حوالہ دیا ہے، وہ مختلف ہے اور اگر قرض لینے کے لئے قرض دینے کو شرط ٹھہرا دیا جائے، تو اس صورت میں یہ معاملہ مذکورہ حدیث کے تحت داخل ہو گا۔

---

[1] متبادل اساس: ۸۳ ـ ۸۸

۲۔ اس اساس پر دوسرا اعتراض یہ نقل کیا گیا ہے۔ کہ یہ "کل قرض جر منفعۃ" فہو ربا" (قرض سے جو نفع حاصل ہو، وہ ربا (سود) کی روشنی میں ربا ہی کی ایک شکل ہے۔
شیخ صاحب نے اگرچہ مولانا مناظر احسن گیلانی اور مولانا مودودی کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ لیکن مسئلہ حدیث کے کمزور یا ضعیف ہونے کا نہیں ہے بلکہ "ربا" "سود" کی تعریف کا ہے اور یہ امر واقعہ ہے کہ اکثر محدثین، مفسرین، فقہاء، اور محققین نے اس حدیث کو یا "اثر" کو ربا (سود) کی تعریف کے طور پر قبول کیا ہے، اس لیے شرط قرار دینے کی صورت میں بہرحال یہ ایک "ربا" ہی کی ایک شکل ہے۔ بایں ہمہ ہمارے خیال میں شیخ صاحب کی مذکورہ تجویز، جو اگرچہ شک و شبے سے بالاتر نہیں ہے۔ مگر اسے محدود سطح پر اپنایا اور اس سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

اختتام اسلامی بینک کاری کے عنوان پر سطور بالا میں اسلامی نظریاتی کونسل اور شیخ محمود احمد صاحب کے حوالے سے بہت سی تجاویز زیر بحث لائی گئی ہیں، ان میں سے ہر ایک تجویز تفصیل طلب ہے اور غور کی متقاضی ہے۔

ہمارے خیال کے مطابق "اسلامی بینک کاری" کے لئے مؤخرالذکر سمیت کسی ایک تجویز کو بھی متبادل اساس کے طور پر قبول کرنا ممکن نہیں ہے۔ اس کے بجائے، اسلامی بینک کاری بیک وقت ایک سے زائد تجاویز پر عمل کر کے ہی شروع کی جاسکتی ہے اس لئے موجودہ بینکوں کی طرح اگر اسلامی بینک میں بھی مختلف کھاتے کھولے جائیں تو بہتر مناسب ہوگا۔ ان کھاتوں کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ کرنٹ اکاؤنٹ: یا رواں کھاتہ یہ کھاتہ ایسے لوگوں کے لئے ہوگا، جو بینک میں لمبی مدت کے لئے اپنی رقم جمع نہیں کرانا چاہتے اور وہ بینک سے اپنی رقوم کی حفاظت کے متقاضی ہیں

ملہ اس تجویز پر مزید بحث و تمحیص کی ضرورت ہے۔ اہل علم کو اس تجویز پر بحث کے لئے پیش قدمی کرنا چاہئے۔ کیونکہ اسی طرح کسی شئے کے حسن و قبح کا پتہ چل سکتا ہے۔

ایسے لوگوں کے ساتھ بینک "پہلی مجوزہ اساس سروس چارج" کے مطابق معاملہ کرے۔ جیساکہ اس وقت بھی اگر "کرنٹ اکاؤنٹ" میں کم رقم ہونے کی صورت میں اکاؤنٹ ہولڈر کو ادا کرنا پڑتا ہے۔ لیکن تمام نظام کیلئے اس کو اساس بنانا ممکن نہیں ہے۔

ب۔ نہ نفع نہ نقصان کی بنیاد پر بچت کھاتے

لیکن اگر کچھ لوگ بینک کو بینک چارج ادا نہ کرنا چاہیں اور وہ اپنی رقم کی حفاظت بھی چاہیں تو ان کے لئے بینک "نفع نہ نقصان" کی بنیاد پر ایسے کھاتے جاری کرسکتا ہے، جس کے حامل (BEARER) کو اپنی رقم کی حفاظت بھی حاصل ہوسکے، اور اسے اپنی رقم کی حفاظت کے لئے مزید رقم بھی ادا نہ کرنا پڑے۔

بینک ایسی رقوم کو "قرض حسنہ" کے فنڈ میں ڈال سکتا ہے، اور اس رقم سے "متبادل قرض" کی اساس پر متبادل قرض حاصل کرسکتا ہے، تاکہ اس رقم کی حفاظت سے بینک کو بھی نقصان نہ ہو اور اس کی حفاظت کے لئے ایک بنیاد بھی مہیا ہوسکے۔

ج۔ بچت کھاتے (SAVINGS ACCOUNT)

اس کے ساتھ بینک بچت کھاتے بھی کھولے گا جس میں ایسے لوگوں کی رقوم رکھی جائیں گی۔ جو اپنی رقم کسی نفع بخش کاروبار میں لگا کر نفع کمانا چاہتے ہوں۔ اس مقصد کے لئے بینک اسلام کے قانون "مضاربت" اور قانون "شرکت" سے بھرپور فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ ان ذرائع سے بینک کو جو نفع ہو، وہ یکساں شرح کے ساتھ کھاتہ داروں میں تقسیم کردے۔

مضاربہ اور شرکت کی ایک صورت یہ ہے۔ کہ کھاتہ دار کسی ایک دوکان یا فیکٹری میں کلی طور پر بینک کی وساطت سے سرمایہ کاری کرے۔ مقصد یہ ہو، کہ اسے بینک کی طرف سے نگرانی اور آڈٹ کی وہ تمام سہولتیں حاصل ہوجائیں، تو تنہا اسے حاصل ہونا ممکن نہیں ہیں۔ اور دوسری صورت یہ ہے، کہ چھوٹے چھوٹے کھاتہ داروں کے گروپ قائم کرکے ان کے مجموعی سرمایہ سے بینک کاروبار کرے اور مدت گزرنے

کے بعد، بینک ضروری اخراجات نکال کر، منافع ان کے مابین تقسیم کردے۔
ایران میں اسلامک بینک کاری کو مکمل طور پر اسلام کے "قانون مضاربت" پر مبنی کیا گیا ہے، جو بینک کاری کے مستقبل کے لئے ایک عمدہ مثال ہے۔

د۔ بینک کے کاروبار

آخر میں اس سوال کا جواب بھی ہمیں تلاش کرنا ہوگا کہ "اسلامی بینک" متبادل کرنسی، اساس پر کام کریگا۔
اس ضمن میں مختلف مدات سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ اس کے لئے اسلامی نظریاتی کونسل نے جو تجاویز دی ہیں، انہیں "اساس" بنایا جاسکتا ہے۔ مثال کے طور پر اسلامی نظریاتی کونسل نے بڑی صنعتوں کے لیے:

۱۔ کرایہ کاری

کی تجویز پیش کی ہے، جس سے مراد یہ ہے، کارخانہ دار، جب ان مشینوں کی "اصلی قیمت" اقساط میں ادا نہ کردیں، اس وقت ان سے ایک مقررہ شرح سے اس "مشین" کا کرایہ وصول کیا جائے۔ یہ تجویز اگرچہ پوری طرح اعتراضات سے مبرا نہیں ہے اور شیخ محمود احمد صاحب نے اسے "سود" ہی کی دوسری صورت قرار دیا ہے، لیکن سود کو ختم کرنے کے لئے آخر کسی نہ کسی صورت کو متبادل اساس بنانا ہوگا۔ اور اگر ماہرین فقہ اسلامی "کرایہ کاری" کی تجویز کو بحث وتمحیص کے بعد، جائز قرار دیں، تو ایسی صورت میں، اس کو اپنانے میں کوئی حرج نہیں۔
رہا یہ کہنا کہ مشینوں کو کرائے پر لینا مختلف فیہ ہے۔ درست نہیں ہے، اس لئے کہ شریعت کے عام قواعد کی رو سے کبھی بھی شئے کو کرایہ پر دیا جاسکتا ہے۔ حتی کہ بعض ایسی اشیاء کو کرایہ پر دینا اور لینا جائز ہے۔ جن کی خرید وفروخت نہیں ہے۔ مثلاً کسی "آزاد شخص" کو کچھ مدت کے لئے یا کسی کام کے لئے "اجارہ" پر حاصل کیا جاسکتا ہے۔ جسے عرف عام میں ملازمت یا صنعت وحرفت کہا جاتا ہے۔ البتہ چونکہ یہاں بیع اور اجارہ دونوں صورتیں یکجا ہو رہی ہیں۔ جو قواعد شرع کی رو سے ناجائز ہیں۔ اس لئے ماہرین فقہ اسلامی کو یہاں اجتہاد یا غور وخوض کی ضرورت ہوگی اگر وہ اس کو جائز قرار دیں، تو فبہا ورنہ اس تجویز کو رد کیا جاسکتا ہے۔

۲- مرابحہ:

اسی طرح بیع مرابحہ۔ والی تجویز:

بیع مرابحہ کی صورت یہ ہے۔ کہ کوئی شئی مثلاً دس روپے پر خرید کر، ۵۵ روپے میں فروخت کردی جائے اور قیمت ادھار وصول کیجا ئے۔ یہ بیع تمام فقہاء کے نزدیک جائز ہے۔ البتہ اس کے لئے ضروری ہے۔ کہ دو میں سے ایک شئی مجلس ہی میں وصول کرلی جائے، اور قیمت کی دلی کے لئے وقت کی تعیین کرلی جائے، تاکہ یہ "بیع سلم" کے تحت جائز قرار پا سکے۔

کاشت کاروں اور چھوٹے دوکانداروں کے لئے اس اصول پر، معاملہ کیا جاسکتا ہے۔ بشرطیکہ بینک اپنے ایجنٹ کی معرفت ان سے معاہدہ کرے اور اسی کی وساطت سے انہیں اشیاء (بصورت اعیان) مہیا کرے اور انھیں اس کی خرید کے لیے رقم نہ دے۔ بیع مرابحہ کی تفصیلات کتب فقہ میں موجود ہیں۔ اس مقصد کے لیے انکی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے۔

۳- اس نفع ونقصان میں حقیقی شرکت: یا مضاربہ

بنکنگ کے نظام کو نفع پر استوار کرنے کے لئے بینک کو اسلام کے قانون شرکت اور قانون مضاربہ سے وسیع بنیادوں پر کام کرنا ہوگا۔ اس لئے کہ ان دونوں اساسات میں بنکنگ کو مضبوط بنیادوں پر استوار کرنے کی پوری گنجائش موجود ہے۔ بشرطیکہ صدق دل اور خلوص نیت سے ایسا کیا جائے۔

بینک کے موجودہ نظام میں نفع ونقصان میں برائے نام شرکت کا لیبل ضرور لگا دیا گیا ہے۔ مگر اس سے آگے کوئی پیش رفت نہیں ہوئی ہے، ضرورت اس امر کی ہے کہ ان بنیادوں پر وسیع تر کام کی بنیاد رکھی جائے اور اسلام کے ان قوانین سے بھرپور استفادہ کیا جائے۔

اوپر ذکر آچکا ہے۔ کہ ایران میں بینک کاری کے لئے قانون مضاربہ کو اساس قرار دیا گیا ہے اور ایران کے موجودہ بینک اسی اساس پر کام کررہے ہیں۔

لہٰذا اس میدان میں ایران کے تجربات سے بھی فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ ہمارے برادر ملک "سعودی عرب" اور ہمارے ہمسایہ ملک "چین" میں بھی بنکنگ کا اندرونی نظام غیر سودی بنیادوں پر استوار ہے۔ اس مقصد کے لئے ان ممالک کے تجربات بھی ہمارے لئے رہنمائی کا کام دے سکتے ہیں۔

خلاصہ بحث

اوپر صفحات میں اس عنوان پر جو کچھ لکھا گیا ہے۔ اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

۱۔ بنکنگ کا نظام مکمل طور پر اصلاح طلب ہے اور اس میں انقلابی تبدیلیوں کی ضرورت ہے۔

۲۔ "اسلامی بنک کاری" پر نظریاتی اور فکری طور پر بہت سا مواد تیار ہو چکا ہے، ضرورت اس امر کی ہے۔ کہ اس کو اپنا کر، عملی تجربے کی شکل دی جائے۔

۳۔ "اسلامی نظریاتی کونسل" نے غیر سودی بینکاری رپورٹ" کے نام سے جو رپورٹ تیار کی ہے، تو اس کی بہت باتیں تنقیح طلب ہیں۔ اگر حکومت وقت واقعی اس مسئلے میں مخلص ہے، تو اس مسئلے پر دوبارہ کوئی کمیشن بٹھائے جو مکمل غور و خوض کے بعد اس مسئلے پر دوبارہ رپورٹ پیش کرے۔

۴۔ وفاقی شرعی عدالت نے موجودہ بنکنگ کے خلاف جو فیصلہ دیا ہے۔ حکومت اس فیصلے کے مضمرات سے بچنے کے بجائے۔ اس پر عمل کرنے کے لئے ماہرین کی ایک کمیٹی تیار کرے، جو اس فیصلے کی روشنی میں آئندہ کا لائحہ عمل تیار کرے۔

۵۔ "اسلامی بینک کاری" کے موضوع پر، اور اس کی جزئیات پر لکھنے کے لیے اہل قلم اور اہل فکر کو دعوت دی جائے، جو اس کے مختلف پہلوؤں پر اظہار کریں۔ اسی طرح اس پر منصوبہ بندی کے لئے کسی محکمہ کے ذریعہ عوام علماء قانون دانوں اور ماہرین سے مشاورت بھی طلب کی جا سکتی ہے اس طرح اس موضوع پر کام کرنے کے لئے ایک وسیع بنیاد قائم ہو جائے گی۔

۶۔ اسلامی بینک کاری پر "اجتہاد" کی بھی ضرورت ہے تاکہ نئے مسائل کا اسلامی تعلیمات کی روشنی میں حل تلاش کیا جا سکے۔

عشر فقہ حنفی میں

مولانا عبدالرشید صاحب استاذ فقہ جامعہ مدنیہ، لاہور

زمین اور پیداوار کی زکوٰۃ

جس طرح شریعت نے مال تجارت، سونے چاندی، نقد رقم اور سائمہ[۱] جانوروں پر زکوٰۃ کی ادائیگی فرض قرار دی ہے اسی طرح زمین کی پیداوار پر بھی زکوٰۃ عائد کی ہے زمین کی پیداوار کی زکوٰۃ ہی کو عشر کہا جاتا ہے[۲]

وجہ تسمیہ

"عشر" کا معنی ہے "دسواں حصہ" چونکہ زمین کی پیداوار کی زکوٰۃ کی مقدار عام حالات میں کل پیداوار کا دسواں حصہ ہے اس لئے پیداوار کی زکوٰۃ کا نام "عشر" رکھ دیا گیا۔ اگرچہ بعض مخصوص حالات میں پیداوار کا بیسواں حصہ (نصف عشر) ادا کیا جاتا ہے لیکن اصطلاح فقہاء میں اسے بھی عشر ہی کہا جاتا ہے[۳]

زکوٰۃ اور عشر کا فرق

عام اموال کی زکوٰۃ خالص عبادت۔ اس میں حیثیت عبادت کے علاوہ اور کوئی حیثیت نہیں ہے جبکہ زمین کی پیداوار کی زکوٰۃ یعنی عشر میں حیثیت عبادت کے ساتھ ساتھ ضمنی طور پر ٹیکس کی حیثیت بھی ملحوظ رکھی گئی ہے[۴] یہی وجہ ہے کہ عشر نابالغ اور مجنون کی زمین کی پیداوار پر بھی عائد ہوتا ہے بلکہ موقوفہ زمین کی پیداوار پر بھی عشر واجب ہے جب کہ ان پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے[۵]

نیز اسی لئے صاحب زکوٰۃ اگر زکوٰۃ ادا کئے بغیر انتقال کر جائے تو اس کے مال میں سے زکوٰۃ نہیں نکالی جائے گی لیکن اس کے برعکس اگر صاحب عشر، عشر ادا کئے بغیر انتقال کر جائے اور وہ پیداوار موجود ہو تو اس میں سے عشر وصول کیا جائے گا[۶]

وجوب عشر کی شرائط

پہلی شرط مسلمان ہونا، لہٰذا ابتداءً عشر صرف مسلمان پر ہی عائد ہوگا۔ البتہ اگر کسی مسلمان سے کسی کافر نے وہ عشری زمین خرید لی اور اس کافر نے اس پر قبضہ کر لیا تو وہ کافر حسب سابق عشر ادا کرے گا یا خراج؟ اس میں اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک وہ کافر خراج ادا کریگا

عشر نہیں۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک وہ کافر دُبل عشر یعنی خمس (۱/۵ حصہ) ادا کریگا امام محمد کے نزدیک حسب سابق عشر ہی ادا کرے گا۔ اگرچہ ان دونوں ائمہ کے نزدیک یہ تمام کا عشر مصارف خراج میں صرف کیا جائے گا مصارف عشر میں نہیں۔ امام محمد رحمہ اللہ سے ایک روایت مصارف عشر میں خرچ کرنے کی بھی ہے[۸]

دوسری شرط وجوب عشر کی دوسری شرط دارالاسلام میں ہونا یا دارالحرب میں ہوتے ہوئے فرضیت عشر کا علم ہونا ہے۔ لہٰذا دارالحرب میں رہنے والے کسی مسلمان کو اگر فرضیتِ عشر کا علم نہیں تو اس پر ادائیگی عشر بھی فرض نہیں ہے[۹]

تیسری شرط وجوب عشر کی تیسری شرط پیداوار کا وجود ہے لہٰذا عشری زمین میں اگر پیداوار نہیں ہوئی تو ایسی زمین پر عشر لاگو نہیں ہوگا[۱۰] اگرچہ پیداوار نہ ہونے کا سبب کوئی قدرتی سبب نہ ہو بلکہ مالک کی اپنی لاپرواہی اور غفلت ہی اس کا باعث ہو مثلاً اس نے کاشت ہی نہیں کی یا کاشت کے بعد اس کی نگرانی اور حفاظت نہیں کی[۱۱]

چوتھی شرط وہ پیداوار ایسی ہو کہ عادۃً اس کو پیدا کرنے اور اگانے کا رواج ہو اور اسے کاشت کرکے اس سے نفع اٹھایا جاتا ہو۔ لہٰذا بے کار اور خودرو قسم کی گھاس اور درخت وغیرہ میں عشر نہیں ہے۔ ہاں البتہ اگر قصداً گھاس اور بانس وغیرہ اگائے جائیں تو ان میں عشر ہوگا[۱۱]

پانچویں شرط وجوب عشر کی پانچویں شرط یہ ہے کہ زمین عشری ہو۔ خراجی زمین میں خراج ہی واجب ہوتا ہے عشر نہیں۔ کیونکہ کسی ایک زمین پر عشر و خراج دونوں اکٹھے لاگو نہیں ہوتے[۱۲]

عشری زمینیں (۱) عرب کی ساری زمین عشری ہے عرب کی زمین عذیب سے مکہ تک اور عدن سے منتہائے حجر تک کہلاتی ہے جس میں تہامہ، حجاز، مکہ، یمن، طائف، عمان اور بحرین شامل ہیں[۱۳] (۲) جو علاقے بطور صلح فتح ہوئے اور وہاں کے باشندے مسلمان ہوگئے تو ان مسلمانوں کی زمینیں بدستور ان کی ملکیت میں رہیں گی اور ان پر عشر واجب ہوگا[۱۴] (۳) وہ علاقے جو بزور شمشیر فتح ہوئے اور

ان کی زمینوں کو مال غنیمت قرار دے کر شرعی اصول کے مطابق مسلمان مجاہدین میں تقسیم کر دیا گیا ہو۔ ایسی تمام زمینیں عشری قرار پائیں گی[۵] (۴) مسلمان کا رہائشی مکان جب وہ اسے گرا کر قابلِ کاشت بنا ڈالے، اگر صرف عشری پانی سے سیراب کیا جائے تو اسے بھی عشری زمین قرار دیا جائے گا[۶] (۵) وہ بنجر بے آباد غیر مملوکہ زمینیں جنہیں کسی مسلمان نے باقاعدہ اسلامی حکومت کی اجازت سے آباد کیا ہے، ان کی حیثیت کے تعین میں اختلاف ہے،
امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر ان کو عشری پانی سے سیراب کیا جاتا ہے تو ایسی زمینیں عشری کہلائیں گی اور اگر خراجی پانی سے سیراب کیا جاتا ہے تو خراجی۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک ایسی زمینوں کے عشری یا خراجی ہونے کا دارومدار قرب وجوار کی زمینوں پر ہے۔ اگر گرد و نواح کی زمینیں عشری ہیں تو یہ آباد کردہ زمینیں بھی عشری قرار دی جائیں گی اور اگر گرد و نواح کی زمینیں خراجی ہیں تو ان کو بھی خراجی ہی سمجھا جائے گا۔ اور اگر عشری و خراجی زمینوں کے بالکل بیچ میں ہو تو بھی وہ زمین عشری ہوگی۔ امام ابو یوسفؒ کے قول پر فتویٰ ہے[۷]

عشری پانی بارش کا پانی، کنووں کا پانی، قدرتی چشموں کا پانی اور ان بڑے بڑے دریاؤں ندیوں کا پانی جو قدرتی طور پر جاری ہیں اور ان کو جاری کرنے میں لوگوں کے عمل کو دخل نہیں ہے اور نہ عادۃً کسی کی ملکیت میں ہوتے ہیں مثلاً سیحون، جیحون، دجلہ، فرات۔ دریائے نیل، گنگا و جمنا اور پنجاب کے بڑے دریا وغیرہ۔

خراجی پانی ان چھوٹی نہروں اور چشموں وغیرہ کا پانی جنہیں کسی جماعت یا فرد نے اپنی محنت اور خرچ کے ذریعہ نکالا ہے خواہ ایسی نہریں اور چشمے وغیرہ فتح اسلامی سے پیشتر کے ہوں یا فتح اسلامی کے بعد بیت المال کے خرچ سے نکالے گئے ہوں۔ ان کا پانی خراجی ہوگا[۸]

تنبیہ یاد رہے کہ عشری اور خراجی پانی کا اعتبار صرف نمبر ۴ و ۵ میں ذکر کی گئی زمینوں میں ہی ہوگا۔ زمینوں کی پہلی تین قسمیں بہرحال عشری ہی ہیں[۹]

نصاب کے شرط ہونے میں اختلاف امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک وجوب عشر کے لئے کوئی نصاب شرط نہیں

لہٰذا پیداوار کتنی ہی قلیل کیوں نہ ہو عشر اس میں بہر حال واجب ہوگا۔ البتہ امام محمدؒ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک نصاب شرط ہے۔ اس نصاب میں قدرے تفصیل ہے:

۱۔ کیلی اشیاء (یعنی وہ چیزیں جنہیں ناپ کر بیچا اور خریدا جاتا ہے) کا نصاب پانچ وسق یعنی تین سو صاع ہے جس کا اندازہ تول کے موجودہ پیمانوں کے ذریعہ ۹۴۸ کلوگرام کیا گیا ہے۔

۲۔ غیر کیلی اشیاء جیسے روئی اور زعفران وغیرہ کا نصاب امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک اتنی مقدار ہے کہ اس کی قیمت کیلی اشیاء میں سب سے کم قیمت چیز کے پانچ وسق کی قیمت کے برابر ہو جائے۔ اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک ایسی اشیاء کا نصاب یہ ہے کہ ان چیزوں کا اندازہ کرنے کے لئے جو سب سے بڑا معیار ہے وہ جب پانچ کی تعداد تک پہنچ جائے تو اس پر عشر ادا کرنا واجب ہو جائے گا اس سے کم میں نہیں۔

شہد بھی چونکہ غیر کیلی اشیاء میں شامل ہے اس لئے اس کا نصاب امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ان کے اصول کے مطابق یہ ہے کہ شہد کی قیمت، کیلی اشیاء کی سب سے کم قیمت چیز کے پانچ وسق کی قیمت کے برابر ہو جائے۔ اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک ان کے اصول کے مطابق شہد کے اندازہ کرنے کے لئے چونکہ سب سے بڑا پیمانہ "فرق" ہے اس لئے پانچ "فرق" شہد کا نصاب ہے۔ ایک "فرق" ۳۶ رطل کا ہوتا ہے[۲۱] فتویٰ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے قول پر ہے لہٰذا پیداوار تھوڑی ہو یا زیادہ عشر بہر حال نکالنا واجب ہے[۲۲]

پیداوار کے ایک سال تک باقی رہنے کی شرط میں اختلاف

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک وجوب عشر کے لئے پیداوار کے ایک سال تک باقی رہنے کی شرط نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ ان کے نزدیک سبزیوں، ککڑیوں، کھیروں، پیاز، لہسن وغیرہ ہر قسم کی پیداوار پر عشر واجب ہے۔ لیکن امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک وجوب عشر کے لئے یہ شرط ہے کہ پیداوار بلا کسی زیادہ تکلف کے ایک سال تک باقی رہ سکے۔ اسی

بنا پر عام سبزیوں وغیرہ میں ان کے نزدیک عشر نہیں ہے۔[۲۳] انگور چونکہ کشمش کی صورت میں پورے سال باقی رکھا جاتا ہے اس لئے اس میں عشر واجب ہوگا۔ اسی طرح زیرہ، دھنیا، رائی، گنا، بادام، اخروٹ، پستہ وغیرہ جنہیں خشک صورت میں باقی رکھنے کا عام دستور ہے، ایسی تمام چیزوں میں امام محمد اور امام ابو یوسف رحمہا اللہ کے نزدیک بھی بالاتفاق عشر ہے۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک ان تمام پھلوں میں عشر ہے جنہیں خشک کرکے باقی رکھا جاسکتا ہو اور خشک ہونے کے بعد وہ نصاب کو پہنچ جاتے ہوں جیسے انجیر، آلو بخارا، امرود، شفتالو، سیب، مشمش، بہی، توت، کیلا وغیرہ لیکن امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک چونکہ ان اشیاء کو عام طور پر خشک وغیرہ کرکے باقی رکھنے کی عادت نہیں اور عام طور پر ایسا کیا نہیں جاتا اس لئے ان پر عشر نہیں ہوگا امام محمد رحمہ اللہ سے یہ روایت بھی ہے کہ پیاز چونکہ پورے سال باقی رہتا ہے لہٰذا اس میں عشر ہے[۲۴]۔

تکمیل نصاب | تکمیل نصاب کی ضرورت دو مقام پر پڑتی ہے۔

۱۔ کسی شخص کی دو یا دو سے زائد علاقوں اور دیہاتوں میں زمینیں ہیں۔ اور کسی بھی زمین کی پیداوار نصاب کو نہیں پہنچتی۔ تو کیا ان مختلف زمینوں کی پیداوار ملا کر نصاب مکمل کیا جائے گا یا نہیں؟

۲۔ ایک ہی زمین میں مختلف قسم کی پیداوار ہوئی اور ان میں سے کوئی بھی نصاب عشر کو نہیں پہنچتی، تو کیا تکمیل نصاب کی خاطر مختلف پیداواروں کو ملایا جائے گا یا نہیں؟

پہلی صورت میں مختلف زمینوں کی پیداوار کو ملا کر نصاب مکمل کیا جائے گا اور ادا کرنا ضروری۔ البتہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک حکومت کی طرف سے وصولی عشر کے لئے مقرر کردہ عامل اگر ان مختلف زمینوں کا ایک ہی ہے تو سے مطالبہ عشر کا بھی حق حاصل ہے اور اگر عامل مختلف ہیں اور ہر ایک کے زیر اختیار آنے والی زمین کی پیداوار نصاب عشر کو نہیں پہنچتی تو ایسی صورت میں عامل کو مطالبہ عشر کا حق حاصل نہیں ہوگا لیکن چونکہ آپس میں ضم کرنے کے باعث مالک کی ملک

میں بقدر نصاب پیداوار جمع ہوچکی ہے اس لئے مالک پر از خود عشر ادا کرنا واجب ہوگا۔ رہی یہ بات کہ پیداوار کی مختلف جنسوں کو بھی تکمیل نصاب کی خاطر آپس میں ضم کیا جائے گا یا نہیں؟ اس کا جواب ابھی دوسری صورت کے ذیل میں آرہا ہے۔

دوسری صورت میں مختلف قسم کی پیداوار کو تکمیل نصاب کی خاطر آپس میں ضم کرنے کے بارے میں اختلاف ہے۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ایک جنس کو دوسری جنس کے ساتھ تکمیل نصاب کے لئے نہیں ملایا جائے گا امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک اگر اس مختلف پیداوار کا اختلاف ایسا ہے کہ جس کے باعث اس کو آپس میں کمی زیادتی کے ساتھ بیچنا ناجائز ہے تو ایسی مختلف پیداوار کو تکمیل نصاب کے لئے آپس میں ضم کیا جائیگا مثلاً سفید گندم اور سرخ گندم اور اگر ایسا اختلاف ہے کہ ان کو آپس میں کمی زیادتی کے ساتھ بیچنا جائز ہے تو ایسی مختلف پیداوار کو تکمیل نصاب کے لئے آپس میں ضم نہیں کیا جائے گا بلکہ ہر جنس علیحدہ علیحدہ دیکھی جائے گی اگر نصاب کو پہنچے تو عشر واجب[25] ورنہ نہیں۔

عاقل بالغ ہونا شرط نہیں

وجوب عشر کے لئے عاقل بالغ ہونا شرط نہیں یہی وجہ ہے کہ نابالغ اور مجنون کی زمینوں پر بھی عشر واجب ہے۔[26]

زمین کی ملکیت بھی شرط نہیں

وجوب عشر کے لئے پیداوار کی ملکیت کافی ہے زمین کی ملکیت شرط نہیں، اس لئے وقف شدہ زمینوں کی پیداوار پر بھی عشر ہوگا۔ اسی طرح اگر کسی مسلمان نے زمین عاریۃً لی اور اس میں کاشت کی تو اس کا عشر عاریت پر لینے والا شخص (مستعیر) پیداوار کا مالک ہونیکی بنا پر ادا کرے گا۔ عاریت پر دینے والے شخص (معیر) کے ذمہ اس کا عشر نہیں ہے اگرچہ وہ زمین کا مالک ہے۔

اسی طرح اگر زمین بٹائی پر دی یعنی پیداوار کا ایک معین حصہ مالک اور دوسرا معین کاشتکار کا تو مالک و کاشتکار میں سے ہر شخص اپنے حصہ کا عشر ادا کرے گا۔[27]

اسی طرح اگر زمین کرایہ پر دیدی اور کرایہ پر لینے والے (مستاجر) نے اس میں زراعت

کی تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر کرایہ پر دینے والے شخص (موٗجر) نے اجرت اتنی لی ہے کہ مستاجر کے پاس بہت کم بچا ہے تو ایسی صورت میں عشر موٗجر کے ذمہ ہوگا۔ .... اور اگر موٗجر اجرت کم لے تو عشر مستاجر کے ذمہ ہوگا۔ چونکہ ہمارے علاقوں میں اجرت کم لی جاتی ہے اس لئے اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے کہ عشر مستاجر کے ذمہ ہے[۲۸]

سال گذرنا بھی شرط نہیں

زکوٰۃ کی ادائیگی واجب ہونے کے لئے جس طرح مال زکوٰۃ پر سال گذرنا شرط ہے اس طرح وجوب عشر کے لئے عشری پیداوار پر سال گذرنا شرط نہیں ہے۔ اسی لئے پیداوار ہوتے ہی ... ... عشر واجب ہوگا اور سال میں جتنی بار فصل ہوگی ہر بار عشر ادا کرنا واجب ہوگا۔[۲۹]

کھیتی کاٹنے اور پھل اتارنے سے پہلے عشر ادا کرنا

زراعت یعنی بیج ڈالنے اور درختوں کو پھل لگنے سے پہلے عشر ادا کرنا صحیح نہیں۔ لہٰذا اگر کسی شخص نے ایسا کیا تو اسے دوبارہ عشر ادا کرنا پڑیگا۔ اور اگر کھیتی کے اُگ جانے کے بعد اور پھل آجانے کے بعد عشر ادا کیا تو عشر ادا ہوجائیگا۔ اور اگر بیج ڈالنے کے بعد اور اگنے سے پہلے عشر ادا کیا تو اس میں اختلاف ہے۔ امام ابویوسف رحمہ اللہ کے نزدیک جائز ہے۔ اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک ناجائز ہے[۳۰]

عشر کی مقدار

جن زمینوں کی سیرابی میں محنت یا خرچ کرنا پڑتا ہو مثلاً چاہی زمینیں یا وہ نہری زمینیں جن کے پانی کی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے یا دور دراز جگہوں سے اونٹوں وغیرہ پر پانی لاکر زمین کو سیراب کیا جائے تو ایسی صورت میں پیداوار کا ۱/۲۰ حصہ یعنی نصف عشر ادا کرنا ہوگا۔

بارانی زمینیں جنہیں بلاقیمت و بلا محنت پانی میسر آجاتا ہو، ان کی پیداوار کا ۱/۱۰ حصہ یعنی پورا عشر ادا کرنا ہوگا۔

جن زمینوں کو دونوں طرح کے پانیوں سے سیراب کیا گیا ہو تو اکثر کا اعتبار ہوگا یعنی اگر اس فصل میں بارش کا پانی زیادہ استعمال ہوا ہے تو ۱/۱۰ حصہ یعنی عشر ادا کرنا ہوگا۔ اور اگر نہری پانی زیادہ استعمال ہوا ہے تو ۱/۲۰ حصہ یعنی نصف عشر ادا کرنا ہوگا[۳۱]

اور اگر کسی زمین کو دونوں طرح کے پانیوں سے سیراب کیا گیا ہو اور دونوں طرح کے پانیوں کا استعمال برابر ہو تو اگرچہ ایک قول کے مطابق نصف عشر یعنی ۱/۲۰ حصہ ادا کرنا ہوگا لیکن دوسرے قول کے مطابق محتاط طریقہ یہ ہے کہ آدھی پیداوار کا عشر یعنی ۱/۱۰ حصہ اور آدھی پیداوار کا نصف عشر یعنی ۱/۲۰ حصہ ادا کرے۔ گویا عشر کا ۳/۴ حصہ ادا کرے[۳۱]

اگر عشری زمین "تغلبی"[عنہ] عیسائی کے پاس ہو تو اس سے عشر کا دوگنا یعنی ۱/۵ حصہ لیا جائے گا۔ خواہ وہ "تغلبی" عیسائی مرد ہو یا عورت، بالغ ہو یا بچہ۔ نیز "تغلبی" عیسائی سے اگر غیر "تغلبی" ذمی نے وہ زمین خرید لی تو غیر "تغلبی" ذمی کو بھی عشر کا دوگنا یعنی ۱/۵ حصہ ادا کرنا ہوگا۔

"تغلبی" اگر مسلمان ہو جائے یا کوئی مسلمان اس سے زمین خریدے تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک حسب سابق یہ لوگ عشر کا دوگنا ادا کریں گے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک اب یہ لوگ عشر ادا کریں گے ...... اور عشر کا دوگنا ادا کرنے کا حکم اب ساقط ہو جائے گا۔

"تغلبی" نے اگر عشری زمین کسی مسلمان سے خریدی تو امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک "تغلبی" عشر کا دوگنا ادا کرے گا۔ اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک بدستور سابق عشر ہی ادا کرے گا[۳۲]

قرض اور خرچ منہا نہیں کیا جائیگا

اگر مالک پیداوار مقروض ہو تو قرض کو پیداوار سے منہا نہیں کیا جائے گا

عنہ "بنو تغلب" عرب عیسائیوں کا ایک قبیلہ تھا جو روم کی سرحد کے قریب آباد تھا۔ جب حضرت عمرؓ نے ان پر جزیہ مقرر کرنا چاہا تو انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ ہم عرب قوم ہیں، اور جزیہ کو ناپسند کرتے ہیں اور اگر آپ نے ہم پر جزیہ لگایا تو ہم آپ کے دشمن رومیوں سے جا ملیں گے۔ اور اگر آپ ہم سے وہی وصول کریں جو مسلمانوں سے وصول کرتے ہیں (عشر وغیرہ) تو ہم آپ کو مسلمانوں سے دوگنا دیدیں گے۔ چنانچہ اسی پر ان سے معاہدہ ہو گیا۔ (شرح زیادات الزیادات للسرخسی والقابی ص ۱۱۲)

بلکہ پوری پیداوار کا عشر ادا کیا جائیگا۔ اسی طرح کھیتی کے اخراجات اور بیج وغیرہ بھی منہا نہیں کئے جائیں گے بلکہ پوری پیداوار کا عشر ادا کرنا ہوگا۔[۳۴]

وجوب عشر کا وقت

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک کھیتی کے زمین سے نکلنے اور درختوں پر پھل کے ظاہر ہوجانے اور قابل انتفاع ہوجانے کا وقت ہی وجوب عشر کا وقت ہے۔ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک کھیتی اور پھلوں کے پوری طرح تیار ہوجانے کے وقت عشر واجب ہوتا ہے۔ اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک کھیتی کو صاف اور بھوسے وغیرہ سے علیحدہ کرلینے اور پھلوں کو توڑ لینے کے وقت عشر واجب ہوتا ہے۔

لہٰذا اگر کھیتی کاٹے جانے اور پھول توڑنے جانے کے قابل ہونے سے پہلے شخص نے ضائع کردیئے تو مالک اس شخص سے تاوان وصول کرکے اس میں سے امام ابو حنیفہ کے نزدیک عشر ادا کرے گا اور اگر کھیتی یا پھلوں میں سے کچھ حصہ تلف ہونے سے بچ جائے تو اس کا عشر اسی میں سے ادا کرے لیکن چونکہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ رحمہا اللہ کے نزدیک ابھی وجوب عشر کا وقت ہی نہیں ہوا تھا اس لئے ان کے نزدیک ایسی تلف کردہ پیداوار کا عشر واجب نہیں ہوگا۔ نیز ان کے نزدیک باقی ماندہ کھیتی اور پھلوں کے نصاب کی تکمیل میں اس پیداوار کا اعتبار نہیں کیا جائے گا جو وجوب عشر کا وقت آنے سے پہلے ہلاک ہوچکی ہے۔ لہٰذا اگر باقی ماندہ پیداوار بذات خود نصاب کو پہنچ جائے تو عشر ادا کردیا جائے۔ ورنہ نہیں۔

امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہا اللہ کے نزدیک جو وقت وجوب ہے اگر اس کے بعد کھیتی یا پھل از خود قدرتی طور پر ضائع ہوگئے تو ہلاک شدہ کا اگرچہ عشر ادا نہیں کیا جائے گا لیکن باقی ماندہ پیداوار اگر نصاب کو نہیں پہنچتی تو تکمیل نصاب کی خاطر ہلاک شدہ پیداوار کا اعتبار کیا جائے گا۔ اسی طرح اگر نصاب مکمل ہو جائے تو عشر ادا کرنا واجب ہوگا ورنہ نہیں۔

اور اگر وقت وجوب کے بعد کھیتی یا پھل کو مالک نے خود ضائع کیا ہے تو اسکا عشر

مالک کے ذمہ واجب الادا رہوگا۔ اور اگر مالک کے علاوہ کسی اور شخص نے اس کی پیداوار کو وقت وجوب کے بعد ضائع کیا ہے تو مالک اس سے تاوان لے کر اس کا عشر ادا کرے۔ اور اگر پیداوار کا کچھ حصہ ضائع کرنے والے کی دستبرد سے بچ گیا ہے تو اس کا عشر باقی ماندہ حصے سے ادا کرے۔[۳۵]

عشر کا رکن "تملیک"

ادائیگی عشر کے لئے "تملیک" یعنی کسی مستحق کو مالک بنانا ضروری ہے۔ لہٰذا ان تمام صورتوں میں عشر ادا نہیں ہوگا۔ جن میں کسی مستحق کو مالک نہ بنایا گیا ہو مثلاً مسجد و سرائے وغیرہ کی تعمیر اور دیگر رفاہ عامہ کے کاموں میں خرچ کرنا۔ کسی مردے کے کفن دفن میں خرچ کرنا، کسی فقیر میت کا قرض ادا کرنا، کسی زندہ فقیر کا قرض از خود اس کے حکم کیلئے بغیر ادا کر دینا وغیرہ۔

حاکم یا اس شخص کو عشر ادا کرنا جسے وصولی عشر کے لئے حکومت کی طرف سے مقرر کیا گیا ہے، بالکل درست اور صحیح ہے کیونکہ ان کا وصول کرنا فقراء و مستحقین کے نمائندہ اور وکیل ہونے کی حیثیت سے ہوتا ہے۔ لہٰذا ان کا قبضہ مستحق کا قبضہ قرار پائے گا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کسی نابالغ فقیر بچے یا فقیر مجنون کو عشر ادا کرتا ہے اور ان کی طرف سے ان کا باپ دادا یا ان کا ولی یا وصی قبضہ کر لیتا ہے تو بھی عشر ادا ہو جائے گا اس لئے کہ ان کے نمائندہ ہونے کی حیثیت سے ان کا قبضہ بعینہ فقیر بچے یا فقیر مجنون کا قبضہ سمجھا جائے گا۔

اپنے اصول و فروع یعنی باپ دادا اور اپنی اولاد یا اولاد کی اولاد کو عشر ادا نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح شوہر اپنی بیوی کو عشر ادا نہیں کر سکتا اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مطابق بیوی اپنے شوہر کو بھی عشر نہیں ادا کر سکتی، البتہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک بیوی اپنے شوہر کو ادا کر سکتی ہے لیکن فتویٰ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مسلک پر ہے۔ اپنے اصول و فروع کو ادا کرنے اور زوجین کے ایک دوسرے کو ادا کرنے کی صورت میں اگرچہ تملیک تو ہو جاتی ہے لیکن چونکہ ان میں بالعموم ایک دوسرے کی ملکیت سے فائدہ بکثرت اٹھایا جاتا ہے اس لئے یہ تملیک، تملیک مطلق نہیں ہوتی لہٰذا ان کو ادائیگی عشر صحیح نہیں ہے۔ اسی طرح اباحۃً کھانا کھلا دینے سے عشر ادا نہیں ہوگا۔[۳۶]

نیت چونکہ عشر میں عبادت کی حیثیت بھی ملحوظ ہے اس لئے دیگر عبادت کی طرح ادائیگی عشر میں بھی نیت شرط ہے۔ لہٰذا اگر کسی شخص سے جبراً عشر لے لیا گیا اور وہ بذات خود ادائیگی عشر پر رضامند نہیں تھا تو ایسے شخص کو وہ اجر و ثواب نہیں ملے گا جو ادائیگی عشر پر بحیثیت عبادت ملتا ہے اگرچہ اس صورت میں بھی عشر اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائیگا کیونکہ اس میں ٹیکس کی حیثیت بھی موجود ہے۔

یہ نیت یا تو ادائیگی کے وقت ہونی چاہئے یا پھر اس وقت جبکہ کل پیداوار سے عشر کا حصہ علیحدہ کیا جائے اگرچہ بعد میں علیحدہ کردہ حصہ عشر کو ادا کرتے وقت نیت مستحضر نہ رہے۔

نیز نیت میں صاحب عشر کی نیت کا اعتبار ہوگا لہٰذا اگر کسی شخص نے عشر کا حصہ کسی مستحق تک پہنچانے کا حکم کسی کو دیا۔ لیکن پہنچانے پر مامور شخص کو مستحق کے حوالہ کرتے وقت نیت مستحضر نہیں رہی تو بھی عشر ادا ہو جائیگا کیونکہ ایسی صورت میں آمر کی نیت کا اعتبار ہوگا نہ کہ مامور کی نیت کا۔[۳۷]

حصہ عشر کی جگہ دوسری چیز کی ادائیگی پیداوار کے حصہ عشر کی جگہ اس کی قیمت بھی ادا کی جا سکتی ہے۔ نیز حصہ عشر کی جگہ اگر کوئی دوسری جنس ادا کرنا چاہے تو بھی کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ اس دوسری جنس کی قیمت حصہ عشر کی قیمت کے برابر ہو۔ البتہ اگر حصہ عشر کی جگہ اسی جنس کی دوسری چیز ادا کرنا چاہے تو اس کی دو صورتیں ہیں:

۱۔ اموالِ ربویہ میں سے ہے۔

۲۔ اموالِ ربویہ کے علاوہ ہے۔

اگر دوسری صورت ہے تو اس میں حصہ عشر کی جگہ اسی جنس کی دوسری چیز ادا کی جا سکتی ہے بشرطیکہ اس کی قیمت حصہ عشر کی قیمت کے برابر ہو۔

پہلی صورت میں جبکہ حصہ عشر اموال ربویہ میں سے ہو اور اس کی جگہ اسی کی جنس سے دوسری چیز ادا کرنی ہو تو اس میں تین قول ہیں:

امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک مقدار میں یکساں اور برابر ہونا ضروری ہے۔ امام زفر رحمہ اللہ کے نزدیک قیمتہً برابر ہونا ضروری ہے اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک ان دونوں صورتوں میں جو فقراء کے لئے زیادہ نفع ہو اس کا اعتبار ہوگا۔ مثلاً کسی شخص کے کھیت میں اعلیٰ قسم کی ایک ہزار من گندم پیدا ہوئی جس کا عشر وہی اعلیٰ قسم کے سو من گندم ہے۔ اب اگر کسی وجہ سے یہ شخص عشر ادا نہ کر سکا اور یہ گندم اس کے پاس ختم ہو گئی۔ اب یہ شخص گھٹیا قسم کی سو من گندم بطور عشر ادا کرتا ہے جس کی قیمت چھ ہزار روپیہ بنتی ہے جب کہ اس اعلیٰ قسم کی سو من گندم کی قیمت نو ہزار روپیہ تھی۔ اس صورت میں امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک عشر ادا ہو جائے گا کیونکہ یہ حضرات ایسی حالت میں مقدار میں برابری کافی سمجھتے ہیں۔ لیکن امام زفر اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک عشر ادا نہیں ہوگا۔ امام زفر رحمہ اللہ کے نزدیک تو اس لئے کہ اب ادا کردہ گندم کی قیمت اس واجب الادا گندم کی قیمت کے برابر نہیں اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک اس لئے کہ اس صورت میں قیمت کا اعتبار کرنا فقراء کے لئے زیادہ نفع ہے کیونکہ اس طرح فقراء کو یہ گھٹیا گندم ڈیڑھ سو من مل جائے گی۔

اگر معاملہ اس کے برعکس ہو یعنی واجب الادا حصہ عشر سو من گھٹیا گندم ہو جس کی قیمت چھ ہزار روپیہ بنتی ہے لیکن یہ شخص اس کی جگہ ۶۷ من اعلیٰ گندم بطور عشر ادا کرتا ہے جس کی قیمت، واجب الادا سو من گھٹیا گندم کی قیمت کے برابر ہے۔ اس صورت میں امام زفر رحمہ اللہ کے نزدیک عشر ادا ہو جائے گا اس لئے کہ ادا کردہ ۶۷ من گندم کی قیمت واجب الادا سو من گندم کی قیمت کے برابر ہے لیکن امام ابوحنیفہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمد رحمہم اللہ کے نزدیک عشر ادا نہیں ہوگا۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک تو اس لیے کہ یہ ادا کردہ گندم واجب الادا گندم کی مقدار کے برابر نہیں۔ اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک اس لئے کہ اس صورت میں مقدار کا اعتبار کرنا فقراء کے لئے زیادہ نفع ہے کیوں کہ اس طرح فقراء کو سو من گندم مل جائے گی[۳۹]

شرائط استحقاق عشر مستحق عشر ہونے کے لئے وہی شرائط ہیں جو مستحق زکوٰۃ بننے کے لئے ہیں یہ شرائط پانچ ہیں۔

۱۔ **محتاج ہونا۔** محتاج ہونے کی متعدد صورتیں ہیں۔

ا۔**فقیر ہونا۔** فقیر ہر اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کے پاس اپنی حاجات اصلیہ اور قرض سے بچا ہوا مال نصاب کو نہ پہنچے۔

ب۔**مسکین ہونا؛** مسکین ہر اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کے پاس کچھ بھی مال نہ ہو۔

ج ۔ **عاملین صدقات،** حکومت کی طرف سے جو لوگ زکوٰۃ وعشر وغیرہ کی وصولی کے لئے مقرر کئے گئے ہوں وہ سب عاملین صدقات کہلاتے ہیں۔ البتہ یہ لوگ غنی ہونے کی صورت میں بھی وصولی صدقات کے عمل کی اجرت کے طور پر زکوٰۃ وعشر میں سے وصول کر سکتے ہیں۔

د ۔ **مقروض ہونا:** اس سے وہ مقروض مراد ہے کہ جس کے پاس قرض منہا کرنے کے بعد حاجات اصلیہ سے زائد اتنا مال نہ بچتا ہو جو نصاب کو پہنچتا ہو۔

ھ ۔ تمام وہ لوگ جو دینی خدمات اور دیگر امور خیر میں مشغول رہتے ہوں اور ضرورت مند ہوں۔

و۔ وہ مسافر جو سفر میں کسی وجہ سے محتاج ہو گیا ہو۔ اگرچہ بقدر نصاب مال اس کے وطن میں اس کے پاس ہو۔

۲۔ **مسلمان ہونا،** لہٰذا زکوٰۃ وعشر کی رقم کسی کافر کو نہیں دی جا سکتی اگرچہ وہ کتنا ہی محتاج اور فقیر کیوں نہ ہو۔

۳۔ **بنی ہاشم میں سے نہ ہونا؛** زکوٰۃ وعشر کی ادائیگی کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ جسے زکوٰۃ وعشر کا مال دیا جا رہا ہے وہ بنو ہاشم میں سے نہ ہو۔ بنو ہاشم سے مراد حضرت علیؓ، حضرت عباسؓ، حضرت جعفرؓ، حضرت عقیلؓ اور حضرت حارث بن عبدالمطلب کی اولاد ہے۔

۴۔ بنو ہاشم کے آزاد کردہ غلاموں میں نہ ہو۔

۵ :۔ زکوٰۃ وعشر ادا کرنے والے شخص اور جس کو زکوٰۃ وعشر کا مال دیا جا رہا ہے، ان کے منافع املاک آپس میں متصل نہ ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی شخص زکوٰۃ عشر کا مال اپنے والدین اور والدین کے آباؤ اجداد نیز اپنی اولاد اور اولاد کی اولاد کو نہیں دے سکتا کیوں کہ عادۃً ان رشتوں میں منافع املاک آپس میں متصل ہوتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ میاں بیوی آپس میں ایک دوسرے کو زکوٰۃ وعشر کا مال نہیں دے سکتے۔[۳۹]

کسی شخص کی حالت کی تحقیق کئے بغیر اسکو عشر ادا کرنا

اگر کسی شخص نے کسی کو عشر ادا کر دیا اور اسے تحقیقی طور پر یہ معلوم نہ تھا کہ یہ شخص مستحق ہے یا نہیں تو اس کی تین صورتیں ہیں :

۱ :۔ زکوٰۃ وعشر ادا کرتے وقت اگر اپنے اعتماد کی حد تک پورا یقین و اعتماد تھا کہ یہ شخص مستحق ہے اور اس وقت اس کے غیر مستحق ہونے کا کوئی شبہ بھی قلب میں نہ تھا تو اس صورت میں یہ ادائیگی صحیح ہے اور جب تک بالیقین یہ نہ معلوم ہو جائے کہ وہ شخص غیر مستحق تھا وہ ادائیگی صحیح اور درست ہی قرار دی جائے گی۔ ہاں البتہ اگر بعد میں پورے وثوق کے ساتھ یہ معلوم ہو گیا کہ وہ شخص غیر مستحق تھا تو اب دوبارہ ادا کرنا واجب ہوگا۔ بعد میں محض شک وشبہ پیدا ہو جانا ادائیگی سابق کو باطل نہیں کرے گا۔

۲ :۔ زکوٰۃ وعشر ادا کرتے وقت ہی اگر اس کو شک وشبہ تھا کہ شاید یہ شخص مستحق نہیں ہے لیکن اس شخص نے تحقیق وتفتیش اور اعتماد پیدا کئے بغیر اس کو زکوٰۃ وعشر کا مال دے دیا تو یہ ادائیگی صحیح نہیں ہے، دوبارہ ادا کرنا پڑے گا البتہ اگر بعد میں پورے وثوق و اعتماد کے ساتھ معلوم ہو گیا کہ وہ شخص مستحق تھا اور میرا اس کے بارے میں شک وشبہ غلط تھا یا کم از کم ظن غالب ہی حاصل ہو گیا تو وہ ادائیگی درست قرار پائے گی۔

۳ :۔ جس شخص کو زکوٰۃ وعشر ادا کیا ہے اس کے مستحق ہونے کے بارے میں شک وشبہ تھا لیکن قرائن وآثار خارجیہ کے ذریعہ یا کسی شخص سے اس کے بارے میں تحقیق کرنے کے بعد وہ شک وشبہ جاتا رہا پھر اس کو زکوٰۃ وعشر کا مال ادا کر دیا تو ایسی

صورت میں اگر بعد میں اس کے مستحق ہونے یا مستحق نہ ہونے کے بارے میں کوئی اور بات معلوم نہ ہوئی یا اگر کچھ معلوم ہوا تو بس یہی کہ وہ شخص مستحق تھا تو بالاجماع یہ ادائیگی صحیح و درست ہے۔
اگر بعد میں بہ تحقیق یہ معلوم ہوا کہ وہ شخص مستحق نہیں تھا تو امام ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک یہ ادائیگی صحیح و درست ہے، اعادہ کی حاجت نہیں لیکن امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک یہ ادائیگی صحیح نہیں ہوئی، دوبارہ ادا کرنا ضروری ہے[۴۳]

وجوبِ عشر کے بعد اس کا سقوط

وجوب عشر کے ساقط ہونے کی تین صورتیں ہیں :

۱ :۔ مالک کی تعدی و کوتاہی کے بغیر پیداوار کا ہلاک ہو جانا۔ اگر کل پیداوار ہلاک ہو گئی تو کل کا عشر ساقط ہو گیا۔ باقی ماندہ تھوڑا ہو یا زیادہ اس کا عشر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ادا کرنا ہو گا۔ امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک اگر باقی ماندہ حصہ نصاب کو پہنچتا ہو یا ہلاک شدہ حصے کو ملا کر نصاب پورا ہو جاتا ہو تو باقی ماندہ حصے کا عشر ادا کرنا ہو گا ورنہ نہیں۔

۲ :۔ مرتد ہو جانا (العیاذ باللہ) چونکہ عشر میں عبادت کا معنیٰ پایا جاتا ہے اور مرتد عبادت کا اہل نہیں ہے لہٰذا عشر ساقط ہو جائے گا۔

۳ :۔ پیداوار کے موجود نہ ہونے کی صورت میں مالک کا بلا وصیت مر جانا۔ البتہ اگر پیداوار موجود ہو تو اس میں سے عشر نکالا جائے گا یا اگرچہ پیداوار موجود نہیں ہے لیکن مالک مرتے وقت ادائیگی عشر کی وصیت کر گیا ہے تو اجراء وصیت کے قواعد کے مطابق ایک تہائی مال میں سے عشر ادا کیا جائے گا[۴۴]

مراجع

۱۔ سائمہ جانوروں سے مراد وہ جانور ہیں جو سال کا اکثر حصہ آزاد چراگاہوں میں چر کر گذارہ کرتے ہوں۔ ردالمحتار ج ۱ ص ۲۷۵

۲۔ محمد امین الشہیر بابن عابدین (المتوفی ۱۲۵۲ھ) ردالمحتار علی الدر المختار ص ۲۵ ج دوم طبع مصر۔

۳۔ " " " " " " " " " " "

۴۔ عبداللہ بن الشیخ محمد بن سلیمان المعروف بداماد افندی۔ مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر ص ۲۱۴ جلد اول طبع بیروت

۵۔ محمد علاء الدین الحصکفی (المتوفی ۱۰۸۸ھ) الدر المنتقی فی شرح الملتقی علی ہامش مجمع الانہر ص ۲۱۵ جلد اول

۶۔ ملک العلماء علاء الدین الکاسانی (المتوفی ۵۸۷ھ) بدائع الصنائع ص ۶۵ جلد دوم مطبوعہ بیروت

۷۔ بدائع الصنائع " " " " " ص ۵۴، ۵۵ جلد دوم

۸۔ " ایضاً " " " " ص ۵۵، ۵۶ جلد دوم و ص ۱۳۵ جلد اول

۹۔ " ایضاً " " " " ص ۵۸ جلد دوم

۱۰۔ محمد علاء الدین الحصکفی۔ الدر المختار شرح تنویر الابصار ص ۳۳ جلد دوم طبع مصر (مطبوعہ مع ردالمحتار)

۱۱۔ بدائع الصنائع ص ۵۸ جلد دوم مطبوعہ بیروت

۱۲۔ ایضاً ص ۵۷ " " " "

۱۳۔ حسن بن منصور الفرغانی الشہیر بقاضی خاں (المتوفی ۵۹۲ھ) فتاوی قاضی خاں ہامش الہندیہ ص ۲۷۰ جلد اول طبع ترکی۔

۱۴۔ بدائع الصنائع " ص ۵۷ جلد دوم مطبوعہ بیروت

۱۵۔ " " " " " " "

۱۶۔ محمد امین الشہیر بابن عابدین: ردالمحتار ص ۳۱ جلد دوم۔

۱۷۔ " " " ص ۱۸۴ جلد چہارم

۱۸۔ بدائع الصنائع: ص ۵۸ جلد دوم

۱۹۔ " " " "

۲۰۔ محمد امین الشہیر بابن عابدین: ردالمحتار ص ۱۸۵ جلد چہارم

عالم اسلام کی صورتحال کیسے تبدیل ہو؟

از ڈاکٹر نجم الدین اربکان

عزیزی جاوید احمد اعظمی جن کو جامعۃ الرشاد سے شرف تلمذ حاصل ہے وہ آجکل [illegible] نے مشہور عربی رسالہ المجتمع کے ایک عربی مضمون کا ترجمہ بھیجا جس کا تعلق عالم اسلام سے ہے یہ مضمون ایک ممتاز عالم ڈاکٹر نجم الدین اربکان کا ہے جس سے عالم اسلام کی صورت حال کی پوری عکاسی ہوتی ہے۔ (مرتب)

ہم بیسویں صدی میں زندگی بسر کر رہے ہیں جس میں عالم اسلام میں بیداری کی ایک لہر دوڑ گئی ہے اور وہ نیند سے بیدار ہو کر کروٹیں بدل رہا ہے ہم اس صدی کو چار حصوں یا چار وقفوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

پہلا دور: یہ جنگ و جدال کا زمانہ ہے جو پچیس سالوں پر پھیلا ہوا ہے اس میں ہم دیکھتے ہیں کہ بیسویں صدی کے آغاز میں جب سلطان عبدالحمید نے حجاز ریلوے کی تعمیر کو پایۂ تکمیل تک پہونچایا تو ہم دیکھتے ہیں کہ یورپی ملکوں نے ایک وفد بھیجا تاکہ یہ مشاہدہ کر سکے کہ کیا اس ریلوے لائن کی تعمیر کا کام ہمارے انجنیرز کر رہے ہیں یا ان کے علاوہ دوسرے لوگ ہیں اور صرف ان کو اس میدان میں ہم مسلمانوں کی کامیابیوں کا پتہ چل جانے کے بعد انہوں نے ہمیں ذرہ بھر بھی مہلت نہ دی کہ ہم مزید بڑے کارہائے نمایاں سرانجام دے سکیں، اور انہوں نے عثمانی مملکت پر حملے کے منصوبے بنا لیئے اور انگریز سب سے پہلے ۱۹۰۴ء میں عکا کی بندرگاہ پر اپنے تمام لشکروں اور بحری بیڑوں کے ساتھ لنگر انداز ہو گئے ان کی اس فوجی یلغار کا اصل مقصد یہ تھا کہ وہ اسرائیل کے نام ایک نئے ملک کو قائم کر سکیں تاکہ عالم اسلام کے امن کو تباہ کیا جا سکے اور اس کی ترقی اور سربلندی کی راہ میں روڑے اٹکائے جا سکیں لیکن انگریزوں کا یہ حملہ ناکام ہو گیا کیونکہ عثمانی لشکر جس کی قیادت محمد پاشا کر رہے تھے، نے انگریزی فوجوں کو واپس

سمندر میں ڈھکیل دیا۔

اس فوجی ناکامی کے بعد انگریزوں نے اپنی حکمتِ عملی کو تبدیل کر دیا کیونکہ ان کے دلوں پر عثمانی سلطنت کی دھاک بیٹھ چکی تھی انہوں نے سلطنت عثمانیہ کو اندر سے کھوکھلا کرنے کی حکمتِ عملی کو اپنا لیا ان کی اس پالیسی کے مطابق پہلی ترقی پسند کانفرنس کا انعقاد ۱۹۰۵ء میں سلانیک میں ہوا اور ایک طرف تو اتحاد اور ترقی نامی پارٹی کی بنیاد رکھی گئی اور دوسری طرف جیش الحرکہ یعنی ترقی پسند فوج کو تیار کیا گیا اور سب جانتے ہیں کہ اتحاد و ترقی نامی پارٹی نے سلطنت عثمانیہ کے دور میں اس وقت اقتدار کو اپنے ہاتھ میں لے لیا جب جیش الحرکہ نے سلطان عبدالحمید کو بے بس کر دیا۔ یہ کھیل جو سلطنت عثمانیہ کے اندر کھیلا گیا اور جس کے پیچھے بیرونی سازشیں کارفرما تھیں اور وہ اس کی پشت پناہی کر رہی تھیں اس کا یہ نتیجہ نکلا کہ وہ سلطنت عثمانیہ جو سات صدیوں تک سربلند رہی تھی صرف سات سال سے بھی قلیل عرصے میں بکھر کر چھوٹے چھوٹے اجزاء میں تبدیل ہو گئی۔

پھر اس کے بعد کیا ہوا جو پارٹی برسرِ اقتدار آئی تھی اس کی قیادت یورپ کی ذہنی غلامی میں مبتلا تھی اور اس نے تو اپنا نام اتحاد رکھا ہوا تھا لیکن لیکن اس کو اقتدار ملتے ہی اس نے طرابلس اور لیبیا کو اٹلی والوں کے لئے ایک مرغوب لقمے اور تحفے کے طور پر پیش کر دیا اور صرف یہی نہیں بلکہ اس پارٹی نے بلقانی شہریوں کو جو سلطنت عثمانیہ میں عیسائی عناصر کی نمائندگی کرتے تھے اس بات کی ترغیب دی کہ وہ بھی آزادی حاصل کر لیں۔ اور اس کے ساتھ ہی سلطنت عثمانیہ کی وحدتِ ارضی پاش پاش ہو گئی اور بلقان کی جنگ شروع ہو گئی جس کے بعد طرابلس کی جنگ شروع ہو گئی اور پھر اس کے بعد خود ہماری قوم کو مجبوری و بے کسی کی حالت میں آزادی کی جنگ لڑنا پڑی اور جب ۱۹۲۳ء کا سال آیا تو اس صدی کی پہلی چوتھائی ختم ہونے کو تھی جو تمام کی تمام جنگ و جدال سے لبریز تھی۔

اگر ہم ۱۹۲۳ء سے لیکر ۱۹۲۵ء کے دنیا کے نقشے کو اپنے سامنے رکھیں تو ہم دیکھیں گے کہ پوری اسلامی دنیا میں سے کسی کو بھی آزادی حاصل نہیں تھی سوائے تین

ممالک کے جنہیں ترکی افغانستان، اور سعودی عرب شامل ہیں جہاں تک باقی سے اسلامی ملکوں کا تعلق ہے تو وہ سب کے سب بیرونی استعمار کے زیر تسلط آچکے تھے۔

دوسرا دور:- یہ زمانہ اس صدی کے پچیسویں سال سے شروع ہوتا ہے اور یہ زمانہ اس بیرونی تسلط کے سامنے خود سپردگی اور کسمپرسی کا زمانہ ہے جو کہ کئی ایک غیر ممالک نے اسلامی ممالک پر قائم کر لیا تھا اس زمانے میں بیرونی طاقتوں نے آزاد اسلامی ممالک کے عوام کو اسلام سے برگشتہ کرنے کے لئے تو زیادہ کچھ نہ کیا لیکن انہیں بیرونی طاقتوں نے اپنے زیر دست اسلامی ممالک کے عوام کو پوری طرح اسلام سے دور کر دینے کی کوششیں کیں لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس زمانے میں ہی اسلامی امت نے دوسری جنگ عظیم کے بعد یکے بعد دیگرے آزادی حاصل کرنا شروع کر دی۔

تیسرا دور:- یہ اس صدی کی تیسری چوتھائی ہے اور یہ آزادی حاصل کرنے کا زمانہ ہے دنیائے اسلام کے لئے ہم دوسری جنگ عظیم کے خاتمے کے بعد کے پچیس سال کو اس کے متعدد ممالک کے آزادی کا دور شمار کر سکتے ہیں اور دنیائے اسلام کا ایک ایک ملک آزادی حاصل کرتا گیا تا آنکہ آج دنیا پر تقریباً پچاس آزاد اسلامی ممالک معرض وجود میں آچکے ہیں لیکن اب تک تقریباً پندرہ اسلامی علاقے تسلط واستعمار کے قابو میں ہیں۔

چوتھا دور:- یہ دور اس صدی کی چوتھی چوتھائی ہے اور اس دور کو ہم اخوت وتعاون کا دور کہہ سکتے ہیں۔

اسلامی ممالک کو اقوام متحدہ کی طرز پر ایک عالمی فورم خود تشکیل دینا ہوگی

اور یہ وہ دور ہے جس سے ہم ابھی تک گذر رہے ہیں۔ اب ہم بیسویں صدی کے آخری پچیس سالوں کے دور میں ہیں اور اس دور کا تاریخی اقدام وہ ہے جو سعودی عرب کے فرماں روا شاہ فیصل مرحوم نے ۱۹۶۹ء میں دنیائے اسلام کو ایک وحدت کی شکل

دینے کے لئے رابطہ عالم اسلامی کے قیام کی صورت میں اٹھایا اور جس نے آزادی کے بعد لاہور میں موتمر القمة الاسلامی کا انعقاد کیا اور جیسا کہ ہر ایک پر واضح ہے کہ اس صدی کے ان آخری پچیس سالوں کے دور میں اسلامی ممالک بڑی گرم جوشی سے اپنے تعلقات استوار کر رہے ہیں اور تمام میدانوں میں ایک دوسرے سے تعاون کر رہے ہیں۔ اس ضمن میں ہم دیکھتے ہیں کہ ترکی نے بھی تمام اسلامی ممالک سے بھائی چارے کے تعلقات قائم کر رکھے ہیں اور ان کے ساتھ اپنے تعلقات کو ہمیشہ مضبوط کر رہا ہے اور اللہ کا شکر ہے کہ یہ تدریجی تاریخی عمل اپنی ڈگر پر رواں دواں ہے۔ اگرچہ حکومتیں تبدیل ہوتی رہتی ہیں اور خواہ کوئی حکومت اس میں دلچسپی لے یا نہ لے یہ عمل جاری و ساری ہے اور تعلقات میں ترقی کے اس عمل سے بالفعل ثمرات حاصل ہونگے اور اس طرح آج عالم اسلامی نے اس سے پہلے ادوار کی نسبت زیادہ وضاحت سے اسلام کی حقیقت کو پہچان لیا ہے اور دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ دنیائے اسلام کے تمام ممالک (باستثنائے چند) آپس میں تعلقات کی بہتری کے لئے سرگرم ہیں اور ہمیں یقین ہے کہ اس نئے دور میں دنیائے اسلام کو چار بنیادی اقدامات سے بہت زیادہ فوائد ہونگے ان چار اقدامات کو ہم مختصراً یہاں بیان کر رہے ہیں۔

اسلامی ممالک کی اپنی اقوام متحدہ کا قیام

موجودہ طور پر قائم شدہ اقوام متحدہ کی سب سے پہلی قرار داد وہ تھی جس کے مطابق اسرائیل قائم ہوگیا۔ یہ وہ اقوام متحدہ ہے جس نے اپنے کام کے آغاز ہی میں لاکھوں مسلمان فلسطینیوں کو انکے گھروں اور انکے کھیتوں سے محروم کردیا اور انہیں بے گھر بنا کر ان کی جگہ مختلف مقامات سے لاکر بیرونی لوگوں کو آباد کر دیا اور ان اجنبی کو عین عالم اسلام کے درمیان میں فلسطینیوں کی جگہ لاکر اس طرح بسایا کہ وہ پورے عالم اسلامی کے لئے اضطراب و بے چینی کا سبب بن گئے۔

اس اقوام متحدہ نے گذشتہ ۳۷ سال میں ہمیشہ دنیائے اسلام کے مسائل کے حل کے خلاف صیہونی منصوبوں کا ساتھ دیا ہے۔ اسی پر بس نہیں کیا بلکہ اس نے

فلسطینیوں سے خود ارادیت پر آج تک ایک مرتبہ بھی بحث نہیں کیا۔

اگر اسرائیل کا کوئی بھی مفاد ہو اگرچہ وہ تھوڑا ہی ہو پھر بھی سلامتی کونسل جیسے ادارے اپنے اجلاس منعقد کرنے میں ذرہ برابر بھی پس وپیش نہیں کرتے خواہ آدھی رات کا وقت ہی کیوں نہ ہو۔ موجودہ اقوام متحدہ میں پانچ ایسی غیر مسلم حکومتیں شامل ہیں جنکے پاس "ویٹو" کا حق موجود ہے اور اس کی وجہ سے وہ بے شمار مرتبہ ظلم اور عدم مساوات کا مظاہرہ کرتے رہے ہیں اور آج تک اقوام متحدہ جس پالیسی پر کاربند رہی ہے یہ عالمی صیہونی خواہشوں کے عین مطابق ہے اور اسلامی ممالک کے لئے یہاں صرف دوٹنگ کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہے اس لئے دنیائے اسلام کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے لئے ایک خصوصی اقوام متحدہ تشکیل دے۔

اسلامی ممالک کو چاہئے کہ وہ اپنے باہمی معاملات اور عالمی معاملات کو تعاون واخوت کی فضا میں رکھیں تاکہ بین الاقوامی مسائل میں بھی حق وصداقت کا بول بالا ہو۔

تمام اسلامی ممالک کو چاہئے کہ وہ اس طرح یکجان ہو کر قدم آگے بڑھائیں جس طرح ایک جسم میں ایک دل دھڑک رہا ہوتا ہے۔

اسلامی مشترکہ منڈی کا قیام اور اسلامی دینار میں لین دین

دنیا کے بیشتر ملک ڈالر کو اپنی کرنسی کے لین دین کے لئے استعمال کرتے ہیں اور ایک ڈالر ایک کاغذ پر چھاپ کر ۶۰۰ (چھ سو ملین) کی تعداد میں امریکہ سے باہر بھیج دیا جاتا ہے اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ کو کاغذ کے ان پرزوں (ڈالروں) کے عوض پٹرول اور دوسرا خام مال حاصل ہوتا ہے امریکہ کو یہ فائدہ اس کے خون پسینے کی کمائی نہیں ہے بلکہ یہ دوسرے ملکوں کی رقوم کے بدلے میں ہوتا ہے" دوسری طرف امریکہ بازار میں پھیلائے ہوئے ان ڈالروں کو دوبارہ مختلف قسم کے حصص یا سندات کے بدلے میں واپس حاصل کر لیتا ہے تاکہ اس رقم کو دوبارہ استعمال میں لا سکے اور یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہتا ہے اور ایک اندازے کے مطابق دنیا کے غریب ممالک ہر سال امریکہ

کو ان غیر محسوس طریقوں سے تین سو ملین ڈالر کی رقم امداد مہیا کرتے ہیں چونکہ امریکہ
پٹرول بھی اپنے ڈالر کے عوض حاصل کرتا ہے اس لئے پٹرول کی وہ مقدار جس کی قیمت
اٹھارہ ڈالر ہو اس کے لئے امریکہ نہایت سہولت و آسانی سے پینتیس ۳۵ ڈالر ادا کر سکتا ہے۔

لیکن اس طرح وہ دوسرے ممالک جو اپنے گاڑھے خون پسینے کی کمائی ہوئی دولت
میں سے مجبوراً پینتیس ۳۵ ڈالر ادا کر کے تیل خریدتے ہیں ان کو اس کے لئے بہت زیادہ تگ
و دو کرنی پڑتی ہے اور خود مغربی دنیا نے بھی ان ممکنہ مشکلات کے بارے میں بھی نہیں سوچا
تھا اور اب جیسا کہ سب کو معلوم ہے کہ یورپی مشترکہ برادری کے رکن ممالک بھی مشترکہ
کرنسی یونٹ کو اپنا کر ڈالر کے دائرہ اثر سے نکلنا چاہتے ہیں اور کوشش کر رہے ہیں کہ اس مشترکہ
نئے کرنسی یونٹ پر کسی دوسری کرنسی کو تفوق حاصل نہ ہو لیکن جہاں تک اسلامی ممالک
میں اس تفوق کا تعلق ہے تو ان ممالک میں تو یہ بالفعل زیادہ شدت سے موجود ہے۔

اور ان حالات میں جب کہ مغربی ممالک بھی اس تجربے کو برداشت نہیں کر سکتے تو
مسلمان ملکوں کے لئے بھی اسی میں مصلحت و فائدہ ہے کہ وہ اس صورتِ حال کو تبدیل
کر دیں جو دنیائے اسلام کی ترقی کی راہ میں بڑی رکاوٹ بنی ہوئی ہے۔

اس ضمن میں ممالک اسلامیہ کو چاہئے کہ وہ اپنے درمیان مشترکہ کرنسی یونٹ کو
اپنانے میں جلدی کریں اور جب یہ کرنسی تمام اسلامی ممالک کے درمیان مشترک ہو گی
تو اس کی قیمت کو برقرار رکھنے کے لئے باہمی یکجہتی کو بھی لازماً فائدہ پہونچے گا۔ اور اگر یہ ہو جائے
تو پھر ہمارے حاجیوں کو حجاز مقدس میں قیام کے دوران یا سفرِ حج کے دوران کسی دوسری
غیر ملکی کرنسی میں زرِ مبادلہ حاصل کرنے کی ضرورت نہیں رہے گی اور اس سے اتنے زیادہ
فوائد حاصل ہوں گے جو شمار نہیں کئے جا سکتے ہیں کرنسی کی اہمیت سے صرفِ نظر نہیں کرنا
چاہئے کیونکہ یہ بھی حق کے پیمانوں میں سے ایک پیمانہ ہے اور اگر ہم حق کو ثابت کرنا چاہتے
ہوں تو ضروری ہے کہ ہمارے پاس صحیح کرنسی ہو اور کھوٹے سکے نہ ہوں۔

اسلامی ممالک کی مشترکہ دفاعی تنظیم کا قیام

مغربی ممالک نے اپنے مشترکہ دفاع کی غرض سے دو مشترکہ تنظیمیں قائم کر رکھی

ہیں وہ معاہدۂ شمالی اوقیانوس، ناٹو اور وارسا پیکٹ" کے نام سے مشہور ہیں۔
آج مغربی ممالک اپنی مشینی مصنوعات کی قیمتوں میں بہت تھوڑے تھوڑے وقفوں سے بہت زیادہ اضافہ کرتے رہتے ہیں تاکہ اپنے ملکوں کے عوام کی فلاح وبہبود کرسکیں اور اگر اسلامی ممالک بھی ان جیسی کسی تنظیم کی بنیاد رکھ کر اور اس معاملے میں کسی قسم کے اپنے ذاتی دفاع کیلئے پٹرول کی قیمتوں میں اضافہ کرنے کا ارادہ ظاہر کریں تو اگرچہ یہ ان ممالک کا حق ہے تب بھی بہت جلد کھل کر سامنے آجائے گا کہ ان اسلامی ملکوں کو یوروپی ممالک سے کتنی بڑی مخالفت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

۱۹۸۲ء میں یہ خبر آئی تھی کہ امریکہ نے ایک فوج تیار کی ہے جس میں ایک لاکھ افراد شامل ہیں اور جن کا کام یہ ہے کہ جب امریکہ اس بات کی ضرورت محسوس کرے تو وہ اسلامی ملکوں میں داخل ہوجائیں اور وہ فوجی خلیج کی جنگ میں داخل بھی ہوگئے اس وقت کویت میں پچاس ہزار امریکی فوج ڈیرہ جمائے ہوئے ہے اور اس کا خرچ کویت برداشت کررہا ہے جب کہ وہ فوج کویت کی حفاظت نہیں بلکہ اسرائیل کی حفاظت کے لئے قیام پذیر ہے اور انکو اگر امریکہ کی طرف سے ذرا بھی اشارہ ملا تو وہ اسلامی ممالک میں ہی قتل عام شروع کردیں گے جیسا کہ بوسنیا میں سرب کررہے ہیں اور اقوام متحدہ کے قانون پر جوں نہیں رینگتی اور تھوڑی سی امداد جس میں خنزیر کا گوشت بھی شامل ہوتا ہے جب فائٹروں سے مظلوم بوسنیائیوں کے لئے گرایا جاتا ہے تو وہ سربوں کے علاقے میں گرتے ہیں اتفاق ہے یا بھوک سے تڑپ کر مرنے کے لئے چھوڑ دینا۔

اب اگر بوسنیا کی طرح اسلامی ممالک پر بھی بیک وقت یلغار کردی جائے تو کیا اسلامی ممالک صرف تماشائی بن کر کھڑے رہیں گے؟ کیا ان ممالک کو کسی حملے کی صورت میں اپنی حفاظت اور دفاع کی ضرورت نہیں ہے؟ کیا بوسنیا کے مسلمانوں کی فوجی امداد ضروری نہیں ہے؟

اس لئے اسلامی ممالک کے لئے ضروری ہے کہ وہ جلد از جلد اپنے درمیان ایک مشترکہ دفاعی تنظیم قائم کرلیں۔

ربط وتعاون کا قیام اسلامی یونیورسٹیاں وقت کے ساتھ ساتھ ترقی کر رہی ہیں اور ترقی کے مختلف میدانوں میں اپنی سرگرمیوں کو نمایاں کر رہی ہیں ان یونیورسٹیوں کے پاس اپنے تجربہ کار اور ماہرین علوم موجود ہیں جن کی تعداد دن بدن زیادہ ہو رہی ہے ضرورت اس بات کی ہے کہ اس تمام تحقیق اور وسائل کو اس رخ پر ڈالا جائے جس سے دنیائے اسلام کے تمام افراد بہرہ مند ہوسکیں۔ اس لئے ضرورت ہے کہ ایک مستقل تنظیم کے ذریعے جس کے ذمہ صرف یہ کام لگایا جائے عالم اسلام کے مختلف حصوں میں موجود یونیورسٹیوں کے درمیان ربط وتعاون پیدا کیا جائے۔

ہم خدائے بزرگ وبرتر سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہماری قوم، تمام ملت اسلامیہ اور تمام بنی نوع انسان کو راہ حق وصداقت کی پہچان کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں اپنے فضل وکرم سے سیدھی راہ پر چلنے کی توفیق دے۔ آمین۔

حضرت اس پر آشوب وقت میں آپ کی اور برادر ڈاکٹر عبد اللہ عمار کی سرگرمیاں ناقابل فراموش ہیں اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کو اور بھی دین کی خدمت کے مواقع فراہم کرے۔

آپ کی سب سے بڑی محنت کا پھل جامعۃ الرشاد کی شکل میں شہرۂ آفاق پر رونق افروز ہے جہاں قرآن وحدیث، فقہ ومنطق کے ایسے درس دیئے جاتے ہیں کہ ہندوستان کے چند مدارس کو چھوڑ کر اس کا مقابلہ ناممکن ہے۔

حضرت میری آپ سے ایک درخواست تھی کہ جامعہ میں اگر ایک دو چیزوں کا اضافہ کر دیا جائے تو جامعہ اپنی شہرت کا محتاج نہیں پھر بھی ایک اور میدان کے مجاہد تیار ہوسکتے ہیں۔

آج ہر جگہ انگریزی سائنس اور کمپیوٹر کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ کمپیوٹر کی کتابت کی طرح اور ٹائم کر کے انگریزی کا ایک بہترین نصاب اور سائنس بھی نصاب میں داخل کر لیتے تو سونے پہ سہاگہ ہو جاتا اور میں اس مضمون کو اس امید پر ارسال خدمت کر رہا ہوں کہ آپ اہل علم حضرات کو اس پر دعوت فکر وعمل دیں گے اور اگر کہیں کوئی کام

اسلامی فقہ کے بارے میں

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب مدظلہ کی رائے گرامی

فقہ اسلامی کا مسلمانوں کی زندگی کے ساتھ چولی دامن جیسا تعلق ہے مہد سے لحد تک پیدائش سے موت تک عبادات سے معاملات تک خاندانی زندگی سے بین الاقوامی تعلقات تک کون سا ایسا گوشہ ہے جو فقہ اسلامی کی رہنمائی کا محتاج نہ ہو شادی بیاہ ازدواجی تعلقات بچہ جو ماں کے پیٹ میں ہے بچہ جو ماں کی گود میں ہے بچہ جو مدرسوں اور اسکولوں میں ہے جوان رعنا جو شباب کے مرحلہ سے گذر رہا ہے وہ ادھیڑ عمر شخص جو گھر اور باہر خاندان اور محلہ اور اپنے سماج اور ملک کا ذمہ دار شہری ہے بازار میں کاروبار صنعتگاہوں میں دستکاری میں، مزدوروں کو مالک کو ان سب کو شریعت کی رہنمائی کی ضرورت ہے اپنے رب کے سامنے سربسجود ہونے والا بندۂ عاجز نمازی نفس کی طہارت کے لئے روزہ رکھنے والا روزہ دار مال کی پاکیزگی کے لئے زکوٰۃ ادا کرنے والا مسلمان جذبۂ عشق سے سرمست خانۂ خدا کا زائر یہ سبھی خدائی رضا کے طالب پوچھتے ہیں کہ ان سب کاموں کو انجام دینے کے لئے اللہ نے کیا قانون وضابطے مقرر کئے ہیں؟ اور اس کے حقوق واختیارات کیا ہیں اور کس کے کیا فرائض وحقوق ہیں؟ ان سب کا جواب فقہ اسلامی فراہم کرتی ہے۔

فقہ کے موضوع پر بہت سے مختصر اور طویل کتابیں لکھی گئیں عام بھی اور خاص بھی ایسی کتابیں بھی جنکا موضوع چند خاص فقہی ابواب ہے مثلاً محض عبادات یا پھر معاملات بعض کتابیں تمام ابواب فقہ پر لکھی گئیں لیکن زیادہ تر یہ کتابیں عربی زبان میں لکھی گئیں پھر جب فارسی کا رواج ہوا تو کچھ کتابیں یا تو عربی سے فارسی میں ترجمہ کی گئیں یا براہ راست فارسی میں لکھی گئیں متاخرین کے زمانہ میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "مالابد منہ" عبادات کے موضوع پر مفید اور مستند کتاب کی حیثیت سے آج بھی

معروف ہے اور مدارس میں داخل نصاب ہے جب علماء نے محسوس کیا کہ فارسی کا رواج عوام میں کم ہوتا جارہا ہے تو اپنے اپنے زمانے میں انہوں نے اردو میں بھی فقہ کے موضوعات پر کتابیں لکھیں مثلاً مولانا کرامت علی جونپوری رحمۃ اللہ علیہ کی مفتاح الجنۃ اور مولانا سخاوت علی رحمۃ اللہ کی راہ نجات وغیرہ ایک زمانہ میں گھر گھر پڑھی جاتی تھیں۔ کچھ رسالے بچوں کو تعلیم دینے کے لئے لکھے گئے جیسے مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "تعلیم الاسلام" اور سب سے جامع ترین کتاب حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی "بہشتی زیور" ہر مسلمان کے گھر تک پہونچی اور اس طرح لکھی گئی کہ خواتین بھی اس سے استفادہ کرسکیں، اور مستند ایسی کہ علماء کو اگر کسی مسئلہ کی تحقیق مطلوب ہو اور دیہاتوں میں کوئی فقہی کتاب میسر نہ ہو تو بہشتی زیور مکمل و مدلل منگوا کر مسئلہ کی تحقیق کرکے اطمینان قلب کے ساتھ پوچھنے والے کو شرعی مسئلہ بتا سکتے ہیں ان کے علاوہ اور بہت سے علماء نے مختصر اور مطول کتابیں لکھی ہیں مثلاً بہار شریعت وغیرہ ۵۶-۱۹۵۵ء میں مجھے حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "علم الفقہ" پڑھانے کا موقع ملا تو اس کتاب کی افادیت کا قائل ہوا اور ساتھ ہی ساتھ اس کی ضرورت کا شدید احساس ہوا کہ فقہ کے تمام ابواب پر ایک جامع کتاب ایسی آسان اردو زبان میں لکھی جائے جسے ہر شخص سمجھ سکے اور جو صد درجہ مستند اور بڑی حد تک جزئیات پر حاوی ہو جو ایک ضابطۂ عمل کی حیثیت سے ہر مسلمان کے گھر میں موجود ہو۔

میں اپنی خوشی اور مسرت کے اظہار کے لئے الفاظ نہیں پاتا کہ یہ اہم کام اللہ تعالیٰ نے ہمارے بزرگ حضرت مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب سے لیا مولانا محترم اپنے وقت کے ذہین طلبہ میں رہے ہیں اور فراغت کے بعد انہیں علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ جیسی شخصیت کی فیض رساں صحبت ملی جس نے انہیں علم و تحقیق کا ذوق دیا اور فقہ سے مناسبت کے لئے یہ کافی تھا کہ انہیں اپنے وقت کے بڑے فقیہ مولانا شبلی فقیہ[1] سے شرف تلمذ حاصل ہوا یہی وجہ تھی کہ سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ دارالمصنفین

---

[1] ندوہ سے متعلق تین شبلی رہے ہیں ایک علامہ شبلی نعمانی دوسرے مولانا شبلی متکلم تیسرے فقیہ

بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

کے دوران قیام مولانا سے فتویٰ کا کام بھی لیتے تھے۔

علامہ مناظر حسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں مولانا عبدالباری ندوی نے کہیں لکھا ہے کہ مولانا گیلانی نے تعلیم تو دیوبند میں پائی ہے مگر مزاج انکا ندوی تھا میں جب محترم مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب کو دیکھتا ہوں تو محسوس کرتا ہوں کہ انہوں نے تعلیم تو ندوہ میں پائی ہے مگر ذہن اور فقہی معاملات میں انکا تعلق ان کی نسبت دیوبند سے جوڑتا ہے جس پر اسلامی فقہ کے علاوہ ان کی متعدد دوسری تحقیقی کتابیں شاہد ہیں مثلاً فقہ اسلامی اور دور جدید کے مسائل، اجتہاد و تبدیلی احکام، فتاویٰ عالمگیر اور اس کے مولفین وغیرہ اہل علم سے خراج تحسین وصول کر چکی ہیں۔

بہرحال مولانا کی کتاب "اسلامی فقہ" جس کے ایک خاصے حصہ کا میں نے خود مطالعہ کیا ہے میرے نزدیک اردو زبان میں فقہ اسلامی کی ایسی کتاب ہے جو انسانی زندگی کے تقریباً تمام احکام پر حاوی ہے۔ دوسری طرف ایسی آسان تعبیر اور خوبصورت ترتیب کے ساتھ سامنے آتی ہے جسے ہم مسلمانوں کے لئے ایک قیمتی تحفہ قرار دے سکتے ہیں ابتدا میں ایمان و عقیدہ کے بیان کا اضافہ بھی ایک خاصے کی چیز ہے۔ توحید۔ آخرت اور رسالت کے اثبات میں جو طرز تعبیر اور طریقۂ استدلال اور فکر انگیز طرز بیان موصوف نے اختیار کیا ہے وہ بجائے خود ایک مستقل رسالہ کی افادیت رکھتا ہے۔

یہ کتاب عام لوگوں کے لئے پڑھے لکھے جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے لیے خود طلبہ اور علماء کیلئے بھی انتہائی مفید ہے اسے ہر کتب خانہ ہی میں نہیں بلکہ ہر گھر میں رکھنے اور ہر مدرسہ میں داخل نصاب کرنے کی سفارش کی جانی چاہیے۔

میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مصنف کو اس عمل کا اجر جزیل عطا فرمائے اور مستفیدین کو اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ پہونچائے۔ (آمین)

پچھلے صفحہ کا حاشیہ

مولانا شبلی جیراجپوری جو فقیہ عصر حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے، اس تحریر میں آخرالذکر شبلی فقیہ کا ذکر ہے۔

الرّشاد کی ڈاک

محترم مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب — السلام علیکم

قرآن مجید اور غیر عربی رسم الخط

ایک ضرورت سے آپ کا ایک پرانا شمارہ ہاتھ میں لیا تو عنوان بالا پر اس میں محترم نیاز قومی صاحب کا ایک اہم مضمون نظر آیا جسے مکرر غور سے پڑھا میں نے ننو کمار اوستھی صاحب کا شائع کردہ "قرآن شریف ہندی" تو اب تک نہیں دیکھا ہے لیکن چند باتیں نیاز قومی صاحب سے عرض کرنے کو جی چاہتا ہے، مناسب ہو تو چھاپ دیں۔

(۱) وہ مضمون کے صفحہ (۳۹) پر تحریر فرماتے ہیں کہ "البتہ محمد مارمڈوک پکتھال کے انگریزی ترجمۂ قرآن میں اس امر کا لحاظ رکھا گیا ہے" (کہ انگریزی اور عربی دونوں متنوں کے ایک ساتھ ہونے کے باوجود صفحے دائیں سے بائیں چلتے ہیں) یہاں تفصیل نہیں ہے کہ آیا یہ حیدرآباد دکن کے اڈیشن میں ہے یا کسی اور میں؟ اور تاریخ بھی نہیں ہے۔

(۲) یہ بیان مفید ہوگا کہ محمد عبدالحلیم الیاسی صاحب نے ۱۹۷۹ء میں حیدرآباد دکن میں پکتھال مرحوم ہی کے ترجمۂ قرآن مجید کے ساتھ اصل عربی متن کو لاطینی خط میں لکھ کر شائع کیا ہے یہ چند اوراق بطور نمونہ چھپے تھے۔ پھر سارا قرآن مجید اسی طرح چھپ چکا گو دامیرکا میں ۱۹۷۸ء اور مکرر ۱۹۸۴ء میں چھپوایا ہے کہ اصل اور ترجمہ دونوں لاطینی خط میں ہیں۔

(۳) یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ میرا اپنا فرانسیسی ترجمہ قرآن مجید جو پہلی بار اکتوبر ۱۹۵۹ء میں اور دوسری بار اسی سال نومبر ۱۹۵۹ء میں چھپا وہ یک لسانی تھا۔ دو لسانی اشاعت ۱۹۶۳ء میں ایک مسلمان دوست نے کی مگر حسب "معمول" صفحے بائیں سے دائیں چلتے ہیں ایک صفحے پر ترجمہ اور مقابل کے صفحے پر عربی متن۔ مگر جب ۱۹۸۵ء میں اس کا تیرھواں اڈیشن ایک امیر کی دوست نے چھپوایا تو میں نے صفحے دائیں سے بائیں چلائے یعنی عربی متن ہی نہیں، فرانسیسی ترجمہ بھی دائیں سے بائیں چلتا رہا۔ اب ۱۹۹۳ء میں الحمدللہ ترجمے کا بیسواں اڈیشن مطبع میں ہے اور دائیں سے بائیں ہی چل رہا ہے اور میں عربی کو لاطینی خط میں لکھنے کا مخالف ہوں اس لئے عربی متن عربی خط ہی میں ہے۔

(۴) یہاں ایک نومسلم فرانسیسی بہن ہیں۔ کچھ عربی بھی سیکھ لی ہے، میرے کہنے سے انہوں نے ایک رسالہ شائع کیا ہے جس میں "عورت" کے متعلق چالیس احادیث نبویہ کو شائع کیا ہے۔ اس میں عربی متن ہی نہیں، فرانسیسی ترجمہ بھی عربی خط میں لکھ کر شامل کیا ہے میرے پاس وسائل نہیں ورنہ میں پورا قرآن مجید پورے فرانسیسی ترجمے کے ساتھ اس طرح شائع کروں کہ فرانسیسی زبان بھی عربی خط میں رہے (جیسا مذکورہ عورت کے متعلق اربعین حدیث میں ترجمہ فرانسیسی بھی عربی خط میں ہے) اس کا نام ہے "کارانت حدیث ادسوٹرے دلا فام" یہ شمالی افریقہ کے مسلمانوں کے لئے کارآمد ہوگا۔ انشاء اللہ۔ فقط

(محترم ڈاکٹر) (محمد حمید اللہ (صاحب مدظلہ)
(پیرس)

محترم المقام جناب حضرت مولانا مجیب اللہ صاحب ندوی مدظلہ العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

کل ایک صاحب کے یہاں اپریل کا شمارہ الرشاد ملا اور گاہے بگاہے ان کے یہاں مل جاتا ہے بہرحال اس میں آپ کا اداریہ (جو درحقیقت ایک تاریخی شئی ہے) پڑھا اور پھر آپ ملّت اسلامیہ کے لئے جو کام کر رہے ہیں اور ملی کونسل کے ذریعہ ملت کے شیرازہ کو متحد کر کے جو حفاظت دین کی طرف قدم بڑھا رہے ہیں آپ کی اس عمر میں اس سعی پر دل سے دعائیں نکلیں اللہ پاک آپ کو حوصلہ اور قوت عنایت فرمائے اسوقت کرنے کا کام یہی ہے اور علاوہ ازیں آپ نے چند لوگوں کو جو مشورہ دیا ہے کہ وہ بیجا تنقید سے اپنے کو دور رکھیں یہ ایک مفید مشورہ ہے وہ بروقت ہے کاش وہ حضرات اس کی طرف توجہ کر سکیں" دوسرے کچھ توجہ کر سکتے ہیں لیکن خاں صاحب اور انجم صاحب کے گلے میں شاید نہ اترے

عبدالغفار عفرلہ چوڑی والان جامع مسجد دہلی۔ ۶

قبلہ محترم جناب مجیب اللہ صاحب ندوی

السلام علیکم

عرض یہ ہے کہ میں آپ کا رسالہ الرشاد قریب ۴ سال سے پڑھتا ہوں اور رسالہ کا خریدار ہوں اور اپنے ملنے والوں کو بھی خریدار بنایا آپ کے سفیر جو آتے ہیں انکے سامنے خریدار بنوئے تھے۔ میں آپ سے بے حد متاثر ہوں آپ جیسا بے باک نڈر عالم میری نظر میں اس وقت کوئی بھی نہیں ہے ہیں آپ کا اداریہ پڑھ کر بہت سکون ہوتا ہے اور اپنی دوکان پر تما لوگوں کو سناتا ہوں اور کہتا ہوں کہ صرف ۱۰ عالم پورے ہندوستان میں نکل کر آجائیں تو بہت کچھ ہو سکتا ہے جو اللہ پاک نے ہمکو قرآن پاک میں بتایا ہے کہ نظام کفر میں مسلمان نہیں رہ سکتا ہے۔ باقی عرض یہ ہے کہ میں سلائی کی دوکان چلاتا ہوں بہت کم صرف درجہ پانچ تک پڑھا ہوں اس لئے معافی چاہتا ہوں کہ لکھنے میں کوئی کمی رہ گئی ہو تو آپ معاف کریں۔

میں نے قرآن پاک کو خاص کر ان آیتوں کو خوب پڑھا ہے مگر کہیں سے نہیں کہ تین بار طلاق۔ طلاق طلاق کہہ دینے سے طلاق ہو جائے گی۔ اللہ پاک سے دعا کرتا ہوں کہ ایک بار آپ کی زیارت نصیب ہو جائے تو مجھے سکون مل جائے۔ میں بہت پریشان رہتا ہوں کہ ہمارے بچے جو اس ملک میں جوان ہو رہے ہیں ان کا کیا ہوگا آپ ایسے لوگ اب نہیں نظر آتے ہیں۔ آنے والی نسل کا کیا ہوگا۔ اللہ پاک آپ کو لمبی عمر عطا فرمائے۔

فقط آپ کا غلام

نیشنل ٹیلرس محمد اسمٰعیل ٹیلر مولانا حسرت موہانی روڈ کانپور

ذی احتشام حضرت مولانا مجیب اللہ صاحب زیدت حسناتکم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

بعد از تحیہ مسنونہ

عرصۂ دراز سے آپ کا رسالہ "الرشاد" بنام مدرسہ رحمانیہ شیر کوٹ جاری ہے سفر و حضر میں مطالعہ کر لیتا ہوں مضامین میں سشتگی، جرأت مندی ہوشمندی زیرکی درد ملت کی عکاسی معنی خیزی لائق صد تحسین ہے۔ ؏ خدا کرے زور قلم اور زیادہ۔

مدرسہ ہذا کے مہتمم برادر خورد الحاج مولوی محمد محفوظ الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ ان کا امسال حج بیت اللہ

سے واپسی میں بمبئی ریلوے اسٹیشن پر مورخہ ۲۰ ر ذی الحجہ سنہ ۱۴۱۳ھ ۱۲ ر جون سنہ ۱۹۹۳ء بروز ہفتہ حرکت قلب بند ہو جانے کی وجہ سے انتقال ہوگیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُون مرحوم و مغفور نے پسماندگان میں ایک معمر ضعیفہ والدہ اور ۳ لڑکے ۳ لڑکیاں ایک بیوہ اور ۳ بھائی چھوڑے ہیں آپ سے مرحوم کے لئے دعاء مغفرت کی درخواست ہے۔

نوٹ:۔ افسوس ہے کہ مولانا مرحوم کے بارے میں مولانا شریف الحسن صاحب کے تاثرات کو ہم شائع نہیں کر پا رہے ہیں انشاء اللہ اس خط سے اس کی کچھ تلافی ہو جائے گی، مولانا کی خدمات دینی کو اللہ تعالیٰ قبول فرمائے ۔ ہم بصدق دل انکے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں۔

فقط والسلام ———— مولانا شریف الحسن غفرلہٗ

مخدوم مکرم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

"اہل دل کی باتیں" نظر نواز ہوئی۔ تو "صحبتے با اہل دل" کی یاد دلا گئی۔

کتاب باذوق قارئین کے لئے دوائے درد دل کا کام کرےگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

کتاب میں اصلاحات غالب کے عنوان سے ایک شعر

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام ٭ وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

غالب کے اشعار کے ضمن میں آگیا ہے۔ حالانکہ اس کے شاعر اکبر الہ آبادی ہیں۔

اگلے ایڈیشن میں اس کی تصحیح فرما دیں۔ کیا ہی اچھا ہوتا اگر کتاب میں ایک باب حضرت مولانا مرحوم کی مختصر سوانح حیات پر ہوتا۔

اگر ممکن ہو تو اس کا بھی اضافہ فرما دیں۔ ویسے کتاب کا نام "اہل دل کی باتیں" اسکے اختصار کے لئے کافی ہے۔

امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔ والسلام

آزاد ضمیر مگہری

نئی کتابیں

مسائل سود از مولانا عبداللہ خاں عزیزی صفحات ۲۰۰ کتابت وطباعت عمدہ قیمت درج نہیں ملنے کا پتہ دارالعلوم علیمیہ جمداشاہی ضلع بستی

جیساکہ نام سے ظاہر ہے اس میں سود کے مختلف پہلوؤں پر قرآن پاک حدیث نبوی اور فقہائے کرام کے اقوال کے ساتھ زیادہ تر حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ رضویہ کی روشنی میں گفتگو کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ کتاب کو چھ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے پہلے باب میں مرتب نے سود کی حرمت کے چار ادوار قائم کرکے آیات قرآنی کی روشنی میں ان کی تفصیل کی ہے۔

دوسرے باب میں ان احادیث کو نقل کیا ہے جن سے سود کی حرمت یا مذمت ثابت ہوتی ہے۔ تیسرے باب میں ربوٰ کی لغوی اور شرعی تعریف اور اس کے اقسام خاص طور پر ربوالنسیہ اور ربوٰ الفضل پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ چوتھے باب میں بینکاری پر بحث ہے۔ پانچویں باب میں بیوع فاسدہ کا بیان ہے، چھٹے باب میں سود وصدقہ کے مختلف مسائل کا ذکر ہے۔

ابتدائی دو تین ابواب کے بعد مصنف نے جو کچھ لکھا ہے اس کا مآخذ زیادہ تر فتاویٰ رضویہ ہے اس کے پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحبؒ سود وقمار کی کسی بھی صورت کو جائز نہیں سمجھتے تھے مصنف کو جہاں انکے فتاوے میں کچھ تضاد محسوس ہوتا ہے انہوں نے اس کی توجیہ وتطبیق کی کوشش کی ہے خاص طور پر ربوالنسیہ اور ربوٰ الفضل پر اچھی تحقیقی بحث کی ہے۔ مگر افسوس ہے کہ بعض علماء ہندوستان کو شاید دارالحرب قرار دیکر سود وقمار کی بہت سی صورتوں کو جائز قرار دینے لگے ہیں۔

مصنف کی کوشش ہر طرح قابل ستائش ہے مگر سود کے موضوع پر اس سے پہلے متعدد تحقیقی کتابیں شائع ہو چکی ہیں جنمیں کافی فکری مواد ملتا ہے۔ اگر اس کا مطالعہ بھی مصنف نے کرلیا

ہوتا تو فکری حیثیت سے اس کی افادیت میں مزید اضافہ ہو جاتا موجودہ دور میں سود و قمار کی جو نئی نئی صورتیں پیدا ہو گئی ہیں ان کے سمجھنے اور ان کے احکام معلوم کرنے میں یقیناً یہ کتاب مفید ثابت ہوگی۔ اور اس سلسلہ کے بہت سے مسائل بھی ذہن میں تازہ ہو جائیں گے۔

راستے کی تلاش

از مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی صفحات ۲۱۲ کتابت وطباعت اعلیٰ
ناشر:۔ الفرقان بک ڈپو ۱۱۴/۳۱ نظیر آباد لکھنؤ قیمت ۴۵ روپے۔

مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی ایک مدت تک الفرقان کی ادارت کے ذمہ دار رہے ہیں اس مدت میں انہوں نے ہندوستان اور دنیا کے مسلمانوں کے مسائل پر بے شمار فکر انگیز اداریے لکھے تھے اس مجموعہ میں انہیں میں سے منتخب کر کے ۲۰-۲۱ اداریوں کو اس مجموعہ میں شامل کیا ہے ان اداریوں سے حالات کی عکاسی اور ان کا تجزیہ بھی ملتا ہے اور ان حالات سے نبرد آزما ہونے کی ہلکی پھلکی تدبیروں کا بھی ذکر ہے۔ بہرحال ان کے پڑھنے سے آزادی کے بعد یعنی ۱۹۴۷ء سے ۱۹۷۱ء تک کی مسلمانوں کی خونچکاں تاریخ کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے نہ جانے کیوں مصنف نے اداریوں کے حوالے کے لئے صرف الفرقان کی جلد نمبروں اور شمارہ نمبروں کا ذکر کافی سمجھا ہے درمیان میں بھی ہر جگہ مہینہ کا ذکر کیا ہے مگر سن کا نہیں۔ یہ ایک تاریخی دستاویز ہے اس لئے اس میں ہر اداریے کے ساتھ مہینے اور سال کا ذکر بہت ضروری ہے۔

خدا کرے ہم اسے ایک داستان غم کے طور پر نہیں بلکہ ان میں جن جن اپنی داخلی کمیوں کی نشاندھی کی گئی ہے اسے ہم صدق دل سے قبول کرتے ہوئے انہیں دور کرنے کی کوشش کریں۔

اہم

۱:۔ گرانی اتنی تیزی سے پیچھا کر رہی کہ مجبوراً ہم کو الرشاد کا سالانہ زر تعاون پچاس۵۰ کے بجائے ساٹھ۶۰ کرنا پڑ رہا ہے ناظرین سے گزارش ہے کہ وہ اسے ضرور قبول کریں گے۔

۲:۔ الرشاد کے جلد نمبر اور شمارہ نمبر میں کئی سال سے غلطی چلی آرہی تھی اب درست کر دی گئی ہے ناظرین اپنی جلدوں میں بھی درست کرلیں۔

۳:۔ براہ کرم آپ حضرات الرشاد کے نمائندے کے پہنچنے کا انتظار نہ کریں اپنا چندہ منی آرڈر سے روانہ کر دیں۔ (۴) خط لکھتے وقت نمبر خریداری کا ذکر ضرور کریں۔

محترم مرتب الرشاد مدظلہ کی وہ قابل قدر علمی و دینی تصانیف

جو دار التالیف والترجمہ جامعہ الرشاد یا دوسرے مکتبوں سے شائع ہوئی ہیں

۱۔ اسلامی فقہ اول دوم

محترم مولانا مجیب اللہ ندوی کی تصنیف کردہ اسلامی فقہ کو بحمد اللہ ملک میں قبول عام حاصل ہے اس کی مقبولیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اب تک اس کے سات ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ مصنف موصوف نے اس میں غیر معمولی اضافہ کر دیا ہے خاص طور پر معاشرتی و معاملاتی مسائل والے حصہ میں سیکڑوں جدید مسائل مثلاً خون چڑھانا، پوسٹ مارٹم، نسبندی اور نلکی زادہ انسانی اعضا کی پیوندکاری وغیرہ کے احکام کا اضافہ کر دیا گیا ہے گویا شریعت اسلامی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جس پر اس کتاب میں روشنی نہ پڑ گئی ہو یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا اسلامی فقہ کے موضوع پر اردو زبان میں اس سے زیادہ مفصل کوئی کتاب موجود نہیں ہے تمام اہم مسائل میں ائمہ اربعہ کے مسلک کا متن یا حاشیہ میں ذکر کر دیا گیا ہے تاکہ شریعت اسلامی کی وسعت کا پورا اندازہ ہو سکے اب اس کی ضخامت صفحات سے زیادہ ہو گئی ہے اس لئے دو حصوں میں کر دی گئی ہے یہ کتاب نہ صرف عام پڑھے لکھے لوگوں کے لئے مفید ہے بلکہ عربی مدارس کے طلبہ و اساتذہ کے لئے بھی ایک نادر تحفہ ہے۔ یہ کتاب ہر گھر ہر لائبریری اور ہر مدرسہ میں رکھے جانے کے قابل ہے۔

قیمت حصہ اول ۶۵/- حصہ دوم ۷۵/-

۲۔ اسلامی فقہ کا سرقہ

اسلامی فقہ پہلے مکتبہ الحسنات سے شائع ہوتی تھی اس کے موجودہ مالک فہیم صاحب کی بدمعاملگی کی وجہ سے انہیں شائع کرنے سے روک دیا گیا، اس انتقام میں انہوں نے اصل کتاب میں تھوڑی سی عبارت کی تبدیلی کر کے اسے ایک غیر معروف آدمی کے نام سے شائع کر دیا مگر انشاء اللہ وہ اصل اسلامی فقہ کی جگہ نہ لے سکے گی لیکن یہ افسوس ضرور ہے کہ اقامت دین کے داعی لوگ اس کی تائید کر رہے ہیں اور اپنے مکتبوں میں بیچ رہے ہیں۔

۳۔ قرآن پاک کی تعلیم اور اسکی عظمت

اس میں قرآن پاک کی تعلیم اور اس کی عظمت کو بڑے موثر انداز میں پیش کیا گیا ہے اور ساری مثالیں قرآن پاک کی آیات اور احادیث نبوی سے دی گئی ہیں جس سے تلاوت قرآن اور اس کے سمجھنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے قیمت ۲۵ء

۴۔ اہل دل کی باتیں

حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڈھی رحمتہ اللہ علیہ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے جس کے پڑھنے سے ایمان میں تازگی، آخرت کی یاد اور عمل کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اس کا نیا ایڈیشن کچھ اضافہ کیساتھ چھپ گیا ہے۔ قیمت ۲۵ء

۵۔ خطبۂ نکاح

جو خطبۂ نکاح کے وقت پڑھا جاتا ہے وہ ایک زبردست معاشرتی ہدایت ہے مصنف نے اس کی بڑی مؤثر تشریح کی ہے ہر نکاح کے وقت تقسیم کرنے کے قابل ہے۔ قیمت ۳/ روپے

۶۔ مسئلہ کفاءت

شادی بیاہ میں برابری کا خیال کرنا صحیح ہے مگر یہ برابری دین وتقویٰ میں ہونی چاہئے مسلمانوں میں جو پیشہ کے اعتبار سے مستقل طور پر برادریاں قائم ہوگئی ہیں ان کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے بلکہ یہ ہندو تہذیب کے اثر سے ہے اس مسئلہ پر مصنف نے سیر حاصل بحث کی ہے۔ قیمت ۵/ روپے

۷۔ جہیز کی شرعی حیثیت

اس وقت شادی بیاہ میں جہیز کے مطالبہ نے ایک فتنہ کی صورت اختیار کرلی ہے جس سے لڑکیوں کی شادی عام آدمی کے لئے ایک مصیبت بن گئی ہے اس پر ایک عالم نے بہت تحقیقی بحث کی ہے جس پر مولانا ندوی کے قلم سے ایک دیباچہ بھی ہے
قیمت ۷/ روپے

یہ تینوں کتابیں اصلاح معاشرہ کے لئے بہترین تحفہ ہیں۔

۸۔ دینی مدارس اور انکی ذمہ داریاں

اس میں دینی مدارس کی ذمہ داریوں کو بڑے پُر اثر اور پرسوز انداز میں بیان کیا گیا ہے اس کے بعض مضامین کو شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمتہ اللہ علیہ نے کئی سو کے مجمع میں پڑھ کر سنوایا اور فرمایا کہ اس کو ہر استاذ اور طالب علم کو پڑھنا چاہیئے۔ قیمت صرف ۱۰ روپئے

۹۔ عبادت وخدمت

اس میں خدمتِ خلق پر اس نقطۂ نظر سے بحث کی گئی ہے کہ خدمت خلق بھی عبادت ہے اس کا انگریزی اور عربی ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔ قیمت ۳/ روپے

۱۰۔ سرمد اور انکی رباعیاں اس میں سرمد کے حالات زندگی اور انکی رباعی گوئی اور ان کے قتل کے اسباب پر مفصل روشنی ڈالی گئی ہے اور آخر میں ان کی رباعیاں ترجمہ کیساتھ شامل کردی گئی ہیں اس سے پہلے کسی نے اتنی تفصیل سے اس موضوع پر کوئی چیز نہیں لکھی ہے یہ کتاب اردو اکیڈمی یوپی کی مدد سے شائع ہوگئی ہے۔

۱۱۔ خواجہ میر درد اور ان کی شاعری عام طور پر خواجہ میر درد کو ایک شاعر سمجھا جاتا ہے لیکن شاعری میں ایک بلند مقام رکھتے ہوئے یہ انکی قانونی حیثیت ہے وہ ایک زبردست عالم اور صاحب سلسلہ شیخ اور صاحب دل بزرگ تھے مصنف نے ان کی کتابوں کی روشنی میں انکی زندگی اور شاعری کی والہانہ انداز میں تفصیل کی ہے کتاب زیر ترتیب ہے اسکا کچھ حصہ الرشاد میں شائع ہو چکا ہے

۱۲۔ ریاض الحدیث یہ احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا مختصر مجموعہ ہے جس میں ایمان وعقیدہ اور عبادات سے زیادہ معاملات معاشرت اور اخلاق سے متعلق حدیثیں جمع کردی گئی ہیں اور محترم مرتب مدظلہ نے حدیث کی مختصر مگر جامع اور دلنشیں تشریح کردی ہے جس سے اس کی افادیت میں مزید اضافہ ہوگیا ہے۔ مشغول سے مشغول آدمی بھی اس سے سفر وحضر ہر جگہ فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ قیمت بیس روپئے

۱۳۔ وقت ایک دولت ہے وقت اللہ کی عطا کی ہوئی کتنی قیمتی نعمت ہے اس کی اہمیت کو اس میں بڑے مؤثر انداز میں بیان کیا گیا ہے یہ بقامت کہتر اور بقیمت بہتر کا مصداق ہے اسے ہر مسلمان کو نہ صرف پڑھنا چاہیئے بلکہ ہر وقت اپنے پاس رکھنا چاہیئے۔ قیمت ۱۰/۵۰ روپئے

۱۴۔ اسلامی قانون اجرت اس کتاب میں مزدوروں کے مسائل پر اسلامی نقطۂ نظر سے بحث کی گئی ہے اسکا ملیالم میں ترجمہ بھی ہو چکا ہے اس کا پہلا اڈیشن لاہور سے شائع ہوا ہے اب یہ کتاب تاج کمپنی دلی سے بھی شائع ہوگئی ہے۔

۱۵۔ تبع تابعین اس کتاب میں انتیس ۲۹ اکابر تبع تابعین اور اکابر امت کے علم وفضل کا مفصل ذکر ہے جس میں امام ابویوسف، امام محمد اور عبداللہ بن مبارک، امام ظفر فضیل بن عیاض، سفیان ثوری وغیرہ جیسے اکابر امت شامل ہیں۔ قیمت ۵۰ روپئے

۱۶۔ اہل کتاب صحابہ وتابعین اس کتاب میں ان ترانوے صحابہ صحابیات اور تابعین کا ذکر ہے جو اسلام سے پہلے یہودی یا نصرانی تھے اور پھر مسلمان ہوئے دنیا کی کسی زبان میں اس موضوع پر کوئی کتاب نہیں۔ قیمت ۲۵ روپئے

۱۷۔ اجتہاد اور تبدیلی احکام اس کتاب میں ان نئے مجتہدین کا مدلل اور مفصل جواب دیا گیا

ہے جو کہتے ہیں کہ قرآن وسنت کے مزعج احکام کو بھی اجتہاد کے ذریعہ بدلا جا سکتا ہے۔ قیمت ۲۰ روپئے

۱۸۔ فتاویٰ عالمگیری اور اسکے مولفین عالم گیر رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے فتاویٰ عالمگیری کو علماء کی ایک پوری جماعت نے مرتب کیا تھا مگر اب تک اس کے مصنفین کے نام سے لوگ ناواقف تھے مصنف نے بڑی تلاش جستجو سے انکے حالات جمع کر دیئے ہیں اور اس میں فقہ کی جن کتابوں سے مدد لی گئی ہے اسکی تفصیل بھی کر دی ہے۔ قیمت صد ۳۵

۱۹۔ اسلام کے بین الاقوامی اصول وتصورات اسلام نے بین الاقوامی تعلقات کے سلسلہ میں جو اصول دیئے ہیں ان پر اس میں مفصل بحث کی گئی ہے یہ مقالہ تھا جو ۱۹۵۶ء میں مسلم یونیورسٹی علیگڑھ میں پڑھا گیا تھا اب اضافہ کر کے اسے کتابی شکل دے دی گئی ہے یہ تینوں کتابیں دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری نسبت روڈ لاہور سے شائع ہوئی ہیں ہندوستان میں بھی اس کے چھاپنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ قیمت ص ۶۵ روپئے

۲۰۔ فقہ اسلامی اور دور جدید کے مسائل ان میں ان بنیادی اصولوں کا تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے کہ جن کی بنیاد پر نئے پیش آمدہ مسائل میں ایک مفتی غور کر کے ان کے جوابات دے سکتا ہے یہ کتاب مکتبہ جامعہ نئی دلی سے شائع ہوئی تھی اب دوبارہ یہ کتاب دار التالیف والترجمہ سے شائع ہوئی ہے۔

اسلامی تعلیم حصہ اول، دوم، سوم، چہارم اس میں اسلامی مسائل کو بڑے سلیس اور دلچسپ انداز میں بچوں کے ذہن نشین کرانے کی کوشش کی گئی ہے یہ سینکڑوں مکاتب اسلامیہ کے نصاب میں داخل ہے پورے سیٹ کی قیمت ۲۰ روپئے ہے۔

۲۱۔ ان کتابوں کے علاوہ ابھی مصنف مدظلہ کے درجنوں مضامین الرشاد کے قیمتی اداریئے ہیں۔ جن کو کتابی شکل دینے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ مثلاً خدمت حدیث میں عورتوں کا حصہ، قرآن پاک میں نجم، نماز اور خشوع، تواضع وخاکساری مسلمان بادشاہوں کی تصانیف ذرائع آمدنی اور تقسیم ملکیت کا مسئلہ وغیرہ،

مکتبہ الرشاد دار التالیف والترجمہ کے علاوہ دوسرے مکتبوں سے شائع شدہ اردو عربی کتابیں بھی مکتبہ سے مناسب قیمت پر دستیاب ہیں۔

پتہ :

مہتمم مکتبہ الرشاد۔ رشاد نگر۔ اعظم گڈھ

سالانہ چندہ ہندوستان سے -/50 خصوصی معاون -/100 قیمت فی پرچہ -/5	جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ کا ترجمان ماہنامہ جامعۃ الرشاد	سالانہ چندہ غیر ممالک سے پندرہ ڈالر امریکی 15/0 5
جلد نمبر ۲۷	اکتوبر ۱۹۹۳ء مطابق ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ	شمارہ ۱۵۳

فہرست مضامین

۱	رشحات	مرتب	۲
۲	عشر فقہ مالکی و شافعی میں	مولانا عبدالرشید صاحب	۷
۳	تاریخ عشر	مولانا ریاض الحسن ندوی	۱۹
۴	سزائے قید قرآن و سنت کی روشنی میں	ڈاکٹر محمد عبداللہ قاضی	۳۶
۵	الرشاد کی ڈاک	مرتب	۴۲
۶	نئی کتابیں	مولانا رضی الاسلام ندوی	۴۵
۷	کتابیں	مہتمم مکتبہ الرشاد	۴۸

مجلسِ ادارت

مجیب اللہ ندوی پرنٹر پبلشر و ایڈیٹر نے نشاط آفسیٹ پریس ٹانڈہ سے چھپوا کر دفتر جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رشحات

پی ایل او۔ اور اسرائیل میں فلسطینیوں کی خود مختاری کے سلسلہ میں جو معاہدہ ہوا ہے اس پر دو چار ملکوں کو چھوڑ کر عام طور پر مسلمان ملکوں میں خوشی کا اظہار کیا جا رہا ہے مگر اس معاہدہ کو فلسطینیوں کی کامیابی کہنا کئی وجوہ سے صحیح نہیں ہے بلکہ یہ نہ صرف یاسر عرفات کے اور پی ایل او کی شکست خوردگی کو ظاہر کرتا ہے بلکہ بہت سے مسلمان ملکوں پر اس کے دور رس اثرات پڑیں گے۔

فلسطینیوں کو جان و مال کی زبردست قربانی کے بعد اس سے کیا ملا اور انہوں نے اس کے ذریعہ کیا کھویا یہ بات تو اپنی جگہ پر اہم ہے ہی مگر راقم الحروف کے نزدیک سب سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ ایک غاصب حکومت کی طرف سے ایک چھوٹے سے خطے کی بھیک اس قوم کو دی گئی ہے جو اس کی اصل مالک تھی مگر اس وقت دنیا میں ظلم اور دہشت گردی کا جو ماحول امریکہ اور مغربی ملکوں نے پیدا کر رکھا ہے اس میں سب کچھ ممکن ہے۔ مگر افسوس تو یہ ہے کہ عرب اور مسلمان ممالک امریکہ کی اس ظالمانہ پالیسی کے نہ صرف پشت پناہ بلکہ آلۂ کار بنے ہوئے ہیں الجزائر میں کمیونزم نواز فوجی ٹولہ دینی طبقہ کے ساتھ جو کچھ کر رہا ہے، مصر سوڈان کے مقابلہ میں امریکہ کا جو آلہ کار بنا ہوا ہے اردن کے شاہ حسین الاخوان المسلمین کے سرفروشوں کے ساتھ جو طرز عمل اختیار کئے ہوئے ہیں بوسنیا اور عراق میں جس بربریت کا مظاہرہ ہو رہا ہے وہ اس کی زندہ مثالیں ہیں اس وقت دو چار ملکوں کو چھوڑ کر سارے مسلمان ممالک اسی کاسہ لیسی میں لگے ہوئے ہیں نہ تو خود ان کو اپنی قوت کا احساس ہے اور نہ اس احساس کو پر شور بنانے کا کوئی جذبہ ان کے اندر دکھائی دیتا ہے۔ ایسی صورت میں یہی کہنا پڑتا ہے۔

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم
کہ با من آنچہ کرد آں آشنا کرد

پی ایل او، اور یاسر عرفات تیس برس سے ایک خاص سیکولر پالیسی پر گامزن ہے حماس کی تحریک انتفاضہ جس نے فلسطینیوں کی تحریک میں ایک ایسی نئی زندگی پیدا کر دی تھی

جو وجود میں آتے ہی دفاعی تحریک سے زیادہ اقدامی تحریک بن گئی جس کی وجہ سے اسرائیل اور اسکا پشت پناہ امریکہ دو سبب سے صلح و مصالحت پر آمادہ ہوگئے ایک یہ کہ اس کی وجہ سے ان پر جو معاشی دباؤ بڑھ رہا تھا وہ ان کے لئے ناقابلِ برداشت ہو رہا تھا دوسرے وہ سوچتے تھے کہ اگر فلسطینیوں کی قیادت حماس کے ہاتھوں میں چلی گئی تو فلسطین میں ان کی سیکولر پالیسی بارآور نہ ہو سکے گی اور اس پر ایک اسلامی مزاج رکھنے والی قوت مسلط ہو جائے گی جو ان کے لئے سب سے زیادہ ناپسندیدہ چیز ہے پی۔ ایل۔ او کے معاہدہ کو ہم اس وقت علامہ اقبال کے اس مصرعہ کا مصداق سمجھتے ہیں۔

یہ ظالم گر پڑے سجدے میں جب وقتِ قیام آیا (ع)

یاسر عرفات نے غزہ پٹی اور اریحان کے جن دو حصوں میں اپنی محدود خود مختاری کا معاہدہ کیا ہے ان دونوں کے درمیان براہ راست کوئی راستہ نہیں ہے گویا مغربی اور مشرقی پاکستان جیسی تقسیم ہوئی۔

پھر سب سے بڑھ کر انہوں نے ایک طرح سے یروشلم اور بیت المقدس سے دست برداری لکھ دی جس سے پوری دنیا کے مسلمانوں کے سر جھک گئے اور ان کے جذبات شدید طور پر مجروح ہوئے۔

اس سے پہلے مسلم دنیا کے وقار کو ایک زخم مصر کے سابق صدر انوارالسادات کے کیمپ ڈیوٹ معاہدہ سے لگا تھا پھر شام کی دوزی حکومت بھائیوں کا خون بہانے میں تو بڑی تیز دست ثابت ہوئی مگر اسرائیل کے مقابلہ میں بھیگی بلی بن گئی۔ اور اب یاسر عرفات نے اس تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی دینی شعور سے دور، ملی حمیت سے خالی مغربی تہذیب کے دلدادوں سے ہم اس سے زیادہ امید بھی کیا رکھ سکتے ہیں؟ مگر افسوس تو ان مسلمان ملکوں پر ہے جو توحید کے علمبردار اور اسلامی حکومت کے دعویدار ہیں وہ بھی عملاً مسلمانوں کے مسئلہ میں ملی غیرت کا کوئی مظاہرہ نہ کر سکے اسی طرح ان کی شکست خوردگی اور سپر اندازی نے ان مسلمان ملکوں کی دینی و سیاسی حیثیت کو بھی مجروح کر دیا ہے جہاں حالات میں بھی اسلامی حمیت کا کچھ نہ کچھ مظاہرہ کرتے ہیں اور سیاسی سطح پر کچھ دم خم دکھانے کی کوشش

کرتے ہیں اسی طرح مختلف ملکوں میں جو دینی تحریکیں چل رہی ہیں ان کو بھی اس سے دھچکا لگے گا۔

ہندوستان میں اس وقت چار ریاستوں میں الکشن کا ہنگامہ کھڑا ہے اور مسلمان اپنے فکروعمل کے انتشار کے ساتھ مختلف جماعتوں میں شریک ہونے اور ان کی جھولی ڈھونے اور اس میں اپنا ووٹ ڈالنے کی تیاری کر رہا ہے کچھ لوگوں کا تو ان پارٹیوں کے ساتھ کچھ نہ کچھ ذاتی یا سیاسی مفاد وابستہ ہے مگر عوام جن کو پچھلے الکشنوں کی طرح اس الکشن سے بھی کچھ ملنے والا نہیں ہے وہ انکی ریلیوں، جیل بھرو تحریکوں اور سیاسی نعروں میں پورے جوش وخروش کے ساتھ شریک ہو رہے ہیں، ایک طرف جس مسلمان سے بات کیجئے ملت کی زبوں حالی، بے وزنی اور بے وقعتی اور آپسی انتشار کی شکایت کرتا نظر آئے گا مگر جب اس سے ملت کے اتحاد اس کی بے وقعتی اور بے وزنی کے دور کرنے کے ذرائع واسباب کو تلاش کرنے اور سوچنے کی دعوت دی جاتی ہے تو اس کے جذبات پر اوس پڑ جاتی ہے وہ سیاسی پارٹیوں کی ریلیوں اور تحریکوں میں تو اپنا وقت اور پیسہ خرچ کر کے ذوق وشوق سے دوڑتا نظر آئے گا مگر ملت کے اہم سے اہم کاموں کے لئے اس کے پاس نہ تو پیسہ ہوتا ہے اور نہ وقت اور نہ فرصت۔

اس بات سے یہ نہ سمجھا جائے کہ ہم سیاست میں حصہ لینے اور اپنا ووٹ استعمال کرنے کی مخالفت کر رہے ہیں بلکہ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ چالیس برس سے ہم اپنا ووٹ کسی نہ کسی سیاسی پارٹی کی جھولی میں ڈالتے رہے ہیں مگر ہمیں کچھ نہیں ملا اس لئے ہم کو غور کرنا چاہئے کہ ہمارے طرز عمل میں کیا کمی اور کیا خامی ہے جس کی وجہ سے ہم دوسروں کو تو باوزن بناتے رہتے ہیں مگر ہمارا خود کوئی وزن نہیں پیدا ہو پاتا۔

راقم الحروف کے نزدیک اس کا صرف اور صرف ایک سبب ہے کہ ہم نے خود اپنی کوئی متحدہ ملی قوت نہیں پیدا کی اگر آج ہم اپنی داخلی صف بندی کو مضبوط کر لیتے اور ہم اپنی حیثیت ایک پریشر گروپ کی بنا لیتے تو ہماری سیاسی بے وزنی بھی کم ہو جاتی اور سیاسی سطح پر ہماری اہمیت محض وقتی طور پر محسوس نہ کی جاتی اور ہم کو دوسروں کے دروازوں کی دریوزہ گری نہ کرنی

بڑتی بلکہ دوسرے لوگ ہمارے دروازوں پر چکر لگاتے رہتے اور چالیس برس سے ہم کو جو پیچھے ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے اس کے تلافی کی صورتیں بھی پیدا ہونی شروع ہو جاتیں۔

آل انڈیا ملی کونسل ملت اسلامیہ ہندیہ کو ایک برس سے یہی آواز دے رہی ہے مگر ہمارے دل و دماغ پر دوسروں کے سہارے جینے کا جو زنگ لگ گیا ہے اس کے دور ہونے میں وقت لگے گا۔

بعض حضرات اس سلسلہ میں بہت سے خطرات و شبہات کا اظہار کرتے رہتے ہیں خاص طور سے یہ بات سیاسی لوگوں کی طرف سے بار بار کہی جاتی ہے کہ اگر مسلمانوں نے اپنی الگ کوئی وحدت قائم کی تو اس سے فرقہ پرست جماعتوں کو تقویت ملے گی تو ان حضرات سے عرض یہ کرنا ہے کہ اگر یہ مان بھی لیا جائے تو کیا ہم اس خطرے کے پیش نظر اسی طرح منتشر رہیں۔ ؟ کیا ہم اپنی تمام شناخت کو بھلا دیں۔ ؟ کیا ہم اپنے تمام شعائر اسلامی سے دست بردار ہو جائیں ؟ ہم منتشر حالت میں ایسا چالیس برس سے کرتے رہے ہیں مگر نہ تو فرقہ واریت میں کمی ہوئی اور نہ وہ ہم سے خوش ہو سکے۔ قرآن پاک نے ایسے ہی موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا تھا۔

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى	ہرگز یہود و نصاریٰ آپ سے خوش نہیں ہو سکتے
حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ (بقرہ)	جب تک آپ انکے مذہب کی پیروی نہ کرلیں۔

یہ خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے تمام مسلمانوں کے لئے ہے کیا ہم ان کو راضی کرنے کے لئے اپنے کو ایسے ہی منتشر اور بے قیمت بنائے رکھیں ؟۔

دوسری بات یہ ہے کہ دنیا طاقت کی پجاری ہے اور خاص طور پر جس قوم سے ہمارا واسطہ ہے وہ کیڑے مکوڑے کی طاقت کو بھی دیوتا مان لیتی ہے اس لئے اگر ہمارے اندر بھی انہوں نے اتحاد کی کوئی طاقت محسوس کرلی تو آپ کے بڑے سے بڑے دشمن بھی آپ کی حیثیت کو تسلیم کرنے کے لئے نہ صرف تیار ہو جائیں گے بلکہ آپ کی دریوزہ گری کرنے لگیں گے۔

تیسری بات یہ ہے کہ ہم اتحاد و اتفاق کی اپنی طاقت کو [illegible] کسی جذباتی انتقامی یا منفی بنیاد پر یکجا نہیں کرنا چاہتے بلکہ ہم اپنے مثبت کاموں کے ذریعہ سے قوت بخشنا چاہتے

مثلاً زیادہ سے زیادہ رفاہی اداروں کے قیام اور خدمتِ خلق کے ذریعہ عام بندگانِ خدا کے لئے اسے مفید بنانا چاہتے ہیں ہم اتحادِ ملت ان سے کچھ لینے کے لئے نہیں بلکہ ملک وملت کو کچھ دینے کے لئے پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ انتشار و اختلاف کی وجہ سے ہماری جانی و مالی قوتیں جو منفی کاموں میں صرف ہوتی ہیں اسے ہم اس اتحاد کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ مثبت اور تعمیری رخ دینا چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ لوگوں کے دلوں کو اسکے لئے کھول دے۔ (آمین)

فرقانیہ اکیڈمی بنگلور میں دارالشرعیہ کا قیام

مولانا شہاب الدین ندوی ہندوستان کے معروف علماء میں ہیں جو ایک درجن سے زیادہ کتابوں کے مصنف اور مرتب ہیں انہی کی کوششوں سے فرقانیہ اکیڈمی کا قیام عمل میں آیا ہے پہلے یہ بنگلور سے کچھ فاصلہ پر تھی اب بحمداللہ اس کی نئی عمارت بن گئی ہے اور اکیڈمی کے سارے شعبے اسی میں منتقل ہوگئے ہیں۔

اسی کے تحت دارالشرعیہ کا قیام بھی عمل میں آیا ہے جو ایک تحقیقی ادارہ بھی ہے اور دارالقضاء بھی ہے، خدا کرے اس سے ملت کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچے۔

اس سلسلہ میں برادرم مولانا شہاب الدین ندوی سے گزارش ہے کہ حضرت الاستاذ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ کی یہ نصیحت ضرور یاد رکھیں کہ "آپ تحقیق اور نکتہ آفرینی جتنی چاہیں کریں مگر جمہور امت کی رائے سے کبھی ہٹیں نہیں ورنہ اسے قبول عام نہ ہوگا"

عشر فقہ مالکی و شافعی میں

مولانا عبدالرشید صاحب

فقہ مالکی کی سب سے بنیادی کتاب المدونۃ الکبریٰ ہے جسے امام مالک کے مشہور شاگرد امام سحنون نے مرتب کیا ہے ان میں مسائل کا ذکر عموماً سوال جواب کی صورت میں ہوتا ہے اس لئے اس میں وہ ترتیب نہیں ملے گی جو فقہ حنفی میں ملتی ہے گو بعد کے مالکی فقہا نے فقہ حنفی کی روشنی میں اپنی کتابوں کو اسی نہج سے مرتب کر دیا ہے مضمون نگار نے براہ راست المدونہ سے استفادہ کیا ہے۔ (مرتب)

کھجور اور پھلوں کی زکوٰۃ

فقہ مالکی میں (امام سحنون بن سعید التنوخی) نے امام عبدالرحمن بن القاسم العتقی سے پوچھا کھجور اور دیگر پھلوں سے کیسے صدقہ (عشر) وصول کیا جائے گا؟ انہوں نے فرمایا: جب ان کے درخت پھل لائیں اور وہ خشک ہو جائیں تو اگر انہیں سیلاب یا بارش کے پانی سے سینچا گیا تھا تو مصدق (صدقہ و عشر وصول کرنے والا) دسواں حصہ لے گا اور اگر انہیں کنویں کا یا جانوروں پر لاد کر پانی دیا گیا تو ان میں بیسواں حصہ ہے۔ میں نے دریافت کیا کیا امام مالکؒ کا یہی قول ہے؟ فرمایا، ہاں؛

میں نے عرض کیا انگوروں میں سے کیا چیز صدقہ میں لی جائے گی؟

فرمایا: خشک انگور (اندازہ لگا کر) میں نے عرض کیا خشک انگوروں کا اندازہ کیسے لگایا جائے گا؟

فرمایا، امام مالکؒ نے بتایا کہ اندازہ تو کچے انگوروں کا ہی لگایا جائے گا۔ خشک ہونے تک جو نقصان ہو گا اس کا منہا کر لیا جائے گا۔ خشک انگوروں کا اندازہ اگر پانچ وسق تک ہے تو ان سے عشر وصول کیا جائے گا۔

فرمایا: یہی طریقہ کھجور کے اندازہ لگانے میں استعمال ہوگا یعنی اندازہ تو اس وقت لگایا جائے گا جب کھجور ابھی تازہ ہوگی مگر صدقہ تمر (خشک کھجور) سے وصول کیا جائے گا بشرطیکہ اس کی مقدار پانچ وسق تک پہنچ جائے۔

میں نے دریافت کیا: اگر کھجور تمر (خشک کھجور) ہونے تک اور انگور زبیب (خشک انگور) ہونے تک نہ پہنچ جائے تو پھر؟

فرمایا: کچی کھجور اور کچے انگوروں کا یہی اندازہ لگایا جائے گا۔ اگر ان کی مقدار پانچ وسق تک پہنچ جائے تو ان سے عشر وصول کیا جائے گا اگرچہ ان کی قیمت اس رقم تک نہ پہنچے جس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ اور اگر پانچ وسق سے کم ہوئے ہیں تو اس پر عشر نہیں اگرچہ قیمت اس رقم سے زیادہ ہو جائے جن پر زکوٰۃ لاگو ہوتی ہے البتہ جب اس رقم پر پورا سال گذر جائیگا تو اس پر زکوٰۃ لاگو ہوگی۔[1]

میں نے دریافت کیا: انگوروں کا اندازہ کب لگایا جائے؟

فرمایا: جب میٹھے ہو جائیں اور ان کی فروخت جائز ہو جائے

میں نے پوچھا کیا امام مالک کا یہی مسلک ہے؟

فرمایا: ہاں

میں نے پوچھا! کھجور کا اندازہ کس وقت لگایا جائے گا؟

فرمایا: جب زردی مائل اور میٹھی ہو جائے۔ زرد ہونے سے قبل اس کا اندازہ نہ لگایا جائے۔

میں نے سوال کیا: کھجور کے درختوں پر کھڑی کھجوریں اگر پانچ وسق کو نہ پہنچتی ہوں تو؟

فرمایا: اٹکل سے انکا اندازہ نہ کیا جائے۔

میں نے دریافت کیا: کیا اندازہ لگانے والا عامل مالکوں کیلئے کوئی چیز چھوڑ دینے کا مجاز ہے؟

---

[1] ترجمہ المدونۃ الکبری، امام مالک: جلد اول، ۳۴۹، ۳۴۰ طبع بیروت۔

فرمایا: کوئی چیز نہیں چھوڑے گا اگرچہ کل آمدنی صرف پانچ وسق ہی ہو۔

میں نے پوچھا: اگر خارص (اندازہ لگانے والا) چار وسق کا اندازہ لگائے اور مالک کو پانچ وسق موصول ہوں تو؟

فرمایا: میرے نزدیک پسندیدہ امر یہ ہے کہ اس کی زکوٰۃ یعنی عشر ادا کرے کیونکہ آج کل کے خراص عموماً صحیح اندازے تک نہیں پہنچتے۔ فرمایا انگوروں کا بھی یہی معاملہ ہے۔

ابن وہب بواسطہ یونس بن یزید ابن شہاب زہری سے روایت کرتے ہیں کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم عبداللہ بن رواحہؓ کو (کھجور، انگور وغیرہ کا) اندازہ لگانے کے لئے بھیجا کرتے تھے۔ وہ کھجور کا اندازہ اس وقت لگاتے جب میٹھی ہو جاتی اور ابھی اس میں سے کچھ کھایا نہ گیا ہوتا۔

فرمایا زیتون کا (سرکاری طور پر) اندازہ نہیں کیا جائے گا بلکہ مالکِ زیتون کی ذمہ داری اور اعتماد پر چھوڑ دیا جائے گا۔ اگر بقول مالکِ زیتون کی آمدنی پانچ وسق تک پہنچ جائے تو اس میں سے زیت (تیل) ہی بطور عشر وصول کیا جائے گا۔

فرمایا: اگر درخت زیتون اس قسم کا ہے کہ نہ اس کے اندر تیل ہے اور نہ ہی اس کی لکڑی وغیرہ سے تیل نکلتا ہے جیسا کہ زیتونِ مصر مشہور ہے تو اس کی قیمت کے اعتبار سے زکوٰۃ کا اطلاق ہوگا۔

میں نے عرض کیا: جس زیتون میں تیل ہو اور اس کو نچوڑنے سے قبل ہی فروخت کر دیا جائے تو؟

فرمایا: اس آدمی سے اتنا تیل بطور عشر وصول کیا جائے جتنا کہ اگر نچوڑتا تو بنتا۔ یہی حکم اس کھجور کا ہے جسے "رطب" (کھجور تازہ) کی حالت میں فروخت کر دیا جائے اور اس انگور کا ہے جسے خشک ہونے سے قبل فروخت کر دیا جائے[1]

پھلوں، فصلوں، اور سونے میں شرکاء کی زکوٰۃ

امام مالکؒ نے فرمایا: کسی فصل، کھجور کے باغ، انگور، زیتون، سونا، چاندی یا مویشی میں

---

[1] امام مالک المدونۃ الکبریٰ: ۱: ۳۴۲: طبع بیروت۔

شریک لوگوں سے اس وقت تک زکوٰۃ وصول نہیں کی جائے گی جب تک کہ ہر ایک شریک کے حصہ میں اتنی مقدار نہ آجائے جس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ اگر ہر ایک کے حصہ میں نصاب زکوٰۃ سے کم آئے تو مجموعی پیداوار پر بھی زکوٰۃ نہیں[1]

امام مالکؒ نے فرمایا: ہر قسم کی کھجور عمدہ اور ردی زکوٰۃ میں جمع کردی جائے گی اور اسی طرح ہر طرح کے انگوروں کو بھی ملا دیا جائے گا اور اوسط درجہ کے انگور سے زکوٰۃ وصول کیجائیگی اسی طرح انگوروں کی بیلیں مختلف شہروں میں ہوں تو بھی ان کی آمدنی کو ملا دیا جائے گا۔ یہی طریق کار بکریوں، مویشیوں اور دیگر دانوں میں ہوگا[2]

فصل کی زکوٰۃ

میں نے دریافت کیا اگر خراجی زمین اجرت (ٹھیکہ) پر لی جائے تو کیا اجیر (ٹھیکیدار) پر عشر لازم ہوگا؟

فرمایا: امام مالکؒ کا یہی قول ہے کہ اس قسم کی کاشت کرنے والے کا زمینی پیداوار پر عشر ہوگا۔

فرمایا: امام مالکؒ نے کہا ہے کہ جس شخص کی زمین خراجی ہو یا ایسی زمین میں فصل بوئے جو اصلاً خراجی ہو تو اس کی پیداوار پر خراج کے علاوہ زکوٰۃ (عشر) ہوگی۔ خراج اس زکوٰۃ کو ساقط نہیں کرتا۔

امام مالکؒ نے فرمایا: جس شخص نے کرایہ پر کوئی زمین لی اور اس میں فصل کاشت کی تو زمینی پیداوار سے واجب الادا زکوٰۃ (عشر) کاشت کرنے والے پر ہوگی نہ کہ مالک زمین پر۔

میں نے دریافت کیا: اس شخص کے بارے میں کیا رائے ہے جسے کثیر غلہ برآمد ہوا اس پر زکوٰۃ واجب تھی مگر اس نے تمام کا تمام غلہ بغیر زکوٰۃ ادا کیے فروخت کردیا۔ اور بعد میں مصدق (صدقہ وصول کرنے والا) آیا۔ کیا مصدق مشتری (غلہ خریدنے والا) سے کوئی چیز لے سکتا ہے یا نہیں؟

---

[1] امام مالک: المدونۃ الکبریٰ: ۱: ۳۴۳ طبع بیروت۔ [2] ،، ،، ،، ،، ،، ۳۴۴ ،، ،،

فرمایا: خریدنے والے سے نہیں البتہ بائع (مالکِ غلہ) سے دسواں یا بیسواں حصہ حسب زمین وصول کیا جائے گا۔

ابن القاسم نے فرمایا: اگر بائع کے پاس کچھ بھی نہ بچا ہو (نہ غلہ نہ رقم) اور مصدق بعینہ غلہ مشتری کے پاس پائے تو مصدق عشر کی مقدار کا غلہ مشتری سے وصول کرے اور مشتری اس کی قیمت کے لئے بائع کی طرف رجوع کرے۔

سحنون نے کہا: بعض مالکیہ کا قول یہ بھی ہے کہ مشتری سے کوئی چیز وصول نہیں کیجائیگی کیونکہ اس کی بیع (سودا) جائز تھی سحنون کہتے ہیں کہ میرے نزدیک بھی زیادہ قرین انصاف یہی بات ہے۔

میں نے دریافت کیا! ایک شخص نے فصل سمیت اپنی زمین کو فروخت کردیا اور اس فصل کی آمدن نصاب زکوٰۃ یعنی پانچ وسق کو پہنچتی ہے تو زکوٰۃ (عشر) کس پر ہے؛ یعنی بائع پر یا مشتری پر؟

فرمایا: بائع پر۔ امام مالکؒ کا یہی قول ہے۔

میں نے دریافت کیا: ایک شخص نے اپنی زمین مع فصل فروخت کی جس میں فصل ابھی ہری تھی۔ مشتری نے حامی بھرلی کہ وہ اس کی زکوٰۃ ادا کرے گا تو اس صورت میں کیا حکم ہے؟

فرمایا مشتری پر زکوٰۃ ہوگی۔

میں نے دریافت کیا: اگر میں اپنی زمین کسی ذمی کو کرایہ پر یا ہدیۃً دے دوں اور وہ ذمی اس میں کاشت کرے تو کیا امالکؒ کے نزدیک مجھ پر عشر لازم ہوگا؟

فرمایا: نہیں کیونکہ عشر زکوٰۃ کی ایک قسم ہے اور یہ زکوٰۃ اسی شخص پر لاگو ہوتی ہے جو خود فصل کاشت کرے۔ اگر آپ اپنے پاس رکھتے ہوئے بھی کاشت نہ کرتے تو آپ پر زکوٰۃ نہ تھی چہ جائے کہ آپ نے ذمی کو دیدی۔

میں نے دریافت کیا: اگر میں اپنی زمین اپنے غلام کو ہدیۃً یا کرایہ پر دے دوں وہ غلام اس میں کاشت کرے۔ تو اب عشر غلام پر ہوگا یا مجھ پر؟

فرمایا: نہ آپ پر نہ غلام پر۔

میں نے دریافت کیا: اگر نابالغ ہدیۃً حاصل شدہ زمین یا اپنی ملکیتی زمین میں کاشت کرے تو کیا نابالغ پر عشر ہوگا؟

فرمایا: ہاں! کیونکہ صغیر (نابالغ) کے مال میں زکوٰۃ واجب ہے۔

ابن وہبؒ نے متعدد اہل علم کا یہ قول نقل کیا ہے کہ جس شخص نے ایسی زمین لی جس پر جزیہ لگتا تھا۔ تو اس قسم کی زمین عشر میں مانع نہ ہوگی۔ زمینی پیداوار پر نصاب زکوٰۃ میں عشر بہرحال ہوگا۔ جزیہ اپنی جگہ پر رہے گا۔

ابن وہبؒ نے کہا: فصل کی زکوٰۃ اسی شخص پر ہے جو کاشت کرے چاہے اس نے وہ زمین کسی ذمی سے کرایہ پر لی ہو۔ ابن وہب ابن شہاب کے حوالہ سے کہتے ہیں کہ مسلمان ہمیشہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک اور بعد کے ادوار میں زمین کرایہ پر لے کر ان میں کاشت کرتے تھے اور زکوٰۃ (عشر) ادا کرتے تھے جزیہ کی زمین کا بھی یہی حکم ہے[1]۔

دانے اور دیگر پھلی دار فصلوں کو ایک دوسرے میں ملانا

امام مالکؒ نے فرمایا، گندم، جَو، بلا پوست جَو، ان تینوں کو ایک دوسرے میں ملایا جا سکتا ہے۔ (یعنی تینوں کو ملانے سے پانچ وسق بن جائیں تو اس میں عشر ہوگا)۔ مکئی، چاول، اور چنا یا باجرہ کو نہ ہی گندم کے ساتھ اور نہ ہی جَو کے ساتھ اور نہ ہی سلت (بغیر چھلکے کے جَو) کے ساتھ ملایا جا سکتا ہے۔ اور نہ ان تینوں کو آپس میں ملایا جا سکتا ہے۔ اسی طرح چاول کو مکی یا باجرہ کے ساتھ نہیں ملایا جا سکتا۔ مکئی بھی چاول یا باجرہ کے ساتھ نہیں ملائی جا سکتی یونہی باجرہ مکئی اور چاول کے ساتھ نہیں ملایا جا سکتا۔

فرمایا: چاول، مکئی اور باجرہ سے اس وقت تک صدقہ وصول نہیں کیا جائیگا جب تک کہ فرداً فرداً ان کی پیداوار پانچ وسق نہ ہو جائے اس کے مقابلے میں گندم، جَو اور بلا پوست جَو سب مل کر اگر پانچ وسق پہنچ جائیں تو ان میں زکوٰۃ ہوگی۔ البتہ ہر ایک سے بقدر حصہ عشر وصول کیا جائیگا۔ پھلی دار تمام فصلیں مثلاً لوبیا، مسور، چنا، مٹر اور ان کے علاوہ لوگوں کے نزدیک جتنی بھی پھلی دار فصلیں شمار ہوتی ہیں ان تمام کو جمع کیا جا سکے گا۔ مجموعی پیداوار اگر پانچ وسق تک پہنچ جائے تو اس میں زکوٰۃ یعنی عشر ہوگا[2]۔

کھجور کی وہ مقدار جس پر صدقہ واجب ہے

فقہ شافعی پر بے شمار کتابیں لکھی گئی ہیں مگر مضمون نگار نے براہ راست کتاب الام سے استفادہ کر کے عشر کے مسائل کا ذکر کیا ہے (مرتب)

عشر فقہ شافعیؒ میں

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے تین مختلف واسطوں (سندوں) سے حضرت ابو سعید خدریؓ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پانچ وسق سے کم کھجور میں صدقہ (عشر) نہیں ہے۔

امام شافعی نے فرمایا: ہم اسی حدیث پر عمل کرتے ہیں۔ اور یہ روایت سوائے ابو سعید خدریؓ کے کسی اور صحابی سے منقول نہیں۔ جب اکثر اہل علم نے اس خبر واحد کو قبول کیا ہے تو ان پر لازم ہے کہ جہاں کہیں بھی اس قسم کی خبر واحد ہو اس کو قبول کریں۔

امام شافعیؒ نے فرمایا: کھجور کی مقدار جب تک پانچ وسق کو نہ پہنچے اسمیں زکوٰۃ نہیں۔

فرمایا: ایک وسق، صاع نبوی کے حساب سے ساٹھ صاع کا ہوتا ہے گویا پانچ وسق (قابل زکوٰۃ مقدار) تین صد صاع کے برابر ہوئے اور ایک صاع، چار مد نبوی کے برابر ہوتا ہے۔ فداہ ابی وامی۔

فرمایا: کھجور (کے باغ) میں مل کر کام کرنے والے دو شخص ایسے ہی ہیں جیسے چوپایوں میں دو شریک۔ دونوں کی طرف سے مشترکہ طور پر کھجور میں سے عشر ادا ہوگا۔ اسی طرح اگر وہ کسی اور فصل میں شریک ہوں تو بھی گویا وہ ایک ہی ہیں، اور دونوں مل کر عشر ادا کریں گے۔

فرمایا: اسی طرح اگر کوئی زمین کسی جماعت (چند افراد) پر وقف ہو اور اسکی پیداوار پانچ وسق تک پہنچ جائے تو اس سے صدقہ (عشر) وصول کیا جائے گا۔ اسی طرح جب ایک جماعت کسی باغ کی وارث ہو یا مالک بنے اور پھل کے پک جانے اور ادائیگی عشر کے لئے اندازہ لگائے جانے سے قبل علیحدہ علیحدہ نہ ہوئے ہوں یعنی انہوں نے باغ کو آپس میں تقسیم نہ کر لیا ہو تو اگر اس کی مجموعی آمدنی پانچ وسق ہے تو اس سے عشر وصول کیا جائیگا۔ اگرچہ پھل

کے پک جانے کے بعد باغ انہوں نے تقسیم ہی کیوں نہ کر لیا ہو۔ اگر پھل کے پکنے سے قبل انہوں نے تقسیم مکمل کر لی ہو تو پھر ہر آدمی پر انفرادی طور پر عشر ہوگا بشرطیکہ اس کا حصہ پانچ وسق کو پہنچ جائے۔

فرمایا: کسی شخص کا ایک باغ ایک جگہ اور دوسرا باغ دور یا نزدیک کسی دوسری جگہ ہے۔ سال کے بعد دونوں باغ اکٹھے پھل لائے۔ اب دونوں کی پیداوار کو ملا کر دیکھا جائیگا کہ پانچ وسق بنتی ہے یا نہیں۔ اگر دونوں کی پیداوار پانچ وسق تک پہنچ گئی تو اس پر صدقہ (عشر) واجب ہوگا۔

فرمایا: ایک باغ زید اور بکر کے درمیان مشترک ہو۔ اس کی مجموعی پیداوار چار وسق ہوئی تو زید کے حصے میں دو وسق آئے زید کا اس باغ کے علاوہ اپنا ایک علیحدہ باغ بھی ہے جس سے تین وسق پیداوار موصول ہوئی۔ زید کی کل پیداوار پانچ وسق ہوگئی لہذا زید سے عشر وصول کیا جائے گا۔ مویشیوں اور دیگر فصلوں میں بھی یہی اصول کارفرما ہوگا۔

فرمایا: ایک ہی سال کے اندر پہلے یا بعد میں ہونے والی کھجوروں یا فصلوں کو ملاکر ایک شمار کر لیا جائے گا اور اس پر ایک ہی عشر واجب ہوگا بشرطیکہ پیداوار پانچ وسق تک پہنچ جائے۔ کیونکہ گرم علاقوں میں جلد اور سرد علاقوں میں دیر سے فصل تیار ہوتی ہے یہی حکم مختلف شہروں کی صورت میں ہے۔ یعنی ایک فصل ایک شہر میں اور دوسری دوسرے شہر میں تو دونوں کی آمدنی ملاکر عشر وصول کیا جائے گا۔ بشرطیکہ مجموعی آمدنی پانچ وسق ہو جائے۔

فرمایا: ایک آدمی نے ایک سال میں کوئی فصل بوئی مگر اس سے کچھ وصول نہ ہوا۔ اس شخص کی علاوہ ازیں کوئی اور فصل بھی تھی دونوں کی پیداوار کو ملایا تو وہ پانچ وسق ہوگئی اب دیکھیں گے کہ اگر دونوں فصلوں کی بجائی اور کٹائی اکٹھی ایک ہی سال میں تھی تو وہ بمنزلہ ایک فصل کے ہوگی۔ اور اگر ایک کی بجائی ایک سال پہلے اور دوسرے کی کٹائی ایک سال بعد ہوئی تو وہ دو مختلف فصلیں شمار ہوں گی اور دونوں کو ایک دوسرے میں ملایا نہیں جائے گا۔

فرمایا: اسی طرح جب ایک شخص کے مختلف باغات ہوں یا ایک ہی باغ ہو

مگر ایک وقت یا ایک سال میں دو مرتبہ پھل لاتا ہو تو وہ دو مختلف باغ شمار ہوں گے۔

فرمایا: جب ایک باغ مختلف قسم کی کھجوریں دیتا ہو۔ ان میں اچھی بھی ہوں اور ردی بھی۔ تو تمام قسم کی کھجوروں کو ملا دیا جائے گا اور درمیانے درجے کی کھجور سے عشر وصول کیا جائیگا۔

فرمایا: یہ (مذکورہ طریقہ) بھیڑوں اور بکریوں کی زکوٰۃ کی مانند ہے۔ جب مختلف قسم کی چھوٹی اور بڑی، عمدہ اور ادنیٰ قسم کی بکریاں ہوں تو دو سال سے اوپر والی اور دو سال سے کم والی مالک کے لئے چھوڑ دی جاتی ہیں۔ اور دو سال والی بکریوں میں سے صدقہ وصول کر لیا جاتا ہے۔ اگر باغ میں ساری کی ساری کھجوریں ردی ہوں تو ردی ہی سے صدقہ وصول کیا جائے گا۔ اسی طرح اگر بکریاں تمام کی تمام چھوٹی ہی ہوں تو چھوٹی بکریاں ہی بطور صدقہ لے لی جاتی ہیں۔

باب صدقۃ الزرع

امام شافعیؒ نے فرمایا: ہر وہ فصل جسے لوگ بوتے ہوں وہ خشک کی جاسکتی ہو، ذخیرہ ہو سکتی ہو اور بطور غذا کھائی جاتی ہو، روٹی کی صورت میں یا آٹے کی صورت میں یا پکانے کی صورت میں، اس میں صدقہ ہے۔

امام شافعیؒ نے فرمایا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپؐ نے گندم جَو اور مکئی سے صدقہ وصول فرمایا۔

فرمایا: اور اسی طرح ہر وہ چیز جس کو لوگ بوئیں اور بطور خوراک استعمال کریں۔ پس ہر قسم کی خوراک مثلاً گندم، کنگنی، باجرہ، جَو اور تمام پھلی دار چیزیں مثلاً چنا، مسور اور لوبیا وغیرہ سے صدقہ (عشر) وصول کیا جائے گا کیونکہ مذکورہ تمام چیزیں وہ ہیں جو روٹی کے طور پر یا آٹے کے طور پر یا پکا کر کھائی جاتی ہیں اور انسان ہی ان کو اگانے کا باعث بنتے ہیں۔

میرے نزدیک یہ واضح نہیں ہوا کہ آیا "فث" (ایک قسم کی بوٹی ہے جس کے دانے قحط کے ایام میں کھائے جاتے ہیں) سے صدقہ وصول کیا جائے گا یا نہیں۔ یہ خوراک تو ضرور ہے مگر ان چیزوں میں سے نہیں جنہیں لوگ اگاتے ہیں۔ اور نہ ہی اندرائن کے دانوں سے صدقہ وصول

کیا جائے گا۔ کیوں کہ وہ بھی اگرچہ خوراک کا کام تو دیتے ہیں مگر خود رو ہیں۔ اسی طرح جنگلی درختوں کے دانوں سے بھی صدقہ وصول نہیں کیا جائے گا۔ جیسا کہ جنگلی گائے اور ہرنوں سے نہیں وصول کیا جاتا۔

امام شافعیؒ نے فرمایا: رائی کے دانوں اور "اسبیوش" (دوا کی کوئی قسم ہے) سے صدقہ نہیں وصول کیا جائے گا کیونکہ یہ چیزیں زیادہ تر دوا کے لئے اگائی جاتی ہیں اور نہ ہی اس قسم کے اور دانوں سے جو بطور دوا استعمال کئے جاتے ہیں۔ اسی طرح تمام پھل، ککڑی، خربوزہ، مولی اور سبزی وغیرہ میں بھی صدقہ نہیں ہے۔

باب تفریع زکوٰۃ الحنطۃ

امام شافعیؒ نے فرمایا: دانے کی جن قسموں میں صدقہ ہے ان میں سے کوئی قسم جب پانچ وسق کو پہنچ جائے تو اس میں صدقہ (عشر) ہوگا۔ دانے کی ہر قسم کے عمدہ اور ردی حصہ کو ملا کر ایک شمار کر لیا جائے گا۔ مگر دانوں کی قسموں میں اختلاف کھجور کی قسموں میں اختلاف کی مانند نہیں کیونکہ دانوں کی اقسام زیادہ سے زیادہ دو تین ہیں اور کھجور کی اقسام پچاس یا اس سے بھی زیادہ۔ لہٰذا دانے کی ہر قسم سے جدا جدا صدقہ وصول کیا جائے گا۔

گندم عموماً دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک وہ جو گاہنے سے حاصل ہوتی ہے۔ یعنی صرف گاہنے سے دانے اپنے خوشوں اور چھلکوں سے چھن کر صاف ہو جاتے ہیں۔ اس طرح کے دانے پانچ وسق کو پہنچ جائیں تو ان میں صدقہ ہوگا۔ دوسری طرح کے دانے وہ ہوتے ہیں جو گاہنے کے بعد چھلکے سے نہیں نکلتے یعنی اچھی طرح صاف نہیں ہوتے انہیں کوٹ کر صاف کرنا پڑتا ہے۔ صاف ہو جانے کے بعد ان کی مقدار پانچ وسق کو پہنچ جائے تو ان میں بھی صدقہ ہوگا اگر دانے ناصاف شدہ اور چھلکے کے اندر ہی پڑے ہوں تو دس وسق پر صدقہ ہوگا۔ ان دونوں صورتوں میں کسی فریق (عامل یا مالک) کو ضرر نہ پہنچے گا۔

امام شافعیؒ نے فرمایا: اگر اہل غلہ اس بات کا مطالبہ کریں کہ ان کی گندم خوشوں میں پڑی رہنے دی جائے اور ان سے صدقہ وصول کر لیا جائے تو ان کی یہ بات تسلیم نہیں کی جائے گی۔

اخروٹ کا اندازہ چھلکے سمیت ہی لگایا جائے گا۔ کیونکہ اس کا چھلکا اس کے لئے حفاظت کا کام دیتا ہے۔ چھلکا اتار لیا جائے تو جلد خراب ہو جانے کا اندیشہ ہے۔

باب الزرع فی الاوقات

مکئی (عام طور پر) سال میں ایک ہی مرتبہ کاشت کی جاتی اور کاٹی جاتی ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ بعض جگہوں پر کٹائی میں تقدیم یا تاخیر ہو جاتی ہو۔ یہ ایک ہی فصل شمار ہوگی۔ مقدم اور مؤخر کو ملا کر ایک شمار کیا جائے گا اور اس سے عشر وصول کیا جائے گا۔ اسی طرح مختلف اقسام کی مکئی مختلف اوقات میں بوئی گئی۔ اب کچھ پہلے تیار ہو گئی اور کچھ بعد میں تو تمام کو ملا کر ایک شمار کیا جائے گا۔

باب قدر الصدقة فیما اخرجت الارض

امام شافعیؒ نے فرمایا: مجھے یہ بات پہنچی کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس زمین کو کنویں کے پانی یا ڈول سے سینچا جائے اس میں بیسواں حصہ اور جو اس کے علاوہ چشمہ یا بارش کے پانی سے سینچی جائے۔ اس میں دسواں حصہ ہے۔

امام شافعی نے فرمایا: حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرمایا کرتے تھے۔ تمام پھلوں اور فصلوں مثلاً کھجور، انگور، جو وغیرہ کو اگر پانی چشمے یا دریا کا دیا گیا ہے یا بارانی اور سیلابی زمین ہے تو اس میں دسواں حصہ ہے۔ اور جس زمین کو کنویں کا پانی دیا گیا ہو اس میں بیسواں حصہ ہو۔

امام شافعیؒ نے فرمایا: ہم اسی چیز پر عمل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہر وہ زمین جو دریاؤں کے پانی سے سیراب ہو یا سیلاب سے سیراب ہو، سمندر، بارش یا شبنم کے پانی سے سیراب ہو اس کی پیداوار میں دسواں حصہ اور ہر وہ زمین جسے بذریعہ ڈول یا کنویں یا کھدائی کی نہر، یا گلے یا اونٹ پر لاد کر پانی دیا جائے اس میں بیسواں حصہ ہے۔

امام شافعیؒ نے فرمایا: اگر ایک فصل کو دریا اور سیلاب یا بارش وغیرہ کا پانی ملا ہے اور ساتھ ہی ڈول یا کنویں سے بھی مشقت کر کے پانی دیا گیا ہے۔ اگر دونوں قسم کے پانی برابر برابر ہیں تو تین

پیداوار عشر ہوگا اور اگر ایک پانی زیادہ ہے تو للاکثر حکم الکل کا اعتبار کرتے ہوئے اسی پانی کا حکم لگایا جائے گا۔ یعنی اگر نہر یا سیلاب کا پانی زیادہ پہنچا ہے تو اس میں دسواں حصہ اور اگر کنویں کا پانی زیادہ مرتبہ دینا پڑا ہو تو اس میں بیسواں حصہ ہوگا۔

پیداوار زمین سے کس وقت صدقہ وصول کیا جائے گا

امام شافعیؒ نے فرمایا، زمینی پیداوار (جس میں زکوٰۃ واجب ہے) جب تیار ہو جائے اور کٹنے کے قابل ہو جائے تو اس وقت زکوٰۃ (عشر) وصول کی جائے گی۔ سال گزرنے کا انتظار نہ کیا جائے گا۔ کیونکہ باری تعالیٰ نے فرمایا۔ واتوا حقہ یوم حصادہ (فصل کا حق (عشر) اس کے کاٹے جانے کے روز ادا کرو) اس آیت کریمہ میں کٹائی کے دن کو ہی وصولی عشر کا وقت مقرر کیا گیا ہے۔ مذکورہ آیت اس بات کا بھی احتمال رکھتی ہے کہ جب فصل کٹائی کے بعد صاف ستھری اور قابل استعمال بنائی جائے، اس وقت اس سے زکوٰۃ وصول کی جائے گی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول مبارک اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آنجنابؐ نے کھجور اور انگور کے خشک ہونے پر ان سے عشر وصول کیا ہے نہ کہ ان کے کاٹے جانے کے دن اسی طرح معدنیات سونا، چاندی وغیرہ کا معاملہ ہے جب تک ان کی کان سے نکلنے کے بعد اصلاح نہ ہو جائے اور خالص سونا و چاندی کی شکل اختیار نہ کرلیں اس وقت تک ان سے عشر وصول نہیں کیا جائے گا۔

امام شافعیؒ نے فرمایا۔ مدفون خزانہ کی زکوٰۃ اسی دن لی جائے گی جس دن وہ ملے گا کیونکہ وہ پہلے ہی سے اصلاح شدہ ہے[۱]

---

[۱] کتاب الام: امام شافعیؒ: جلد ۲: از ص ۳۰ تا ۳۲ طبع مصر

تاریخ عشر

—— : مولانا ریاض الحسن نوری : ——

نحمدہ ونستغفرہ ونصلی علی خاتم النبین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین۔

اما بعد!

لا الہ الا اللہ قدیم ہے

اسلام کے پانچ ارکان ہیں۔ حج جو استطاعت پر منحصر ہے، الگ کرلیا جائے تو باقی چار اس وقت سے چلے آرہے ہیں جب سے انسان پیدا ہوا ہے۔ زمانہ قبل تاریخ میں بھی انسان خدا کی وحدانیت پر ایمان رکھتا تھا۔ شرک بعد کی پیداوار ہے جس کی اصلاح کے لئے قدیم زمانے سے وقتاً فوقتاً پیغمبر آتے رہے اس لئے یہ کہنا غلط ہے کہ توحید ارتقائی عمل کی پیداوار ہے۔ جہاں تک نماز کا تعلق ہے شبلی نعمانی نے سیرۃ النبی میں بائیبل کے حوالوں سے ثابت کیا ہے کہ پانچ نمازیں شروع سے چلی آرہی ہیں۔ پارسیوں کے دینی پیشوا زرتشت نے بھی دن میں پانچ مرتبہ عبادت کا حکم دیا۔ تیسرے رکن زکوٰۃ کے ایک حصہ یعنی عشر کی تاریخ ہمارے اس مضمون کا عنوان ہے۔ دنیا کے تمام مذاہب صدقات پہ زور دیتے رہے ہیں۔ اسی پر چوتھے رکن یعنی روزہ کو بھی قیاس کرلیا جائے۔ پس اسلام اور اس کے ارکان بنیادی طور پر قدیم ہیں۔

حمورابی اور عشر

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے ارض القرآن میں حمورابی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق لکھا ہے کہ ان کا زمانہ ایک ہی تھا گو جدید مؤرخین کے نزدیک اس کا زمانہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد کا ہے۔ مارشل ڈنن (MRRCel Dunan) کے ایڈٹ کردہ قدیم اور زمانہ وسطیٰ کے انسائیکلوپیڈیا کے مطابق حمورابی نے ۱۶۷۹ ق م میں ماری (MARI) کو فتح کیا ہے[1] ؟ حاشیہ اگلے صفحہ پر

ما قبل تاریخ کے اس مشہور بادشاہ کے متعلق ہاکز (Hawkes) اور سر وولی (Sir Woolley) کھدائیوں میں برآمد شدہ تختیوں کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

1- All agricultural taxes were paid in kind since they were not fixed, but reckoned on percentage basis they could only be assessed when the year's produce was ready to hand..... Theoretically the annual tax was ten percent of the produce but the grower would seldom escaped so easily..... The actual payments might amount to a fifth or even to a half of the yield of the land. 1

مذکورہ بالا حوالے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذریعے تو عشر ہی مقرر کیا تھا لیکن بعد میں آنے والے اُمروں اور فرعونوں نے عشر سے زیادہ وصول کرنا شروع کر دیا۔

عشر ہمیشہ سے جاری ہے

جہاں تک حمورابی کا تعلق ہے تو وہ ایک انصاف پسند بادشاہ تھا اس نے اپنے قوانین ابراہیم علیہ السلام کی شریعت سے ہی اخذ کئے جن میں عشر سرفہرست تھا اور وہ پیداوار کا دسواں حصہ ہی تھا گو بعد کے بادشاہوں نے زیادہ وصول کرنا شروع کر دیا۔

حضرت موسیٰؑ اور عشر

کوہ سینا پر جو احکام عشرہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ملے۔ ان میں عشر کا حکم بھی تھا:

گزشتہ صفحہ کا حاشیہ

1 P 81 Larousse Encyclopedia of Ancient and Medieval History Printed in Singapore 1968.

1 P 628 History of Mankind, Cultural and Scientific Development Vol Published by George Allen and Unwin Ltd London 1967.

"اور زمین کی پیداوار کی ساری وہ یکی (۱/۱۰ یعنی عشر) خواہ وہ زمین کے بیج یا درخت کے پھل کی ہو وہ خداوند کی ہے اور خداوند کے لئے پاک ہے"۔[1]

مصر سے ہجرت کے بعد بنی اسرائیل کو سال بہ سال کھیتوں کی پیداوار میں سے عشر ادا کرنے کا حکم ملتا ہے۔

"تو اپنے غلہ میں سے سال بہ سال تیرے کھیتوں میں پیدا ہو وہ یکی (عشر) دینا اور تو خداوند اپنے خدا کے حضور اسی مقام میں جسے وہ اپنے نام کے مسکن کے لئے چنے اپنے غلہ اور مے اور تیل کی وہ یکی کو اور اپنے گلئے بیل اور بھیڑ بکریوں کے پہلوٹھوں کو کھانا کہ تو ہمیشہ خداوند اپنے خداوند کا خوف ماننا سیکھے"۔[2]

سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں کہ : زکوٰۃ ان عبادات میں سے ہے جو تمام آسمانی صحیفوں میں فرض بتائی گئی ہے لیکن ان کے پیروؤں نے اس فرض کو اس حد تک بھلا دیا تھا کہ بظاہر ان کے مذہبی احکام کی فہرست میں اس کا نام تک نظر نہیں آتا حالانکہ قرآن پاک کا دعویٰ ہے جس کی تائید تمام آسمانی صحیفوں نے کی ہے کہ جس طرح نماز مذہب کا جزو لاینفک تھی اسی طرح زکوٰۃ ان سب کا لازمی جزو رہی۔ بنی اسرائیل سے خدا کا جو عہد تھا اس میں نماز اور زکوٰۃ دونوں تھیں۔

اقیموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ (سورہ بقرہ : ۸۳) اور لئن اقمتم الصلوٰۃ واتیتم الزکوٰۃ (المائدہ : ۳) حضرت اسماعیل کے ذکر میں ہے واذکر فی الکتاب اسماعیل انہ کان صادق الوعد وکان رسولاً نبیاً وکان یامر اھلہ بالصلوٰۃ والزکوٰۃ وکان عند ربہ مرضیاً (مریم : ۵۵)

واضح رہے کہ زکوٰۃ میں زکوٰۃ الزرع بھی شامل ہے جسے عشر کہتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے اور بعد کے دور میں یہودی مذہبی رہنما عشر پر

---

[1] احبار : ۲۷ : ۳۰ [2] استثنا : ۱۴ : ۲۲ تا ۲۳

قبضہ کر لیتے اور غریب مذہبی عالموں کو کچھ نہ دیتے ہسٹورینز ہسٹری آف دی ورلڈ میں اس کا ذکر تفصیل سے موجود ہے۔[1] انجیل میں بھی ہمیں عشر کا ذکر ملتا ہے جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تمثیلی انداز میں یوں بیان فرماتے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کے زمانے میں فریسی عشر دیتے تھے،

"ایک فریسی ...... یوں دعا کرنے لگا کہ اے خدا میں تیرا شکر ادا کرتا ہوں ...... میں ہفتہ میں دو بار روزہ رکھتا ہوں اور اپنی ساری آمدنی پر دہ یکے (عشر) دیتا ہوں"[2]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے دور میں فرضیت عشر و زکوٰۃ کا ثبوت قرآن میں بھی موجود ہے: واوصانی بالصلوٰۃ والزکوٰۃ ما دمت حیا (مریم: ۳۱)

ہندوؤں میں عشر

سندھ کی تاریخوں میں بلحاظ قدامت فتح نامہ عرف چچنامہ کے بعد تاریخ معصومی پہلی تاریخ ہے۔ اس میں عشر کے بارے میں یہ لکھا ہے:

"ان اطراف کے ملکوں اور شہروں کا مالک و مختار اور صاحب اقتدار سیہرس رائے بن ساہسی ایک نیک نہاد اور انصاف پسند بادشاہ تھا .... ملکی معاملات کے لئے اس نے چار ضابطے مقرر کئے ضابطہ دوم کے تحت رعایا کو یہ ہدایت تھی کہ محصول یا عشر[3] میں سے جو واجب ہو طلب کئے بغیر

---

1. Ffits Historians History of the World, London 1908

2. لوقا: ۱۸: ۱۱ تا ۱۳

3. حاشیہ میں عشر کے متعلق مترجم تاریخ ہذا اختر رضوی فرماتے ہیں "یعنی زمین کی پیداوار کا دسواں حصہ جو بطور مالگزاری حکومت وصول کرتی تھی لیکن چونکہ مالگزاری کی یہ شرح (عشر یعنی ۱/۱۰) اسلام کی ایجاد کردہ ہے اس لئے سمجھ میں نہیں آتا کہ رائے ساہسی کے زمانے میں یہ اصطلاح کیوں کر رائج ہو گئی" ہم کہتے ہیں کہ ہمارے مذکورہ بالا بیانات سے ثابت ہو چکا ہے کہ عشر آج سے چار ہزار سال قبل زمانہ قبل از تاریخ میں بھی لیا جاتا تھا۔ اس لئے سندھ و ہند میں اس اصطلاح کے رواج کو سمجھنا چنداں مشکل نہیں۔

تین قسطوں میں ادا کرتے رہیں گے "[1]

زکوٰۃ و عشر کی تدریجی تکمیل

مولانا سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں: جس طرح عام نماز کا آغاز اسلام کے ساتھ ہوا اور مدینہ میں آکر وہ رفتہ رفتہ تکمیل کو پہنچی اسی طرح زکوٰۃ یعنی مطلق مالی خیرات کی ترغیب تو ابتدائے اسلام سے ہی شروع ہوئی لیکن اس کا پورا نظام آہستہ آہستہ فتح مکہ کے بعد قائم ہوا...... اس کی مقدار نصاب سال اور دوسری خصوصیتیں جو زکوٰۃ کی حقیقت میں داخل ہیں وہ بعد کو رفتہ رفتہ مناسب حالات کے پیدا ہونے کے ساتھ تکمیل کو پہنچیں۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام صرف دو لفظوں سے مرکب ہے۔ خدا کا حق اور بھائیوں کا حق۔ پہلے لفظ کا مظہر اعظم نماز ہے اور دوسرے کا زکوٰۃ[2] ہم اس پر یہ اضافہ کریں گے کہ زکوٰۃ میں عشر بھی شامل ہے جسے زکوٰۃ الزرع کہتے ہیں۔

واقیموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ واقرضوا اللہ قرضاً حسناً (مزمل: ۲۰)

پس اگر عشر والی آیت یعنی اٰتوا حقہ یوم حصادہ (الانعام، ۱۴۱)

مکہ میں نازل ہوئی تو تدریجی حکمت کی بنا پر اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں علامہ محمود آلوسی حنفی لکھتے ہیں کہ حضرت علیؓ کے قول کے مطابق اللہ تعالیٰ کے فرمان :۔

یاایھا الذین اٰمنوا انفقوا من طیبات ما کسبتم سے مراد سونا چاندی ہے اور وممآ اخرجنا لکم من الارض سے مراد دانے چھوارے اور وہ تمام زرعی پیداوار ہے جس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے یعنی من الحب والتمر وکل شئی علیہ الزکوٰۃ[3]

بات اصل میں یہ ہے کہ قرآن میں بعض چیزوں کا اجمالی ذکر ہے اور بعض کا تفصیلی

---

[1] معصومی: تاریخ معصومی مترجمہ اختر رضوی؛ ۱۲، ۱۴۰؛ مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ کراچی ط ۱۹۵۹ء

[2] سید سلیمان ندوی؛ سیرۃ النبی؛ مطبوعہ اعظم گڑھ ۱۹۴۴ء

[3] روح المعانی : ۳۹۱۳ طبع لاہور۔

چونکہ لوگ وضو گھر سے کرکے آتے تھے اس لئے وضو کا تفصیلی ذکر ہے لیکن نماز لوگ باجماعت مسجد میں پڑھتے تھے اس لئے اس کا ذکر اجمالی ہے کہ "لوگوں کے ساتھ مل کر رکوع کرو" اسیطرح عشر کا حکم قرآن میں اجمالی طور سے ہے۔ عملی طور پر حکومت وصول کرتی تھی اس لئے تفصیل قولاً و عملاً سنت نبوی سے واضح ہوئی۔ چونکہ مکہ کی زمین زراعت کی زمین نہ تھی یہ حکم مجمل نازل ہوا کہ پیداوار کے وقت اس کا حق ادا کرو۔ جب باقاعدہ حکومت مدینہ میں قائم ہوئی اور زکوٰۃ کا حکم اترا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آیات زکوٰۃ و عشر کی تفسیر فرما دی۔ آج تک کوئی مفسر ان میں سے کسی آیت کو منسوخ نہیں مانتا۔ لیکن چند اصحاب نے، جو نسخ کے لفظ کو بہت وسیع اصطلاحی معنوں میں استعمال کرتے ہیں یہ کہا کہ اجمالی حکم کی جگہ چونکہ معین حکم آچکا ہے اس لئے اجمالی حکم منسوخ سمجھا جائیگا کوئی اپنی مرضی سے کھیتی کا حق معین نہیں کر سکتا بلکہ سنت کی متعین کردہ تفصیلات کے مطابق ہی یہ حق حکومت کو ادا کیا جائے گا۔ انفرادی ادائیگی مشروط ہے جیسا کہ مدینہ منورہ میں باقاعدہ حکومت کے قیام سے پہلے ہو سکتا تھا۔ نقدی کی زکوٰۃ تو شاید انفرادی طور پر نکالنے سے ادا ہو جائے لیکن مویشیوں اور کھیتوں کی زکوٰۃ کا فرض حکومت کو دینے ہی سے ادا ہوگا الّا یہ کہ کوئی اسلامی حکومت موجود نہ ہو۔ اس دور میں مدینہ منورہ میں نقدی یعنی سونا چاندی کا رواج برائے نام تھا زیادہ تر بارٹر (مال کے بدلے مال) کا نظام چلتا تھا۔ پس جب زکوٰۃ کی آیات نازل ہوئیں تو ان کا زیادہ تر ہدف کھیتی اور مویشی تھے۔ کیونکہ انہی دو پر عربوں کے اموال مشتمل تھے یہی وجہ ہے کہ مشہور مرفوع احادیث میں خون بہا کی مقدار نقدی میں بیان ہی کی گئی جیسے کہا گیا کہ دیت سو اونٹ ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں جب رومی سکوں کا رواج مدینہ میں بھی ہو گیا تب بھی دیت کی بنیاد وہی سو اونٹ رہی الغرض قرآن میں جہاں بھی فرض زکوٰۃ یا صدقہ خیرات کا ذکر ہے تو اس سے مراد زیادہ تر زرعی پیداوار اور مویشی ہی ہیں[1]۔ یہ غالباً اسی وجہ سے ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سرکاری طور پر زیورات کی زکوٰۃ کم ہی وصول

---

[1] سیر الانصار: ج ۱: ص ۳۷؛ مولفہ سعید صاحب مطبوعہ اعظم گڑھ میں لکھا ہے کہ مدینہ میں سکے رائج الوقت کوئی نہ تھا۔ بارٹر سسٹم ہی ذریعہ تجارت تھا۔

کی شاید اسی وجہ سے شوافع کو یہ غلط فہمی ہوئی کہ زیورات پر زکوٰۃ ہی نہیں۔

سیم وزر اور عشر و مویشیوں کی زکوٰۃ کا فرق

یہ اصول کہ عشر ہی زکوٰۃ الزرع کا دوسرا نام ہے قرآن پاک سے ثابت ہے۔ اب ہم بعض ایسی دلیلوں کا ذکر کریں گے جن سے ثابت ہوگا عشر و مویشیوں کی زکوٰۃ سیم وزر کی زکوٰۃ سے اہم ہے۔ دونوں میں یہ فرق مراتب مختلف روایات سے عیاں ہے۔ کتاب الاموال میں ابو عبید بہت سارے آثار اس سلسلہ میں بیان کرتے ہیں کہ سیم وزر اور مالِ تجارت کی زکوٰۃ لوگ خود بھی نکالتے رہے اور خلفاء کو بھی دیتے رہے لیکن ان کے نزدیک زرعی پیداوار اور مویشیوں کی زکوٰۃ کی ادائیگی صرف حکومت کو ہی ادا کرنے کی صورت میں ہو سکتی ہے۔ اپنے طور پر دینے سے فرض پورا نہ ہوگا بلکہ دوبارہ حکومت کو ادا کرنا پڑے گی ورنہ فرض سر پر باقی رہے گا۔[1]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عشر

مشہور تاریخ طبری میں ۹ھ کے حالات کے بارے میں لکھا ہے کہ آپؐ نے باقاعدہ محصلین زکوٰۃ تمام علاقوں میں بھیجے جنہوں نے عشر اور مویشیوں کی زکوٰۃ سرکاری طور پر وصول کی۔

ابن اثیر نے اپنی تاریخ میں عشر و صدقات کے لئے عمال بھیجنے کا ذکر سنہ ۱۰ھ کے تحت کیا ہے۔ اسی ضمن میں سہیلی اس طرح رقمطراز ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ہر گاؤں اور ہر ہر قریہ کی طرف اپنے عمال عشر اور مویشیوں کی زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے بھیجے ہوئے۔[2]

ابن قیم نے عمال عشر کی روانگی کے مہینہ تک کا ذکر کیا ہے وہ لکھتے ہیں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم طائف وغیرہ سے مدینہ واپس لوٹے تو لوگوں سے صدقات (عشر و مویشی کی زکوٰۃ)

---

[1] ابو عبید: کتاب الاموال: ۵۸۶: مطبوعہ قاہرہ مع تعلیق محمد خلیل ہراس ۱۹۶۹ء

[2] سہیلی: الروض الانف: ۲۲۶:۷۸۔ مطبوعہ مصر۔

وصول کرنے کیلئے محرم ۹ھ میں مختلف مصدقین روانہ کئے۔ پس آپ نے عیینہ بن حسن کو بنی تمیم، یزید بن الحسین کو اسلم اور غفار، عباد بن بشیر الاشہلی کو سلیم اور مزینہ، رافع بن مکیث کو قبیلہ جہینہ، عمرو بن العاص کو بنی خزارہ ضحاک بن سفیان کو بنی کلاب، بشیر بن سفیان کو بنی کعب، اور ابن اللتبیہ الازدی کو بنی ذبیان کی طرف روانہ فرمایا اور انہیں تاکید کی کہ لوگوں کے اعلیٰ اموال لینے سے پرہیز کریں یعنی اچھا مال چھانٹنے نہ بیٹھ جائیں۔ جب ابن اللتبیہ واپس آئے تو آپ نے اسی طرح کے طرزِ عمل پر اس کا محاسبہ بھی فرمایا[1]

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مہاجر بن ابی امیہ کو صنعا کی طرف بھیجا گیا تھا یہ ابھی وہیں تھے کہ عنسی نے خروج کر دیا۔ مالک بن نمیرہ کو بنی حنظلہ اور حضرت علی نجران سے صدقات اور جزیہ وصول کرنے پر مامور کئے گئے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا زکوٰۃ وصول کرنے کا طریقہ نہایت عمدہ اور حسبِ حالات تھا۔ آپ نے اس کی کمیت اور نصاب خود مقرر فرمایا اور وجوب و قیود کی تفصیلات بیان فرمائیں۔ مصارف بھی خود طے کیے۔ حدیہ کہ عشر و زکوٰۃ کی مصلحتیں بھی کھول کھول کر بیان فرمائیں یعنی اس میں مالداروں اور غریبوں کے لئے کیا کیا فوائد مضمر ہیں۔

ابن قیم لکھتے ہیں کہ آپؐ کی سنت یہ تھی کہ زکوٰۃ لینے کے مستحق کو تو فوراً دلوا دیا کرتے لیکن اگر آپؐ کو اس کا حال معلوم نہ ہوتا تو وضاحت کر دیتے کہ زکوٰۃ میں غنی یا ایسے صحت مند کا کوئی حصہ نہیں جو کسب پر قادر ہو۔ دوسرے آپؐ اس اصول کو پیشِ نظر رکھتے کہ جہاں سے عشر و زکوٰۃ وصول ہوئی ہو وہیں کے مستحقین میں تقسیم کر دی جائے۔

توخذ من اغنیاءھم و ترد علی فقرائھم۔

اگر اس کے بعد کچھ بچ رہتا تو اسے مدینہ منورہ کے بیت المال میں بھجوانے کا بندوبست کیا جاتا۔ پھر آپؐ اسے بدستِ خود تقسیم فرماتے۔ یہی وجہ ہے کہ آپؐ اپنے عاملین زیادہ تر دیہاتوں ہی کی طرف بھیجا کرتے تھے۔ پس آپؐ نے جب حضرت معاذؓ کو یمن بھیجا تو فرمایا

---

[1] ابن قیم: زاد المعاد: ۲: ۲۰۵: مطبوعہ مصر ۱۹۵۰ء۔

کہ وہاں کے لوگوں سے عشر و صدقات وغیرہ وصول کر کے انہیں کے فقیروں میں تقسیم کر دیں
.... جناب اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خارص (اندازہ لگانے والے) بھی بھیجا کرتے
تاکہ وہ یہ اندازہ لگائیں کہ کھجوروں کے مالکان کی پیداوار وسق کے حساب سے کتنی ہوگی۔
اور اس پر زکوٰۃ (عشر) کتنی بنے گی۔ آپؐ خارص کو یہ بھی فرماتے کہ حساب لگاتے وقت
آسانی کے لئے پیداوار میں سے ربع یا ثلث منہا کر لیا کریں یعنی عشر کا پھلوں (ثمار) کے
کاٹنے یا اتارے جانے سے پہلے حساب کر لیا جاتا کہ لوگ اس میں کھا پی سکیں.......
آپؐ کا طریقہ گھوڑوں، خچروں، گدھوں، غلاموں یا سبزیوں، تربوزوں اور تازہ پھلوں سے
عشر و زکوٰۃ وصول کرنے کا نہ تھا۔ یعنی ایسی اشیاء جو ناپی نہ جا سکتی ہوں اور قابل ذخیرہ
اندوزی نہ ہوں انہیں بطور عشر و زکوٰۃ وصول نہ کیا جاتا تھا۔ سوائے انگوروں اور پکی کھجوروں
کے کہ آپؐ ان دونوں اشیاء کو بطور زکوٰۃ وصول کر لیتے اور ان میں جو خشک کر لی جاتی تھیں
(چھوارے، کشمش منقہ) اور ان میں جو خشک نہیں کی جا سکتی تھیں کوئی فرق روا نہ رکھتے
چاہے کوئی انہیں خشک کر کے کشمش یا چھوہارے بنالے یا تازہ ہی بیچ دے[1]

پس قیاس کہتا ہے کہ باقی اثمار کو بھی جو ان کے مشابہ ہیں ان کے مثل قرار دے کر
عشر وصول کیا جائے۔ ہم کہتے ہیں کہ ابن قیم نے کھجوروں اور تازہ انگوروں پر لیے جانے والے
جس عشر کا ذکر کیا ہے اس پر اجماع عام ہے۔ ان دونوں پھلوں پر قیاس کرتے ہوئے
وہ تمام میوے جن کو خشک کر کے ذخیرہ کیا جا سکتا ہے مستثنیٰ نہ ہوں گے مثلاً خوبانی، انجیر،
ناریل، پستہ، بادام، آلو بخارے، شہتوت وغیرہ۔ یہی وجہ ہے کہ امام ابو حنیفہ وغیرہم کے
اس مسلک کو کہ خضروات یعنی تازہ سبزیوں وغیرہ پر عشر نہیں امام بخاری نے........
ناقابل اعتبار اور امام ترمذی نے ضعیف کہا ہے۔

فقہ جعفریہ میں عشر | فقہ جعفریہ کی جس روایت میں "وقع" کا لفظ استعمال کیا گیا ہو
اس سے مراد فرمان جاری کرنے کے ہیں، امام ابو عبداللہ علیہ السلام

---

[1] ابن قیم: زاد المعاد: ۱ : ۱۴۹، سنہ ۱۹۵۰ء مصطفےٰ البابی مصر۔

جعفر صادق نے عشر کے سلسلے میں جو فرمان جاری کیا اسے امامیہ زیدیہ اور حنفیہ سب اہم تسلیم کرتے ہیں ویسے بھی جس فرمان کو امام جعفر صادق علیہ السلام جاری کریں اس سے کسی مسلمان کو مفر نہیں چاہے وہ سنی ہو یا شیعہ۔ فرمان کے الفاظ اس طرح ہیں۔

"وروی ایضاً عن ابی عبد اللہ (امام جعفر صادق) علیہ السلام انہ قال: کل ما دخل القفیز ھو یجری مجری الحنطة والشعیر والتمر والزبیب قال فاخبرنی جعلت فداک ھل علیٰ ھذا الارز وما اشبہ من الحبوب من الحمص والعدس الزکوٰة؟ فوقع علیہ السلام: صدقوا الزکوٰة فی کل شئ کیل"

یعنی امام جعفر صادق علیہ السلام سے یہ بھی مروی ہے کہ جو شئے بھی کسی پیمانے میں میں ڈالی جاسکے جیسے گندم، جو، چھوہارے، منقہ (اس پر عشر ہے) سائل نے پوچھا کیا چاولوں جیسی اشیاء پر بھی جو دانوں کے مثل ہوتی ہیں جیسے چنے ماش وغیرہ؟ امام نے جواب میں فرمان سنا دیا کہ ہر اس شئے پر زکوٰۃ (عشر) ادا کرو جو ناپی یا تولی جاسکتی ہے اسی باب کی ایک روایت ملاحظہ ہو!

"حریض عن زرارة عن ابی عبد اللہ علیہ السلام مثلہ وقال: کل ما کیل بالصاع وبلغ خمسة الاوساق فعلیہ الزکوٰة وقال جعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الصدقة فی کل شئی انبت الارض الا ما کان فی الخضر والبقول وکل شئ یفسد من یومہ"

(یاد رہے زرارہ امامیہ کے ان چھ فقہاء میں اولین مقام رکھتے ہیں جو حضرت امام باقر واصحاب امام جعفر صادق علیہ السلام کے خاص شاگردوں میں ہے)

یعنی ارشاد فرمایا کہ جو چیز بھی صاع سے ناپی جاسکتی ہو اور اس کی مقدار ۵ اوساق کو پہنچ جائے تو اس پر زکوٰۃ (عشر) ہے نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق

ہر وہ چیز جو زمین سے پیدا ہوتی ہو سوائے ایسی سبزیوں اور ترکاریوں کے جو فوراً ہی باسی اور خراب ہونا شروع ہو جاتی ہیں سب پر عشر ہے [۱]

بحرالذخار کے مصنف مشہور زیدی شیعہ عالم کے فرمان کے مطابق عموم آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی ظاہر ہوتا ہے کہ زمین سے جو چیز نکلتی ہے سوائے گھاس پھوس کے، سب پر عشر ہے [۲]

اس ضمن میں شیخ الطائفہ ابو جعفر الطوسی کی روایت بھی دیکھ لی جائے:

"فاما رواہ محمد بن یعقوب عن علی بن ابراھیم عن ابیہ عن حماد بن عیسٰی عن حریض عن محمد بن مسلم، قال سألت علیہ السلام عن الحرث مایزکی منہ واشباھہٗ؟ فقال: البر والشعیر والارز والدخن والذرۃ والسلت والعدس والسمسم کل ھذا یزکی واشباھہٗ۔

مذکورہ بالا روایت میں صاف بیان ہوا ہے کہ ان آٹھ اشیاء یعنی گندم، جو، مکئی، باجرہ، چاول، وغیرہ اور ان کی مثل جو بھی ہوں ان سے زکوٰۃ لی جائے گی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عاملین کو ہدایت

حاکم اپنی سند سے مستدرک میں روایت کرتے ہیں:۔

"عن معاذ بن جبل ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فیما سقت السماء والبعل والسیل العشر وفیما سقی بالنضح نصف العشر وانما یکون ذالک فی التمر والحنطۃ والحبوب واما القثاء والبطیخ

---

[۱] الزرکشی؛ رجال الکشی: ۲۰۶ مطبوعہ کربلا۔

[۲] احمد بن یحییٰ بن المرتضیٰ: کتاب الذخار: ۳: ۱۶۹ طبع بیروت ۱۹۷۵ء

والرمان والقصب فقد عفا عنه رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم[1]

یعنی معاذ بن جبل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جو پیداوار بارش، نہروغیرہ سے سیراب ہو یا وہ درخت جو زمین سے اپنے لئے پانی خود کھینچ لیتے ہیں یعنی آب پاشی سے بے نیاز ہیں تو ان کی پیداوار کا تو عشر یعنی $\frac{1}{10}$ لیا جا ئیگا۔ اور جو کنوئیں رہٹ وغیرہ سے سیراب ہوں اس کا نصف عشر ($\frac{1}{20}$) وصول کیا جائے گا یہ حکم کھجور، گندم اور دانوں کا ہے جہاں تک ککڑی، خربوزہ، انار، اور سرکنڈوں کا تعلق ہے تو ان کا عشر آپ نے معاف فرمادیا۔

مطلب یہ ہے کہ احادیث میں تو مثال کے لئے گنتی کی چند نمائندہ چیزوں کا ذکر ہے اب باقی سب کچھ کو انہی پر قیاس کر لیا جائے۔

مکتوباتِ رسول جن میں عشر کا ذکر ہے

۱- اہل یمن کی جانب

ابن حبان نے اپنی صحیح میں اس خط کو مفصلاً نقل کیا ہے:-

"ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتب الی اهل الیمن وهذه نسختها: بسم اللہ الرحمن الرحیم من محمد النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی شرحبیل بن عبد کلال ونعیم بن عبد کلال قیل ذی رعین ومعافر وهمدان اما بعد فقد رجع رسولکم واعطیتم من الغنائم خمس

---

[1] حاکم المستدرک: ۱: ۴۰۱: مطبوعہ ریاض ص ب ۲۶۵ اس حدیث کو ذہبی نے بھی تلخیص المستدرک میں حاکم کی تائید کرتے ہوئے صحیح کہا ہے۔

اللہ وما کتب علی المؤمنین من العشر فی العقار ماسقطت السماء او سیحا او بعلا ففیہ العشر اذا بلغ خمسۃ اوسق وما سقی بالرشاء والدلو ففیہ نصف العشر اذا بلغ خمسۃ اوسق[1]

مذکورہ بالا خط میں صاف لکھا ہے کہ آسمانی پانی سے سیراب ہونے والی زرعی پیداوار کا عشر لیا جائے گا اور کنوئیں کے پانی سے نصف عشر اس میں سبزی ترکاری پر عشر کی معافی کا کوئی ذکر نہیں۔ الاموال لابن زنجویہ میں الفاظ یوں ہیں:

کتب رسول اللہ .... ان فیما سقت السماء او سقی غیلا العشر وفیما سقی بالغرب نصف العشر[2]

۲۔ اہل عمان و نجران کی طرف

من محمد النبی رسول اللہ لعباد اللہ الاسبذیین ملوک عمان واسبذ عمان من کان منھم بالبحرین انھم ان امنوا واقاموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ واطاعوا اللہ ورسولہ وآتوا حق النبی ولنسکوا نسك المسلمین فانھم امنون ان لھم مااسلموا علیہ غیر ان مال بیت المال شیئاً للہ وان عشور التمر صدقۃ ونصف عشور للحب وان للمسلمین نصرھم ونصحھم ...... [3]

علی ہذا القیاس عشر کے بارے میں اسی سے ملتی جلتی باتیں آپ کے دوسرے خطوط میں بھی موجود ہیں۔ تفصیلات کے لئے ڈاکٹر حمید اللہ کی کتاب "مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ" کے مندرجہ ذیل صفحات کی طرف رجوع کیا جائے۔

---

[1] ابن حبان، موارد الظمان الی زوائد ابن حبان: ۲۰۲ مطبعۃ سلفیۃ۔

[2] ڈاکٹر حمید اللہ: مجموعۃ الوثائق السیاسیہ، ۷۵ اور ۱۷۹ مطبوعہ بیروت ۱۹۶۹ء یہ خط کثیر طرق سے مروی ہے

[3] الدکتور محمد حمید اللہ: مجموعۃ الوثائق السیاسیہ ۱۶۶ طبع بیروت۔

صفحہ ۱۲۲، ۱۲۹، ۱۸۱ وروی نحوہ عبد الرزاق: المصنف ۴: ۱۳۶ ودارقطنی وغیرہم۔

اور بھی کچھ خطوط ڈاکٹر موصوف کی مذکورہ کتاب کے صفحہ ۱۸۵ تا ۲۱۷ پر بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔ ڈاکٹر حمید اللہ نے جتنے بھی خطوط نقل کیے ہیں کسی ایک میں بھی سبزیوں پر سے عشر کی معافی کا کوئی ذکر موجود نہیں۔

حضرت ابو بکرؓ کے دور میں عشر

جناب خورشید احمد فاروقی نے حضرت ابو بکر صدیق کے شروع کے دور کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے۔

"ہجرت کے چند سال کے اندر اندر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عربوں کے لمبے چوڑے ملک میں اسلام کی دعوت پہنچا دی اور تعلیم قرآن کی بنیاد رکھی۔ ذہنی انقلاب کا کام ابھی ابتدائی منزلوں میں تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا...... انؐ کے انتقال سے جیسے آتش فشاں پھٹ نکلا قریش ثقیف اور چند دوسرے چھوٹے قبیلوں کو چھوڑ کر جزیرہ نما کے بیشتر عربوں نے یا تو زکوٰۃ روک لی یا مرتد ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محصل زکوٰۃ اور معلم قرآن اپنے اپنے صدر مقاموں سے واپس چلے آتے۔ اسلام سے بغاوت کے کئی اسباب تھے:

۱۔ نئے مذہب کی اخلاقی اور اجتماعی پابندیوں سے انحراف۔

۲۔ زکوٰۃ سے بددلی۔

۳۔ قبائلی اکابر کی اپنے اقتدار میں کمی اور مدینہ منورہ کی ماتحتی سے ناگواری ....

سرکاری آمدنی جو زکوٰۃ کی شکل میں آتی تھی بہت کم ہو گئی .... ان مخالف قبیلوں کا ایک وفد مدینہ آیا اور شہر کے ممتاز صحابہ سے کہا کہ ہم زکوٰۃ[1] نہیں دے سکتے۔ نماز ادا کر سکتے ہیں ..... اگر زکوٰۃ معاف نہیں کی گئی تو ہم

---

[1] اسلاف کی کتابوں میں جہاں بھی زکوٰۃ کا لفظ استعمال ہوا ہے اس میں زکوٰۃ الزرع (عشر) بھی شامل ہوتا ہے۔

لڑیں گے .... مگر ابوبکر صدیقؓ اس معاملہ میں کسی کی بات سننے کو تیار نہ ہوئے اور کہا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ معاف نہیں کی تو میں بھی نہیں کروں گا۔ ان لوگوں نے اگر زکوٰۃ کے اونٹ کی رسی تک بھی روکی تب بھی میں ان سے لڑوں گا ..... اور انہوں نے خالد بن ولید اور دوسرے سالاروں کو باغیوں کی سرکوبی کے لئے بھیجا۔[1]

مذکورہ بالا اقتباس سے ہمارا مقصد یہ ظاہر کرنا تھا کہ خلیفۂ اول کے زمانے میں بھی ملک کی ایک اکثریت نے عشر اور زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ لیکن حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت عمرؓ اور دوسرے اکابر صحابہ کی اس رائے کو مسترد کر دیا کہ نماز پڑھنے والے اور عشر و زکوٰۃ نہ دینے والے مسلمانوں سے نرمی روا رکھیں۔ ان کی اسی ثابت قدمی اور اولوالعزمی نے اسلام کی ڈگمگاتی ہوئی کشتی کو ڈوبنے سے بچا لیا۔ اس سلسلہ میں حضرت عمرؓ کو بھی ان سے سخت و سست سننا پڑا۔ ایک طرف اکیلے حضرت ابوبکرؓ تھے اور دوسری طرف اکابر صحابہ کی کثیر جماعت اور مدینہ کے عوام لیکن خلیفہ اول نے عشر و زکوٰۃ کے قرآنی احکام پر بلا خوف و جھجک عمل کیا اور ہمیشہ کے لئے رائے عامہ و کثرت رائے پر قرآن و سنّت کی اٹل برتری کے وجوب کی بنیاد رکھ دی۔

مانعین زکوٰۃ اور مرتدین کی سرکوبی کے بعد خلیفہ اول نے باقاعدہ محصلین زکوٰۃ بھیجے اور دیکھ بھال کر عامل مقرر فرمائے مثلاً انہوں نے حضرت انسؓ کو بحرین کا افسر صدقات بنانا چاہا تو حضرت عمرؓ سے مشورہ کیا انہوں نے حضرت انسؓ کی ہوشیاری اور دیانتداری کی تعریف کی چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان کو بحرین کا عامل زکوٰۃ و عشر بنا کر بھیج دیا۔[2]

خلیفۂ اول کی اپنے جانشین کو ایک اہم وصیت

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں :-

---

[1] خورشید احمد فارقی : تاریخ ردۃ : ۱۲ تا ۱۸ ؛ ندوۃ المصنفین دہلی ۱۹۶۳ء

[2] سعید احمد انصاری : سیر الانصار : ۱۲۸ مطبوعہ اعظم گڑھ ۱۹۴۸ء

حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کو جو وصیتیں کی تھیں ان میں ایک یہ بھی تھی کہ جو شخص زکوٰۃ خلیفہ کے مقرر کردہ عامل کے علاوہ کسی اور کو دے گا تو اس کا کوئی صدقہ مقبول نہ ہوگا۔ چاہے ساری دنیا صدقہ میں کیوں نہ دے دے[1]

ابن سیرین فرماتے ہیں کہ صدقہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے عاملوں کو ہی دیا جاتا جب خلیفہ ثالث شہید کر دیئے گئے تو لوگ مختلف الرائے ہو گئے بعض کا خیال تھا کہ صدقہ سرکاری عمال کو ہی دیا جائے اور بعض اسے اپنے طور پر تقسیم کر دینے کے حق میں تھے۔

شاہ ولی اللہؒ مزید لکھتے ہیں: امام شافعیؒ نے فرمایا: میں نے بعض ایسے اصحاب کو جو پانچ اوساق کے قائل نہیں یہ کہتے سنا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ کے دور میں عام طور پر اور زمانہ مابعد میں طویل عرصہ تک صدقات وصول کئے جاتے رہے۔ لیکن کسی روایت میں یہ نہیں کہ کسی نے یہ کہا ہو کہ پانچ وسق سے کم میں صدقہ نہیں بجز ابو سعیدؓ الخدری کے۔ جن کی روایت کے بارے امام شافعی کا قول ہے کہ صحیح روایت ہے۔ یہ روایت حضرت جابر سے بھی مروی ہے جو عمرو بن حزم کی کتاب میں بھی موجود ہے۔ لہٰذا اس پر عمل کرنا واجب ہے۔ گو ائمہ میں سے کسی سے منقول نہیں کہ یہ حدیث ان کے زمانے میں ظاہر ہوئی اور انہوں نے اس میں کلام کیا۔ میں (شاہ ولی اللہ) کہتا ہوں: "بلکہ مالک نے ابو سعید کی روایت کی بنا پر اس کو اہل مدینہ کی سنت قرار دیا"[2]

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ شاہ صاحب کے اس اقتباس کے بعد یہ ابہام رفع ہونا چاہئے کہ اولین چاروں خلفاء اور پانچویں خلیفہ راشد امام حسن رضی اللہ عنہم کے دور میں عشر کے سلسلہ میں کسی اختلاف کا ذکر ملتا ہے۔ البتہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد زکوٰۃ کی ادائیگی کے متعلق جو اختلاف پیدا ہوا اس کی وجہ یہ تھی کہ عوام حضرت علیؓ کو عشر و زکوٰۃ

---

[1] شاہ ولی اللہ: ازالۃ الخفاء مترجم ۲: ۶۹۳ مطبوعہ کارخانہ تجارت کتب کراچی

[2] ایضاً ۳۶۶ و ۳۶۷

دینا تو پسند کرتے تھے مگر بعض علاقوں پر کبھی بنی امیہ اور کبھی خوارج غالب آجاتے تھے اور عوام اس سوچ میں پڑ جاتے کہ انہیں دینے سے ان کا فرض ادا ہو جائے گا یا انہیں دوبارہ اپنے طور پر عشر و زکوٰۃ نکالنی ہوگی۔ عوام کی اس الجھن کو ابو عبید نے اس طرح بیان کیا ہے۔

.... ابن شہاب سے پوچھا گیا کہ اگر حروریہ (خوارج) ہم سے زکوٰۃ کاٹ لیں تو کیا فرض پورا ہو جائے گا انہوں نے جواب میں ابن عمرؓ کی یہ رائے بیان کر دی کہ فریضۂ زکوٰۃ تو اس طرح سے ادا ہو جائے گا۔ واللہ اعلم اسی ضمن میں اہل عراق یا ان میں سے کچھ کا کہنا ہے کہ اگر خوارج زکوٰۃ لینے کسی کے گھر پہنچ جائیں اور وصول کر لیں تو فریضہ تو ادا ہو ہی جائیگا لیکن اگر زکوٰۃ دینے والا خود لیکر ان کے پاس چلا جائے تو فرض پورا نہ ہوگا۔ مزید حضرت نافع فرماتے ہیں کہ انصار نے ابن عمر سے یہی سوال پوچھا تو آپ نے کہا کہ ان (حاکم) کے عمال کو دے دو اس پر انہوں نے وضاحت طلب کی کہ کبھی اہل شام غالب آجاتے ہیں اور کبھی خوارج تو آپؓ نے فرمایا ان میں سے جو غالب آجائے اسی کو دو[1]۔

● (ظاہر ہے یہ سوال خلافت راشدہ کے بعد اس دور میں اٹھایا گیا جب خوارج اور بنو امیہ میں جنگ چل رہی تھی)

تاریخ ایران میں خلفائے راشدین کے متعلق لکھا ہے:۔ زمین کی پیداوار کا دسواں حصہ عشر کہلاتا تھا جو زمینداروں سے وصول کیا جاتا تھا[2]۔

۱۔ ابو عبید: کتاب الاموال: ص ۶۸۷، ۶۸۸ طبع مصر ۱۹۷۶ء

۲۔ پروفیسر مقبول احمد بدخشانی: تاریخ ایران: ۲: ۲۳: مطبع ترقی ادب لاہور ۱۹۷۱ء۔

سزائے قید

قرآن و سنت کی روشنی میں

ڈاکٹر محمد عبداللہ قاضی

قید کو عربی میں حبس کہتے ہیں، حبس کا لغوی معنیٰ روکنا اور بند کرنا ہے۔ اسی سے محبس بنا ہے جس کے معنی قید خانے اور جیل کے ہیں۔ اسی کو سجن بھی کہا جاتا ہے قرآن مجید میں ہے رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ[۲] اے میرے رب قید خانہ میرے نزدیک زیادہ بہتر ہے شرعی اعتبار سے حبس کی تعریف یوں ہوگی "تعویق الشخص ومنعه من التصرف بنفسه"[۳] کسی شخص کو نقل و حرکت اور از خود تصرف سے روک دینا۔

قید کی مشروعیت کے بارے میں فقہاء میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ امام احمدؒ کے ساتھی قید کی عدم مشروعیت کے قائل ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اور نہ ہی خلیفۂ اول ابوبکرؓ کے زمانے میں قید خانے پائے جاتے تھے "ولم یسجن احداً"[۴] اور نہ ہی انہوں نے کسی کو قید کیا۔ اس کی دلیل یہ ہے ہرماس بن حبیب نے اپنے والد سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا "اتیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم بغریم لی فقال لی الزمه ثم قال یا اخا بنی تمیم ما ترید ان تفعل باسیرک[۵]" میں مقروض کو لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ آپ نے مجھ سے فرمایا اسے روکے رکھو۔ پھر فرمایا! بنو تمیمی بھائی، تم اپنے قیدی کا کیا کرو گے؟

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قید نہ کرنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ قید کرنا جائز نہیں ہے۔

---

[۱] تاج العروس شرح القاموس ج ۴ ص ۱۲۴ [۲] سورۃ یوسف آیۃ ۲۳

[۳] الطرق الحکمیۃ ص ۱۱۱ [۴] اقضیۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم لعبداللہ قرطبی ص ۵

[۵] مرجع سابق ص ۵

اس لئے کہ ان دنوں قید کی اتنی ضرورت پیش نہیں آئی۔ پھر جب خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ کا زمانہ آیا اسلامی ریاست کی حدود میں وسعت پیدا ہوئی آبادی بڑھنا شروع ہوئی تب قید خانے بنائے گئے جمہور فقہاء کے یہاں قید کی سزا جائز ہے جس کی دلیل سورۃ نساء کی یہ آیت ہے۔

(واللاتی یأتین الفاحشۃ من نسائکم فاستشھدوا علیھن اربعۃ منکم فان شھدوا فامسکوھن فی البیوت حتی یتوفاھن الموت او یجعل اللہ لھن سبیلا)[1] اور مسلمانوں تمہاری عورتوں میں سے جو بدکاری کریں ان پر چار آدمیوں کی گواہی لو پس اگر وہ گواہی دیدیں تو (سزا کے طور پر) انہیں گھروں میں بند رکھو، یہاں تک کہ موت ان کا کام تمام کر دے یا اللہ ان کے لئے کوئی اور سبیل نکال دے۔

(فھذہ الآیۃ ترشد الی الامساک والحبس فی البیوت کما ھو الھم فی صدر الاسلام)[2]۔ اس آیت سے گھروں میں روک رکھنے، اور قید کی راہنمائی ملتی ہے، ابتدائے اسلام سے یہ حکم یوں ہی برقرار ہے۔ اس سے جیل خانہ جات کی مشروعیت کا پتہ چلتا ہے۔

ارشاد باری ہے:

"اوینفوا من الارض"[3] (ترجمہ: یا انہیں جلاوطن کر دیا جائے) قال مالک[4] والکوفیون نفیھم سجنھم فینفی من سعۃ الدنیا الی ضیقھا فصار کانہ اذا سجن فقد نفی من الارض الامن موضع استقرارہ۔ امام مالک اور علماء کوفہ کہتے ہیں کہ نکال دینے کا مطلب قید کر دینا ہے، چنانچہ انہیں دنیا کی کشادگی سے قید خانے کی تنگی کی طرف نکال پھینکا جاتا ہے۔ یوں بھی جس شخص کو قید کیا جاتا ہے۔ وہ دنیا سے نکل کر ایک محدود جگہ میں گھر کر رہ جاتا ہے۔ انہوں نے بطور استدلال کسی قیدی شاعر کا شعر پیش کیا ہے۔

---

[1] سورۃ النساء آیۃ: ۱۵ [2] جامع احکام القرآن للقرطبی، ج ۵/۸۴، احکام القرآن لابن العربی ۱/۳۵۷ [3] مائدہ آیۃ ۳۳ [4] حاشیہ ابن عابدین ج ۵/۳۷۶

خرجنا من الدنيا ونحن من اهلها
فلسنا من الاموات فيها ولا الاحياء

اذا جاءنا السجان يوماً لحاجة
عجبنا وقلنا جاء هذا من الدنيا

ہم اسی دنیا کے باسی ہیں، اس کے باوجود ہم دنیا سے نکل چکے ہیں، آج ہماری حالت یہ ہے کہ نہ ہم زندوں میں ہیں نہ مردوں میں۔ جب داروغہ کسی دن کسی ضرورت سے ہمارے یہاں آتا ہے تو ہمیں حیرت ہوتی ہے، اور ہم کہتے ہیں کہ، ارے دیکھو یہ دنیا سے آیا ہے۔

والمراد بالارض النازلة۔[1] آیت میں ارض سے مراد وہی بستی ہے جہاں حادثہ پیش آیا، بہرحال سابقہ دلائل سے جیل خانہ جات بنانے کا ثبوت ملتا ہے۔

احادیث

۱۔ عن بهز بن حكيم عن أبيه عن جده ان النبي صلى الله عليه وسلم حبس رجلا في تهمة ثم خلى عنه۔[2]

حضرت بہز بن حکیم سے انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے اپنے دادا سے نقل کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی تہمت کے سلسلے میں ایک شخص کو قید کر دیا، پھر اسے رہا کر دیا۔

عن ابی هريرة من رواية الحاكم ان النبي صلى الله عليه وسلم حبس في تهمة يوماً وليلة۔[3]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے۔ بروایت حاکم، منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی تہمت کے سلسلے میں ایک شخص کو ایک رات دن قید کئے رکھا۔

---

[1] الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ج ۶ /۱۵۲-۱۵۳
[2] نیل الاوطار ۷ /۱۵۸ الاحکام السلطانیہ لابی یعلی ص ۲۴۲
[3] ایضاً ۷ /۱۵۹ ایضاً ایضاً

آپ کے اس فعل سے قید کئے جانے کا ثبوت ملتا ہے۔

روی عبد الرزاق ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال فی الذی امسك رجلاً للآخر حتی قتلہ "اقتلوا القاتل واصبروا الصابر"[1]

عبد الرزاق نے نقل کیا ہے بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے بارے میں فرمایا، جس نے دوسرے شخص کو روکے رکھا، یہاں تک کہ اس کو مار ڈالا آپ نے فرمایا روکنے والے کو روک دو۔

قال ابو عبید "اصبروا الصابر" ای احبسوا الذی حبسہ حتی یموت ومثلہ روی عن علیؓ ھذا ایدال علی مشروعیۃ الحبس۔

ابو عبیدہ کہتے ہیں اصبروا الصابر کا مطلب یہ ہے کہ جس نے قید کر رکھا، اس کو تم بھی قید کرو تاآنکہ وہ بھی مر جائے اسی قسم کا مفہوم حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے اس سے بھی قید کے جواز کا پتہ چلتا ہے۔

اجماع

فقد اتخذ عمر وعثمان وعلی رضی اللہ عنھم السجن ولم ینکر علیھم احدٌ من الصحابۃ فکان ذالك اجماعاً علی اتخاذ السجن والحبس فیہ۔[2]

اس میں شک نہیں کہ حضرت عمر ابن خطاب حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم اجمعین نے جیل خانے بنائے، اور ان کے اس فعل پر صحابہ میں سے کسی نے کوئی اعتراض نہیں کیا، اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جیل خانے بنوائے جاتے تھے اور اس میں قید کرنے پر اجماع منعقد ہے۔

اس کی وضاحت کے لئے ملاحظہ ہو۔

فقد اشتری عمر بن الخطاب من صفوان بن امیۃ دارا باربعۃ

---

[1] اقضیۃ الرسول ص ۷۷۶

[2] نیل الاوطار ج ۷/ ۱۶۰

الاف درهم وجعلها حبساً[۱]، كما ثبت عنه رضی الله عنه انه كان له سجن سجن فيه الحطيئة على الهجاء وسجن ضبيعا التميمی على سواله عن الذاريات والمرسلات والنازعات وشبههن، وأمر الناس بالتفقه فی المشكلات وضربه مرة بعد مرة ونفاه الى العراق وكتب ان لا يجالسه احد قال المحدث: فلوجاءنا ونحن مائة لتفرقنا عنه ثم كتب ابوموسى الى عمر انه قد حسنت توبته فامره عمر فخلى بينه وبين الناس، وبهذا يكون عمر اول من اتخذ السجن[۲] وسجن عثمان بن عفان رضی الله عنه ضابی بن الحارث وكان من لصوص بنی تميم وفتاكهم حتى مات فی السجن[۳]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صفوان بن امیہ سے چار ہزار درہم کا ایک مکان خریدا، اور اسی کو قیدخانہ میں تبدیل کر دیا، آپ ہی سے یہ روایت پایۂ ثبوت کو پہنچی کہ آپ کا ایک جیل خانہ اور تھا، جس میں آپؓ نے حطیئہ شاعر کو اس کی کثرت ہجوگوئی پر قید کر دیا تھا۔ ضبیع التمیمی کو آپ نے اس لئے جیل میں ڈال رکھا تھا۔ کہ وہ سورۃ ذاریات، مرسلات، اور نازعات وغیرہ سورتوں کی بابت لوگوں سے سوالات کیا کرتا تھا، مشکل آیتوں پر غور وفکر کے لئے لوگوں کو اکسایا کرتا تھا، اس شخص کو آپ نے بارہا سزائیں دیں۔ پھر اسے عراق جلاوطن کر دیا اور عراقیوں کے نام یہ خط لکھا کہ کوئی شخص اس کو اپنے پاس نہ بیٹھنے دے چنانچہ کہنے والے یہاں تک کہتے تھے کہ اگر کسی مجلس میں ہم سینکڑوں کی تعداد میں بیٹھے ہوتے، اور وہ شخص آجاتا تو ہم اٹھ کر چلے جاتے تھے، پھر حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ اس شخص نے توبہ کر لی ہے اور بہتر طریقہ سے توبہ کر لی ہے۔ تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے لوگوں کے بائیکاٹ کو ختم فرمایا، اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ

---

[۱] ردالمحتار علی الدرالمختار ج ۴ ص ۳۱۳ [۲] الطرق الحکمیہ ص ۱۰۲

[۳] اقضیۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم لعبداللہ القرطبی ص ۵

[۴] ایضاً

عنہ اولین شخص ہیں جنہوں نے جیل خانوں کی بنیاد ڈالی۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے ضابی بن حارث کو جیل خانے کی سزا دی کیونکہ یہ شخص بنو تمیم کے چوروں اور قاتلوں میں سے تھا بالآخر جیل میں ہی یہ شخص مر گیا۔

وثبت عن علی رضی اللہ عنہ انہ قد سجن۔ وھو لایفعل الاما کان مشروعاً۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ آپ نے بھی قید کیا اور آپ صرف جائز کام ہی کیا کرتے تھے۔

بلاشبہ مذکورہ دلائل سے جیل خانوں کے جواز کا ثبوت ملتا ہے، ان جیل خانوں میں مجرم کا منتظر ایسا نظام ہوتا ہے۔ جو اس کی راہنمائی کرتا اور اسے راہ راست پر لاتا ہے اس کے لئے روک تھام اور راہنمائی کے اسباب فراہم کرتا ہے۔ اور اسی صورت میں جیل خانوں کا مقصد بھی حاصل ہوتا ہے۔ جس کی بنا پر اسلام نے ان کو مندوب قرار دیا ہے جیل خانوں میں اصلاح و درستی کا جو نظام برپا ہوتا ہے وہ ایک مطلوب چیز ہے اور اسکا بہترین نتیجہ برآمد ہوتا ہے کیونکہ اس نظام کو چلانے والے ایسے داعی اور علماء کرام ہوتے ہیں جن سے لوگ متاثر ہوتے ہیں ان کی باتوں کو مانتے اور ان پر کان دھرتے ہیں اگر جیلوں میں علماء کرام وعظ و نصیحت کریں اور ان کو صحیح راستے پر لگائیں تو قید خانوں کی رونق کم ہو سکتی ہے۔ ●●

بقیہ نئی کتابیں

جو تبصرے اس کتاب میں مرتب کئے گئے ہیں وہ فاضل دانشوروں اور مشہور اہل قلم نے تحریر کئے ہیں ان سے ان کتابوں کی وقعت و منزلت کا اظہار ہوتا ہے۔ اور مصنف کی علمی شخصیت بھی اجاگر ہوتی ہے۔ آئندہ کسی نے ہاشمی صاحب کی شخصیت کو تحقیق کا موضوع بنایا تو وہ اس کتاب سے بے نیاز نہیں رہ سکے گا اور اس کی وجہ سے اسے زیادہ محنت نہیں کرنی پڑے گی۔

الرشاد کی ڈاک

محترم جناب مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

امید کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔ علیم وخبیر کون؟ اللہ رب العلمین یا علمائے ملت اسلامیہ ہند کے عنوان سے ایک مختصر سا مضمون ملک کے مختلف اخبارات ورسائل میں شائع ہوا تھا۔ اپنے موقر رسالہ "الرشاد" کی کسی اشاعت میں ایک مختصر سے ادارتی نوٹ کے ساتھ آپ نے بھی اسے شائع فرمایا تھا۔ ۱۹۸۶ء میں پرسنل لا بورڈ آفس سے دو پمفلٹ مجھے بھیجے گئے۔ ایک کا عنوان تھا "طلاق کا صحیح طریقہ" اور دوسرے کا عنوان تھا "طلاق سے پہلے آپ کیا کریں؟" دونوں پمفلٹ کے مطالعہ سے خوشی بھی ہوئی اور دکھ بھی۔ خوشی اس لئے ہوئی کہ ان دونوں پمفلٹ کے مندرجات شریعت مطہرہ کے اولین اور مستند ترین ماخذ قرآن مجید کی آیات مبارکہ سے ماخوذ ومستفاد تھے۔ اور یہ آس بندھی تھی کہ اس پلیٹ فارم سے معاشرہ میں جب کھرے سکوں کا چلن عام ہوگا، تو کھوٹے سکوں کا چلن خود بخود بند ہو جائے گا لیکن مؤخر الذکر پمفلٹ کا آخری پیراگراف پڑھ کر سخت مایوسی ہوئی۔ وہ حسب ذیل ہے۔

"اور اگر اس سے بھی کام نہ چلے تو طلاق سے پہلے آخری طور پر یوں کرو کہ ایک حکم (پنچ) شوہر کی طرف سے اور ایک بیوی کی طرف سے مقرر کرو۔ دونوں مخلص ہوں اور اصلاح چاہتے ہوں۔ اگر ان دونوں کی کوششیں بھی ناکام رہیں تو پھر طلاق کے سوا کوئی اور چارۂ کار نہیں۔"

اس متن کے مطالعہ کے بعد اب قرآن پاک کی حسب ذیل آیت کریمہ کی تلاوت فرمائیں۔

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا اِنْ يُّرِيْدَا اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا۔

مذکورہ صدر دونوں ارشادات عالیہ کا بغور مطالعہ اور مقابلہ کرنے کے بعد آپ پائیں گے کہ ان کے بعض اجزاء میں توافق ہے اور بعض میں بین تضاد۔ مثلاً "ایک حکم شوہر کی طرف سے مقرر کرو اور ایک بیوی کی طرف سے مقرر کرو۔ دونوں مخلص ہوں اور اصلاح چاہتے ہوں۔"

یہ چیز مذکورۃ الصدر آیت کریمہ کے حسب ذیل جز کے عین مطابق ہے۔ جن کو پورے طور پر قبول کرنا فرض، خلاف ورزی فسق اور انکار کفر ہے۔

فابعثوا حکماً من اهله وحکماً من اهلها ان يريدا اصلاحاً

اس کے برخلاف "اور اگر اس سے بھی کام نہ چلے تو آخری طور پر یوں کرو کہ" آیت کریمہ کے جزو "وان خفتم شقاق بينهما" کے مطابق نہیں ہے۔ اسی طرح "اگر اس سے بھی کام نہ چلے تو پھر طلاق کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں" آیت زیر بحث کے جزو "يوفق الله بينهما ان الله كان عليماً خبيراً" سے الفاظ، معنیٰ، منشار، مراد، مقصود غرض ہر لحاظ سے قطعی مختلف ہے۔ یوفق الله بینهما صراحۃ النص سے ثابت ہے۔ اسکے خلاف "طلاق کے سوا کوئی اور چارۂ کار نہیں کہ اصل اساس اور ماخذ کا کچھ بھی اتا پتا نہیں ہے اور اگر ہے تو ذمہ داران پرسنل لا بورڈ کو پوری صراحت وضاحت کے ساتھ اس کی نشاندہی کرنی چاہئے۔

پرسنل لا بورڈ ملت اسلامیہ ہند کے تمام مکاتیب فکر کا متفقہ اور متحدہ پلیٹ فارم ہے۔ اور اس کی کسی بات پر اعتراض کرنے کی جسارت کرنا۔ کسی فرد واحد کے لئے بڑا ہی مشکل کٹھن اور صبر آزما کام ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی توفیق شامل حال نہ ہوتی تو اس پمفلٹ کے اجرا کے سات سال بعد بھی دل کی یہ الجھن احاطۂ تحریر میں نہیں آسکتی تھی۔

پرسنل لا بورڈ کے مذکورہ صدر پمفلٹ کے قابل اعتراض اجزا پر سالہا سال تک غور و فکر کرنے، اور طلاق کے موضوع پر مختلف مکاتیب فکر کے علماء کے تفردات کا بغور مطالعہ کرنے اور معاشرہ میں ان کے عام چلن کو دیکھتے ہوئے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے، کہ ہمارے ماضی و حال کے ائمہ، علماء، فقہاء، محققین، اصحاب درس و افتاء حضرات کو مطلوب و مقصود شیطانی یعنی طلاق انتہائی پسند ہے۔ اس کے برخلاف مقصود و مطلوب رحمانی یعنی وفاق ان کو بالکل ہی پسند نہیں ہے۔

فکر و مزاج کے اسی فساد کا نتیجہ ہے، کہ ہمارا پورا معاشرہ افتراق و انتشار کا شکار ہے۔ اور قہر و غضب الٰہی کا نشانہ ہے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

مولانا جلال الدین رومیؒ کے حسب ذیل اشعار بھی پڑھ لیں

وحی آمد سوئے موسیٰ از خدا — بندۂ ما را زما کردی جدا

تو برائے وصل کردن آمدی — نے برائے فصل کردن آمدی

تا توانی پامنہ اندر فراق — اُبغض الاشیاء عندی الطلاق

والسلام

نجم الدین انصاری، نیو ایل ۱۳ر حیدر آباد کالونی

بنارس ہندو یونیورسٹی، فون نمبر ۳۱۲۲۰۹

مخدوم و مکرم! — السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ مزاج عالی بخیر و عافیت ہوگا۔

محبی جناب ڈاکٹر ناطق اعظمی صاحب کے توسط سے، ماہنامہ "الرشاد" ستمبر ۱۹۹۳ء پڑھنے کو ملا، پڑھا، سب سے پہلے "رشحات" پڑھکر، طبیعت بہت خوش ہوئی اور جی کا بہت کچھ بوجھ اس خیال سے ہلکا محسوس ہوا کہ کم از کم آپ کے بے باک اور سنجیدہ قلم نے ملت کی ترجمانی کا حق ادا کیا، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے اور ملت کے افراد کو، دینی شعور اور سیاسی سمجھ بوجھ، عطا فرمائے۔ (آمین)

باقی مضامین بھی بہت خوب اور تحقیقی ہیں، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کو پڑھنے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق اور فرصت بخشے۔ (آمین)

"مراسلات" بھی پسندیدہ ہیں، خاص طور پر عبدالغفار صاحب۔ دہلی کا مراسلہ تو بہت پسند آیا اب کچھ شکوہ بھی، اس بار کتابت کی بہت سی غلطیاں رہ گئی ہیں "تصحیح اور پروف ریڈنگ" کی طرف مزید توجہ دینے کی ضرورت ہے، سب کو گنا نا تو مشکل ہے، البتہ ایک غلطی کا ذکر ضرور کرونگا۔ سب سے پہلے تو کاتب صاحب نے "رشحات" پر ہاتھ صاف کیا ہے، جو مجھے بہت عزیز ہے یعنی "ش" کے تینوں نقطے اڑا دیئے ہیں "فہرست مضامین" پر نگاہ ڈالیے۔ جملہ پرسان حال اور جاننے والوں کی خدمت میں سلام عرض ہے۔ والسلام — طالب دعا۔

نیاز مند۔ عبدالرحمٰن ناصر اصلاحی مہاجنی

تعارف و تبصرہ

نئی کتابیں

محمد رضی الاسلام ندوی

نام کتاب : فکر اسلامی کی تشکیل نو

مرتب : ڈاکٹر احسان اللہ خاں

ناشر : بیت الحکمہ ٹرسٹ ۱۶۵۔ ذاکر باغ نئی دہلی۔ ۲۵

سن اشاعت ۱۹۹۰ء طبع اول صفحات ۱۴۸ قیمت پچاس روپے

مارچ ۱۹۸۶ء میں دہلی یونیورسٹی اور بیت الحکمت ٹرسٹ کے اشتراک سے "فکر اسلامی کی تشکیل نو اور عربی و فارسی ادب پر اکابر نو کے اثرات" کے موضوع پر ایک عالمی سیمینار منعقد ہوا تھا۔ اس میں پیش کئے جانے والے اردو مقالات کو چند دوسرے اہم موضوع مضامین کے ساتھ پیش نظر کتابی صورت میں شائع کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر احسان اللہ خاں کے مقدمہ اور کلمات تشکر، سید مظفر حسین برنی کے افتتاحی خطبہ اور مولانا سعید احمد اکبرآبادی کے پیش لفظ کے علاوہ یہ مجموعہ پانچ مقالات پر مشتمل ہے۔ چار اجتہاد کے موضوع پر ہیں اور آخری مقالہ "موجودہ صنعتی دور میں اسلام کے سیاسی نظام" سے بحث کرتا ہے۔

پہلا مقالہ مولانا تقی امینی صاحب کا ہے۔ اس میں انہوں نے اجتہاد کی تعریف کرکے قرآن اور حدیث و سنت سے اس کا ثبوت پیش کیا ہے۔ پھر اجتہاد کی بعض شکلوں کی نشاندہی کرکے صحابہ و تابعین کے عہد میں ہونیوالی اجتہادی کوششوں کا تذکرہ کیا ہے۔ دوسرا مقالہ عبدالمبین خاں کے قلم سے ہے۔ اسمیں انہوں نے اجتہاد کا مفہوم بیان کرکے اس کی ابتداء اور ارتقاء پر روشنی ڈالی ہے۔ اس کے حدود متعین کئے ہیں اور اسکی صلاحیت، شرائط اور احتیاط کا تذکرہ کیا ہے۔ مقالہ نگار نے اس دور میں انفرادی اجتہاد کے بجائے اجتماعی اجتہاد کا مشورہ دیا ہے۔ تیسرا مقالہ مولوی محمد کا ہے۔ اسمیں انھوں نے ابتداء میں تقلید کی زبردست مذمت کی ہے پھر ان مسائل کا تذکرہ کیا ہے جن میں مقالہ نگار کی نظر میں آج کل اجتہاد کی ضرورت ہے۔ چوتھا مقالہ استاد محمد غزالی قاہرہ کا ہے۔ جو دور حاضر میں اجتہاد اجتماعی سے بحث کرتا ہے۔ اس میں انھوں نے اجتہاد کی تعریف، اقسام ضرورت اور شرائط بیان کی ہیں۔ صحابہ اور سلف صالحین کی زندگی سے اجتہاد اجتماعی کی چند مثالیں بیان کی ہیں پھر عصر حاضر میں اسکا تقاضہ کرنے والے اسباب پر روشنی ڈالی ہے۔ آخر میں چند عملی مشورے دیئے ہیں۔ پانچواں اور آخری مقالہ مولانا محمد شہاب الدین ندوی کا ہے

جس میں انہوں نے موجودہ صنعتی دور میں اسلام کے سیاسی نظام کے خدوخال نمایاں کئے ہیں۔

تبصرہ نگار کی نظر میں مولوی محمد کے مقالے کے علاوہ دیگر تمام مقالات اپنے موضوع پر اچھی معلومات پیش کرتے ہیں۔ خاص طور سے استاد محمد غزالی کا مقالہ۔ مولوی محمد کے مقالہ کا عنوان اجتہاد ہے۔ مگر حقیقۃً اس کے بجائے اس کا عنوان "تجدد" ہونا چاہیئے اس لئے کہ اس مقالہ کا عنوان عہد حاضر کے متجددین کی ذہنیت کی عکاسی ہوتی ہے۔ فاضل مقالہ نگار اجتہاد کے ذریعے کیا مقاصد حاصل کرنا چاہتے ہیں اس کی ایک جھلک ملاحظہ کیجئے۔

نصاب زکوٰۃ میں عصری تقاضوں کے مطابق تبدیلی کر دینی چاہیئے۔

صلوٰۃ الخوف کی آج کل کوئی شکل ممکن نہیں لہٰذا جنگوں کے دوران اللہ کو یاد کرنے کا کوئی اور طریقہ اختیار کرنا چاہیئے۔

— یتیم پوتے پوتی کو دادا کی وراثت سے محروم کرنا صحیح نہیں۔ انہیں اسکی جائیداد میں حصہ ملنا چاہیے۔

— عورتوں کو پردہ کا حکم نہ قرآن میں دیا گیا ہے نہ حدیث میں۔ لہٰذا خدا کے حکم کے خلاف عورتوں کو گھروں میں بند نہیں کرنا چاہیئے۔

— قرآن اور نماز غیر عربی زبان میں پڑھنے کی آزادی ہونی چاہیئے۔

— یہ کہنا بالکل صحیح نہیں کہ مسلمانوں کے علاوہ دنیا کی تمام قوموں کا ہر فرد جہنمی ہے خواہ وہ کیسا ہی شریف اور موحد ہو۔

مقالہ نگار کی ان پریشان خیالیوں پر کوئی تبصرہ کرنے کی راقم سطور ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں علامہ اقبال نے فرمایا تھا۔ خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں۔ اسی قسم کے اجتہادِ نو پر استاد محمد غزالی نے اپنے مقالہ میں یوں اظہار خیال کیا ہے: "اجتہاد کو عوام کے لئے ایک کھلی چھوٹ سمجھ لیا گیا ہے تاکہ وہ خدا کے دین میں اپنی من گھڑت باتیں کہہ سکیں اور شرعی امور میں اپنی من مانی رائے ظاہر کریں۔ اور دین میں وہ چیز داخل کر دیں جس سے اس کا کوئی تعلق نہ ہو اور وہ چیز خارج کر دیں جو شارع اسلام پر نازل ہوئی ہو اور جس پر امت کا عمل ہو رہا ہو۔ اور یہ سب کچھ اجتہاد، تجدد اور تقاضہ زمانہ کی تقلید و اتباع میں کیا جاتا ہے" (ص ۹۶)

اس موضوع پر "اجتہاد اور تبدیلئ احکام" کے نام سے مولانا مجیب اللہ ندوی مدظلہ کی ایک معرکۃ الآراء تصنیف ہے۔ جو لوگ سنجیدگی کے ساتھ یہ سمجھنا چاہتے ہیں کہ اجتہاد کے ذریعے کن

احکام میں تبدیلی کی جا سکتی ہے۔ اور کن احکام میں نہیں کی جا سکتی انھیں اس کتاب کا ضرور مطالعہ کرنا چاہئیے۔

نام کتاب: کبیر احمد جائسی کی علمی و ادبی خدمات

مرتب وناشر: ڈاکٹر شباب الدین

ملنے کا پتہ: ایجوکیشنل بک ہاؤس اے ایم یو مارکیٹ علی گڑھ (یوپی)

سن اشاعت ۱۹۹۲ء طبع اول صفحات ۴۴۴ قیمت ۱۰۰ روپیے۔

زیر تبصرہ کتاب محترم کبیر احمد جائسی پروفیسر و سابق چیرمین ڈپارٹمنٹ آف اسلامک اسٹڈیز مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی علمی و ادبی خدمات کا عکس جمیل پیش کرتی ہے۔ موصوف ایک درجن سے زائد کتابوں کے مصنف ہیں اور آپ کے ایک صد سے زائد مقالات شائع ہو چکے ہیں۔ متعدد رسالوں کی ادارت کر چکے ہیں۔ ان دنوں ماہنامہ تہذیب الاخلاق کی ادارت آپ کے ذمہ ہے۔ تاجیکی ادبیات پر آپ کا خصوصی مطالعہ ہے۔

محترم جائسی صاحب کی تصانیف پر مختلف اوقات میں رسائل میں جو تبصرے شائع ہوئے ہیں فاضل مرتب نے انہیں کو اس کتاب میں مرتب کر دیا ہے۔ ان تبصروں سے جہاں ان کتابوں کی قدر و قیمت کا اندازہ ہوتا ہے وہیں ان میں مصنف کی شخصیت بھی جھلکتی ہے۔ شروع میں ڈاکٹر ابن فریدنے اپنے منفرد اسلوب میں جائسی صاحب کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے۔ ایک مقالہ موصوف کی شاعری اور ایک مقالہ انکی اداریہ نگاری سے بحث کرتا ہے۔ اس مجموعہ میں مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب کا بھی ایک تبصرہ شامل ہے جو انہوں نے انکی کتاب انعکاس پر کیا تھا تبرکات کے زیر عنوان پروفیسر رشید احمد صدیقی۔ بابائے اردو ڈاکٹر عبدالحق اور پروفیسر سید احتشام حسین کے خطوط بنام جائسی کے فوٹو دیئے ہیں۔

محترم جائسی صاحب نے "مولانا عبدالسلام ندوی کی یادیں" کے نام سے ایک کتاب مرتب کی تھی اس کے علاوہ ماہنامہ ادیب علی گڑھ کا عبدالسلام نمبر بھی مرتب کیا تھا۔ آخر میں بعض نامور اہل علم کے ان پر تبصرے ہیں۔ فاضل مرتب نے جائسی صاحب کے مقالات، تراجم، مکاتیب، اداریوں، تبصروں اور تصانیف کی فہرست بھی مرتب کر دی ہے۔ کتاب کے شروع میں چند فوٹو گرافس ہیں جن میں جائسی صاحب کو بعض مشہور شخصیات کے ساتھ دیکھا جا سکتا ہے۔

بقیہ ص ۔ ۴

محترم مرتب الرشاد مدظلہ کی وہ قابل قدر علمی و دینی تصانیف

جو دار التالیف والترجمہ جامعۃ الرشاد یا دوسرے مکتبوں سے شائع ہوئی ہیں

(۱) اسلامی فقہ اول دوم قیمت اول ۶۵ دوم ۷۵
(۲) قرآن پاک کی تعلیم اور اسکی عظمت قیمت ۲۵
(۳) اہل دل کی باتیں " ۲۵
(۴) جہیز کی شرعی حیثیت " ۷
(۵) دینی مدارس اوران کی ذمہ داریاں " ۱۰
(۶) سرمد اوران کی رباعیاں " ۴۰
(۷) خواجہ میر درد اوران کی شاعری "
(۸) ریاض الحدیث " ۲۰
(۹) وقت ایک دولت ہے " ایک روپیہ پچاس پیسے
(۱۰) اسلامی قانون اجرت " ۲۵
(۱۱) اہل کتاب صحابہ وتابعین " ۲۵
(۱۲) اجتہاد اور تبدیلئ احکام " ۴۰
(۱۳) فتاویٰ عالمگیری اوراسکے مؤلفین " ۳۵
(۱۴) اسلام کے بین الاقوامی اصول وتصورات " ۶۵
(۱۵) فقہ اسلامی اور دور جدید کے مسائل " ۲۵
(۱۶) اسلامی تعلیم حصہ اول، دوم، سوم، چہارم " پورے سیٹ کی قیمت ۲۰
(۱۷) خطبۂ نکاح قیمت ۳ (۱۸) مسئلہ کفارت، قیمت ۵
(۱۹) عبادت وخدمت " ۸ (۲۰) تبع تابعین " ۵۰

پتہ

مہتمم مکتبہ الرشاد۔ رشاد نگر۔ اعظم گڈھ

سالانہ چندہ غیر ممالک سے بہ شدہ ڈالر امریکی 15 =/ 5	جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ کا ترجمان ماہنامہ جامعۃ الرشاد	سالانہ چندہ ہندوستان سے =/60 خصوصی معاون =/100 قیمت فی پرچہ =/5

شمارہ ۱۵۴	نومبر ۱۹۹۳ء مطابق جمادی الاولیٰ ۱۴۱۴ھ	جلد نمبر ۲۷

فہرست مضامین

۱	رشحات ۔	مرتب	۲
۲	العشر فی القرآن ۔	مولانا محمد رفیق چودھری ۔	۷
۳	انسانی بنیادی حقوق کا اسلامی تصور ۔	جناب عرفان خالد ڈھلوں لیکچرار گورنمنٹ کالج سیالکوٹ ۔	۱۹
۴	امام ابوالحسن علی کسائی ۔	محمد الیاس الاعظمی ایم اے ۔	۳۴
۵	جے پور میں مسلم پرسنل لا بورڈ کا نوی اجلاس ۔	مرتب	۴۶
۶	وفیات ۔	مرتب	۵۰

مجیب اللہ ندوی پرنٹر پبلشر وایڈیٹر نے نشاط آفسیٹ پریس ٹانڈہ سے چھپوا کر دفتر جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رشحات

اس وقت ہندوستان کے مختلف حصوں اور صوبوں میں متعدد تشدد آمیز تحریکیں چل رہی ہیں آندھرا پردیش اور دوسرے صوبوں کے نکسیلی جسے چاہتے ہیں قتل کر دیتے ہیں عوام کے ساتھ بہت سے پولیس والوں کو وہ روزانہ ڈھیر کرتے رہتے ہیں جھارکھنڈ تحریک والوں نے ہندوستان کی اربوں روپئے کی مالیت برباد کر ڈالی بوڈو تحریک اور منی پور کے تشدد پسندوں نے سینکڑوں کی جانیں لے لیں اور وہ اپنے کو ہندوستانی کہلانا بھی پسند نہیں کرتے، اس سے پہلے دارجلنگ میں بھی یہی سب کچھ ہو چکا ہے مگر ان جگہوں پر ہماری صوبائی اور مرکزی حکومتیں وہ ظالمانہ طرز عمل اختیار نہیں کر رہی ہیں جو وہ کشمیری مسلمانوں کے ساتھ اختیار کئے ہوئے ہیں آخر یہ فرق کیوں ہے؟ کیا اس امتیاز کی وجہ صرف یہ ہے کہ ایک جگہ مسلمان تحریک چلا رہے ہیں اور دوسری جگہ غیر مسلم؟ وہ کشمیری جس نے ہندوستان سے کشمیر کا الحاق کیا تھا اس نے الحاق کے وقت اپنی کچھ الگ حیثیت تسلیم کرائی تھی جس پر دستور کی دفعہ ۳۷۰ شاہد ہے مگر آپ نے کچھ دن تو اس کا لحاظ کیا مگر جوں ہی آپ کو ذرا اطمینان ہوا تو آپ نے اس کی حیثیت دھیرے دھیرے ختم کرنا شروع کر دی شیخ عبد اللہ جس نے کشمیر کا ہندوستان سے الحاق کرایا تھا اس کو آپ کی ظالمانہ اور منافقانہ پالیسی پسند نہیں آئی تو وہ بغاوت پر آمادہ ہو گیا اس کے صلہ میں آپ نے اسے ۱۴ برس جیل میں رکھا پھر یکے بعد دیگرے وہاں پر اپنے مہرے فٹ کرتے رہے وہاں کا سربراہ پرائم منسٹر کہا جاتا تھا جسے آپ نے چیف منسٹر بنا دیا جموں سے مسلمانوں کو نکال کر اس کی حیثیت بدل ڈالی تمام عہدوں پر متعصب ہندوؤں کی بھرتی شروع کر دی۔ یہ سب تماشہ ہوتا رہا مگر کشمیری عوام میں کوئی ابال پیدا نہیں ہوا آخر وہ بزدل کہا جانے والا کشمیری اس وقت آپ کے کہنے کے مطابق دہشت پسند کیوں بن گیا ہے؟ کیا کبھی حکومت اور ہندوستان کی سیکولر کہی جانے والی پارٹیوں نے اس پر بھی غور کیا ہے؟ ضرور غور کیا ہے مگر چونکہ یہ کشمیری مسلمان ہیں اس لئے اس ملک میں ان کے لئے کوئی انصاف نہیں ہے یہاں انصاف کے دو پیمانے ہیں

ایک مسلمانوں کے لئے دوسرے غیر مسلموں کے لئے ۴۵ برس کے اندر لاکھوں مسلمان شہید کر دیے گئے ہزاروں عورتوں کی عصمتیں لوٹ گئیں ہزاروں عورتیں بیوہ اور ہزاروں بچے یتیم ہو گئے مولوی فاروق کے جنازے پر گولی چلا کر سیکڑوں کو ہلاک کر دیا گیا تو کسی کو فوجداری کی کوئی دفعہ یاد نہیں آئی مگر ۶ دسمبر ۹۲ء کو بابری مسجد کی شہادت کے بعد ہزاروں بے گناہ مسلمان شہید کر دیے گئے اربوں روپیے کی جائدادیں برباد کر دی گئیں سیکڑوں عورتوں کی عصمت دری کی ویڈیو فلم بنائی گئی بال ٹھاکرے زہر اگلتا رہا اور شیو سینا خونریزی کرتی رہی کلیان سنگھ اور دوسرے اس کے ہمنوا لیڈر بابری مسجد کو اپنا کارنامہ قرار دیتے رہے تو نہ پولیس حرکت میں آئی اور نہ تو فوج کا کوئی مارچ ہوا اور نہ تو کوئی مجرم سزا پاسکا اور نہ ٹاڈا کا قانون ان پر لاگو ہوا مگر جب میمن برادران نے حالات سے عاجز آکر ایک غیر قانونی قدم اٹھا لیا تو پورا ہندوستان بیچ اٹھا اور اس کا انتقام بمبئی کے بے قصور مسلمانوں سے آج تک لیا جا رہا ہے، اسی کو کہتے ہیں "دھوبی کو پایا نہیں تو گدھے کا کان اینٹھنے لگے" ضیاء الدین بخاری مرحوم کی شہادت کا ملزم کون ہے اس کو بمبئی کے بچے بچے سے پوچھئے؟ اس وقت وہاں کے بہت سے سرکردہ مسلمانوں اور خاص طور پر ابوعاصم وغیرہ کو ٹاڈا کے تحت جیل کی سلاخوں کے پیچھے صرف اس جرم میں ڈال دیا گیا ہے کہ انہوں نے بمبئی کے لٹے پٹے اور مظلوم مسلمانوں کی مدد کی تھی اور بے گھر ہونے والوں کو دوبارہ بسانے کی کوشش کی تھی، بابری مسجد کو شہید کرنے والوں کے لئے آپ کے بندوق کی گولیاں بے کار ہو گئی تھیں مگر کشمیری مسلمان اپنے حقوق کے لئے مظاہرہ کرتے ہیں تو گولیوں کی پوری میگزین خالی کر دی جاتی ہے، بی۔ جے۔ پی کے مظاہرہ پر پانی کے چھڑکاؤ کو کافی سمجھا گیا مگر کشمیریوں پر توپوں اور مشین گنوں کے دہانے کھول دیئے گئے اور سیکڑوں معصوموں کو خاک و خون میں نہلا دیا گیا، آخر ظلم و بربریت کی کوئی حد ہوتی ہے؟ مگر یاد رکھئے ۔

ظلم کی ٹہنی کبھی پھلتی نہیں   ناؤ کاغذ کی سدا چلتی نہیں

ہم حکومت سے صاف صاف کہدینا چاہتے ہیں کہ آپ کشمیر سے اپنی فوجیں ہٹا لیجئے اور اپنی غلط پالیسی کا اعتراف کیجئے اور کشمیریوں سے بات چیت کے ذریعے معاملات کو سلجھانے کی کوشش کیجئے آپ فوج کی طاقت سے عوام کا خون تو بہا سکتے ہیں مگر ان کا دل نہیں جیت

سکتے روس ستر برس تک جبر و تشدد کے ذریعہ کمیونزم کو تھوپنے میں کامیاب نہیں ہو سکا بلکہ اس کے نتیجہ میں وہ بکھر کر رہ گیا آپ جبر و تشدد کے ذریعہ کشمیریوں کو قابو میں لانے کے بجائے سب سے پہلے اپنی ہندو پرستی' فرقہ وارانہ ذہنیت اور سیاسی تنگ نظری کا علاج کیجئے ورنہ مسلمان تو انشاء اللہ نہیں مٹے گا ملک کا اتحاد اور وقار باقی نہیں رہے گا۔ چند کرایہ کے مولویوں سے بیان دلوانے سے مسئلہ حل نہیں ہوگا اس مسئلہ پر حقیقت پسندانہ انداز میں غور کیجئے، ہم بھی چاہتے ہیں کہ کشمیر ہندوستان کا حصہ بنا رہے مگر کشمیریوں سے جس باعزت وعدہ اور معاہدہ کے ذریعہ آپ نے اس کا الحاق کیا تھا اس کو اسی طرح بحال کیجئے۔

یہاں ایک بات مسلمانوں سے یہ کہنی ہے کہ آپ ان حالات کو بازار اور ہوٹل کی گفتگو کے ذریعہ نہیں بلکہ سنجیدہ ماحول میں سمجھنے کی کوشش کیجئے۔ کہ ان خارجی پریشانیوں میں ہماری کن داخلی خرابیوں کو دخل ہے یوں تو بے شمار خرابیوں کا ہم شکار ہیں مگر اس وقت ہم اپنی دو تین خرابیوں کو دور کر لیں اور ایک خوبی اپنے اندر پیدا کر لیں تو ہمیں یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ حالات کو بدل دے گا۔ ہم اس وقت کمزور ضرور ہیں مگر اس اللہ پر بہرحال یقین رکھتے ہیں جس کی قدرت بے پایاں ہے وہ ایک لمحہ میں تمام مشکلات کو دور کر سکتا ہے اور حالات کو بدل سکتا ہے۔

ہمارے معاشرہ کی پہلی خرابی بے اعتمادی اور بدگمانی ہے اس وقت عام طور پر مسلمان کسی کو اپنے سے بڑا اور اعتماد کے قابل نہیں سمجھ رہا ہے بلکہ ہر شخص بدگمانی اور بے اعتمادی کی نفسیات میں مبتلا نظر آتا ہے۔ وہ اپنی رائے خواہ وہ کتنی ہی بودی ہو اس کے سامنے کسی کی رائے کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہے ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں انتشار کا پیدا ہونا لازمی ہے اور انتشار قوموں کے بربادی کی سب سے بڑی علامت ہے اس لئے ضرورت ہے کہ ہم بدگمانی اور بے اعتمادی کی فضا کو دور کریں اپنی رائے پر اڑنے کے بجائے دین و ملت کے کاموں میں جو لوگ لگے ہوئے ہیں ان کی رائے اور فیصلہ کو اہمیت دیں۔

ہماری دوسری خرابی یہ ہے کہ ہم اپنے حق کو پورا پورا لینا چاہتے ہیں مگر اپنے دوسرے بھائیوں کو ان کا حق دینے کے لئے تیار نہیں ہیں اس کے لئے ہم مقدمہ بازی کر رہے ہیں، ایک

ایک دوسرے کو قتل کر رہے ہیں دشمنوں سے ملکر ایک دوسرے کو ذلیل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں خارجی ظلم سے زیادہ ہمارا یہ داخلی ظلم اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے اللہ تعالیٰ کسی قوم کو عزت ووقار بندوں کے حقوق کی ادائیگی اور عدل وانصاف کی بنیاد پر دیتا ہے ظلم کو وہ چاہے مسلمان کرے یا ایک غیر مسلم وہ بہت دنوں تک برداشت نہیں کرتا۔

تیسری چیز جو اس وقت انتہائی ضروری ہے وہ یہ ہے کہ ہم ان خرابیوں کو دور کرکے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہوں اور اس سے گریہ وزاری ودعا کرکے اپنے گناہوں کی معافی مانگیں اس وقت مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ بڑے سے بڑا واقعہ سے بھی انکی زندگی میں نہ کوئی ہلچل پیدا ہوتی ہے اور نہ کوئی تبدیلی محسوس ہوتی ہے قرآن پاک نے کہا ہے کہ کفار پر جب کوئی مصیبت پڑتی ہے تو وہ خالص اللہ کو پکارتے ہیں، مگر افسوس ہے کہ آج ہم سخت سے سخت حالات میں بھی پورے طور پر اللہ کی طرف رجوع نہیں ہو رہے ہیں۔

اس لئے ان حالات سے نکلنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم آپس میں زیادہ سے زیادہ اتحاد کی فضا پیدا کریں بدگمانی اور بے اعتمادی کے بجائے ایک دوسرے پر اعتماد کریں اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہو کر نماز کی پابندی کریں اس سے دعائیں مانگیں اور بندوں کی حق تلفی سے اپنے کو باز رکھیں۔ اگر یہ خوبی ہمارے معاشرہ کے ۵۰ فیصد لوگوں میں پیدا ہو جائے تو ہم اللہ تعالیٰ کی نصرت ومدد کے یقیناً مستحق بن جائیں گے۔ اگر ہم نے ان کمیوں کو دور کر لیا تو انشاء اللہ تعالیٰ غیب سے ایسے سامان پیدا کر دے گا یہ خارجی ریشہ دوانیاں پاور ہوا ہو کر رہ جائیں گی۔

پانچ صوبوں میں اس وقت جو الکشن ہو رہا ہے اس میں بے شمار لوگوں کی دلی خواہش ہے کہ ملی کونسل کی طرف سے بھی اعلان ہونا چاہئے کہ مسلمان کس پارٹی کو ووٹ دیں ملی کونسل اس معنیٰ میں خالص سیاسی جماعت نہیں ہے کہ براہ راست اس کا کوئی ذمہ دار الکشن میں کنڈیڈیٹ بنے مگر اس معنیٰ میں وہ غیر سیاسی بھی نہیں ہے کہ ملکی سیاست کے نشیب وفراز سے بالکل اپنی آنکھیں بند کرلے اور سیاسی جماعتیں ملک کو جس رخ پر چاہیں لے جائیں اور وہ تماشائی بنی دیکھتی رہے۔ اس کے پیش نظر سب سے پہلا کام یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کے

ایسا شعور پیدا کر دے کہ ان میں سیاسی ایسی سوجھ بوجھ پیدا ہو جائے کہ وہ حالات کے لحاظ سے خود کوئی فیصلہ کر سکیں۔ اور ساتھ ہی انکی اکثریت میں بات ماننے کا ایسا جذبہ پیدا ہو جائے کہ ان کو اگر کوئی سگنل دیا جائے تو وہ آسانی سے سمجھ سکیں ملی کونسل کو ابھی اس کام کو کرنے کا پورا موقع نہیں مل سکا ہے مگر پھر بھی وہ تمام صورتحال کا جائزہ لے رہی ہے ——————

—————— اگرچہ یہ بات اصولی طور پر طے ہے کہ مسلمانوں کو کانگریس اور بی۔ جے۔ پی شیوسینا اور دوسری فرقہ پرست جماعتوں کے علاوہ کسی سیکولر جماعت کا ساتھ دینا چاہئے اگر منڈل کمیشن کی جماعتوں میں سیاسی تال میل پیدا ہو گیا ہوتا تو فیصلہ کرنا آسان تھا مگر ایک طرف تو ان میں کوئی سیاسی تال میل پیدا نہ ہو سکا دوسری طرف ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تمام جماعتیں مسلمانوں کے بارے میں یہ سمجھنے لگی ہیں کہ ان کو ووٹ دینا مسلمانوں کی مجبوری ہے تیسری طرف ملائم سنگھ کا طرز عمل اور کانشی رام کا یہ ذلت آمیز بیان کہ مسلمانوں کو ہم صفر سمجھ کر اپنا سیاسی سفر شروع کر رہے ہیں۔ پھر ہر صوبہ کی صورتِ حال جدا جدا ہے اس لئے اس مبہم صورتحال میں مسلمانوں کو خود سیاسی سوجھ بوجھ کے ساتھ فیصلہ کرنا ہے تاکہ فرقہ پرست طاقتیں کمزور ہو سکیں۔

نیپال کا دینی و علمی سفر

نیپال میں نوجوانوں کی ایک تنظیم "یوا اسنگھ" (اہالی) کے نام سے قائم ہے یہ نوجوان اس کے تحت دعوت و تبلیغ اور دینی تعلیم کی ترویج کا کام کرتے ہیں بہت دنوں سے انکا اصرار تھا کہ راقم الحروف انکے کاموں کو قریب سے دیکھے چنانچہ انکے اصرار پر راقم الحروف ۲۷ اکتوبر ۱۹۹۳ء کو بنارس سے ہوائی جہاز کے ذریعہ کاٹھمنڈو پہونچا رات وہاں گذار کر پھر ایک چھوٹے سے جہاز کے ذریعہ دو سو کلومیٹر دور مقام سمرا لے جایا گیا پھر وہاں سے ۲۰ میل بذریعہ ایک گاڑی پہوری جانا ہوا یہ وہ گاؤں ہے جہاں سے حضرت سید احمد شہید اور اسمٰعیل شہیدؒ کی شہادت سے پہلے اور اسکے بعد جو قافلے جہاد کے لئے روانہ ہوتے تھے انکو یہ لوگ غلہ اور رقم پہونچاتے تھے چنانچہ اسی وجہ سے علمائے صادق پور کے خانوادہ سے اب تک ان کا تعلق قائم ہے اسی تعلق کی بنا پر انہوں نے حضرت مولانا عبد السمیع صاحب کو بھی مدعو کیا تھا اس مقام کا انتخاب بھی نوجوانوں کی خوش مزاجی اور دینی جذبہ کی آئینہ دار ہے۔

ان نوجوانوں نے اسی مقصد کے لئے کئی دینی و علمی موضوعات پر ایک سیمینار منعقد کیا تھا۔

بقیہ ص۳۴

العشر فی القرآن

مولانا محمد رفیق چودھری

یہ ایک حقیقت ہے کہ مفلس سے مفلس آدمی بھی اللہ تعالیٰ کی ان گنت نعمتوں سے فیضیاب ہوتا ہے اور منعم حقیقی کی ہر نعمت اپنے منعم علیہ بندے سے مناسب شکر گزاری کا تقاضا کرتی ہے۔ مال و دولت دنیا جہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کے لئے ایک آزمائش ہے۔ وہاں ایک عظیم نعمت بھی ہے اور اس پر شکر گزاری کی معین صورت یہ ہے کہ اس نعمت سے مستفید و متمتع ہوتے ہوئے اس کا کچھ خاص حصہ ان لوگوں تک منتقل کر دیا جائے جو اس سے بالکل محروم ہیں۔ اگر ایسا نہ کیا جائے تو خدا تعالیٰ کی یہ نعمت خود انسان کے لئے نقمت بن جاتی ہے جس کے نتیجے میں اسے دنیا و آخرت میں ناکامی و نامرادی سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔

خدائے رحیم نے اپنے مالدار بندوں کو ایسی صورتِ حال سے بچانے ان کو اپنا فرماں بردار بنانے اور دنیا و عقبیٰ میں فلاح یاب کرنے کے لئے مال و دولت پر بطور شکر گزاری زکوٰۃ کی ادائیگی لازم ٹھہرائی ہے اور اس سلسلے میں زرعی پیداوار پر عشر ادا کرنا واجب کیا ہے۔ غور کرنے سے زکوٰۃ و عشر کے اس وجوب و حکم کی حکمت سمجھ میں آ سکتی ہے کیونکہ جس طرح مال و دولت اکثر و بیشتر خدائے تعالیٰ کی خاص بخشش کا فیضان ہوتا ہے بالکل اسی طرح پھل اور اناج کی زرعی پیداوار بھی رب العالمین کے مخصوص فضل و کرم کی مرہونِ منت ہوتی ہے۔

اب ظاہر ہے کہ ہر استحقاق اپنے ساتھ کچھ نہ کچھ ذمہ داری بھی رکھتا ہے۔ مال و دولت اور زرعی پیداوار کے اسی استحقاق پر زکوٰۃ و عشر کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ قرآن حکیم میں اس حقیقت کو کئی مقامات پر مختلف پیرایوں میں بیان کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر سورہ واقعہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ۞ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ۞ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ	بھلا تم اس بات پر غور کرو کہ جو کچھ تم کاشتکاری کرتے ہو، اسے تم اگاتے ہو یا ہم اگاتے ہیں؟ اگر ہم چاہیں تو اسے چورا چورا کر دیں اور تم ہوت

تَفَكَّهُوْنَ ۝ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ۝ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ۝ اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ ۝ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ۝ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ ۝ (الواقعہ ۶۳ تا ۷۰)	باتیں بناتے رہ جاؤ۔ کہ "ہم پر الٹی چٹی پڑ گئی بلکہ ہم تو اپنی محنت کے سارے فائدوں ہی سے محروم ہو گئے۔" اچھا تم نے دیکھا کہ یہ پانی جو تمہارے پینے کے کام آتا ہے۔ اسے کون برساتا ہے؟ تم برساتے ہو یا ہم برساتے ہیں؟ اگر ہم چاہیں تو اسے کھاری کر دیں، تم کیوں شکر نہیں کرتے؟۔

گویا جس ہستی کی ربوبیت کے فیض سے تمہیں اناج اور پھلوں کا رزق عطا ہوا، اسی رب کائنات کا یہ حق ہے کہ اس کے دیے ہوئے رزق کا کچھ حصہ محروم المعیشت لوگوں کو بھی ادا کیا جائے

دوسرے مقام پر فرمایا:

فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖٓ ۝ اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ۝ ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا ۝ فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ۝ وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا ۝ وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا ۝ وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا ۝ وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا ۝ مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ۝ (عبس ۲۴ تا ۳۲)	انسان اپنی غذا پر نظر ڈالے ــــ ہم پہلے زمین پر پانی برساتے ہیں، پھر اس کی سطح شق کر دیتے ہیں، پھر اس سے طرح طرح کی چیزیں پیدا کر دیتے ہیں۔ اناج کے دانے، انگور کی بیلیں، سبزی ترکاری، زیتون کا تیل، کھجور کے خوشے، گھنے باغات، قسم قسم کے میوے، پھل اور طرح طرح کا چارہ ــــ یہ سب کچھ تمہارے فائدے کے لئے اور تمہارے جانوروں کے لئے۔

ایک اور مقام پر فرمایا:

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ج فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ج مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ط ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ط بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ۝	بھلا آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا؟ آسمان سے تمہارے لئے کس نے پانی برسایا؟ پھر اس کے ذریعے سے ہم نے خوشنما باغ اگا دیے حالانکہ تمہارے بس کی یہ بات نہ تھی کہ ان باغوں کے درخت اگاتے کیا اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا

(النمل ٦٠)

دوسرا معبود بھی ہے؟ افسوس یہ لوگ راہِ حق سے ہٹے ہوئے ہیں۔

پھر ارشاد ہوا۔

وَأَنزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ
فَأَسْكَنَّاهُ فِي الْأَرْضِ ۖ وَإِنَّا عَلَىٰ
ذَهَابٍ بِهِ لَقَادِرُونَ ۝ فَأَنشَأْنَا
لَكُم بِهِ جَنَّاتٍ مِّن نَّخِيلٍ وَأَعْنَابٍ
لَّكُمْ فِيهَا فَوَاكِهُ كَثِيرَةٌ وَ
مِنْهَا تَأْكُلُونَ ۝ (المؤمنون ۱۸ تا ۱۹)

اور ہم نے ایک خاص انداز کے مطابق آسمان سے پانی برسایا۔ پھر اسے زمین میں ٹھہرائے رکھا، اور ہم اس پر بھی قادر ہیں کہ اسے واپس لے جائیں۔ پھر اسی پانی سے ہم نے تمہارے لئے کھجوروں اور انگوروں کے باغات پیدا کر دیئے جن میں بہت سے پھل لگتے ہیں اور انہی سے تم اپنی غذا بھی حاصل کرتے ہو۔

اسی طرح ایک اور جگہ فرمایا۔

إِنَّ اللَّهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوَىٰ ۔

(الانعام ۹۶)

یقیناً اللہ کی قدرت ہے کہ وہ دانے اور گٹھلی کو شق کرتا ہے (پھر اس سے ہر چیز کا پودا یا درخت پیدا کر دیتا ہے۔)

ایک اور مقام پر ارشاد ہوا۔

وَهُوَ الَّذِي أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً
فَأَخْرَجْنَا بِهِ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ
فَأَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ
حَبًّا مُّتَرَاكِبًا وَمِنَ النَّخْلِ مِن
طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَجَنَّاتٍ
مِّنْ أَعْنَابٍ وَالزَّيْتُونَ وَالرُّمَّانَ
مُشْتَبِهًا وَغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۗ انظُرُوا
إِلَىٰ ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَيَنْعِهِ ۚ إِنَّ فِي

اور وہی (اللہ) ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا۔ پھر اس کے ذریعے سے ہر قسم کی نباتات اگائی، پھر اس سے سرسبز کھیت اور درخت پیدا کئے پھر ان سے تہ بر تہ چڑھے ہوئے دانے نکالے اور کھجور کے شگوفوں سے پھلوں کے گچھے پیدا کئے جو بوجھ کی وجہ سے جھکے پڑتے ہیں۔ اور انگور، زیتون اور انار کے باغ اگائے جنکے پھل ایک دوسرے سے ملتے جلتے بھی ہیں اور

ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ (الانعام ۱۰۰)

اور پھر ذائقے الگ الگ بھی ہیں۔ جب یہ درخت پکتے ہیں، تو ان میں پھل آنے اور ان کے پکنے کی کیفیت پر نظر ڈالو۔ ان تمام چیزوں میں ایمان لانیوالوں کیلئے بہت سی نشانیاں موجود ہیں۔

پھر فرمایا:

وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ج (البقرہ: ۲۲)

اور اسی (اللہ) نے آسمان سے پانی برسایا اور اس کے ذریعے سے ہر طرح کی پیداوار نکال کر تمہارے لئے روزی فراہم کر دی۔

قرآن حکیم کی درج بالا آیات کا مدعا و مطلب یہ ہے کہ ربوبیتِ الٰہی کی کارفرمائی انسان کو اس کی معمولی محنت و مشقت کے صلے میں زمین سے بہت زیادہ اناج اور پھل مہیا کر دیتی ہے۔ اس کے بعد انسان کا یہ فرض ہے کہ وہ بخشش رحمانی اور عطائے ربانی سے جہاں خود بہرہ یاب ہوتا ہے وہاں خدا تعالیٰ کے ان بندوں کو فراموش نہ کر بیٹھے جو تہی دامن اور بے سروسامان ہیں بلکہ ان کی بنیادی ضروریات کو پورا کرنے اور ان کو معاشی سہارا دینے کے لئے اس نعمتِ خداوندی کا ایک مخصوص حصہ ان تک پہنچا دے۔

عشر کیا ہے؟

عشر کے لغوی معنی "کسی چیز کا دسواں حصہ" کے ہیں۔ شرعی اصطلاح میں یہ زرعی پیداوار پر زکوٰۃ کا دوسرا نام ہے۔ بارانی زمین کی صورت میں اس کی پیداوار کا دسواں حصہ اور غیر بارانی اراضی یعنی نہری یا چاہی وغیرہ کی صورت میں اس کی پیداوار کا بیسواں حصہ شرعاً عشر کے طور پر واجب الادا ہوتا ہے بشرطیکہ کل پیداوار شرعی نصاب کے مطابق ہو۔

قرآن اور عشر

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے، عشر دراصل زرعی پیداوار کی زکوٰۃ کا دوسرا نام ہے۔ اس لئے جہاں تک مطلق زکوٰۃ کے حکم کا تعلق ہے تو اس کی فرضیت اور وجوب کے لئے قرآن مجید میں بیسیوں آیات موجود ہیں۔ بالعموم اقامت صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ یعنی نماز و زکوٰۃ کا حکم ساتھ ساتھ آیا ہے۔ لیکن زکوٰۃ کے

اس خاص قسم یعنی عشر کا ثبوت ہمیں قرآن حکیم کی درج ذیل آیات سے ملتا ہے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَهُوَ الَّذِيٓ أَنشَأَ جَنَّٰتٍ مَّعْرُوشَٰتٍ وَغَيْرَ مَعْرُوشَٰتٍ وَالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا أُكُلُهُۥ وَالزَّيْتُونَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَٰبِهًا وَغَيْرَ مُتَشَٰبِهٍ ۚ كُلُوا۟ مِن ثَمَرِهِۦٓ إِذَآ أَثْمَرَ وَءَاتُوا۟ حَقَّهُۥ يَوْمَ حَصَادِهِۦ ۖ وَلَا تُسْرِفُوٓا۟ ۚ إِنَّهُۥ لَا يُحِبُّ ٱلْمُسْرِفِينَ ۝
(الانعام ۱۴۱)

اور وہی (اللہ) ہے جس نے وہ باغات پیدا کیے جو ٹٹیوں پر چڑھائے ہوئے ہوتے ہیں اور بعض نہیں چڑھائے ہوتے، نیز کھجوروں کے درخت اور کھیتیاں اگائیں جن میں مختلف قسم کے کھانے کی چیزیں ہوتی ہیں اور زیتون اور انار بھی باہم مشابہ اور بعض مشابہ نہیں ہوتے۔ تم ان کے پھلوں اور پیداوار کے دن ان کا معین حصہ ادا کیا کرو فضول خرچی نہ کرو کیونکہ فضول خرچی کرنیوالوں کو اللہ پسند نہیں کرتا۔

اس آیت کے الفاظ" وَءَاتُوا۟ حَقَّهُۥ يَوْمَ حَصَادِهِۦ " (اور فصل کی کٹائی اور پھل توڑنے کے دن ان کا معین حصہ ادا کیا کرو۔) سے ظاہر ہے کہ کھیت سے فصل اور پیداوار حاصل کرتے وقت اس کا ایک خاص حصہ بطور حق المال الگ کرکے ادا کرنا واجب ہے اور عشر کا یہ وجوب اسی لمحے عائد ہو جائیگا جس لمحے زرعی پیداوار حاصل کرلی گئی۔

اس آیت کے تحت چند مفسرین کرام کی آراء ذیل میں پیش کی جاتی ہیں۔

۱۔ تفسیر طبری: (ابن جریر طبری)

اس تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ، حسنؒ، انس بن مالکؓ، جابر بن زید، سعید بن مسیب، قتادہ، طاؤس، محمد بن حنفیہ، ضحاک اور زید بن اسلم کا یہ قول نقل کیا گیا ہے:

هذا امر من الله بايتاء الصدقة المفروضة من الثمر والحب"

یہ اللہ کا حکم ہے کہ پھلوں اور اناج سے فرض زکوٰۃ یعنی عشر ادا کیا جائے۔

(ابو جعفر محمد بن جریر الطبری: تفسیر الطبری: ۱۲ : ۱۵۸ طبع مصر)

۲۔ تفسیر الکشاف (از علامہ زمخشری) :

اس تفسیر میں آیت مذکورہ کے تحت درج ہے کہ :

الآیة مکیة والزکوٰة انما فرضت بالمدینة" فارید بالحق ما کان یتصدق به علی المساکین یوم الحصاد، وکان ذالک واجبًا حتیٰ نسخه افتراض العشر ونصف العشر وقیل مدنیة والحق هو الزکوٰة المفروضة۔

یہ آیت مکی ہے اور مدینہ میں زکوٰۃ فرض ہوئی ہے لہٰذا اس آیت میں "حق" سے مراد وہ صدقہ ہے جو فصل کی کٹائی کے وقت مسکینوں کو دیا جاتا ہے۔ ابتدا میں یہ صدقہ واجب تھا، پھر عشر اور نصف عشر کی فرضیت کے بعد منسوخ ہوگیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ آیت مدنی ہے اور اس میں "حق" سے مراد وہ زرعی پیداوار پر زکوٰۃ ہے جو فرض ہے۔

۳۔ احکام القرآن (از ابن العربی) :

وقد افادت هذه الآیة وجوب الزکوٰة فیما سمّی الله سبحانه وافادت بیان ما یجب فیه من مخرجات الارض التی اجملها فی قوله "وَمِمَّا اَخْرَجْنَا لَکُم مِّنَ الْاَرْضِ" فسرها هنا، فکانت آیة البقرة عامة فی المخرج کله مجملة فی القدر، وهذه الآیة خاصة فی مخرجات الارض مجملة فی القدر، فبینه رسول الله صلی الله

اس آیت سے اس چیز کے واجب ہونے کا ثبوت ملتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کا نام دیا ہے اور اس کے ساتھ ہی اس جگہ پر اللہ تعالیٰ کے ایک اور ارشاد "وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَکُمْ مِّنَ الْاَرْضِ" یعنی (اے ایمان والو!) ان اشیاء میں سے (اللہ کی راہ میں خرچ کرو) جو ہم نے زمین سے نکالی ہیں۔ (البقرہ ۲۶۷) کی تشریح بھی مل جاتی ہے کہ وہاں پر "زمین سے نکالی ہوئی اشیاء" سے کیا مراد ہے سورۂ بقرہ کی آیت کے مفہوم میں وہ تمام اشیاء آجاتی تھیں جو زمین میں سے نکلتی ہیں اور اس کے علاوہ وہاں نصاب

عليه وسلم الذي أمر
بأن يبين للناس ما نزل
عليهم، فقال: "فيما سقت
السماء العشر، وما سقي بنضح
أو دالية نصف العشر" فكان
هذا بيانًا للمقدار الحق المجمل
في هذه الآية. وقال أيضًا
صلى الله عليه وسلم "ليس
فيما دون خمسة أوسق
من حب أو تمر صدقة" خرجه
مسلم وغيره فكان هذا
بيانًا للمقدار الذي يؤخذ
منه الحق والذي يسمى في
السنة العلماء نصابًا۔
(ابن العربي: احكام القرآن:
۳ / ۱۳۴۲، طبع مصر ۱۳۳۱ھ)

زکوٰۃ کا بھی ذکر نہیں تھا۔ مگر اب سورہ انعام
کی آیت زیر بحث کے مفہوم میں زمین سے
نکلنی والی اشیاء کی خاص نوعیت بیان
کر دی گئی ہے اگرچہ یہاں پر بھی نصاب زکوٰۃ
کا ذکر نہیں کیا گیا۔ پھر اسی آیت کی تشریح
و تبیین اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمائی ہے۔ جنہیں قرآن کی تشریح
و تبیین کرنے کا حکم خود خدا نے قرآن مجید
میں دیا ہے[1]

وہ تشریح تبیین یہ ہے کہ:

"فیما سقت السماء العشر

جو زمین بارش سے سیراب ہوتی ہے اس پر

---

[1] قرآن مجید میں ہے: وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ
(اے نبی) ہم نے اس سراپا ذکر یعنی قرآن کو آپ پر نازل کیا ہے تاکہ آپ کی طرف جو کچھ
بھیجا گیا ہے اسے آپ لوگوں پر واضح فرما دیں۔

وما سقی بنضح او دالیۃ	عشر ہے اور جو دوسرے وسائل آب پاشی
نصف العشر“	کے ذریعے سیراب ہو اس پر نصف عشر ہے۔“

سنتِ نبوی نے آیت مذکورہ کے لفظ ”حَقَّہٗ“ میں حق کے اجمال کی یہی تفصیل بیان کی ہے۔

پھر اس کے علاوہ اسی سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

لیس فیما دون خمسۃ اوسق	غلّے اور کھجور میں پانچ وسق سے کم مقدار پر
من حب او تمر صدقۃ“	زکوٰۃ (عشر) نہیں ہے۔

(صحیح مسلم)

گویا اس حدیث نے وہ مقدار بھی معین کر دی جس پر ”حق“ کی وصولی کی جائے گی اور جسے علماء کرام اپنی اصطلاح میں ”نصاب“ کہتے ہیں:

۴۔ تفسیر کبیر (از امام فخر الدین رازی)

فی تفسیر قولہ (وآتوا حقہ)	اللہ تعالیٰ کے قول ”وآتوا حقہ“ کی تفسیر
ثلاثۃ اقوال۔ القول الاول:	میں تین قول ہیں۔ پہلا قول جسے عطاء نے
قال ابن عباس فی روایۃ عطاء	ابن عباس کے حوالے سے بیان کیا ہے یہ ہے
یرید بہ العشر فیما سقت السماء	کہ اس سے بارانی زمین کا عشر اور غیر بارانی
ونصف العشر فیما سقی بالدوالیب	کا نصف عشر ہے۔ یہی قول سعید بن مسیّبؒ
وھو قول سعید بن المسیب	حسنؒ، طاؤس اور ضحاک کا بھی ہے۔
والحسن وطاؤس والضحاک“	

(الفخر الرازی: التفسیر الکبیر:

۱۳: ۲۱۳ طبع مصر ۱۹۳۸ء)

۵۔ تفسیر قرطبی (الجامع لاحکام القرآن ــــ امام قرطبی):

”اختلف الناس فی تفسیر	اس آیت میں لفظ ”حق“ کے بارے میں
ھذا الحق ما ھو؟ فقال انس	مختلف رائیں ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ انس

بن مالك وابن عباس وطاؤس والحسن وابن زيد وابن الحنفية والضحاك وسعيد بن المسيّب هي الزكوٰة المفروضة العشر نصف العشر" (ابو عبد الله محمد بن احمد الانصاری القرطبی، ۷: ۹۹ طبع مصر ۱۹۶۷ء)

بن مالکؓ، طاؤس، حسن، ابن زید، ابن الحنفیہ، ضحاک اور سعید بن مسیّب، کی رائے میں اس سے مراد وہ فرض زکوٰۃ ہے جو عشر اور نصف عشر کی صورت میں ہے۔

۶۔ تفسیر ابن کثیر:

عن ابن عباس (وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ) يعني الزكوٰة المفروضة يوم يكال ويعلم كيله" (عماد الدين اسماعيل بن كثير: تفسير القرآن العظيم. ۲: ۱۸۱ طبع سهيل اكيڈمی، لاهور)

ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ سے مراد وہ فرض زکوٰۃ یعنی عشر ہے جب فصل کی مقدار معلوم کر لی جائے۔

۷۔ احکام القرآن ـــــ ابوبکر جصاص۔

"روی عن ابن عباس وجابر بن زيد ومحمد بن حنفية والحسن وسعيد بن المسيّب وطاؤس وزيد بن اسلم وقتادة والضحاك انه العشر ونصف العشر"

ابن عباسؓ، جابر بن زید، محمد بن حنفیہ، حسن، سعید بن مسیّب، طاؤس، زید بن اسلم، قتادہ اور ضحاک کی رائے یہ ہے کہ اس آیت میں عشر اور نصف عشر مراد ہے۔

۸۔ تفسیر جلالین:

"العشر او نصفه"

اس سے عشر یا نصف عشر مراد ہے۔

(جلال الدین سیوطی: تفسیر جلالین ۹۸ طبع دهلی ۱۹۲۲ء)

٩۔ تفسیر مظہری (از قاضی ثناء اللہ پانی پتی):

"قال ابن عباس وطاؤس والحسن وجابر بن زید وسعید بن المسیب انہ الزکوٰۃ المفروضۃ من العشر ونصف العشر لان الامر للوجوب"

(قاضی ثناء اللہ پانی پتی: تفسیر مظہری: ۳: ۲۹۴ طبع دہلی ۱۹۶۷ء)

ابن عباس، طاؤس، حسن، جابر بن زید اور سعید بن مسیب کا قول ہے کہ اس جگہ فرض زکوٰۃ مراد ہے جو عشر اور نصف عشر کی صورت میں ہے کیونکہ فعل امر سے وجوب کا حکم ثابت ہوتا ہے۔

١٠۔ تفسیر روح المعانی (از علامہ محمود آلوسی):

"وَاٰتُوا حَقَّهٗ" الذی اوجبہ اللہ تعالٰی فیہ "یَوْمَ حَصَادِهٖ" عن ابن عباس العشر ونصف العشر، والیہ ذھب الحسن وسعید بن المسیب وقتادۃ وطاؤس وغیرھم۔

(علامہ محمود آلوسی: ۸: ۳۸ طبع بیروت)

"وَاٰتُوا حَقَّهٗ" میں 'حق' سے مراد وہ حق ہے جسے اللہ تعالیٰ نے واجب ٹھہرایا ہے۔ اس بارے میں ابن عباسؓ کا قول ہے کہ اس سے عشر اور نصف عشر مراد ہے۔ یہی رائے حسن، سعید بن مسیب، قتادہ اور طاؤس وغیرہم کی ہے۔ اسطرح تقریباً تمام مفسرین حضرات نے آیت زیر بحث سے عشر کی فرضیت کا اثبات کیا ہے۔

دوسری جگہ پر حکم خداوندی ہے کہ:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۪ وَلَا تَیَمَّمُوا الْخَبِیْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِیْهِ

ایمان والو! اپنی کمائی میں سے عمدہ چیزیں (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو، اور ان چیزوں سے بھی جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے پیدا کی ہوں۔ لیکن خراب چیز کو (اللہ کی راہ میں) خرچ کرنے کا ارادہ نہ کرو درانحالیکہ تم خود بھی اسے لینا پسند نہیں کرتے الا یہ کہ چشم پوشی کر جاؤ۔ خوب

اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝ (البقرۃ: ۲۶۷)

جان لو کہ اللہ بے نیاز اور ستودہ صفات ہے۔

اس آیت کے الفاظ "اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ (اپنی کمائی میں سے بھی چیزوں کا انفاق کرو) کے بعد وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ (اور ان چیزوں میں سے بھی انفاق کرو جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے پیدا کیں) سے واضح ہے کہ زمینی پیداوار میں سے کچھ خاص حصے کے انفاق کا حکم دیا گیا ہے۔ غور کیجئے، زمینی پیداوار سے کچھ خاص حصے کا یہ حکم انفاق سوائے حکم عشر کے اور کیا ہو سکتا ہے ؟

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ (الذاریات ۱۹)

اور ان (متقیوں) کے مالوں میں مانگنے والے اور محتاج کا حصہ ہوتا تھا۔

یہ آیت اپنے سیاق کلام کے لحاظ سے متقین کے اوصاف کے ضمن میں آئی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار بندوں کی ایک صفت یہ ہے کہ وہ ہر سائل اور محروم المعیشت آدمی کے لئے اپنے مال میں سے ایک معین حصہ بطور حق ادا کرتے ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ نہ تو زرعی پیداوار کو "اَمْوَالِهِمْ" کے قرآنی عموم سے خارج سمجھا جا سکتا ہے۔ اور نہ ہی زرعی پیداوار کے لئے سائلوں اور مفلسوں کا فقدان ہو سکتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ صاحب نصاب متقین جہاں دوسرے اموال میں سے زکوٰۃ ادا کرتے ہیں وہاں وہ زمینی پیداوار کی زکوٰۃ یعنی عشر بھی دیتے ہیں اور ان کی طرف سے عشر کی یہ ادائگی بطور حق ضروری متصور ہوئی ہے۔

قرآن کی ایک اور آیت یہ ہے۔

وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ۝ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ (المعارج ۲۴ تا ۲۵)

اور جن لوگوں کے اموال میں ایک معلوم و معین حصہ ہے، مانگنے اور نہ مانگنے والے حاجت مندوں کے لئے۔

آیات بالا اپنے سیاق و سباق میں جنتی لوگوں کی صفات کے تذکرے میں وارد ہوئی ہیں

وہ اعمال جن کی جزا کے نتیجے میں نیک لوگ جنت کے مستحق قرار پائیں گے ان میں سے ایک عمل یہ ہوگا کہ ان کے اموال میں دست سوال دراز کرنے والے غریبوں اور نہ مانگنے والے محتاجوں کی معاشی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے ایک خاص حصہ بطور حق معین ہوتا تھا۔" اموالھم کے عموم میں زرعی پیداوار بھی شامل ہے۔ لہٰذا ان دونوں آیات سے جہاں ایک طرف زکوٰۃ کے حکم کا اثبات ہوتا ہے وہاں دوسری طرف عشر کا ثبوت بھی فراہم ہوجاتا ہے۔

جامعۃ الرشاد میں جلسۂ دستاربندی اور دارالقضاء کی عمارت کا افتتاح

۱:۔ کئی سال بعد جامعۃ الرشاد میں جلسۂ دستار بندی کرنے کا ارادہ ہے اس کے لئے اکابر علماء اور زعماء نے ۱۰ر دسمبر ۱۹۹۲ء کی تاریخ مقرر کی ہے انشاء اللہ اس موقع پر تقریباً تین درجن حفاظ اور ایک درجن سے زیادہ علماء و فضلاء کی دستار بندی ہوگی۔

فارغ ہونے والے طلبہ سے گزارش ہے کہ وہ جلسے میں شرکت کی اطلاع ادارہ کو بھیج دیں۔

۲:۔ جامعۃ الرشاد میں بیس برس سے افتاء و قضاء کا کام ہو رہا ہے اور اس کے تحت سیکڑوں فتوے دیئے جاچکے ہیں اور قضاء کے تحت درجنوں کامیاب فیصلے کئے جاچکے ہیں مگر اب تک اس کے لئے الگ کوئی عمارت نہیں تھی بحمد اللہ اب اس کے لئے الگ ایک عمارت بن گئی ہے، انشاء اللہ اس موقع پر اس کا افتتاح بھی ہوگا،

خوشی کی بات ہے کہ اس سعید موقع پر حضرت قاری محمد صدیق صاحب باندوی مدظلہ اور محترم قاضی مجاہد الاسلام صاحب قاسمی مدظلہ مہمان خصوصی کی حیثیت سے شرکت فرما رہے ہیں۔ اور انہی کے ہاتھوں یہ تقریبات انجام پذیر ہوں گی اور ان کے مواعظ ہوں گے۔ حضرت مولانا عبداللہ مغنی صاحب اور ممتاز علماء بھی شریک ہوں گے۔

علماء، طلبہ اور عوام سے درخواست ہے کہ وہ اس سعید موقع سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائیں۔

انسانی بنیادی حقوق کا اسلامی تصور

جناب عرفان خالد ڈھلوں لیکچرار گورنمنٹ مرے کالج سیالکوٹ

حقوق حق کی جمع ہے۔ حق عربی زبان کا لفظ ہے۔ لسان العرب میں لفظ 'حق' کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے: وتطلق کلمۃ الحق علی النصیب المحدد[1] لفظ حق کا اطلاق کسی مقررہ حصہ پر ہوتا ہے۔

انگریزی زبان میں حق کا مترادف RIGHT ہے جس کی تعریف ایک قانونی لغت میں درج ذیل بیان کی گئی ہے:

"A Power Privilage or immunity guaranteed under a constitution, Statutes or decisional laws or claimed as a result of long usage"[2]

ایک اختیار استحقاق یا تحفظ جس کو دستور، تحریری قانون یا (عدالتی) فیصلوں سے وجود میں آنے والے قوانین کے تحت ضمانت دی گئی ہو یا جسے طویل رواج و استعمال کے نتیجے میں حاصل کیا گیا ہو۔

انسانی بنیادی حقوق سے مراد شریعت کی طرف سے عطا کردہ وہ حقوق ہیں جو ہر انسان کو بحیثیت انسان پیدائشی طور پر حاصل ہیں۔ یہ وہ لازمی حقوق ہیں جو انسان کے معاشرتی زندگی کے لئے نہایت ضروری ہیں اور جن کے بغیر انسان کی بقا اور اس کی شخصیت کی تعمیر ناممکن ہے۔ شریعت اسلامی نے ان حقوق کو متعین کرتے وقت انسان کو بحیثیت انسان مدنظر رکھا۔ اس کو مختلف طبقات میں تقسیم نہیں کیا۔ انسانوں میں جنس، رنگ، نسل، زبان، قوم، علاقہ اور مذہب وغیرہ کے امتیازات قائم نہیں کئے۔ حکمران اور ایک عام شہری، مرد اور عورت، مسلم اور غیر مسلم سب یکساں طور پر ان سے متمتع ہونے کا استحقاق رکھتے ہیں

شریعت اسلامی نے بنیادی حقوق کی اہمیت کے پیش نظر ان کا تعین کر کے انہیں ہمیشہ کے لئے قانونی تحفظ دے دیا ہے۔

انسان کی اپنی تاریخ جتنی قدیم ہے انسانی حقوق کا تصور بھی اتنا ہی قدیم ہے۔ قرآن مجید (جو سابقہ امم کے احوال کا واحد اور مستند ترین ذریعہ ہے) میں سب سے پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹوں ہابیل اور قابیل کی لڑائی کا واقعہ مذکور ہے۔ قابیل اپنے بھائی ہابیل کو جب قتل کرنے لگا تو ہابیل نے اس سے کہا کہ تو مجھے قتل کرنا چاہتا ہے لیکن میں اللہ کے خوف کی وجہ سے تجھے قتل نہیں کرونگا۔ ہابیل نے قابیل کو انسانی جان کی حرمت کے بارے میں یاددہانی کرائی لیکن قابیل نے حق زندگی کے اصول کی پاسداری نہ کرتے ہوئے اپنے بھائی کو قتل کر دیا قرآن مجید کے الفاظ ہیں:

لئن بسطت الی یدك لتقتلنی	اگر تو مجھے قتل کرنے کے لئے ہاتھ اٹھائے گا
ما انا بباسط یدی الیک لاقتلك	تو میں تجھے قتل کرنے کیلئے ہاتھ نہ اٹھاؤں گا۔
انی اخاف اللہ رب العالمین۔ انی	میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں ۔
ارید ان تبوء باثمی واثمك	میں چاہتا ہوں کہ میرا اور اپنا گناہ تو ہی سمیٹ
فتکون من اصحاب النار وذالك	لے اور دوزخی بن کر رہ۔ ظالموں
جزآء الظالمین [۳]	کے ظلم کا یہی ٹھیک بدلہ ہے ۔

اپنی بشری کمزوریوں کی وجہ سے انسان کا حقوق کے معاملہ میں غیر جانبدارانہ کردار ہمیشہ مشکوک رہا ہے ان کمزوریوں کے غالب آجانے پر وہ اپنے ہی جیسے انسانوں کے لئے قانون سازی کرتے وقت ان کا حق مارنے سے باز نہیں آتا۔ اسلام انسان کی انسان پر مطلق حکمرانی کی حمایت نہیں کرتا۔ انسانوں کے خالق اور مقنن اعلیٰ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ضرورتوں اور مصلحتوں کو مدنظر رکھ کر ان کے لئے بنیادی حقوق طے کر دیے ہیں تاکہ ان کے بارے میں انسان آپس میں جھگڑا نہ کریں۔

مغرب میں بنیادی حقوق کا تصور ابتداءً اس وقت آیا جب ۱۶۳۵ء میں برطانیہ میں ایک سمندری جہاز سے متعلق کسی تنازعہ کے نتیجے میں یہ مطالبہ کیا جانے لگا کہ بادشاہ کو معاہدے کا

پابند بنایا جائے۔ بعد میں حقوق کے حصول کے لئے عوام اور حکمران ٹولے کے مابین طویل کشمکش شروع ہوگئی برطانیہ کا میگنا کارٹا ہو یا امریکہ کا منشورِ حقوق، فرانس کا منشورِ حقوقِ انسانی ہو یا اقوامِ متحدہ کا منشورِ حقوقِ انسانی ان سب کی عمر کچھ زیادہ نہیں ہے جبکہ اسلام نے آج سے چودہ سو سال سے بھی زائد عرصہ قبل شریعت کاملہ کے ذریعے انسانیت کو ایسے جامع اور اعلیٰ بنیادی حقوق عطا کر دیئے تھے جو آج بھی اپنی نظیر آپ ہیں۔

مشہور اصولی علامہ شاطبی نے شریعتِ اسلامی کے مقاصد بیان کرتے ہوئے ان کی تین اقسام کا ذکر کیا ہے۔

١۔ مقاصد ضروریہ۔
٢۔ مقاصد حاجیہ۔
٣۔ مقاصد تحسینیہ۔

مقاصد ضروریہ کی تعریف کرتے ہوئے علامہ شاطبی لکھتے ہیں۔

"فاما الضروریة، فمعناها انها لابد منها فی قیام مصالح الدین والدنیا، بحیث اذا فقدت لم تجر مصالح الدنیا علی استقامة، بل علی فساد وتهارج وفوت حیاة"

ضروری مقاصد سے مراد وہ مقاصد ہیں جو دین اور دنیا دونوں کے امور کے قیام کے لئے لازمی ہیں۔ اگر یہ مقاصد پورے نہ ہوں تو دنیا کے امور استقامت کے ساتھ جاری نہیں رہ سکتے بلکہ دنیا میں فتنہ و فساد پیدا ہو جائے اور زندگی تباہ ہو کر رہ جائے۔

علامہ شاطبی مزید لکھتے ہیں:

"ومجموع الضروریات خمسة: حفظ الدین، والنفس، والنسل والمال والعقل"

شریعت اسلامی کے مقاصد ضروریہ مجموعی طور پر پانچ ہیں اور وہ یہ ہیں حفظِ دین، حفظِ جان، حفظِ نسل، حفظِ مال، اور حفظِ عقل

شریعتِ اسلامی مندرجہ بالا پانچوں چیزوں کے تحفظ کی مکمل ضمانت دیتی ہے قرآن و سنت کی نصوص کی روشنی میں جتنے بھی انسانی بنیادی حقوق کا پتہ چلتا ہے وہ سب مندرجہ بالا پانچوں

مقاصد ضروریکی تفصیلات ہی ہیں۔

اسلام کے عطا کردہ بنیادی حقوق کو سب سے بڑا اور پائیدار تحفظ شریعت کا حاصل ہے شریعتِ اسلامی مکمل، ابدی اور پائیدار ہے خود شارع حقیقی اللہ تعالیٰ اب ان حقوق میں کمی بیشی یا انہیں سلب نہیں کریں گے۔ اس لئے کہ انبیاء ورسل کو مبعوث کرنے کا سلسلہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم کر دیا ہے اور شریعت اپنی مکمل شکل میں انسانوں کو دے دی گئی ہے۔ یہی شریعت انسانی بنیادی حقوق کا مصدر و منبع ہے۔ ایک اسلامی مملکت ان بنیادی حقوق کو انسانوں تک پہنچانے کو یقینی بنائے گی اور اس کے لئے عملی اقدامات کر کے اپنا فریضۂ منصبی ادا کرے گی۔ اسلامی مملکت کا ریاستی دستور ان بنیادی حقوق کو اپنے طور پر بھی آئینی تحفظ دے گا لیکن شریعت کو ایک ریاستی دستور سے بالاتر [Supan Constitutiona] حیثیت حاصل ہے۔ دیگر اقوام میں جو بنیادی حقوق پائے جاتے ہیں ان کے تحفظات پائیدار نہیں ہیں۔ انہیں صرف ریاست کے دستور کا تحفظ حاصل ہوتا ہے اور دستور ایک ایسی دستاویز ہوتی ہے کہ حکمرانوں کی دستبرد اور ان کی چیرہ دستیوں سے کبھی محفوظ نہیں رہی۔ عدالتیں جو بنیادی حقوق کے حصول کا قانونی ذریعہ ہیں وہ خود اپنے اختیارات دستور سے حاصل کرتی ہیں اور دستور کی اپنی حیثیت پائیدار نہیں ہوتی۔ لہذا ؎

ع جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہوگا۔

اسلام کے علاوہ دیگر تمام مذاہب و اقوام میں انسانی بنیادی حقوق کو مکمل تحفظ حاصل نہیں ہے انسانیت پر یہ احسانِ عظیم اسلام نے کیا ہے کہ اس نے بنیادی حقوق کو شریعت اسلامی کے ذریعے تحفظ دے کر انہیں مستقل حیثیت دے دی ہے۔

ہنگامی حالات چونکہ اسلام کے عطا کردہ بنیادی حقوق کا منبع و مصدر شریعت اسلامی ہے، یہ حقوق خود اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں کو عطا کئے ہیں اس لئے کوئی حکمران یا ادارہ ان حقوق کو سلب یا تبدیل نہیں کر سکتا، کسی قانون کو منسوخ کرنے یا اس میں کسی قسم کی ترمیم کرنے کا اختیار یا تو خود قانون ساز کو حاصل ہوتا ہے یا پھر اس سے بالاتر کسی ذات کو جبکہ مسئلہ زیر بحث میں بنیادی حقوق کو عطا کرنے والا نہ تو کوئی انسان یا یا انسانوں کا کوئی ادارہ ہے اور نہ ہی کسی انسان یا انسانوں کے کسی ادارہ کی حیثیت اللہ تعالیٰ اور رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بالاتر ہو سکتی ہے لہٰذا اگر کسی حکمران یا ادارہ کی طرف سے اسلام کے عطا کردہ بنیادی حقوق کو جزوی یا کلی طور پر معطل، سلب یا ان میں کسی قسم کی کوئی ترمیم کی گئی تو ان کا یہ اقدام اختیارات سے تجاوز (ULTRA VIRES) کی زد میں آئے گا۔ شریعت نے کسی حکمران کو ایسا کوئی اختیار نہیں دیا کہ وہ کسی فرد یا قوم کو بنیادی حقوق سے محروم کر دے ماسوائے اس کے کہ کسی کے ارتکاب جرم پر اسے بنیادی حق سے محروم کرنا قانونی تقاضہ ہو۔

مشہور مسلم مفکر محمد اسد کی یہ رائے ہے کہ غیر معمولی حالات میں بعض اقدامات کی اجازت ہو سکتی ہے۔ غیر معمولی حالات میں بنیادی حقوق معطل کئے جا سکتے ہیں وہ اپنے اس موقف کے حق میں یہ دلیل دیتے ہیں کہ سخت بھوک کے وقت حرام چیز بھی زندگی کو بچانے کے لئے فرضی حد تک کھانے کی اجازت ہے اور یہ انفرادی نوعیت کی اجازت اجتماعی صورت میں اور بھی اہم ہو جاتی ہے[۸]

نظریۂ ضرورت کے تحت اضطراری اور مجبوری کی حالت میں حرام چیزوں کا ایک حد تک استعمال جائز ہے۔ ایک مشہور قاعدہ کلیہ ہے:

الضرورات تبیح المحظورات۔[۵] ضرورتیں ممنوع اشیاء کو جائز کر دیتی ہیں۔

نظریۂ ضرورت ممنوع کو مباح کر دیتا ہے لیکن اس نظریہ سے دوسروں کے حقوق باطل نہیں ہوں گے اس سلسلہ میں بھی قاعدہ کلیہ ہے:

الاضطرار لا یبطل حق الغیر۔[۹] اضطرار اور مجبوری دوسرے کے حق کو باطل نہیں کرے گی ۔

مزید یہ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ریاست مدینہ کے حالات کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس دور میں بنیادی حقوق کو کبھی معطل یا سلب نہیں کیا گیا اور یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ ریاست مدینہ کبھی ہنگامی حالات سے دوچار نہیں ہوئی۔ عہد خلافت راشدہ (۱۱ھ تا ۴۰ھ) سے بھی یہی حقیقت سامنے آتی ہے، تعامل خلفائے راشدین بھی ہمارے لئے حجت ہے۔ تعامل خلفائے راشدین کا درجہ قرآن و سنت کے برابر یقیناً نہیں ہے لیکن ان دونوں کے بعد فرد ہے اور اسے یہ قانونی حیثیت خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔ عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

"ستریٰون من بعدی اختلافاشدیدا فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین عضواعلیھا بالنواجذ" ۵۵ ۔

تم میرے بعد سخت اختلاف دیکھو گے تو تم پر لازم ہے کہ تم میری سنت اور خلفائے راشدین ہدایت یافتہ لوگوں کی سنت کو اپنے دانتوں کے ساتھ مضبوطی سے پکڑ لو ۔

جس طرح رسول کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے اسی طرح صحابہ کی سنت پر عمل کرنا گویا رسول کی سنت پر عمل کرنا ہے ۔

علامہ شاطبی فرماتے ہیں :

" سنۃ الصحابہ کسنۃ الرسول یعمل بھا ویرجع الیہما " ۵۶

صحابہ کرام رض کی سنت رسول ص کی سنت کی مانند ہے ۔ اس پر عمل کیا جائے گا اور اس کی طرف رجوع کیا جائے گا ۔

آج کی ایک ریاست کو جن غیر معمولی اور ہنگامی حالات کا سامنا ہو سکتا ہے ۔ ریاست مدینہ اور خلفائے راشدین کی حکومتوں کو بھی ایسے بہت سے ہنگامی اور غیر معمولی حالات کا سامنا رہا ۔ ایک ملک وقوم کے لئے جنگ سے زیادہ ہنگامی حالات اور کیا ہو سکتی ہے لیکن اس حالت میں بھی عہد نبوی یا خلافت راشدہ کے دور میں بنیادی حقوق کو معطل کرنے یا سلب کرنے کا کوئی واقعہ نہیں ملتا ، خلافت راشدہ کے دور میں بعض اوقات اندرونی بدامنی کی وجہ سے ملکی حالات نہایت ہنگامی اور غیر معمولی نوعیت کے رہے مثلاً مانعین زکوٰۃ کا فتنہ ، قحط ، ارتداد بغاوتیں اور آخری دور میں سیاسی افراتفری وغیرہ لیکن شہریوں کو غیر قانونی طور پر ان کے بنیادی حقوق مثلاً عدالتوں تک رسائی ، اظہار رائے ، نجی زندگی وجائداد کا تحفظ وغیرہ سے محروم نہیں کیا گیا یہ ہنگامی حالات بنیادی حقوق کی معطلی کا سبب نہ بن سکے ۔ خلافت راشدہ میں اس بات کا پتہ ضرور چلتا ہے خلیفۂ دوم حضرت عمر فاروق رض نے قحط کے زمانے میں چوری کی حد کی سزا موقوف کر دی تھی ۵۷ اس طرح کے حالات میں عوام کو مزید تحفظ دیا گیا بجائے کہ ان کے بنیادی حقوق چھین لئے جاتے ۔

غیر معمولی اور ہنگامی حالات (EMERGENCY) کی اصطلاح ایک مبہم اصطلاح

ہے اگر ہنگامی حالات نافذ کر کے بنیادی حقوق معطل کرنے کا دستوری اختیار دیدیا جائے تو حکمراں کسی بھی واقعہ کو ہنگامی حالات کی بنیاد بنا کر جب چاہے شہریوں کے حقوق معطل کر دے گا اس طرح حکمرانوں کے اندر آمرانہ روش کی پرورش ہوگی اور ارتکاز اختیارات ہوگا، ارتکاز خواہ اختیارات کا ہو یا دولت کا معاشرے میں بناؤ کی بجائے بگاڑ کا سبب بنتا ہے۔

حق زندگی | شریعتِ اسلامی کے مطالعہ سے جن انسانی بنیادی حقوق کا پتہ چلتا ہے ان میں سب سے اہم حق، حق زندگی ہے، ہر انسان کا یہ حق ہے کہ اس کی زندگی اپنی طبعی عمر تک ماسوائے کسی قانونی تقاضے کے، ہر قسم کی اذیت اور خطرے سے محفوظ رہے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:

ولا تقتلوا النفس التی حرم اللہ الا بالحق۔ ۱۳؎	قتل نفس کا ارتکاب نہ کرو جسے اللہ نے حرام کیا ہے مگر حق کے ساتھ۔

نفس انسانی کو ناحق قتل کرنے کی اتنی شدید مذمت کی گئی ہے کہ اسلام ایک انسان کا ناحق قتل پوری انسانیت کا قتل قرار دیتا ہے۔

"ومن قتل نفسا بغیر نفس أو فساد فی الارض فکانما قتل الناس جمیعا۔ ومن احیاھا فکانما احیا الناس جمیعا" ۱۴؎	جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوائے کسی اور وجہ سے قتل کیا اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جس نے کسی کی زندگی بخشی اس نے گویا انسانوں کو زندگی بخش دی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبہ حجۃ الوداع جو انسانی بنیادی حقوق کا عظیم الشان اعلان ہے، میں دوٹوک فرمایا تھا کہ انسانوں پر ایک دوسرے کا خون، مال اور عزتیں حرام ہیں،

عبدالرحمٰن بن ابی بکرہؓ روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا:

"فان دماءکم واموالکم و اعراضکم بینکم حرام کحرمۃ یومکم ھذا فی شہرکم ھذا	بے شک تمہارا خون، تمہارے اموال اور تمہاری عزتیں تمہارے درمیان اسی طرح محترم ہیں جس طرح آج کے دن کی اس ماہ میں اور اس

في بلدكم هذا ۔ [۵۵] شہر میں حرمت ہے ۔

اسلام انسان کے حقِ زندگی کو اس کی ولادت سے قبل ہی تسلیم کرتا ہے ۔ ایک دفعہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس غامدیہ نامی عورت آئی اور زنا کے جرم کا اقرار کرتے ہوئے اپنے اوپر حد کی سزا کے نفاذ کا مطالبہ کیا وہ حاملہ تھی، آپ نے اس سے فرمایا جب بچے کی پیدائش ہو جائے تب آنا ۔ بچے کی پیدائش کے بعد وہ عورت پھر حاضر ہوئی آپ نے بچے کے دودھ چھوڑنے تک اسے مہلت دی اور اس کے بعد غامدیہ کے پھر حاضر ہونے اور اپنے اوپر سزا کے نفاذ کے مطالبہ پر اسے رجم کر دیا گیا [۵۶]

اس طرح انسان کے حقِ زندگی کو دورانِ حمل ہی تحفظ دیا گیا ۔ اسلامی قانون میں یہ بھی درج ہے اور اس سے اس کے حقوق ثابت ہوتے ہیں ۔

وبذلك كانت للجنين أهلية	جنین میں ناقص اہلیتِ وجوب پائی جاتی ہے
وجوب ناقصة، بها صار صالحا	اس اہلیت سے اس کے حقوق ثابت ہوں گے
للوجوب له لا عليه ۔ [۵۷]	لیکن فرائض نہیں ۔

حقِ عزت

ایک اور اہم حق، حقِ عزت ہے ۔ انسان کی عزت کے احترام کے بارے میں فرمانِ خداوندی ہے ۔

يا ايها الذين آمنوا اجتنبوا كثيرا	اے لوگو جو ایمان لائے ہو بہت گمان کرنے
من الظن، ان بعض الظن	سے پرہیز کرو کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں تجسس
اثم، ولا تجسسوا ولا يغتب	نہ کرو اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ
بعضكم بعضا ۔ أيحب احدكم	کرے کیا تمہارے اندر کوئی ایسا ہے جو
ان ياكل لحم اخيه ميتا	اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانا پسند
فكرهتموه ، واتقوا	کرے گا دیکھو تم خود اس سے گھن کھاتے
الله ، ان الله تواب	ہو ۔ اللہ سے ڈرو اللہ بڑا توبہ قبول کرنے
رحيم ۔ [۵۸]	والا اور رحیم ہے ۔

حقِ ملکیت جائز طریقوں سے حاصل کی گئی دولت وجائداد پر انسان کی ملکیت کے حق کو اسلام تسلیم کرتا ہے اور دوسرے کے مال پر دست درازی کرنے اور غصب کرنے سے منع کرتا ہے۔ انسانی مال کی حرمت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:

"ولا تأکلوا اموالکم بینکم بالباطل"۔ ۱۹؎ — تم لوگ آپس میں ایک دوسرے کا مال ناروا طریقے سے مت کھاؤ۔

مندرجہ بالا آیت میں "اموالکم" (یعنی تمہارے اموال) میں ضمیر "کم" اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اسلام نجی ملکیت کے حق کو تسلیم کرتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبۂ حجۃ الوداع میں یہ فرمایا تھا:

"یاایھا الناس، ان دماء کم واموالکم علیکم حرام الیٰ ان تلقوا ربکم" ۲۰؎ — اے لوگو! بے شک تمہارے اموال ایک دوسرے پر اس دن تک حرام ہیں جب تم اپنے رب سے ملو گے یعنی قیامت تک حرام ہیں۔

حقِ نقل و حرکت ہر شہری کا یہ بنیادی حق ہے کہ وہ جہاں چاہے رہے اور جہاں چاہے جائے کسی قانونی مطالبہ کے بغیر کسی شخص سے نقل و حرکت اور سکونت کا حق نہیں چھینا جا سکتا۔ ارشاد ربانی ہے:

"فسیروا فی الارض" ۲۱؎ — پس زمین پر چلو پھرو۔

کسی شخص کو اس کے گھر اور وطن سے ناحق بے دخل کرنا بنیادی حقوق کے خلاف اقدام ہے۔ اس جرم کا ارتکاب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل نے کیا تھا۔ قرآن مجید نے بنی اسرائیل کے دیگر جرائم کی طرح ان کے اس جرم کا ذکر بھی کیا ہے:

"وتخرجون فریقا منکم من دیارھم" ۲۲؎ — اور تم اپنی برادری کے کچھ لوگوں کو ان کے گھروں اور وطنوں سے نکال دیتے ہو۔

اسلام جہاں انسان کو اس بات کا تحفظ دیتا ہے کہ اس کو اس کے گھر سے بے دخل نہیں کیا جائے گا وہاں اسلام انسان کو یہ حق بھی دیتا ہے کہ اسے بغیر کسی جرم کے قید اور حبس بیجا میں نہیں رکھا جائے گا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ فرمان جاری کیا تھا:

"لا یؤسر رجل فی الاسلام بغیر عدل" ۲۳؎ — اسلام میں کوئی شخص بغیر عدل کے قید نہیں کیا جائے گا

حق اظہار رائے

آزادی اظہار رائے بھی انسان کا بنیادی حق ہے اگر اظہار رائے پہ پابندی لگا دی جائے تو معاشرے میں صحت مند فکر پروان نہیں چڑھ سکتی اسلام فرد کو حریت فکر کی آزادی دیتا ہے وہ اسے یہ حق دیتا ہے کہ وہ اپنے ضمیر و اعتقاد کی آواز پر اپنی رائے کا اظہار کرے ۔ اسلام کا تو دین و مذہب جیسے اہم ترین مسئلہ کے بارے میں یہ موقف ہے کہ دین کسی غیر پر زبردستی ٹھونسا نہیں جائے گا ۔ قرآن مجید میں یہ اصول بیان کر دیا گیا ہے :

• لا اکراہ فی الدین ۲۴؎ — دین کے معاملے میں کوئی زور زبردستی نہیں ہے

اس عظیم الشان اصول سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اظہار رائے کے معاملے میں اسلام کا ظرف کتنا وسیع ہے ۔ البتہ اس حق کے استعمال میں یہ بات ضرور اہم ہے کہ یہ حق معاشرے میں نیکیوں اور مثبت نظریات اور سرگرمیوں کے لئے ہی استعمال ہوگا ۔ مادر پدر آزاد اور بے لگام آزادی کی کوئی قسم اسلام میں نہیں پائی جاتی ۔ اسلامی مملکت میں حق اظہار رائے پر دستوری طور پر یہ پابندی ہوگی کہ یہ حق منکرات کی اشاعت و فروغ کے لئے استعمال نہیں ہوگا اور نہ ہی کسی کو اس حق کے استعمال سے فکری و ذہنی اشتات و انتشار پیدا کر کے معاشرے میں بگاڑ پیدا کرنے کی اجازت ہوگی جس سے قومی سلامتی اور ملی وحدت کو نظریاتی طور پر خطرہ لاحق ہو جائے یہ حق معروف کے لئے استعمال ہوگا ۔ ایسی تنقید کی اجازت ہے جو برائے تعمیر و اصلاح کی جائے مثبت تنقید اسلامی نظام سیاسی کی نمایاں خصوصیت ہے ۔

"فلما نسوا ما ذکروا بہ انجینا الذین ینھون عن السوء واخذنا الذین ظلموا بعذاب بئیس بما کانوا یفسقون" ۲۵؎	"جب وہ ان ہدایات کو بالکل ہی فراموش کر دیا جو انہیں یاد کرائی گئی تھیں تو ہم نے ان لوگوں کو بچا لیا جو برائی سے روکتے تھے اور باقی سب لوگوں کو جو ظالم تھے ان کی نافرمانیوں پر سخت عذاب میں پکڑ لیا۔"

معاشی تحفظ

معاشی تحفظ بھی بنیادی حقوق میں شامل ہے ، ہر شہری کا یہ حق ہے کہ اپنی معاشی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے اسے روزگار کے مواقع میسر

ہوں اور بوجوہ کسب معاش سے معذوری کی بنا پر معاشرہ اس کا کفیل بنے۔ قرآن وسنت کی بے شمار ایسی نصوص ہیں جو معاشرے کے امیر لوگوں کو معاشی طور پر محروم لوگوں کی ضروریات کا ذمہ دار ٹھہراتی ہیں۔

قرآن مجید کی ایک آیت ہے:

"وفی اموالھم حق للسائل	اوران لوگوں کے مالوں میں حق ہے سائل اور
والمحروم" ۲۶	محروم لوگوں کے لئے۔

ایک اور موقع پر قرآن یہ انداز اختیار کرتا ہے:

"أرءيت الذی یکذب بالدین	کیا تم نے دیکھا اس شخص کو جو آخرت کی جزا
فذلک الذی یدع	وسزا کو جھٹلاتا ہے؟ وہی ہے جو یتیم کو دھکے
الیتیم، ولا یحض علی	دیتا ہے اور مسکین کو کھانا دینے پر نہیں اکساتا
طعام المسکین۔ فویل	پھر تباہی ان نماز پڑھنے والوں کے لئے
للمصلین الذین ھم عن	جو اپنی نماز سے غفلت برتتے ہیں جو ریا
صلاتھم ساھون الذین ھم	کاری کرتے ہیں اور معمولی ضرورت کی چیزیں
یراءون ویمنعون الماعون" ۲۷	لوگوں کو دینے سے گریز کرتے ہیں۔

معاشی استحصال سے تحفظ بھی انسان کا حق ہے۔ کسی شخص سے بیگار نہیں لیا جائے گا ہر ایک کو اس کے کام کے مطابق اجرت دی جائے گی۔ ایک حدیث قدسی میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس شخص کا دشمن ہوگا جس نے مزدور سے پوری محنت لی اور پھر اس کی اجرت ادا نہ کی۔

حضرت ابوہریرہ رض روایت کرتے ہیں کہ حضور نے فرمایا:

قال اللہ تعالیٰ: ثلاثۃ انا	اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تین آدمی ایسے ہیں جن
خصمھم یوم القیامۃ	کا میں قیامت کے روز دشمن ہوں گا ایک
رجل اعطی بی ثم غدر ورجل	وہ شخص جس نے میرا واسطہ دے کر عہد کیا پھر
باع حرا فاکل ثمنہ	غداری کی، دوسرا وہ شخص جس نے آزاد

ورجل استأجر اجیرا فاستوفی منه ولم یعطه اجرہ ۲۸ | آدمی کو بیچا اور اس کی قیمت کھائی، اور تیسرا وہ شخص جس نے کسی مزدور کو کام پر لگایا اس سے پورا کام لیا اور اس کی اجرت ادا نہ کی۔

نجی زندگی کا تحفظ

ہر انسان فطری طور پر یہ چاہتا ہے کہ اس کی نجی زندگی محفوظ ہو اسلام انسان کو اس کی نجی زندگی کے تحفظ کا یقین دلاتا ہے کسی شخص کی نجی زندگی میں مداخلت نہیں کی جائے گی اس سلسلہ میں فرمانِ خداوندی ہے:

یاأیہا الذین آمنوا لاتدخلوا بیوتا غیر بیوتکم حتی تستأنسوا۔ ۲۹ | اے لوگو جو ایمان لائے ہو اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو جب تک کہ گھر والوں کی رضا مندی نہ لے لو۔

اسلام میں کسی شخص کے ذاتی معاملات میں تجسس کرنا اور ٹوہ لگانا جرم قرار دیا گیا ہے

یاأیہا الذین آمنوا اجتنبوا کثیرا من الظن، إن بعض الظن إثم ولا تجسسوا ۳۰ | اے لوگو جو ایمان لائے ہو، بہت گمان کرنے سے پرہیز کرو کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں اور تجسس نہ کرو۔

خلفائے راشدین کا عہد ان اسلامی تعلیمات کے عملی مظاہرہ کا عہد تھا۔ دوسرے خلیفہ راشد حضرت عمر فاروق رض حسب عادت ایک رات اپنی رعایا کا حال معلوم کرنے کے لئے دورے پر نکلے۔ ایک مکان کے باہر آپ کو کچھ شک ہوا۔ آپ نے دیوار پھلانگ کر مکان کے اوپر جھانکا، ایک شخص شراب وکباب میں معروف تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ نے اس کو سرزنش کی اس شخص نے ایک عظیم سلطنت کے حکمران کو جواب دیا۔ کیا آپ کو اللہ نے اس بات سے منع نہیں کیا کہ آپ ٹوہ نہ لگایا کریں۔ حضرت عمر رض نے اس بات پر اسے چھوڑ دیا اور کوئی کارروائی نہ کی۔ ۳۱

قانونی تحفظ

اسلام شہریوں کو یہ بھی تحفظ دیتا ہے کہ محض شک وشبہ کی بنا پر کسی کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی جائے گی۔ کارروائی کسی ٹھوس ثبوت کے فراہم ہونے پر ہی قانون کے مطابق کی جا سکے گی اللہ تعالیٰ کی واضح تنبیہ ہے:

یاایھا الذین امنوا ان جاءکم	اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اگر کوئی فاسق
فاسق بنبا فتبینوا ان تصیبوا	تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو تحقیق
قوما بجھالۃ فتصبحوا	کرلیا کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کسی گروہ کو نادانستہ
علی ما فعلتم نادمین ۔	نقصان پہنچا بیٹھو اور پھر اپنے کئے پر پشیمان ہو۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایک مشہور واقعہ ہے کہ ایک عیسائی غلام نے آپ کو بحیثیت حکمراں اشارۃً قتل کی دھمکی دی لیکن آپ نے اس کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی۔

مسور بن مخرمہ کی روایت ہے کہ ایک دن حضرت عمر بازار میں گشت کر رہے تھے کہ مغیرہ بن شعبہ کا غلام ابولولو، آپ کو ملا وہ عیسائی تھا وہ بولا اے امیر المومنین! آپ مغیرہ بن شعبہ سے میری سفارش کر دیں کیونکہ مجھ پر بہت خراج لگا ہوا ہے آپ نے پوچھا تم پر کتنا خراج ہوا ہے؟ وہ بولا روزانہ دو درہم۔ آپ نے پوچھا تمہارا پیشہ کیا ہے؟ وہ بولا میں بڑھئی ہوں اور نقاش اور لوہار بھی ہوں اس پر آپ نے فرمایا جو کچھ تم کام کرتے ہو اس لئے تمہارا خراج زیادہ نہیں ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم کہتے ہو کہ میں ایک ایسی چکی بنا سکتا ہوں جو ہوا کے زور سے آٹا پیس دے۔ اس نے کہا ہاں آپ نے فرمایا تم میرے لئے ایسی چکی بنا دو۔ وہ بولا اگر میں زندہ رہا تو میں آپ کے لئے ایسی چکی بناؤں گا جس کا مشرق و مغرب میں چرچا رہے گا۔ یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔ آپ نے فرمایا اس غلام نے مجھے قتل کی دھمکی دی ہے پھر آپ اپنے گھر واپس چلے گئے۔

"افتخار میر"

میر اکیڈمی لکھنو کی طرف سے کچھ اہل علم ادیبوں کو اعزازات دئے جاتے ہیں نہ جانے کیسے اس بار قرعہ فال بنام من دیوانہ زدند" کا مصداق راقم الحروف کو بھی بنا دیا گیا، اسکے لئے جو تقریب منعقد کی گئی تھی اس موقع سے تو راقم الحروف نہ پہنچ سکا مگر اس کے کئی دن بعد اس سے مجھے نوازا گیا جس کے لئے مقبول احمد صاحب لاری اور نیاز قومی صاحب کا میں مشکور ہوں۔

حواشی

۱۔ ابن منظور، ابوفضل جمال الدین محمد بن مکرم۔ لسان العرب، دار صادر بیروت۔ ج ۱۰۔ ص ۴۹۔

۲۔ Black's Law Dictionary 5th ed. West Publishing Co 1979 P 1184.

۳۔ سورۃ المائدۃ: آیات ۲۸۔ ۲۹۔

۴:۔ Fundamental Rights And Contitutional Rights In Pakistan. By Syed Sharifuddin Pirzada All Pakistan Legal Decisions Lahore 1966 P.1

۵ الشاطبی، ابراہیم بن موسیٰ ابواسحاق۔ الموافقات فی اصول الشریعہ۔ المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ۔ باول شارع محمد علی بمصر۔ الطبعۃ الثانیہ ۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵م ج ۲۔ ص ۸۔

۶:۔ ایضاً ج ۲۔ ص ۱۰۔

۷:۔ روزنامہ نوائے وقت لاہور۔ مورخہ ۸۳-۸-۱۹ ۔

۸:۔ خالد الاتاسی، محمد شرح المجلۃ۔ مکتبۃ اسلامیہ کوئٹہ ۱۴۰۳ھ الجزء الأول ص ۵۵۔

۹:۔ ایضاً۔ ص ۷۶۔

۱۰:۔ ابن ماجہ محمد بن یزید۔ السنن (اردو ترجمہ) مترجم وحید الزمان، اہل حدیث اکادمی لاہور۔ ج ۱، ص ۳۸۔

۱۱:۔ الشاطبی، ابراہیم بن موسیٰ ابو اسحاق، الموافقات فی اصول الشریعہ، محولہ بالا ایڈیشن المسألۃ التاسعۃ ج ۴۔ ص ۴۷۔

۱۲:۔ عبدالرزاق بن ہمام، المصنف، المجلس العلمی، الطبعۃ الأولیٰ ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲م ج ۱۰۔ ص ۲۴۲۔

۱۳:۔ سورۃ بنی اسرائیل۔ آیت ۳۳

۱۴:۔ سورۃ المائدۃ آیت ۳۲

۱۵:۔ البخاری، محمد بن اسماعیل ۔ الجامع الصحیح ۔ مترجم محمد عادل خاں، محمد فاضل قریشی
مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور ۱۹۷۹ء، کتاب العلم ج ۱۔ ص ۱۱۶ ۔
۱۶:۔ مالک بن انس، الامام، الموطا، مترجم وحید الزماں، اسلامی اکادمی لاہور کتاب الحدود ص ۵۱۹
۱۷:۔ عبدالکریم زیدان، الدکتور الوجیــــز فی اصول الفقہ مکتبۃ القدس مؤســـسۃ الرسالہ بغداد
۱۴۰۵ھ / ۱۹۸۵ م ص ۹۳۔
۱۸:۔ سورۃ الحجرات ۔ آیت ۱۲ ۔
۱۹:۔ سورۃ البقـــرہ آیت ۱۸۸ ۔
۲۰:۔ الطبری، محمد بن جریر ۔ تاریخ الامم والملوک ۔ دار القلم بیروت ۔ الجزء الثالث ج ۲ ص ۱۶۹
۲۱:۔ سورۂ آل عمران آیت ۱۳۷ ۔
۲۲:۔ سورۃ البقرہ آیت ۸۵ ۔
۲۳:۔ مالک بن انس ۔ الامام، الموطا ۔ محولہ بالا ایڈیشن کتاب الأقضیہ ص ۵۲۵ ۔
۲۴:۔ سورۃ البقرہ آیت ۲۵۶ ۔
۲۵:۔ سورۃ الأعراف ۔ آیت ۱۶۵ ۔
۲۶:۔ سورۃ الذاریات آیت ۱۹ ۔
۲۷:۔ سورۃ الماعون آیات ۱ ۔ ۷ ۔
۲۸:۔ البخاری ۔ محمد بن اسماعیل ۔ الجامع الصحیح محولہ بالا ایڈیشن کتاب الأقضیہ ص ۵۲۵
۲۹:۔ سورۃ النور ۲۷ ۔
۳۰:۔ سورۃ الحجرات آیت ۱۲ ۔
۳۱:۔ الطبری، محمد جریر تاریخ الأمم والملوک، مترجم سید رشید احمد ارشد نفیس اکیڈمی،
لاہور ۔ ۱۹۶۷ء ج ۳ ۔ ص ۲۴۱ ۔
۳۲:۔ سورۃ الحجرات آیت ۶ ۔
۳۳:۔ الطبری، محمد بن جریر تاریخ الأمم والملوک، محولہ بالا ایڈیشن ج ۳ ۔ ص ۲۴۱ ۔

امام ابوالحسن علی کسائی

متوفی ۱۸۹ھ ۸۰۵ء

از :۔ محمد الیاس الاعظمی ایم اے

امام ابوالحسن علی کسائی تبع تابعین میں سے ہیں نحو اور لغت و عربیت اور خاص طور پر قرأت میں انکا مرتبہ اس درجہ بلند ہے کہ وہ انکے امام کہلاتے ہیں قراء سبعہ کے یہ سب سے آخری یعنی ساتویں قاری تھا یہ جب تک زندہ رہے قرآن پاک خدمت کی ان سے بیشمار طالبان علم نبوی نے اپنی علمی و دینی پیاس بجھائی اس لئے انکی زندگی کے حالات وواقعات اور مختلف النوع خصوصیات و امتیازات کو قدرے تفصیل سے قلمبند کیا جاتا ہے۔

نام ونسب علی نام، ابوالحسن کنیت، کسائی لقب ونسبت اور شجرہ نسب مندرجہ ذیل ہے :۔

سیدنا ابوالحسن علی بن حمزہ بن عبداللہ بن قیس (بہمن) بن فیروز اسدی کوفی نحوی کسائی[1]

نسبتیں امام ابوالحسن علی کسائی، کسائی، اسدی، نحوی اور کوفی کی نسبتوں سے مشہور ہیں کسائی مشہور ہونے کی چار وجہیں تذکرہ نگاروں نے بیان کی ہیں۔

۱ :۔ عالم جوانی میں کمبل کی تجارت کرتے تھے اور کمبل کو عربی زبان میں کسا کہتے ہیں چنانچہ کسا کی خرید و فروخت کی بناپر کسائی سے مشہور ہو گئے۔

۲ :۔ حج بیت اللہ شریف میں احرام کسا یعنی کمبل کا باندھا تھا اس لئے کسائی سے مشہور ہوئے علامہ شاطبی اپنے قصیدہ میں فرماتے ہیں :۔

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۳۱۲ و شرح سبعہ قرأت ص ۱۴۱
ودائرہ معارف اسلامیہ (انسائیکلوپیڈیا آف اسلام) ج ۱۷ ص ۲۹۵ -

واما علی فانکسائی نعتہ لما کان فی الاحرام فیہ تسربلا

ترجمہ :- امام ابوالحسن علی جو ہیں انکی صنعت کسائی ہے اس وجہ سے کہ انہوں نے وقت احرام میں کمبل پہنا تھا۔

عبدالرحمٰن بن موسیٰ کہتے ہیں کہ میں نے کسائی سے پوچھا کہ آپ کو کسائی کیوں کہا جانے لگا تو انہوں نے فرمایا لانی احرمت فی کساءمیں نے احرام کمبل میں باندھا تھا۔ [1]

۳ :- وہ امام حمزہ کے شاگرد ہیں انکے درس میں کسا یعنی کمبل اوڑھ کر بیٹھتے تھے امام حمزہ فرمایا کرتے تھے کہ اس کمبل والے کو میرے پاس لاؤ۔ امام اہوازی کا بیان ہے کہ میرے نزدیک اشبہ بالصواب یہی ہے۔ [2]

۴ :- کسائی جہاں مقیم تھے اس جگہ کا نام کسا تھا اسلئے کسائی کے نام سے مشہور ہوئے مولانا اسحاق صاحب لکھتے ہیں۔

"انہیں کسائی اسلئے کہتے ہیں کہ یہ ایک خاص قسم کے لباس اور حلہ سے آراستہ و پیراستہ رہتے تھے۔ ۔ ۔ ایک قول یہ ہے کہ جس گاؤں کے رہنے والے تھے اس کا نام کسا تھا اسلئے کسائی کہلائے [3]

ان دونوں وجہوں کو لکھنے کے بعد مولانا اسحاق صاحب نے لکھا ہے کہ پہلی توجیہ زیادہ صحیح ہے [4] علامہ ابن القاصح بغدادی تحریر فرماتے ہیں۔

قیل لہ الکسائی من اجل انہ احرم فی کساء [5] انکو کسائی اسلئے کہا جاتا ہے کہ انہوں نے ایک چادر میں احرام باندھا تھا۔

---

[1] تذکرۃ النحاۃ ص ۱۵ [2] ابراز المعانی ص ۲۴ و ۲۵ [3] مولانا اسحاق چند قرار ماہنامہ المعارف لاہور مارچ ۱۹۶۹ء ص ۲۹ [4] ایضاً۔
[5] سراج القاری المبتدی ص ۱۲۔

اسدی کوفی نحوی اس بنا پر کہے جاتے ہیں کہ بنو اسد کے آزاد کردہ غلام کوفہ کے رہنے والے اور فن نحو کے امام بلکہ اس فن کے بانیوں میں سے تھے۔

ولادت و وطن امام ابوالحسن علی کسائی رح کی ولادت ۱۱۹ھ میں بزمانہ خلیفہ ہشام بن عبدالملک اموی کوفہ میں ہوئی[1] اور یہیں پرورش و پرداخت بھی ہوئی اصلاً فارسی النسل سواد عراق کے باشندے اور امام محمد بن حسن شیبانی رح کے خالہ زاد بھائی تھے۔

تحصیل علم کوفہ میں امام حمزۃ الزیات کوفی سے قرأت قرآن کی تعلیم حاصل کی بعدازاں علم نحو کے حصول میں سرگرداں ہوئے تو کوفہ میں ابوجعفر رواسی سے، بصرہ میں امام نحو خلیل بن احمد اور معاذ بن الہراء سے اس علم کی تحصیل و تکمیل کی امام حمزہ سے چار مرتبہ قرآن کریم کی قرأت کی اور قرأت قرآن کریم میں ایک طرز خاص کے موجد ہوئے اور قراء سبعہ میں شمار ہوا بعدازاں نحو اور قرأت دونوں میں بڑا کمال پیدا کیا۔

اساتذہ و شیوخ امام ابوالحسن علی کسائی کو جن حضرات سے شرف تلمذ حاصل تھا ان کا شمار وقت کے مشاہیر میں ہوتا ہے امام حمزہ الزیات کوفی (قراء سبعہ میں چھٹے قاری) انکے شیخ ہیں کسائی نے ان سے قرأت سیکھی مذاکرہ کیا وہ کسائی پر مکمل اعتبار کرتے تھے اور اپنے درس میں شریک لوگوں سے فرماتے تھے کہ اس صاحب علم ... ولباس کی طرف رجوع کرو اور ان سے پوچھو، امام حمزہ کوفی کی وفات کے بعد کوفہ میں قرأت قرآن کی امامت و پیشوائی انہیں کو حاصل ہوئی علامہ دانی رح کا بیان ہے کہ امام کسائی کی قرأت کا ماخذ و سرچشمہ امام حمزہ کی قرأت ہے۔

ان کے معلوم و مشہور اساتذہ و شیوخ مندرجہ ذیل ہیں۔

شیوخ قرأت امام حمزہ کوفی، قاضی محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلی انصاری،

---

[1] کسائی کا سنہ پیدائش تذکرہ و تراجم کی کتابوں میں نہیں ملتا بعض کتابوں میں انکی عمر ستر سال بتائی گئی ہے اس لحاظ سے انکا سنہ پیدائش ۱۱۹ھ ہوتا ہے۔

عیسٰی بن ہمدانی، اعمش، ابوبکر بن عیاش الاسدی، طلحہ بن مصرف، اسماعیل بن جعفر انصاری، زائدہ بن قدامہ اور امام اعظم ابوحنیفہ۔ [1]

شیوخ حدیث امام ابوالحسن کسائی نے حدیثِ پاک کا بھی سماع کیا تھا اس سلسلہ میں جن سے شرفِ تلمذ حاصل ہے انکے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

امام سفیان بن عیینہ، سلیمان بن راقم، امام جعفر الصادق، اور العرزمی وغیرہ [2]

شیوخ نحو امام نحو خلیل بن احمد نحوی، ابوجعفر رواسی اور معاذ بن الهراء نحوی [3]

سلسلۂ قرأت امام ابوالحسن علی کسائی نے امام حمزہ الزیات کوفی کے علاوہ عیسٰی بن عمر، طلحہ بن مصرف سے بھی سند لی جن کا سلسلہ ابراہیم نخعی علقمہ بن قیس اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے واسطوں سے جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہونچتا ہے۔ [4]

تلامذہ امام ابوالحسن علی کسائیؒ کے تلامذہ میں نامور ائمہ اور خلیفہ بھی شامل ہیں خلیفہ ہارون رشید انکے شاگرد تھے خلیفہ کے صاحبزادوں امین اور مامون کو بھی انہوں نے علوم قرآنیہ کی تعلیم دی تھی ان کے علاوہ بغداد میں انکا فیض عام تھا ان کے جن نامور تلامذہ کے نام معلوم ہوسکے وہ یہ ہیں۔

ابوالحارث لیث بن خالد، ابوعمر و حفص دوری، نصیر بن یوسف، قتیبہ بن مہران احمد بن شریح، ابوعبید القاسم بن سلمان، یحیٰی بن زیاد الفراء، خلف بن ہشام، یحیٰی بن معین وغیرہ [5]

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۳۱۳ و سوانح قراء سبعہ ص ۱۴۸، شرح سبعہ قرأت ص ۱۴۱ [2] ایضاً المدارس النحویہ ص ۱۵۳ و طبقات النحویین [3] ایضاً [4] سراج القاری المبتدی ص ۱۲ [5] تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۳۱۳، مضمون چند قراء، ماہنامہ المعارف لاہور مارچ ۱۹۶۹ء ص ۲۹ و شرح سبعہ قرأت ص ۴۲۔

کسائی کے اول الذکر دونوں شاگردوں سے کسائی کی قرأت کی اشاعت و ترویج ہوئی۔

قرأت میں درجہ و مرتبہ

فن قرأت میں قدر و منزلت کے اعتبار سے وہ امام القرار تھے ابن معین کا بیان ہے کہ "میں نے اپنی آنکھوں سے امام کسائی سے زیادہ عمدہ پڑھنے والا نہیں دیکھا۔ ابن الانباری کا بیان ہے کہ "قرأت عربی ادب اور لغت میں اعلم الناس تھے علامہ سیوطیؒ نے امام ابن حجر مکی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ابوعمرو اور کسائیؒ کی قرأت سب قرأتوں سے زیادہ فصیح ہے صاحب تہذیب کا بیان ہے کہ کسائی بغداد میں علم قرأت و تجوید کے امام تھے ۱؎

امامت و مرجعیت

امام ابوالحسن علی کسائی کی شخصیت اپنے گوناگوں امتیازات و کمالات کی بنا پر مرجع خلائق بن گئی تھی کوفہ کے ممبر پر بیٹھ کر درس دیا کرتے تھے اور ایک جم غفیر ان سے اخذ قرأت قرآن کیا کرتا تھا اپنے استاذ امام حمزہ الزیات کوفی کی وفات کے بعد مسند کوفہ پر متمکن ہوئے امام القرار اور امام النحو کے القابات سے نوازے گئے ابن مجاہد کا بیان ہے کہ وہ اپنے زمانہ میں قرأت میں لوگوں کے امام تھے ۲؎ ابوطیب لغوی کا بیان ہے کہ ۱۔ کسائی اہل کوفہ کے عالم اور ان کے امام تھے اہل علم کا مرجع اور ان کے مصلح تھے ۔ ۳؎

قرأت اور نحو

تذکرہ نگاروں نے نحو اور قرأت کا ذکر ایک ہی جگہ کیا ہے قرن اول میں ہر قاری نحوی ہوتا تھا درحقیقت قرأتوں کے اختلافات ہی نے قاریوں کے اندر یہ جذبہ و حوصلہ پیدا کیا کہ وہ نحو کے اصول و ضوابط منضبط کریں تاکہ قرار کرام قرآن پاک کی تلاوت میں کلمات قرآن کی اصلیت محل اور اعراب سمجھ سکیں قابل ذکر امر یہ ہے کہ بصرہ کے وہ تمام نحوی جو ابن اسحٰق کے بعد کے ہیں ان

۱؎ تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۳۱۳ ۲؎

۳؎ بحوالہ الرشاد مئی جون ۷۸ء ص ۴۹

سب کا تعلق قراء سے تھا یعنی وہ قاری تھے قراء سبعہ کے اکثر قاری نحوی ہیں مثلاً کسائی کے علاوہ ابوعمرو زبان بن العلا امام حمزہ الزیات کوفی، امام عاصم کوفی وغیرہ۔

قراء سبعہ کے علاوہ اور بھی بہت سے قراء نحوی تھے جیسے ابن ابی اسحاق حضرمی، عیسٰی بن عمر، خلیل بن احمد، یونس بن حبیب وغیرہ یہ سب قراء تھے سیبویہ بھی قراءتوں کے ماہر تھے اپنی تصنیف "الکتاب" میں وہ اکثر قراءتوں سے بحث و تعرض کرتے ہیں۔

نحو سے دلچسپی کی ابتداء

امام ابوالحسن علی کسائی کی نحو سے رغبت کا واقعہ بڑا دلچسپ ہے کسائی کے شاگرد فراء کا بیان ہے کہ امام کسائی ایک مرتبہ طویل سفر کے بعد اپنے حلقہ احباب میں پہونچے جس میں فضل بھی تھے اور یہ اکثر یہاں بیٹھا کرتے تھے اہل مجلس کے دریافت کرنے پر انھوں نے اپنی تکان کو ان الفاظ میں بیان کیا عییّت اس پر فضل نے کہا تم ہمارے ساتھ رہتے ہوئے بھی اسطرح کی غلطی کرتے ہو کسائی نے کہا کہ میں نے کون سی غلطی کی ہے تو ان لوگوں نے بتایا کہ تمہیں سفر کی وجہ سے تھک جانے کو عییت کے بجائے اعییت بالتخفیف سے تعبیر کرنا چاہئے عییت اسوقت بولتے ہیں جب انسان کو کوئی تدبیر سمجھ میں نہ آئے اور بالکل عاجز و بے بس ہو اس واقعہ سے کسائی نے بڑی خجالت محسوس کی اور ان پر اس کا گہرا اثر ہوا چنانچہ اسی وقت وہ علم نحو حاصل کرنے کے لئے کمربستہ ہوئے اور دریافت کیا کہ اس وقت علم نحو کا سب سے بڑا ماہر شخص کون ہے لوگوں نے معاذ بن الہراء کا نام بتایا چنانچہ کسائی ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مکمل استفادہ کیا اس کے بعد بصرہ گئے اور خلیل بن احمد سے خصوصی استفادہ کیا۔ انکے درس میں بیٹھے تو ایک اعرابی نے کہا:

تركت اسدًا وتميمًا وعندهما الفصاحة وجئت الى البصرة	تم بنو اسد اور بنو تمیم کو چھوڑ کر بصرہ آئے بھلا انکے ان کے پاس فصاحت تھی۔

مولانا عبدالقیوم حقانی لکھتے ہیں:-

اسی زمانہ میں امام کسائی جب ایک روز کسی گلی سے گذر رہے تھے تو ایک

بدوی نے ان پر طعن کیا کہ تم لوگ کان ادب بنو تمیم اور بنو اسد کو چھوڑ کر عربیت حاصل کرنے بصرہ آئے ہو بھلا یہاں کتنا ادب حاصل کر سکو گے؟ یہ چبھتا ہوا فقرہ امام کسائی کے دل میں اتر گیا۔ اور اپنے استاذ علامہ خلیل بصریؒ سے کسی موقع پر انھوں نے دریافت کیا حضرت آپ نے فن ادب کہاں سے سیکھا؟ استاذ نے جواب دیا حجاز تہامہ اور نجد کے جنگلوں میں بس پھر کیا ہوا کسائیؒ کے سر میں ایک تازہ سودا پیدا ہو عشق کی چوٹیں چلنے لگیں، شہر چھوڑ دیا صحراؤں اور جنگلوں کی راہ لی قبیلہ در قبیلہ پھرتے رہے اور اتنے پھرے اور اس قدر اسفار کئے کہ فن ادب کا کوئی پہلو ان سے پوشیدہ نہ رہا حتیٰ کہ اس فن کے امام بن گئے جس کے نہ جاننے سے شرمندہ ہونا پڑا تھا آج اس کے ایک ایک پہلو سے انہیں عزتیں اور رفعتیں مل رہی ہے۔ [1]

امام کسائی جب نجد تہامہ اور حجاز سے واپس ہوئے تو حفظ کی ہوئی چیزوں کے علاوہ دیہاتوں کے اقوال و محاورات لکھنے پر روشنائی کی پندرہ بوتلیں صرف کر چکے تھے [2] صاحب المدارس النحویہ کا بیان ہے کہ۔

انه خرج الى نجد وتهامة والحجاز و جمع وقد انفذ خمس عشرة قنينة حبر فى الكتابة عن العرب سوى ماحفظ [3]	کسائی نے نجد تہامہ اور حجاز کا سفر کیا عربوں کی روایت لکھنے میں پندرہ شیشی روشنائی صرف کی علاوہ ازیں بہت سی چیزوں کو اپنے ہیں محفوظ کر لیا۔

عربی قبائل سے تحصیل علم کے بعد پھر بصرہ تشریف لائے تو خلیل بن احمد کی وفات ہو چکی تھی ان کی مسند درس پر ان کے شاگرد یونس بن حبیب بصری نحوی تشریف فرما تھے امام کسائی نے بہت سے مسائل میں ان سے گفتگو کی تو انہوں نے کسائی کی

---

[1] مولانا عبدالقیوم حقانی، کتاب بیشہ رزق حلال اور ارباب علم و کمال ص ۵۳ او ۱۵۴ [2] ایضاً والموجز فی نشاۃ النحو۔ [3] المدارس النحویہ ص ۱۵۹۔

تصدیق کی اور اپنی جگہ پر امام کسائی کو بٹھایا اور پھر یہیں انہوں نے مستقل اقامت اختیار کر لی [1]

نحوی اسکول علم نحو کے تین مراکز تھے جنہیں اسکول سے تعبیر کیا جاتا ہے اولیت بصرۃ اسکول کو حاصل ہے اسکے بعد کوفہ اور بغداد کے مراکز کا تذکرہ کیا جاتا ہے ان نحوی مراکز سے وابستہ علمار نے بڑی محنت کی اور فن نحو کو بڑی وسعت و ہمہ گیری بخشی ان میں سرفہرست بصرہ میں سیبویہ کوفہ میں کسائی اور بغداد میں ابن کیسان تھے کوفی اسکول کی ابتدار کسائی کے استاد ابوجعفر رواسی اور معاذ بن الہرار سے ہوتی ہے مگر کسائی کی محنت و مشقت نے ان کو کوفی اسکول کا بانی قرار دینے کا جواز فراہم کر دیا دراصل کوفی نحو کی ابتدار باقاعدہ اور منظم طریقے سے کسائی اور انکے شاگرد فرار سے ہوتی ہے انہیں دونوں نے اس کے مقدمات ترتیب دیئے اصول و ضوابط منضبط اور خطوط بنائے اور اپنی نجی صلاحیتوں کی بنا پر کوفی اسکول کو ایک مستقل نظریہ دیا۔

نحوی مراکز کے درمیان چپقلش معرکہ آرائی اور ایک دوسرے پر تنقید و اعتراضات بھی ہوتے تھے اس سلسلہ میں ابن الانباری نے دونوں کے اختلافات پر مشتمل ایک ضخیم کتاب بھی لکھی تھی چونکہ امام کسائی اور ان کے ہم خیال نحویوں کا رویہ فراخ دلانہ اور وسعت پسندانہ تھا وہ صرف فصحائے عرب ہی سے اشعار و امثال لینے پر اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ ان عربوں سے بھی روایت کرتے تھے جو شہروں میں رہتے تھے جب کہ اہل بصرہ ان سے سند لینے کو پسند نہیں کرتے تھے اس میں وہ متشدد تھے اور اسی بنا پر امام کسائی کو اپنی تنقیدوں کا ہدف بناتے تھے جیسا کہ اس قول سے ظاہر ہے:

انه كان يسمع الشاذ الذى لا يجوز من   شاذ اور غلط روایتوں کو قبول کرتا تھا اور غیر اہل

---

[1] نزہۃ الاولیار

فصاحت کے اشعار نقل کرتا تھا اور اس کو الخطا واللحن وشعر غیرا هل الفصاحة
اصل بنا کر اس پر قیاس کرتا تھا یہاں تک کہ فیجعل ذالك اصلاً ویقیس علیه حتیٰ افسد النحو[1]
نحو کو ہی خراب کر دیا۔

حالانکہ ابتداء میں اشعار امثال اور اقوال و محاورات ہی سے کام لیا جاتا تھا
اسکے باوجود ابن خلکان کا یہ قول حیرت انگیز ہے کہ

"اس کو شعر میں کوئی مہارت حاصل نہیں تھی مشہور مقولہ ہے کہ
علمائے نحو میں کسائی سے زیادہ شعر سے ناواقف کوئی نہیں ہے"

مناظرے

اوپر گذر چکا ہے کہ کسائی نے خلیفہ ہارون رشید کے بیٹے امین و مامون کی اتالیقی میں خلیفہ ہارون رشید کے وزیر اعظم یحییٰ بن خالد نے کسائی اور سیبویہ کو اکٹھا کیا امام کسائی کے شاگرد فرار کا بیان ہے کہ میں ایک روز کسائی کے پاس گیا تو دیکھا کہ وہ رو رہے ہیں میں نے رونے کا سبب دریافت کیا تو کسائی نے فرمایا:۔

یہ بادشاہ یحییٰ ابن خالد مجھے بلاتا ہے کہ مجھ سے کسی چیز کے بارے میں سوال کرے اگر میں اس کا جواب دینے میں دیر کرونگا تو مجھ پر اسکا عتاب ہوگا اگر عجلت سے جواب دوں تو مجھے غلطی کا خطرہ ہے۔

انہوں نے مشورہ دیا کہ وہ جو کچھ پوچھے آپ اسکا جواب دیجئے آپ تو کسائی ہیں کسائی نے اپنی زبان پکڑ لی اور کہا اللہ تو اس زبان کو کاٹ لے اگر میں ایسی بات کہوں جسکا مجھے علم نہ ہو۔

واضح رہے کہ سیبویہ ماہر قرأت ونحو اور بصری اسکول کے نمائندہ تھے بالآخر دونوں میں مناظرہ ہوا کسائی نے سیبویہ سے دریافت کیا کہ کنت اظن العقرب اشد لدغۃ من الزنبور فاذا هو ایاها" میں فصاحت کس میں ہے سیبویہ

---

[1] معجم الادبار ۱۳ / ۱۸۳

نے جواب دیا آخری جملے میں ایاھا کی منصوب ضمیر لانا جائز نہیں ہے صحیح یہ ہے "فاذا هوهي" کسائی نے کہا عربوں میں دونوں رائج ہے بات آگے بڑھی تو ایک فصیح اللہجہ عرب دیہاتی کو تحکم مقرر کیا گیا اس نے سیبویہ کے حق میں فیصلہ صادر کر دیا لیکن چونکہ کسائی امین کے اتالیق اور کوفہ کے رہنے والے تھے اس لئے ان کے طرفداروں کو کسائی کی پسپائی گوارا نہ ہوئی اس لئے دل برداشتہ اور بادل خاطر ہو کر بغداد کو خیرباد کہہ کر بیضار کیلئے رخت سفر باندلیا اور بقیہ زندگی بیضار میں گوشہ نشینی میں گذار دی ۔ ؎۱

لیکن اس مناظرے کی مکمل روداد دستیاب نہ ہونے کیوجہ سے نہیں کہا جاسکتا کہ کون حق پر تھا غیر واضح اور مبہم ہونے کیوجہ سے یہ واقعہ محل نظر ہے ۔

فراء کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے میری تعریف کی اور کہا کہ آپ کسائی کے پاس کیوں جاتے ہیں آپ تو علم نحو میں انھیں کیطرح ہیں چنانچہ مجھے اس کا زعم پیدا ہوا اور میں نے کسائی سے مناظرہ کیا اور کچھ سوالات کئے تو معلوم ہوا کہ میری حیثیت ایک چڑیا کی سی ہے جو سمندر میں پانی پی رہی ہو ۔

نحو میں کمال وامتیاز

امام ابوالحسن علی کسائی کی جلالت شان اور علوئے مرتبت کا اندازہ علامہ ابن الانباری (م ۳۲۸ھ) کے اس قول سے ہوتا ہے کہ "امام کسائی علم نحو کے ماہر اور عربی میں میں بے نظیر تھے ان پر نحو اور فن قرأت دونوں ہی چیزیں منتہی ہوتی ہیں ؎۲ حرملہ ابن یحیی التجیبی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام شافعیؒ سے کہتے ہوئے سنا کہ جسے علم نحو میں مہارت حاصل کرنی ہو وہ کسائی کا محتاج ہے ۔ ؎۳

خلیفہ سے تعلق

امام ابوالحسن علی کسائی نے خلیفہ ہارون رشید اور اس کے لڑکے امین کو پڑھایا تھا اسلئے خلیفہ کی بارگاہ

؎۱ المدارس النحویہ ص ۵۸ بحوالہ الرشاد اعظم گوھ مئی رجون ۱۹۷۸ء ؎۲ بحوالہ علم قرأت اور قرأ سبعہ ص ۱۱۵ ؎۳ کتاب التبصرہ ص ۱۲۴

میں کسائی کو افروز عروج حاصل تھا خلیفہ کی معیت ہی میں خراسان جاتے ہوئے شہر رئی میں انہوں نے وفات پائی انکی وفات پر خلیفہ کو سخت صدمہ ہوا اس نے افسوس ظاہر کرتے ہوئے کہا تھا۔

دفنا الفقه والنحو بالری فی یوم واحد[1] — ہم نے فقہ اور نحو دونوں کو ایک ہی دن شہر رئی میں دفن کر دیا۔

تصانیف درس وتدریس کے علاوہ انکا وقت تصنیف وتالیف میں گذرتا ان کی جن کتابوں سے ہم واقف ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ معانی القرآن: یہ علوم القرآن سے متعلق تھی[2]۔

۲۔ مختصر النحو[3]
۳۔ کتاب الحدود فی النحو
} ان دونوں کتابوں کی تفصیل معلوم نہ ہو سکی لیکن انکے ناموں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نحو سے متعلق تھیں۔

۴۔ نوادر کبیر[4] — اس کے متعلق کوئی تفصیل نہ مل سکی۔

۵۔ ما تلحن فیه العوام: یہ کتاب اغلاط عوام سے متعلق تھی اپنے موضوع کے لحاظ سے غالباً یہ سب سے قدیم ترین تصنیف ہے اس کا مخطوطہ کتب خانہ برلن میں ہے بروکلمان نے رسالہ کے شمارہ ۱۲ سنہ ۱۸۹۸ء میں ص ۲۹ تا ۴۶ میں شائع کیا تھا بعد ازاں عبدالعزیز میمنی کی تصحیح سے دوبارہ شائع ہوا[5]۔

اس کے علاوہ اور بھی مختلف رسالے اور کتابیں تصنیف کیں لیکن ہم انکی تفصیلات سے محروم ہیں۔

وفات انہوں نے ۱۸۹ھ / ۸۰۵ء میں رئی کے ایک قریہ رنبویہ میں خلیفہ ہارون رشید

---

[1] المدارس النحویہ ص ۱۷۵ [2] تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۳۱۳ [3] ایضاً [4] ایضاً [5] دائرہ معارف اسلامیہ (انسائیکلوپیڈیا آف اسلام) ج ۱۷ ص ۲۶۶۔

کے ساتھ خراسان جاتے ہوئے ستر سال کی عمر میں وفات پائی ۱۸۹ھ اور وہیں سپردِ خاک کئے گئے تاریخ وفات لفظ "المحسن" سے نکلتی ہے اسی دن ان کے خالہ زاد بھائی اور مشہور فقیہ امام محمد بن حسن شیبانیؒ نے بھی یہیں وفات پائی اسی پر خلیفہ ہارون رشید نے کہا تھا کہ "ہم نے فقہ اور نحو دونوں کو ایک ہی دن شہر رَی میں دفن کر دیا۔

صاحب تذکرۃ النحاۃ نے بغیر کسی حوالے کے سنہ وفات ۱۸۰ھ اور جائے وفات طوس لکھدیا ہے جبکہ کسی معتبر کتاب سے انکے بیان کی تصدیق نہیں ہوتی۔

بشارتیں

اسماعیل بن جعفر مدنی کا بیان ہے کہ میں نے خواب میں امام کسائی کی زیارت کی اور دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا تو کسائیؒ فرمایا کہ قرآن کی وجہ سے میری مغفرت فرمادی اور جنت میں جگہ دی۔

دوسری جگہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری مغفرت فرمادی اور خاص کرم کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب عطا کیا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ علی بن حمزہ کسائی ہو؟ میں نے کہا کہ ہاں تو آپؐ نے فرمایا قرأت کرو میں نے والصافات صفًا سے شہاب ثاقب تک تلاوت کی پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن امتیں تم پر فخر کریں گی۔

خود امام کسائیؒ کا بیان ہے کہ میں نے خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم کسائی ہو میں نے کہا ہاں یا رسول اللہؐ پھر آپؐ نے فرمایا پڑھو میں نے کہا کیا پڑھوں آپ نے فرمایا والصافات صفا فالزاجرات زجرًا فالتالیات ذکرًا ان الٰھکم لواحد۔ پھر اپنا دست مبارک میرے مونڈھے پر رکھا اور فرمایا لاباھین بک الملائکۃ غدا میں تمہارے ذریعہ کل فرشتوں پر فخر کرونگا۔

محمد بن یحییٰ کہتے ہیں کہ میں نے عبدالرحمٰن ابن حریش سے سنا کہ انہوں نے کسائی

؎ ملا علی قاری شرح شاطبی ص ۱۵ و سراج القاری المبتدی ص ۱۲ ؎ تذکرۃ النحاۃ ص ۱۵

جے پور میں مسلم پرسنل لا بورڈ کا عمومی اجلاس

۹-۱۰ر اکتوبر ۱۹۹۳ء کو مسلم پرسنل لا بورڈ کا گیارہواں عمومی اجلاس راجستھان کے مرکزی شہر جے پور سے دس کلومیٹر دور جامعۃ الہدایہ میں منعقد ہوا یہ اجلاس بہت سی حیثیتوں سے پچھلے تمام اجلاسوں سے ممتاز تھا۔

سب سے پہلی بات تو یہ کہ مسلم پرسنل لا بورڈ کے اس اجلاس میں ارکان اور مدعوئین نے کی قریب ۹۸ فیصدی حاضری تھی۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس کے لئے جس پر فضا اور پرسکون مقام کا انتخاب کیا گیا تھا شاید اس سے پہلے کے اجلاسوں میں ایسی پر فضا اور پرسکون جگہ نہ مل سکی تھی پھر نظم و انتظام کے اعتبار سے بھی وہاں کے لوگوں نے اچھی مثال قائم کی۔

تیسرے یہ کہ جلسۂ عام میں ایسا محسوس ہوتا تھا کہ پورا راجستھان سمٹ آیا ہے اور دو بجے رات تک پورے ذوق و شوق کے ساتھ مجمع گوش برآواز بنکر مقررین کی تقریریں سنتا رہا جو اس سے پہلے کے اجلاسوں میں بہت کم دیکھنے میں آیا۔

چوتھی بات یہ کہ محترم قاضی مجاہدالاسلام کی کوششوں سے بوہرا جماعت کے سربراہ شہزادہ بشیر بھائی نورالدین کانپور کے باہمت مسلمانوں، ملی کونسل اور راجستھان کے مصیبت زدہ مسلمانوں نے مسلم پرسنل لا بورڈ کے دلی میں دفتر کے قیام کے لئے دو گھنٹے کے اندر لاکھوں روپے جمع کر دیئے اور تقریباً ۲۰۰ سو شرکاء کو وہاں کی مخصوص ہلکی پھلکی ایک ایک رضائی اور وہاں کے مخصوص حلوے کا ایک ایک پیکٹ بطور ہدیہ پیش کیا جو شاید اس اجتماع میں پہلی نیک فال اور پرخلوص مثال ہے یہ سب کچھ حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب مدظلہ کی توجہات اور دعاؤں کے نتیجہ میں ہوا جو ان دنوں بیمار ہوکر بمبئی چلے گئے تھے مگر وہاں سے فون کے ذریعہ اپنے صاحب زادگان اور ذمہ داروں کو اجلاس کو کامیاب بنانے کی ہدایت دیتے رہے، اللہ تعالیٰ انکو صحت کاملہ سے نوازے اور ان کا سایہ تادیر ہمارے سروں پر قائم رکھے۔

پانچویں اور سب سے اہم بات بورڈ کے وہ فیصلے ہیں جو اس اجلاس میں کئے گئے یا لئے گئے،

اصلاحِ معاشرہ وغیرہ کے ساتھ اس کا سب سے اہم فیصلہ پورے ملک میں دارالقضاء کے قیام کا فیصلہ ہے اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس فیصلہ پر پورا نیشنل پریس چیخ اٹھا ہے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ملک بھر میں کوئی بڑا زلزلہ آگیا ہے۔ حالانکہ اس پر چراغ پا ہونے کی کوئی ضرورت نہیں تھی یہ تو اس پروگرام کی تکمیل ہے جسے آزادی کی لڑائی کے وقت کانگریس نے اپنے دستور کا جزو بنایا تھا یعنی یہ کہ آزادی کے بعد ہر شخص کو سستا سستا انصاف ملے گا۔ آزادی سے پہلے جتنا سستا انصاف ملتا تھا آزادی کے بعد اس کا تصور بھی محال ہو گیا ہے۔

اس پریشانی سے عوام کو بچانے کے لئے اور عدالتی بوجھ کو کم کرنے کے لئے آپ گرام پنچائتوں اور لوک عدالتوں کے قیام کا فیصلہ کریں تو اس سے یہ مصیبت کھڑی نہیں ہوتی مگر عدالتوں کے بوجھ کو کم کرنے کے لئے ہم یہی کام رضا کارانہ طور پر شروع کریں تو یہ سب سے بڑا جرم قرار پاتا ہے ؎

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

ہم یہاں محترم عبدالمنان صاحب ایڈوکیٹ کا وہ مضمون نقل کر رہے ہیں جس میں انہوں نے مسلم پرسنل لا کے اس فیصلہ کا دستوری وقانونی جائزہ لیا ہے۔

دارالقضاء کا تصور آئین ہند کی پالیسی کے بموجب

بعض غلط فہمیوں کا ازالہ کیا گیا ہے

لکھنؤ ۲۰ راکتوبر۔ ممتاز وکیل مسٹر عبدالمنان نے آج یہاں قومی آواز سے گفتگو کرتے ہوئے مسلم پرسنل لا بورڈ کے شرعی عدالتیں قائم کرنے کے فیصلے پر اعتراضات کی وضاحت کرتے ہوئے مسئلہ کے آئینی قانونی اور دوسرے پہلوؤں پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔

مسٹر عبدالمنان نے وضاحت کی مسلم پرسنل لا بورڈ نے جس کے اس جلسے میں وہ خود موجود تھے جس میں دارالقضاء کے قیام کا فیصلہ کیا گیا۔ دراصل اصلاح معاشرہ کے مجموعی مسئلہ پر غور کیا تھا اور اس وسیع تر سیاق وسباق میں ہی دارالقضاء کے قیام کا فیصلہ کیا تھا۔ اصلاح

معاشرہ کے مسائل کے سلسلے میں جن پہلوؤں پر خصوصیت سے غور کیا گیا تھا ان میں جہیز کے رسم کا خاتمہ شادی بیاہ میں لڑکیوں کے والدین سے کئے جانے والے مطالبات کی سختی سے مخالفت کرنے مہر کو فوراً ادا کرنے پر لوگوں کو راغب کرنے کی کوشش شادیوں میں دولت کے بے جا نمائش کو روکنے کی کوشش وغیرہ کے مسائل اوران مسائل کو باہمی رضامندی سے یا ثالثی سے حکم کے ذریعہ فقہ اسلامی کے دائرہ کار میں رہتے ہوئے فیصل کرنے کی غرض سے دارالقضاء کے قیام کی بات کہی گئی تھی۔

مسٹر عبدالمنان کو شکایت تھی کہ قومی اخبارات نے اور بعض ایسے افراد نے جن کو لبرل کہا جاتا ہے اس پوری بحث میں سے صرف دارالقضاء کے قیام کو "شرعی عدالت" قرار دے کر اس کو ایک متوازی نظام قانون قرار دے دیا اور اس کی مذمت شروع کر دی۔

وضاحت کرتے ہوئے مسٹر عبدالمنان نے کہا کہ ثالثی یا حکم کے ذریعہ معاملات کو فیصل کرنے کی کوشش کرنا ہندوستان کے آئین کی پالیسی ہے اس لئے دارالقضاء کو کسی بھی حالت میں آئین کے خلاف یا اس کے بنائے ہوئے نظام عدل کا متوازی نظام نہیں قرار دیا جا سکتا۔

انہوں نے بتایا کہ آئین کے آرٹیکل ۱۳ میں جہاں قانون کی وضاحت کی گئی ہے وہاں رواج کو قانون کی سی حیثیت دی گئی ہے اور اس رواج کے تحت مختلف برادریوں میں جن میں ہریجنوں کی برادریاں شامل ہیں تنازعات کو حل کرنے کے لئے پنچائت کے نظام کو تسلیم کیا گیا ہے ان پنچائتوں کے فیصلوں کو عدالت بھی تسلیم کرتی ہے اور اس کو قانون کی سی اہمیت حاصل ہوتی ہے تو پھر یہ حق مسلمانوں کو کیوں نہیں دیا جا سکتا تاکہ وہ اپنے عائلی مسائل، وراثت سے متعلق مسائل اور ایسے ہی دوسرے مسائل کو پنچائتی طریقے سے حل نہ کریں۔

اسی طرح ان کے بموجب آئین کے آرٹیکل ۲۶ کے ہر فرقے کو اور تحتی فرقوں کو بھی اپنے مسائل خود حل کرنے کا بنیادی حق دیا گیا ہے۔ اب اگر آئین کی ان دو شقوں کو ملا کر دیکھیں تو دارالقضاء کے آئینی جواز سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

مسٹر عبدالمنان نے وضاحت کی کہ دارالقضاء وہ مرکز ہے جہاں قضیوں کو نپٹایا جائے تنازعے نپٹانے کا کام تین طرح سے ہو سکتا ہے۔ صلح وصفائی کے ذریعہ، ثالثی کے ذریعہ یا پھر حکم کے ذریعہ

فقہ اسلامی کے دائرہ کار کے اندر رہ کر دارالقضا ان تین ذرائع سے تنازعات نپٹاتا ہے۔ اور اس کا آئینی جواز وہ ہے جو اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔

انہوں نے کہا مزید یہ بات ہے کہ خود ملک میں ایک آربری ٹیشن (ثالثی) ایکٹ موجود ہے جس کے تحت کوئی بھی دو شہری جن کے درمیان کوئی تنازعہ ہو کسی بھی تیسرے شہری کو یا شہریوں کو اپنا ثالث مان سکتے ہیں اور ان ثالثوں کے فیصلے کو عدالت تسلیم اور نافذ کرتی ہے۔ تو پھر مسلمان اگر دارالقضار کی ثالثی کے ذریعہ اپنے مسائل حل کرنا چاہیں تو اس کو متوازی نظام عدل کیسے کہا جا سکتا ہے۔

اسی طرح ان کے بموجب انڈسٹریل تنازعات ایکٹ ہے اس میں بھی ثالثی کا پورا نظام موجود ہے اور مالک اور مزدور کسی بھی تنازعے کو ثالثی کے ذریعہ حل کر سکتے ہیں اور اس ثالث کا فیصلہ انڈسٹریل ٹریبونل کے فیصلے کی طرح نافذ ہوتا ہے تو پھر دارالقضار کے ذریعہ مسلمان اپنے مسائل کو کیوں نہیں حل کر سکتے۔ لوک عدالتوں کا قیام بھی اسی لئے ہوا کہ تیزی سے اور کم قیمت پر عدل فراہم کرنے کے لئے ان عدالتوں کے ذریعہ فیصلے کئے جاتے ہیں لوک عدالتوں کا قیام ہوا بھی اس لئے ہے کہ عدالتوں کے باہر معاملات طے ہو جائیں۔ اس لئے دارالقضار کو کسی بھی صورت میں آئین اور قانون کے خلاف قرار نہیں دیا جا سکتا اور نہ یہ کوئی متوازی نظام عدل ہے اور نہ اس کے فیصلوں پر ملک کی عدالتیں کوئی کارروائی کر سکتی ہیں۔

انہوں نے اس سلسلے میں مزید کہا کہ آئین میں سرکاری پالیسی کے رہبر اصولوں میں ۴۲ ویں ترمیم کے ذریعہ یہ درج ہے کہ حکومت زیادہ سے زیادہ یہ کوشش کرے گی کہ عوام کو مفت قانونی مدد ملے اسی کے تحت لوک عدالتیں قائم کی گئیں۔ اگر یہ کام دارالقضار انجام دے تو کون سا گناہ کیا ہے یہ تو ہندوستان کے آئین کی پالیسی کے عین بموجب ہے۔

بقیہ صفحہ ۴۵ کا

جنہیں یوپی، بہار کے علماء اور جدید تعلیم یافتہ حضرات کو مدعو کیا تھا راقم الحروف نے بھی ایک مختصر سا مضمون علماء کی ذمہ داری پڑھا تھا انشاء اللہ اگلے مہینے ارشاد کے صفحات میں اسکا ذکر آئیگا اور اسی وقت اس سفر کی مزید تفصیلات پیش کرنیکی کوشش کی جائیگی اس سلسلہ میں جن عزیزوں نے اس سفر پر آمادہ کیا انکی عزت افزائی کا ذکر بھی انشاء اللہ آئے گا۔

وفیات

ہندوستان کے دو ممتاز مدرسوں کے دو پرانے مخلص کے انتقال کی خبر سے سخت صدمہ ہوا ان میں سے ایک غازیپور کے مدرسہ دینیہ کے پرانے صدر مدرس مولانا مشتاق احمد صاحب مرحوم اور دوسرے مدرسہ سبیل الرشاد بنگلور کے مولانا نیر ربانی صاحب مرحوم تھے،

ان دونوں حضرات نے جہاں سے اپنی علمی زندگی شروع کی وہیں پوری زندگی گزار دی اس دور میں یہ چیز کمیاب ہی نہیں بلکہ نایاب ہوتی جارہی ہے ہم انکے سلسلہ میں یہاں دو خط شائع کر رہے ہیں اس سے انکی زندگی پر کسی قدر روشنی پڑ جائے گی

مکرمی! السلام علیکم

آپ کو یہ اطلاع دیتے ہوئے دل خون کے آنسو رو رہا ہے کہ مدرسہ دینیہ کے صدر مدرس حضرت مولانا مشتاق احمد صاحب (فاضل دیوبند) کا ۴ر اکتوبر کی شام میں اچانک حرکت قلب بند ہو جانے سے انتقال ہو گیا۔ انتقال سے پہلے مولانا بالکل صحت مند تھے، معمولات میں فرق آیا نہ بیماری کی کوئی علامت ظاہر ہوئی۔ معمول کے مطابق عصر کی نماز مدرسہ کی مسجد میں ادا کرنے کے لئے گھر سے باوضو روانہ ہوئے، راستہ میں چلتے ہوئے کچھ تکلیف محسوس کی اور بیٹھ گئے، آناً فاناً مولانا مرحوم کے بہت سے شناسا اور محبت کرنے والے جمع ہو گئے اور مولانا کو ایک کمرے میں لٹا دیا، پانی پلایا اور ڈاکٹر کو بلا کر لائے، ڈاکٹر نے آتے ہی بتا دیا کہ مولانا کی روح قفس عنصری سے پرواز کر چکی ہے۔

دوسرے دن ہزاروں سوگواروں نے نماز جنازہ میں شرکت کی اور مولانا کے جسد خاکی کو ان کے آبائی قبرستان میں سپرد خاک کیا۔ مولانا عوامی آدمی نہیں تھے اور

ان کے بیشتر اوقات تعلیم و تعلم اور مسجد و مدرسہ ہی میں گذرتے تھے مگر مولانا کے وصال کے بعد اندازہ ہوا کہ عوام و خواص کے دلوں میں ان کا کیا مقام تھا، مولانا حد درجہ خلیق اور ملنسار تھے۔ مولانا نے چالیس سال تک مدرسہ دینیہ کی بے لوث خدمت کی اور اس کی مسند صدارت کو رونق بخشی، اس عرصے میں مولانا نے غازیپور اور اس کے پڑوسی اضلاع میں تبلیغ و اصلاح کے سلسلے میں جو بنیادی خدمات انجام دی ہیں ان کو مولانا کا مثالی کارنامہ سمجھنا چاہئے۔

مولانا علیہ الرحمہ مدرسہ دینیہ کے ابناء قدیم میں سب سے نمایاں اور ممتاز تھے اور اپنی پوری زندگی انھوں نے مدرسہ دینیہ پر نچھاور کردی۔ ان کی جدائی مدرسہ کے خدام کے لئے صبر آزما ہے اور وہ محسوس کرتے ہیں کہ ان کی کشتی اچانک گرداب میں پھنس گئی ہے۔ آپ سے اور دوسرے مخلصین سے درخواست ہے کہ مولانا مرحوم کی روح کی تسکین کے لئے زیادہ سے زیادہ ایصالِ ثواب کا اہتمام فرمائیں۔

ذمہ دارانِ مدارس اسلامیہ سے درخواست ہے کہ مدرسہ میں خاص طور سے ایصالِ ثواب کا نظم فرمائیں۔

مولانا مرحوم کے احباب و رفقاء سے درخواست ہے کہ وہ مولانا کی مغفرت کی دعاء فرماتے رہیں اور مولانا کی ذات سے انکو جو تعلق تھا اس کو مولانا کے خاندان اور مدرسہ دینیہ کی طرف منتقل کر دیں اور قدیم رشتہ کو باقی رکھیں۔

مدرسہ دینیہ کے مخلص معاونین اور عام مسلمانوں سے اپیل ہے کہ مدرسہ کے موجودہ خدام جو یقیناً مولانا جیسی ہمت اور حوصلہ نہیں رکھتے کو حسب سابق بھرپور تعاون دے کر اس لائق بنائیں کہ وہ مدرسہ کی ذمہ داریوں کو کما حقہ نبھا سکیں۔ والسلام

خادم

عزیز الحسن صدیقی۔ مہتمم مدرسہ دینیہ غازیپور

محترم المقام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مزاج عالی؟

ہم نہایت افسوس کے ساتھ آنجناب کو یہ غمناک خبر دے رہے ہیں کہ والد محترم حضرت

مولانا الحاج نیر ربانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بتاریخ ۴ر اکتوبر ۱۹۹۳ء شب کے سوا گیارہ بجے بمقام دارالعلوم سبیل الرشاد بنگلور انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

والد ماجد اسی دن دوپہر ہم سب سے رخصت ہوکر بذریعہ ٹرین رات کے دس بجے مدرسہ پہنچے تھے۔ کھانا کھایا۔ دو دن کی ڈاک دیکھی خدام سے بشاشت کے ساتھ گفتگو کی۔ گیارہ بجے اچانک دل کا دورہ پڑا اور تھوڑی ہی دیر میں دیکھتے دیکھتے روح مبارک قفسِ عنصری سے پرواز کرگئی۔ زبان پر اللہ لا الہ الا اللہ کے کلمات جاری رہے۔

صبح کے آٹھ بجے دارالعلوم سبیل الرشاد کے احاطے میں امیرِ شریعت حضرت مولانا ابوالسعود احمد صاحب دامت برکاتہم نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اساتذہ وطلبہ کے علاوہ ہزاروں معتقدین نے شریک تھے۔ نو بجے بذریعہ ایمبولینس جنازہ روانہ ہوا اور دو بجے دوپہر وطن مالوف میل وشارم پہنچا۔ جہاں اہل خانہ اور ہزاروں سوگواران بے تابی سے منتظر تھے۔ بعد نمازِ مغرب ہزاروں کے مجمع نے دوبارہ نماز جنازہ پڑھی اور تدفین عمل میں آئی۔

آنجناب سے مؤدبانہ التماس ہے کہ والدِ محترم کے لئے ایصالِ ثواب ودعاءِ مغفرت کا اہتمام فرمائیں اور ہم تمام پسماندگان ومتعلقین کے لئے صبرِ جمیل کی دعا فرمائیں۔

والسلام
سوگواران
محمد اشرف علی ربانی۔ حافظ محمد ارشد علی ربانی
فرزندان

نمبر ۷ اسحاق پیٹ فرسٹ اسٹریٹ
میل وشارم (این اے)
635 209
فون 04172-6192

سالانہ چندہ
ہندوستان سے ۶۰/-
خصوصی معاون ۱۰۰/-
قیمت فی پرچہ 5/-

جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ کا ترجمان
ماہنامہ
جامعۃ
الرشاد

سالانہ چندہ
غیر ممالک سے
پندرہ ڈالر امریکی
15/- 5

جلد نمبر ۲۷ | دسمبر سنہ ۱۹۹۳ء مطابق جمادی الآخر سنہ ۱۴۱۴ھ | شمارہ ۱۵۵

فہرست مضامین

۱	رشحات	مرتب	۲
۲	عربی مدارس اور مساجد کیلئے ایک سنگین خطرہ	مرتب	۶
۳	عزیمت و رخصت کے شرعی احکام	جناب مولانا مبشر احمد جامعہ مدینہ لاہور	۷
۴	انسانی بنیادی حقوق کا اسلامی تصور	جناب عرفان خالد ڈھلوں لیکچرار گورنمنٹ کالج	۱۴
۵	نوجوانوں اور علمائے نیپال کی خدمت میں ایک فانی کی چند گزارشات	مرتب	۱۸
۶	امام ابو عمرو حفص بن سلیمان کوفیؒ	محمد الیاس الاعظمی ایم اے ریسرچ اسکالر	۲۹
۷	اکابرین ملت کی خدمت میں چند گزارشات	مرتب	۳۵
۸	الرشاد کی ڈاک	مرتب	۴۳
۹	نئی کتابیں	محمد رضی الاسلام ندوی	۴۸
۱۰	کتابوں کا اشتہار	مہتمم مکتبہ الرشاد	۵۲

مجیب اللہ ندوی پرنٹر پبلشر ایڈیٹر نے نشاط آفسیٹ پریس ٹانڈہ سے چھپوا کر دفتر جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ سے شائع کیا

رشحات

غیر ملکی تسلط سے آزاد کرانے کے لئے ایک آزادی کی لڑائی ہندوستان کے تمام باشندوں نے ملکر ۱۹۴۷ء میں جیتی مگر ہماری یہ آزادی سیاسی آزادی تھی خیال تھا کہ اس سیاسی آزادی کے نتیجہ میں جیسا کہ سیاسی رہنما ہر میٹنگ اور ہر جلسے میں کہتے اور ہر پروگراموں میں اس کا ذکر کرتے تھے کہ ہم کو قانونی اور سماجی انصاف کے ساتھ مذہبی اور لسانی آزادی بھی اس سے زیادہ ملے گی جتنی غیر ملکی حکومت کے زمانہ میں ہمیں حاصل ہے لیکن بڑے رنج وافسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس آزادی کے بعد ہندوستان کے دوسرے طبقات کو توبڑی حد تک یہ سب کچھ ملا مگر مسلمانوں سے آزادی کے بعد وہ سب کچھ بھی چھن گیا جو آزادی سے پہلے انہیں حاصل تھا ، اس لئے مسلمانوں کو ایک دوسری آزادی کی لڑائی لڑنی باقی ہے۔

بابری مسجد کی شہادت نے یہ ثابت کر دیا کہ جمہوری آزادی، عدالتی انصاف، اور پارلیامنٹ کی بالادستی کوئی چیز بھی مسلمانوں کے نقطۂ نظر سے باقی نہیں رہ گئی ہے یہاں اصلاً اسوقت جنگل راج اور جس کی لاٹھی اس کی بھینس کی بالادستی کا اصول کار فرما ہے۔ جو لاکھ دو لاکھ کی بھیڑ جمع کرکے جب چاہے اور جیسے چاہے قانون وانصاف کی دھجیاں بکھیر سکتا ہے۔ اور اسے سزا دینے کی بات تو دور کی ہے اس کا ہاتھ پکڑنے والا بھی کوئی نہیں اور نہ سیاسی پارٹیاں ہی اس اندھیر نگری کی قرار واقعی مخالفت کرسکیں اِن نازک صورتحال پر ہم کو بڑی سنجیدگی سے غور کرنا چاہئے مگر یہ بات انتہائی سوہانِ روح ہے کہ عوام تو عوام خواص کی بھی ایک بڑی تعداد ان حالات پر ایک سرسری نظر ڈال کر گذر جاتی ہے سنجیدگی کے ساتھ اس پہلو پر بہت کم لوگ سوچنے کی کوشش کرتے ہیں ہماری زبان، ہمارا مسلم پرسنل لار، ہماری تاریخ، ہمارے تہذیبی امتیازات کو مجروح کرنے کی جو کوشش پہلے سے ہورہی تھی اب وہ تیز سے تیز تر ہوتی جارہی ہے اور اب ہمارے دینی مدرسوں اور مسجدوں کی آزادی کو ختم کرنے کی فکر ہے ایسی صورت میں کسی مسلمان کے لئے

اگر اسے اپنا دین و ایمان عزیز ہے تو اسے چین سے بیٹھنا حرام ہے اگر وہ خود اس کی فکر نہیں کر سکتے تو جو لوگ اس کی فکر میں لگے ہوئے ہیں ان کا ہاتھ بٹانا فرض ہے اگر وہ ایسا نہیں کرتے ہیں تو ان کو سمجھ لینا چاہیے کہ اس ملک میں ان کو بحیثیت مسلمان کوئی باعزت مقام کبھی نہیں مل سکتا۔ کماپی کر جینا تو ضرور مل سکتا ہے

پانچ صوبوں میں جو حالیہ الکشن ہوا ہے اس میں خاص طور پہ یوپی کے نتائج کو سامنے رکھ کر ہمارے اور دوسری پارٹیوں کے لئے قابل غور بات یہ ہے کہ مسلمان، ہریجن اور یادو کی پوری طاقت ملکر بھی پندرہ بیس فیصد ووٹ رکھنے والی بی جے پی کو پورے طور پہ شکست نہ دے سکی پھر یہ بھی قابل غور ہے کہ جہاں پہ بی جے پی کی شکست ہوئی ہے وہاں بھی اسے خاطر خواہ ووٹ ملے ہیں۔ اور اس کے ووٹ کا فاسب بڑھا ہے۔

دوسری سیاسی پارٹیوں اور ان کے افراد کے لئے اس میں کوئی زیادہ فکرمندی کی بات نہیں ہے اس لئے کہ وہ کسی نظریہ پر نہیں کھڑی ہیں بلکہ وہ کسی وقت بھی کوئی سا بھی لبادہ پہن سکتے ہیں جیسا کہ پہلے بھی ہوتا رہا ہے اور آج بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔ مگر ہمارے لئے اس میں فکرمندی کی بات صرف اس لئے نہیں ہے کہ وہ ہندو راشٹر کے دعویدار ہیں بلکہ اس حیثیت سے بھی قابل غور ہے کہ یہ پارٹی جن فاسسٹ نظریہ کی حامی ہے وہ صرف مسلمانوں ہی کے لئے نہیں بلکہ پورے ملک اور خطہ کو تباہی کی طرف لے جانے والی ہے اس لئے بحیثیت خیر امت ہماری ذمہ داری ہوتی ہے کہ ہم اس سیلاب کو روکنے کی پوری کوشش کریں نیز یہ بھی ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ صحیح یا غلط وہ پارٹی ایک نظریہ پر کھڑی ہے اور اس نظریہ کے مطابق تعلیمی اور سماجی سدھار کی ایک مضبوط تنظیم نصف صدی سے اس کی پشت پناہی کر رہی ہے اس سے میری مراد یہ ہے کہ بی۔ جے۔ پی کے پشت پر آر ایس۔ ایس کا دماغ اور اس کی تنظیم کام کر رہی ہے۔ ان کو اس کی کوئی ضرورت نہیں اس لئے کہ ملک کا پورا سیاسی، تعلیمی، اور سماجی نظام ان ہی کی مرضی کے مطابق چل رہا ہے حقیقت میں اس طرح کے نظام اور سماجی سدھار کے کاموں کی سب سے زیادہ ضرورت ہم کو ہے بحمد اللہ ہمارے پاس نظریہ بھی ہے اور نظریہ کے ماننے والے بھی

ہیں مگر اس نظریہ کے ماننے والوں میں نظم و اتحاد اور ربط و ضبط کی کمی ہے جس کی وجہ سے ہمارا وزن نہ تو سیاسی سطح پر محسوس کیا جاتا ہے اور نہ سماجی سطح پر۔ آل انڈیا ملی کونسل یہی کام کرنے کے لئے اٹھی ہے وہ چاہتی ہے کہ مسلمان اسلام کے نظریۂ توحید اور سماجی انصاف کے اصولوں کے مطابق اپنا ایک مضبوط نظم قائم کرنے کی کوشش کریں اور یہاں کے مظلوم اور پچھڑے طبقہ سے اپنے کو گراکر نہیں بلکہ وقار کے ساتھ اپنے تعلقات زیادہ سے زیادہ استوار کریں اور ان کو اپنے سے جوڑنے کی کوشش کریں اگر ہم نے ایسا کر لیا تو انشاءاللہ یہ مضبوط تنظیم ہم کو ہر سطح پر اور خاص طور پر سیاسی سطح پر بھی ایک باوقار مقام دینے میں معاون ثابت ہوگی مگر کسی تنظیم کی پائیداری کے لئے ضروری ہے کہ اس کے پیچھے علمی و معاشی طاقت بھی ہو اور ماننے والوں کی ایک جانثار ٹیم بھی ہو۔ کاش ہم اپنے کو اس کا اہل ثابت کر پاتے؟

آج سے چھ سات برس پہلے بہوجن سماج پارٹی کی سیاسی سطح پر کوئی اہمیت نہیں تھی مگر کانشی رام نے پانچ سال گاؤں گاؤں کا چکر لگایا اور ہریجنوں کے ایک ایک فرد میں سیاسی بیداری پیدا کی اس کی وجہ سے آج ان کی پارٹی ایک نئی سیاسی طاقت بن کر ابھری ہے اس نے نہ صرف سیاسی سطح پر ہی کامیابی حاصل کی ہے بلکہ ڈی۔ ایس۔ فور اور بام سیف کے ذریعہ تعلیمی ترقی اور معاشی سدھار کی صورتیں بھی پیدا کی ہیں ڈی۔ ایس۔ فور سے متعلق اس کا بڑے سے بڑا افسر پندرہ دن میں ایک بار کسی نہ کسی گاؤں میں جاکر ان کی تعلیمی پسماندگی کے بارے میں لیکچر دیتا ہے اور ان کو تعلیمی اور سیاسی سطح پر اوپر اٹھانے کی کوشش کرتا ہے چنانچہ آج کانشی رام ایسی طاقت بنکر سامنے آیا ہے کہ اس نے ہم کو صفر قرار دے دیا افسوس ہے کہ ہم اکائی دہائی سے صفر پر چلے گئے اور جو صفر پر تھے اکائی دہائی میں آگئے کیا اس سے بھی بڑھ کر کوئی ذلت آمیز بات ہمارے لئے ہو سکتی ہے آج وہ برسر عام ملا اور مولوی کی ہجو کرتا ہے اور ہم کو کوئی غیرت نہیں آتی۔ ہمارا حال یہ ہے کہ ہم چالیس برس سے دوسروں کی جھولی میں ووٹ ڈال کر خوش ہو رہے ہیں کبھی ہم کانگریس کو ووٹ دے کر خوش ہو رہے ہیں، کبھی جنتا پارٹی۔ بی کے ڈی۔ لوک دل۔ اور جنتا دل کو ووٹ دیکر خوش ہوتے رہے اور حالیہ الکشن میں سپا اور بسپا کو ووٹ دیکر

خوش یا ناخوش ہو رہے ہیں یعنی ہم نے خود اپنی کوئی بنیاد نہیں بنائی بلکہ دوسروں کو سیاسی طاقت پہونچانا ہمارا کام رہا ہم نے ہر سیاسی پارٹی کو ووٹ دیکر کچھ پایا نہیں بلکہ کچھ کھوتے رہے اس سے ہمارے مسلمان کہلانے والے چند افراد نے تو ضرور شخصی فائدہ اٹھایا مگر ان سے ملت کو کچھ نہ ملا۔ کاش ہمارے علماء، دانشور اور سیاسی رہنما اپنے اپنے محدود دائرے اور شخصی مفاد سے اوپر اٹھ کر پورے ملی مفاد میں اپنے کو مربوط کر دیتے تو آج ہم پر وہ شخص صفر کی پھبتی نہ کستا جو چند سال پہلے خود صفر پر تھا۔

بقیہ صلا کا

اور مدارس ابھی پناہ گاہ ثابت ہو رہے ہیں اور وہ وہیں سے اقدامات کرتے ہیں" (۶ر نومبر ۱۹۹۳ء)

آپ اس بیان کو اور اس کے بین السطور کو بغور پڑھیں اور اندازہ لگائیں کہ اس کے پیچھے کیا ذہنیت کام کر رہی ہے نمائندہ کا یہ کہنا کہ انہوں نے یہ کہنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کی" بہت زیادہ قابل غور ہے یہ صرف ملک ہی کی نہیں بلکہ ایک بین الاقوامی سازش کا حصہ ہے جو یہودی لابی امریکہ اور مغربی ممالک اسلام اور اسلامی اداروں نیز اسلام پسند افراد کے خلاف بنیاد پرستی کا نام دیکر ہر ملک کے اسلام دشمن افراد اور جماعتوں کے ذریعہ کر رہے ہیں ضلع تھانہ کا مشہور مدرسہ، مدرسہ عزیزیہ اسی سازش کے نتیجہ میں زمیں بوس کر دیا گیا۔

اس لئے علمائے کرام سے اور ائمہ مساجد سے میری گزارش ہے کہ اس کے خلاف جمعہ کی نماز سے پہلے یا بعد میں ایک سخت احتجاجی اجتماع کریں اور ڈی۔ جی کے اس بیان کے خلاف وزیر اعظم، صدر اور یوپی کے گورنر کو تار یا خط روانہ کریں۔ مدارس و مساجد ہمارے آخری دینی قلعے ہیں اگر ان پر بھی حکومت کی گرفت ہونے لگی تو ہمارے لئے دین کے تحفظ کا کوئی دوسرا راستہ نہیں رہ جائیگا۔ یہ ہمارا سب سے بڑا ملی مسئلہ ہے اس لئے اس کی طرف سے آپ نے اگر بے توجہی برتی اور یہ آواز اور سازش اسی طرح بڑھتی رہی تو اس کے نتائج بڑے سنگین ہونگے۔ مسلمانوں کی تمام دینی و ملی جماعتوں سے گزارش ہے کہ وہ اس کا سخت نوٹس لیں۔ ہم امید کرتے ہیں عربی مدارس کے ذمہ دار اس پر سرسری انداز میں نہیں بلکہ بہت سنجیدگی سے غور کریں گے۔

عربی مدارس اور مساجد کی آزادی کے لئے
ایک سنگین خطرہ

محترم علمائے کرام! آپ کو یہ علم ہوگا کہ ادھر چھ مہینے سے حکومت کیطرف سے مدارس کے طلبہ اور اس کے نظام کے بارے میں سی۔ آئی۔ ڈی پولیس چھان بین کر رہی ہے اور معلومات فراہم کر رہی ہے۔ جب سے یہ کارروائی شروع ہوئی اسی وقت سے ہم لوگ ایک تشویش میں مبتلا تھے مگر ابھی چند دن پہلے ڈائرکٹر جنرل پولیس وی۔ پی کپور نے ٹائمس آف انڈیا (TIMES OF INDIA) کے نمائندہ کو دہشت گردی کے سلسلہ میں جو بیان دیا ہے اس سے ایک سنگین خطرہ کی نشاندہی ہوتی ہے اس لئے راقم الحروف کی گزارش ہے کہ آپ اپنی مسندوں کو چھوڑ کر میدان میں آئیں اور ان دینی قلعوں کی حفاظت کی فکر کریں۔ وی۔ پی۔ کپور کا بیان ملاحظہ ہو:

Reports of Infiltration of ISI elements From Across The Border Have Also Been Received From the Districts Bordering Nepal. These Districts Included Maharajganj. Siddhartnagar. And Gonda. The DGP Informed. He Made no Bones. Bysaying That These Elements. Mainly Operated Through Mosques. And Madarsa-

"ڈائرکٹر جنرل پولیس نے کہا کہ" آئی۔ ایس۔ آئی کے دہشت گردوں کی دراندازی نیپال کی سرحدوں سے ملحق اضلاع مہاراج گنج، سدھارتھ نگر، اور گونڈہ کے اطراف میں ہونے کی خبریں موصول ہوئی ہیں۔ انہوں نے یہ کہنے میں کوئی جھجھک محسوس نہیں کی کہ I.S.I کے لوگوں کیلئے مسجدیں

عزیمت و رخصت کے شرعی احکام

جناب مولانا مبشر احمد جامعہ مدینہ لاہور

احکام مشروعہ کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) احکام عزیمت (۲) احکام رخصت

عزیمت کے لغوی معنیٰ عَزَمَ عَزْمًا وعَزِيْمَةً (ض) پختہ ارادہ کرنا: العزیمة جمع عَزَائِمُ اسی سے عَازِمٌ اپنے عزم پر دائم رہنے والا[1] ہمت صبر کرنا۔ وہ عمل جس کو اس کی خوبی اور عزیمت کی بنا پر ہر ایک کو کر لینے کا پختہ ارادہ کر لینا چاہئے (لغات القرآن ج ۴ ص ۸۷ ۲)

رخصت کے لغوی معنیٰ رَخُصَ رُخْصًا (کرم) سستا ہونا: اَلرُّخْصَةُ تخفیف کرنا، آسانی کرنا[2] وسعت کرنا۔

عزیمت کی تعریف وھی فی احکام الشرع اسم لما ھو اصل منھا غیر متعلق بالعوارض۔

ترجمہ:۔ عزیمت احکام شرع میں ان احکام اصلیہ کو کہتے ہیں جن کا عوارض کے ساتھ کوئی تعلق نہ ہو۔ یعنی وہ احکام جو عام انسانوں کے لئے ان کے عام حالات کے اعتبار سے ہوں۔ اور ان کی بنیاد عوارض و اعذار پر نہ ہو[3]

۲۔ العزیمة ما شرع من الاحکام الکلیة ابتداءً[4]

ترجمہ:۔ عزیمت ان احکام کلیہ کا نام ہے جو ابتداءً مشروع ہوں:

کلیۃ کا مطلب ہے کہ جو سب مکلفین کے ساتھ سب حالات میں نافذ ہوں ایسا نہ ہو کہ ان احکام کا بعض کو مکلف بنایا جائے اور بعض کو نہ بنایا جائے اور بعض حالات میں

---

[1] المنجد اردو دارالاشاعت کراچی ص ۶۵۰ [2] ایضاً

[3] حسامی ص ۷۵ مطبوعہ رحیمیہ دیوبند توضیح ص ۶۱۲۔ اصول فقہ ص ۳۴۳ مولانا عبید اللہ اسعدی

[4] امام ابو اسحاق الشاطبی الموافقات ج اول ص ۳۰۰

عمل کیا جائے اور بعض حالات میں عمل نہ کیا جائے۔ اور ابتداءً کا مطلب ہے کہ شارع نے اس حکم کو پہلی مرتبہ کرنے کا حکم دیا ہو۔ اس سے قبل اس کے بارے میں کوئی حکم نہ دیا گیا ہو۔ جیسے نماز اور روزہ وغیرہ علی الاطلاق اور علی العموم ہر شخص پر ہر حالت میں واجب ہیں۔

۲:۔ مالم یتغیر من العسر الی الیسر بل حکما ابتداءً[1]

ترجمہ:۔ وہ حکم جو تنگی سے آسانی کی طرف تبدیل نہ کیا گیا بلکہ ابتدائی حکم ہو۔

وجہ تسمیہ عزیمت کو عزیمت اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں مکلف اس امر کا عزم کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارا معبود و الٰہ ہے اور ہم اس کے بندے ہیں ہمیں حق نہیں پہنچتا کہ اس کی نافرمانی کریں وہ قادر و مختار ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے جو حکم دے سکتا ہے ہم پر لازم ہے کہ ہم من وعن اس کے حکم پر عمل کریں۔ یعنی شارع کی حقیقی منشا و مراد کو تاکیدی طور پر پورا کرنا۔ جیسے قرآن مجید میں ہے۔

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ[2]

ترجمہ:۔ آپ صبر کیجئے جیسے اور ہمت والے رسولوں نے صبر کیا تھا۔

یعنی تبلیغ احکام میں برابر اس طرح جدوجہد کرتے رہے کہ نہ کوئی روکنے والا انہیں روک سکا۔ اور نہ جھکانے والا جھکا سکا اور حق تعالیٰ سبحانہٗ نے جو کچھ ان سے عہد لیا تھا اور بالواسطہ یا بلاواسطہ جو کچھ ان کے حق میں قضاء و قدر کا فیصلہ فرما دیا تھا اس پر ثابت قدم رہے[3]

اولوالعزم نوح والخلیل الممجد
وموسیٰ وعیسیٰ والحبیب محمّد

ترجمہ:۔ پختہ عزم رکھنے والے حضرت نوح حضرت ابراہیم خلیل اللہ جو صاحب شرف و عظمت ہیں اور حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ اور محبوبِ خدا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں

---

[1] مسلم الثبوت ص ۴۷ [2] سورۃ احقاف: ۳۵

[3] روح المعانی ج ۲۶ ص ۲۸ نمبر ۱۲۴۔ الموافقات ج اول ص ۳۰۵ طبع مصر مطبع منیریہ۔ تفسیر کبیر ج ۲۸ ص ۱۱۲

قرآن مجید میں لفظ عزم کا استعمال

(۱) إِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ[۱]
ترجمہ: بیشک یہ ہمت کے کام ہیں

(۲) وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ۔[۲]
ترجمہ: البتہ جس نے صبر کیا اور معاف کیا بیشک یہ ہمت کے کام ہیں۔

(۳) وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَىٰ آدَمَ مِن قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا۔[۳]
ترجمہ: اور ہم نے تاکید کر دی تھی آدم کو اس سے قبل پھر وہ بھول گیا اور ہم نے اس کا قلبی قصد نہ پایا۔

(۴) طَاعَةٌ وَقَوْلٌ مَّعْرُوفٌ فَإِذَا عَزَمَ الْأَمْرُ فَلَوْ صَدَقُوا اللَّهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ[۴]
ترجمہ: حکم ماننا ہے اور بھلی بات کہنی ہے پس جب تاکید ہو کام کی پس اگر سچے رہیں اللہ تعالیٰ سے تو ان کا بھلا ہے۔
یعنی اللہ تعالیٰ نے جب کسی کام کا حکم دیا تو اس کو تاکیدی طور پر کرنے کا پختہ عزم کیا۔

(۵) وَإِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ۔[۵]
ترجمہ: اگر انھوں نے طلاق کا پختہ ارادہ کر لیا۔

رخصت کی تعریف

(۱) والرخصة اسم لمابنى على اعذار العباد۔[۶]
ترجمہ: رخصت ان احکام کا نام ہے جو مخصوص احوال اور عوارض و اعذار کی بنا پر مخصوص افراد سے متعلق ہوں۔

(۲) والرخصة ما وسع المكلف فعله لعذر مع قيام السبب المحرم۔[۷]
ترجمہ: رخصت وہ حکم ہے جس میں بوجہ عذر کے مکلف کو اس کام کے کرنے کی وسعت دی گئی ہو اگرچہ اس پر حرام کرنے والا سبب موجود ہو۔

---

[۱] لقمٰن: ۱۷۔ [۲] الشوریٰ: ۴۳۔ [۳] طٰہٰ: ۱۱۵۔
[۴] محمد: ۲۱۔ [۵] البقرۃ ۲۲۷
[۶] حسامی: ص ۵۸۔ [۷] ایضاً۔

(۳) اما الرخصة فما شرع لعذر شاق۔ [1]

ترجمہ: رخصت وہ حکم ہے جس کو مشقت میں ڈالنے والے عذر کی وجہ سے مشروع کیا گیا ہو۔
یعنی اس کو ایسے اصل کلی سے مستثنیٰ کیا گیا ہو جو منع کا تقاضہ کرتا ہو۔

(۴) وقد يطلق لفظ الرخصة على ما وضع عن هذه الامة من التكاليف
الغليظة والاعمال الشاقة۔ [2]

ترجمہ: کبھی لفظ رخصت کا اطلاق ان سخت تکالیف اور مشقت والے اعمال پر
ہوتا ہے جو اس امت سے ساقط کر دیئے گئے ہیں۔

جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ۔ [3]

ترجمہ: اور اس بوجھ سے لوگوں کو نجات دلائے گا اور ان پھندوں سے نکالے گا جن میں وہ
دبے اور پھنسے ہوئے ہیں۔

إصرٌ: اور أغلالٌ: سے مراد شریعت موسوی و شریعت عیسوی کے وہ خود ساختہ
اعمال ہیں جن میں معمول سے زیادہ مشقت اٹھانی پڑتی تھی مثلاً ناقابلِ عمل و ناقابلِ فہم
عقیدوں کا بوجھ اور وہم پرستیوں کا انبار اور راہبوں کی ناجائز اطاعت شعاری اور عالموں
کی بے جا تقلید وغیرہ کے بوجھوں سے پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت نے ان سے
نجات دلائی۔ [4]

وفى رواية كقتل النفس فى التوبة وقطع الاعضاء الخاطئة وعدم جواز
صلوتهم فى غير المسجد وعدم التطهير بغير الماء وحرمة اكل الصائم
بعد النوم ومنع الطيبات عنهم بالذنوب وكون الزكوة ربع مالهم
وكتابة ذنب الليل على الباب بالصبح وقرص الثوب والجلد اذا اصابه

---

[1] الامام ابو اسحاق الشاطبی الموافقات ج ۱ ص ۳۰۱۔ [2] ایضاً ص ۳۰۴۔ [3] الاعراف ۱۵۷۔
[4] ترجمان القرآن، ج ۲ ص ۹۔

نجاسۃ واحرام الغنائم وتحریم السبت وغیرھم۔ [۱]

ترجمہ: ایک روایت میں " اغلال اور اصر" کی تفسیر میں لکھا ہے کہ توبہ میں اپنے آپ کو قتل کرنا اور جس عضو نے خطا کی ہے اس کو کاٹنا اور مسجد کے بغیر نماز کا ناجائز ہونا اور پانی کے بغیر پاک نہ ہونا، اور روزہ دار کو سونے کے بعد کچھ نہ کھانا اور گناہوں کی وجہ سے حلال چیزوں کا حرام ہوجانا اور چوتھائی مال کی زکوۃ نکالنا، اور رات کا گناہ صبح کو دروازے پر لکھا ہوا ہونا اور بدن یا کپڑا جب ناپاک ہوجائے تو اس کا کاٹنا اور مال غنیمت کو جلا دینا اور ہفتہ کے دن شکار کا منع ہونا وغیرہ وغیرہ۔ یہ وہ بوجھ ہیں سابقہ امتوں کے جو اللہ تعالیٰ نے اس امت سے ساقط کردیئے ہیں۔

۵۔ وتطلق الرخصۃ ایضا علی ماکان من المشروعات توسعۃ علی العباد مطلقا۔ [۲]

ترجمہ: کبھی رخصت کا اطلاق ان احکامات پر بھی ہوتا ہے جو بندوں پر توسعۃ [مباحا اور جوازا] مشروع کئے گئے ہیں۔

عزیمت و رخصت میں فرق

فالعزیمۃ ھو امتثال الاوامر واجتناب النواھی علی الاطلاق والعموم کانت الاوامر وجوبا والنواھی کراھۃ اوتحریما والاذن فی نیل الحظ الملحوظ من جھۃ العبد رخصۃ فالعزائم حق اللہ علی العباد والرخص حظ العباد من لطف اللہ [۳]

ترجمہ: پس عزیمت مطلقا اوامر پر عمل کرنا اور نواہی [ممنوع اشیاء] سے پرہیز کرنا ہے خواہ امر وجوبی ہو یا امر مستحب۔ اور نہی مکروہ ہو یا حرام۔ اور رخصت بندے کی مجبوری کی بنا پر اوامر ونواہی پر عمل نہ کرنے کی اجازت کا نام ہے گویا کہ عزائم اللہ کا حق ہے اور رخصتیں اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور نرمی کا نام ہے۔

---

[۱] حسامی، مع النظامی۔ ص ۶۲۔ [۲] امام ابو اسحاق الشاطبیؒ، الموافقات ج ۱، ص ۳۰۵۔
[۳] الموافقات ج ۱، ص ۳۰۶۔

فقہاء کی چند اصطلاحیں اب قارئین کی خدمت میں فقہاء کی وہ اصطلاحیں ذکر کی جاتی ہیں جن کو مستحضر رکھنے سے عزیمت و رخصت کے احکام کا سمجھنا سہل ہو جاتا ہے۔

احکام کی اقسام احکام کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ احکام تکلیفیہ۔ ۲۔ احکام وضعیہ۔

حکم کی تعریف اللہ تعالیٰ کا خطاب جو مکلفین کے افعال سے متعلق ہو اور اس کے ذریعہ یا تو ان سے کسی کام کے کرنے کا مطالبہ کیا جائے خواہ مطالبہ لازمی ہو یا غیر لازمی یا کسی کام کے کرنے کا اختیار دیا جائے، یہ تعریف اصولیین کے نزدیک ہے مگر فقہاء بایں الفاظ تعریف کرتے ہیں کہ اعمال کے اوصاف جو دلائل سے ثابت ہوتے ہیں جیسے وجوب یا حرمت وغیرہ۔ ۱

حکم تکلیفی جس کے کرنے نہ کرنے کا مطالبہ یا اختیار ہو۔

حکم وضعی جو کسی حکم کے ثبوت یا عدم ثبوت کا باعث ہو

تعریف تکلیف ایسے کام کا مطالبہ کرنا جس کے انجام دینے میں مشقت ہو۔

ارکان تکلیف (الف) مکلِّف (بکسر اللام) یعنی حاکم: ذات باری تعالیٰ۔

(ب) مکلَّف [بفتح اللام] یعنی محکوم علیہ جس کو حکم دیا گیا ہے۔

(ج) مکلَّف بہ: یعنی محکوم فیہ جس چیز کا حکم دیا گیا ہے۔

غرض تکلیف دنیا و آخرت میں انسان کے احوال کا سدھارنا اور آخرت کے حق میں عذر کو ختم کر کے اتمام حجت کرنا ۲۔

شرائط تکلیف مکلف تکلیف کا اہل ہو۔

تعریف اھلیت انسان کے اندر اس صلاحیت کا پایا جانا کہ اس سے صادر ہونے والے افعال و اقوال کا شریعت اعتبار کرے اور ان پر احکام مرتب ہوں۔ ۳ (۲) بالغ

---

۱ التوضیح ص ۱۴ نور الانوار ص ۲۶۶۔ ۲ المدخل ص ۱۴۵ اصول فقہ ص ۲۲۔ الشاطبی ج ۲ ص ۱۵۷ ۳ حسامی ص ۱۳۹ نور الانوار ص ۲۸۳۔

ہونا۔ (۳) دلیل تکلیف سے واقف ہونا خواہ فی الحال واقفیت ہو یا بعد میں خواہ بالواسطہ یا بلاواسطہ۔ (۴) مسلمان ہونا۔ (۵) آزاد ہونا۔ (۶) مراد ہونا: (یعنی بعض احکام کے حق میں)

موانع تکلیف جنہیں عموماً عوارض سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

تعریف: وہ اوصاف جو کسی اعتبار سے اہلیت تکلیف پر اثر انداز ہوں (اور عام اشخاص و احوال کے لئے شریعت نے جو احکام رکھے ہیں ان میں تغیر کا باعث ہوں۔ ؎۲

اقسام عوارض عوارض کی دو قسمیں ہیں (۱) اختیاری۔ (۲) غیر اختیاری۔

اختیاری عوارض (عوارض اختیاری) یعنی وہ موانع جن کے پائے جانے میں خود انسان کا دخل ہو وہ حسب ذیل ہیں (۱) نشہ۔ (۲) سفہ (لاابالی پن کہ عقل کے باوجود یہ خیال نہ کرنا کہ کیا کہہ رہا ہے، اور کہاں خرچ کر رہا ہے)۔ (۳) جہل۔ (۴) ھزل (مذاق کہ کسی کلام سے نہ تو حقیقی معنی مراد ہوں نہ مجازی بطور ہنسی اور دل لگی کے اس کو اختیار کیا جائے) (۵) خطا اور غلطی (ارادہ کے خلاف کسی کام کا ہو جانا یعنی آدمی چاہے کچھ، ہو جائے کچھ) (۶) اکراہ۔ (۷) سفر۔

غیر اختیاری موانع و عوارض وہ حسب ذیل ہیں: (۱) جنون (عقل نہ ہونا)۔ (۲) خبط الحواسی (کہ کچھ اچھا کرے اور کچھ برا کرے) (۳) غشی (۴) کم عمری۔ (۵) مرض الموت: وہ مرض جس میں آدمی مر جائے یا حالت صحت میں کرنے والے کاموں سے عاجز آجائے۔ (۶) موت۔ (۷) غلامی۔ (۸) نسیان (۹) حیض و نفاس۔ ؎۳

وضع شریعت کا مقصود ان وضع الشرائع انما هو لمصالح العباد في العاجل والآجل مثلاً بعد آية الوضوء ما يريد الله ليجعل عليكم من حرج ولكن يريد ليطهركم وليتم نعمته عليكم وفي الصيام كتب

جاری ہے

؎۱ توضیح ۶۴۲: اصول فقہ ص ۲۵ الموافقات للشاطبی ج ۲ ص ۷۔ ؎۲ قمر الاقمار ۲۸۲، نظامی ۱۴۲۔ ؎۳ کشف الاسرار۔ ج ۴ ص ۲۶۲۔ التوضیح ۶۵۴۔

انسانی بنیادی حقوق کا اسلامی تصور

جناب عرفان خالد ڈھلوں لیکچرار گورنمنٹ مرے کالج سیالکوٹ

(قسط دوم)

حقِ مساوات قانون کے سامنے تمام انسان مساوی ہیں، کسی کو کوئی ترجیحی یا استثنائی مقام حاصل نہیں۔ اسلام یہ آفاقی اصول پیش کرتا ہے کہ تمام انسان مساوی ہیں اور سب ہی ایک مرد و عورت کی اولاد ہیں۔

"یأیہا الناس إنا خلقناکم من ذکر وأنثی، وجعلناکم شعوبا وقبائل لتعارفوا إن أکرمکم عند اللہ أتقاکم۔ إن اللہ علیم خبیر" ۱؎	لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے، اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنادیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہے یقیناً اللہ سب کچھ جاننے والا اور باخبر ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ تمام انسانوں کے باپ آدم تھے اور آدم کو مٹی سے بنایا گیا ہے۔ ۲؎

أبو نضرۃ سے مروی ہے حجۃ الوداع کے موقع پر آپؐ نے یہ بھی فرمایا:

"یأیہا الناس ألا إن ربکم واحد وان أباکم واحد ألا لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لأحمر علی أسود ولا لأسود	اے لوگو! آگاہ رہو بے شک تمہارا رب ایک ہے، اور تمہارا باپ ایک ہے آگاہ رہو کہ کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں ہے اور کسی سرخ رنگ والے کو سیاہ رنگ والے پر اور کسی سیاہ رنگ

علی احمر إلا بالتقویٰ " والے کو سرخ رنگ والے پر کوئی فضیلت نہیں ہے ماسوائے تقویٰ یعنی خوفِ خدا کے۔ ؎۳

قانون کی نظر میں سب یکساں ہیں اور سب کے لئے ایک ہی قانون ہے۔ اسلام قوموں کی ہلاکت اور بربادی کی ایک وجہ یہ بھی بتاتا ہے کہ ان کے ہاں امیروں کے لئے اور قانون پایا جاتا تھا اور غریبوں کے لئے اور۔ افعال کی جزا و سزا کے معاملے میں انسانوں کے درمیان امتیازی سلوک نہیں ہوگا۔ ایک فعل میں جو جزا یا سزا ایک انسان کے لئے ہے وہ جزا سزا دوسرے انسان کے لئے بھی ہوگی۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ عہدِ نبوی میں ایک بڑے اور معزز قبیلے کی عورت نے چوری کا ارتکاب کیا قبیلہ کے لوگوں نے حضرت اسامہؓ کو حضورؐ کے پاس سفارش کے لئے بھیجا۔ حضور اکرمؐ اس موقعہ پر کھڑے ہوگئے اور فرمایا:

" یاأیھا الناس إنما ضل من قبلکم إنھم کانوا إذا سرق الشریف ترکوہ وإذا سرق الضعیف فیھم اقاموا علیہ الحد وایم اللہ لوان فاطمہ بنت محمد سرقت لقطع محمد یدھا۔ ؎۴

اے لوگو! تم سے پہلے کی قومیں ہلاک ہوگئیں جب کوئی معزز چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اور جب کوئی کمزور چوری کرتا تو اس پر حد جاری کر دیتے اور قسم خدا کی اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتی تو محمد اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتے۔

ہر قسم کے ظلم سے تحفظ انسان کا بنیادی حق ہے۔............ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:

لا تظلمون ولا تظلمون ؎۵ نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے گا۔

ظلم سے تحفظ کے ساتھ ساتھ ظلم اور ظالم کے خلاف صدا بلند کرنا بھی انسان کا حق ہے کسی شخص کو اس حق سے محروم نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اپنے اوپر ہونے والے ظلم و زیادتی کے خلاف عدالت تک رسائی حاصل کرے اور انصاف کا طلبگار ہو، فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

لا یحب اللہ الجھر بالسوء من القول إلا من ظلم وکان اللہ سمیعاً علیماً۔ ؎۶

اللہ اس کو پسند نہیں کرتا کہ کوئی بدگوئی پر زبان کھولے الا یہ کہ اس پر ظلم کیا گیا ہو اور اللہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔

قرآن مجید میں عدل وانصاف سے کام لینے کا حکم دیا گیا ہے:

اعدلوا هو اقرب للتقوىٰ۔ ۵ؔ — عدل سے کام لو یہ تقویٰ کے بہت قریب ہے۔

لہٰذا ہر انسان کے ساتھ عادلانہ اور منصفانہ برتاؤ ہوگا، ہر انسان صرف اپنے فعل کا ہی ذمہ دار ہوگا کسی دوسرے کے جرم کی سزا اسے نہیں دی جائے گی اس سلسلہ میں قرآنی اصول یہ ہے:

ولا تکسب کل نفس الا علیها ولا تزر وازرۃ وزر اخریٰ۔ ۵ؔ	ہر شخص جو کماتا ہے اس کا ذمہ دار وہ خود ہے کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا۔

عمرو بن الاحوص سے روایت ہے کہ حضورؐ نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا:

الا لا یجنی جان الا علیٰ نفسه ولا یجنی والد علی ولده ولا مولود علیٰ والده۔ ۵ؔ	آگاہ رہو جو جرم کرے گا صرف اسی سے مواخذہ کیا جائیگا اور باپ کے جرم میں بیٹا نہیں پکڑا جائے گا نہ بیٹے کے جرم میں باپ۔

حقِ تعلیم

دنیا کے ہر دستور میں تعلیم کو عام طور پر انسانی حقوق کی فہرست میں درج کیا جاتا ہے، تعلیم کے معاملے میں اسلام کا زاویۂ نظر مختلف ہے اسلام تعلیم حاصل کرنے کو انسان کا حق نہیں بلکہ فرض قرار دیتا ہے حق اور فرض میں فرق یہ ہے کہ حق سے دستبردار ہوا جا سکتا ہے لیکن فرض ادا کئے بغیر خلاصی ممکن نہیں۔ رسولِ اکرم صلعم پر جو پہلی وحی نازل ہوئی اسمیں پڑھنے کا حکم دیا گیا تھا،

اقرأ باسم ربك الذی خلق۔ ۱۰ؔ — پڑھو اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا

خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تعلیم حاصل کرنا ہر مرد وعورت پر فرض قرار دیا ہے

طلب العلم فریضة علیٰ کل مسلم ۱۱ؔ — علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

اس حدیث کی روشنی میں امام غزالی فرماتے ہیں:

اس علم معروف سے اس عمل کا علم مراد لیا ہے جس کا واجب ہونا مسلمانوں پر مشہور ہے اور اور کوئی علم مراد نہیں لیا تو اس سے صاف وجہ اس بات کی معلوم ہو گئی کہ عمل کے واجب ہونے

کے وقت میں بتدریج علم واجب ہوتا جائے گا۔[۱۲]

یعنی انسان کو اپنی زندگی میں جس جس عمل سے واسطہ پڑے گا اس کے بارے میں اس عمل کی حد تک علم حاصل کرنا ضروری ہے۔ لہٰذا اسلامی مملکت کے دستور میں درج بنیادی حقوق میں تعلیم کا ذکر اور انداز میں ہوگا "تعلیم حاصل کرنے کے فریضہ کی ادائیگی کے لئے شہری یہ حق ضرور رکھتے ہیں کہ مملکت ان کو تعلیم کے حصول کے مواقع فراہم کرے لہذا تعلیم کے حصول کے مواقع حاصل کرنا انسان کا بنیادی حق ہے۔

یہ ہے بنیادی حقوق کے بارے میں اسلام کی تعلیمات کا ایک طائرانہ جائزہ۔ آج انسان کی اجتماعی زندگی میں ہر سطح پر حقوق کی جو غیر منصفانہ تقسیم اور اس کے خلاف ایک مسلسل معرکہ آرائی نظر آتی ہے اس کا واحد حل یہی ہے کہ اسلام کے عطا کردہ پائیدار اور منصفانہ بنیادی حقوق کو تسلیم کرتے ہوئے انہیں ادا کیا جائے اس لئے کہ ان کے پیچھے وحی کی قوت کارفرما ہے اور جس نظام کے پیچھے وحی کی قوت نہ ہو وہ کبھی کامل اور پائیدار نظام نہیں ہوتا۔

حواشی۔

[۱] سورۃ الحجرات۔ آیت ۱۳۔

[۲] الطبری، محمد بن جریر تاریخ الامم والملوک محولہ بالا ایڈیشن ج ۱۔ ص ۱۰۴ھ

[۳] احمد بن حنبل الامام۔ المسند المکتب الاسلامی دار الفکر بیروت ج ۵۔ ص ۴۱۱۔

[۴] البخاری، محمد بن اسماعیل۔ الجامع الصحیح محولہ بالا ایڈیشن، کتاب الحدود ج ۴ ص ۲۲۳۔

[۵] ابن ہشام، ابو عبداللہ عبدالملک، السیرۃ النبویہ۔ مؤسسۃ علوم القرآن۔ بیروت، القسم الثانی ص ۶۰۲۔

[۶] سورۃ النساء آیت ۱۴۸۔ [۷] سورۃ المائدہ آیت ۸۔ [۸] سورۃ الأنعام آیت ۱۶۴۔

[۹] ابن ماجہ، محمد بن یزید السنن، محولہ بالا ایڈیشن ج ۲۔ ص ۳۲۲۔ [۱۰] سورۃ العلق آیت ۱۔

[۱۱] مالک بن انس۔ الإمام، الموطا، محولہ بالا ایڈیشن۔ کتاب الأقضیۃ۔ ص ۵۲۵۔

[۱۲] الغزالی، أبو حامد محمد، إحیاء علوم الدین۔ مترجم محمد احسن نانوتوی۔ مکتبہ رحمانیہ لاہور ج ۱ ص ۳۱۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ تحریر نیپال کے علماء اور اہل علم کے ایک بڑے طبقہ کے سامنے پڑھی گئی تھی جس کی دعوت اسلامک یوواسنگھ کی طرف سے دی گئی تھی۔

نوجوانوں اور علمائے نیپال کی خدمت میں ایک آفاقی کی چند گزارشات

الحمد للہ الذی کفیٰ، وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

محترم علمائے کرام اور عزیزان گرامی! خدا کا شکر ہے کہ آج ہم یہاں اس عظیم مقصد کی خاطر جمع ہوئے ہیں کہ اس ملک میں اور ملک کے باہر کی صورت حال کا جائزہ لیکر دین و ملت کے فروغ کی صورتوں پر غور کریں۔ خدانخواستہ اگر اس مجلس کا کوئی اور فائدہ نہ ہو تب بھی ایک ہی راہ کے راہ رووں اور ایک ہی منزل کی طرف جانے والے قافلوں کا آپس میں مل بیٹھنا اور کاندھے سے کاندھا ملا کر چلنا بھی فائدے سے خالی نہیں ہوتا آج اسی ہم آہنگی کے فقدان کی وجہ سے ہمارے حلقۂ علماء کی نہ تو معاشرہ میں کوئی مؤثر طاقت باقی رہ گئی ہے اور نہ قوم و ملت کے فیصلوں میں ان کی کوئی ضرورت محسوس کی جاتی ہے حالانکہ اگر آپ پورے ہندوستان کی مسلمان آبادیوں پر نظر ڈالیں تو مشکل سے ایسی کوئی بڑی مسلمان بستی ہوگی جس میں کوئی نہ کوئی عالم حافظ اور دینی عربی مدرسہ موجود نہ ہو صرف ہمارے ضلع اعظم گڑھ میں سینکڑوں کی تعداد میں علماء حفاظ اور تین درجن سے زیادہ عربی مدارس ہیں مگر معاشرہ پر ان کا کوئی نمایاں اثر دکھائی نہیں دیتا اور نہ عوام اپنے اجتماعی معاملات اور فیصلوں میں ان کا کوئی وزن محسوس کرتے ہیں۔ اس مسئلہ پر ہم آپ جتنی جلدی سوچ کر اپنے مستقبل کے بارے میں کوئی فیصلہ کرلیں گے، ہمارے علماء اور مدارس کے لئے یہ چیز اتنی ہی نیک فال ثابت ہوگی اور اگر خدانخواستہ ہم نے اپنی ذمہ دارانہ حیثیت اور قوت کو خود نہ محسوس کیا تو دوسرے کبھی بھی ہمیں وہ مقام نہیں دے سکتے جس کے ہم بجا طور پر مستحق ہیں۔

محترم حضرات! علماء کی اہمیت، عربی مدارس کی افادیت اور ان کے اثرات اور

دین وملت کے لئے ان کے کارناموں سے کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا مگر یہ حقیقت بھی اپنے سامنے رکھنی ضروری ہے کہ جس طرح دین اپنی انتہائی مکمل صورت میں آجانے کے بعد بھی اصلاح وتجدید سے کبھی بے نیاز نہیں ہوسکا ہے بلکہ ہر دور اور ہر صدی میں مصلحین اور مجددین امت تجدید دین کے اس فرض کو انجام دیتے رہے اسی طرح ہمارا معاشرہ اور ہمارا حلقۂ علماء اور ہمارے مدارس اپنی تمام افادیتوں اور مؤثر اثرات کے باوجود ہمیشہ فکر ونظر کے اعتبار سے اصلاح وتجدید کے محتاج رہے ہیں اور آئندہ بھی رہیں گے جن قوموں جماعتوں، تحریکوں اداروں نے اصلاح وتجدید کو پورے طور پر قبول نہیں کیا یا تو وہ صفحۂ ہستی سے مٹ گئے یا ان کی زندگی اور موت میں کوئی فرق باقی نہ رہ سکا ہمارے اس ملک میں اسلام جس حد تک بھی اپنی صحیح صورت میں باقی ہے وہ سب فیض ہے اسی اصلاح وتجدید کے تسلسل کا۔ اس کے برخلاف دنیا کے دوسرے مذاہب خاص طور پر ہندومذہب میں اصلاح وتجدید کا کام مسلسل نہیں ہوا اس لئے آج ان کی اصل شکل متعین کرنا انتہائی دشوار ہے ہر چیز روایت کے سہارے زندہ ہے تاریخی حقائق ان کا ساتھ دینے کے لئے کم ہی تیار ہیں اس بنا پر ہم کو اور آپ کو اس کے لئے ہمیشہ تیار رہنا چاہیئے اس سلسلہ میں محض روایت اور ماضی کے تعلق کی بنا پر کسی چیز کو تقدس کا درجہ دینا مناسب نہ ہوگا مثلاً ہمارے نصاب تعلیم میں جو علوم وفنون پڑھائے جاتے ہیں ان میں کتاب وسنت اور فقہ کے علاوہ سب کا تعلق ان کے ذرائع ونتائج سے ہے اس لئے اصل مقصد کے ذرائع ونتائج میں ہمیشہ متوازن تبدیلی کے لئے تیار رہنا چاہیئے ورنہ اس سے بسا اوقات نفس مقصد کو نقصان پہونچتا ہے۔

علامہ شبلیؒ نے ندوۃ العلماء کے سالانہ اجلاس کے موقعہ پر جب فلسفۂ قدیم اور ہیئت قدیم کے بجائے عربی مدارس کے نصاب میں فلسفۂ جدید اور ہیئت جدید کے داخل کرنے کا پرجوش مشورہ دیا اور اپنے اس خیال کو نثر کے ساتھ ایک قطعہ میں بھی ادا کیا جس کا دو مصرعہ یہ ہے ؎

تا چہ سودت دہد ایں فلسفۂ عہد قدیم — تا چہ سودت دہد ایں ہیئت پارینہ نہاد

تو ان کے استاد مولانا فاروق صاحب چریا کوٹی مرحوم ان سے اتنا برہم ہوئے کہ اپنے محبوب شاگرد سے ترک کلام کرلیا۔ مگر جس حقیقت کی طرف شاگرد نے شاعری کی زبان میں اشارہ کیا تھا کچھ دنوں بعد اسے سبھی کو تسلیم کرنا پڑا اس سلسلہ میں ہمیں کسی تعصب اور بخل سے کام نہ لینا چاہیئے یونانی فلسفہ، طب اور ہیئت قدیم ایک زمانہ تک یہ علوم ہمارے اپنے نصاب تعلیم کا جزء رہے ہیں اور ان کے نصاب تعلیم کا جزو بنانے میں اس دور کی ضرورتوں نے مجبور کیا تھا اب اگر اس علم کی افادیت ختم ہوگئی ہے تو ان کی جگہ ان علوم کو اپنے نصاب تعلیم میں داخل کرنا چاہیئے جن کی ضرورت وافادیت سے ہم میں سے کوئی انکار نہیں کرسکتا مگر صورت حال یہ ہے کہ مدرسوں کے صدر مدرسین اور نظمار تک اپنی اولاد کو جدید تعلیم گاہوں میں داخل کرتے ہیں اور عربی پڑھانے میں عار محسوس کرتے ہیں مگر وہی حضرات نصاب تعلیم میں کوئی تبدیلی کرنے کیلئے تیار نہیں ہوتے قوموں کی تعمیر و ترقی میں اس نقطۂ نظر کے پیدا ہونے سے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں اسے ہم ایک مثال سے واضح کریں گے۔

تیرہویں صدی عیسوی میں مسلمان اپنی سیاسی طاقت تمدنی ترقی اور علوم وفنون میں مہارت کی بنا پر ساری دنیا پر فوقیت رکھتے تھے اس وقت یورپ نے طے کیا کہ ہم کو عربی زبان سیکھنی چاہیئے اور سیکھ کر مسلمانوں کے علوم وفنون کو اپنانا چاہیئے چنانچہ یورپ کی تمام درسگاہوں میں عربی زبان پڑھائی جانے لگی اور یورپ کا یہی فیصلہ اور کوشش اس کی نشأۃ ثانیہ کا سبب بنا اور انھوں نے مسلمانوں کے علوم وفنون کو سیکھ کر اس میں اتنا اضافہ کرلیا کہ وہ ساری دنیا کے مسلمانوں پر غالب آگئے اور مسلمانوں سے صلیبی جنگ کا پورا بدلہ چکا لیا یعنی وہ بازی جو میدان جنگ میں وہ ہار گئے تھے اسے انھوں نے علوم وفنون کی راہ سے جیت لیا برخلاف مسلمانوں کے کہ جب اٹھارہویں صدی کے آخر میں ان کو یہ احساس ہوا کہ مغرب کے علوم ان کو سیکھنا چاہیئے تو انھوں نے ان کا ادب ان کی شاعری اور تہذیب سیکھی ان کی سائنس اور ٹیکنالوجی نہیں سیکھی، اور یہی صورت بڑی حد تک آج بھی قائم ہے اس کا نتیجہ ہے کہ سیاسی میدان میں تو مغربی قومیں شکست کھا گئیں مگر تہذیبی اور

تعلیمی میدان میں آج بھی انھیں کا سکہ رائج ہے۔

مگر اسی کے ساتھ اس تبدیلی میں جدیدیت اتنا داخل نہ ہو جائے کہ دینی علوم تفسیر، حدیث اور فقہ وغیرہ دب کر رہ جائیں اور طلبہ اور پھر انکے فضلاء اسی راستوں پر چلے جائیں جو عام جدید تعلیم گاہوں کی راہیں ہیں جیسا کہ بعض درسگاہوں کے فارغین کو دیکھا جا رہا ہے بلکہ یہ تبدیلی متوازن تبدیلی ہو اور اسی کے ساتھ اساتذہ اور طلبہ کے ذہن میں یہ بات بٹھائی جائے کہ ہمارے قدیم نصاب تعلیم میں جو جدید علوم داخل کئے گئے ہیں کسی مرعوبیت کی بنا پر نہیں بلکہ ایک مقصد کے تحت داخل کئے گئے ہیں اور وہ مقصد یہ ہے کہ ہم ان سے اپنے اسلام کی وسیع طور پر راہنمائی کر سکیں۔

محترم حضرات اور عزیزان گرامی! آج سے ستر اسی سال پہلے تک عربی و فارسی کا علم سوسائٹی میں معیار سند اور معیار فضیلت سمجھا جاتا تھا اس لئے کہ اس راہ سے دین بھی حاصل ہوتا تھا اور معاش و معیشت کی کنجیاں بھی کسی حد تک ہاتھ لگتی تھیں اور عزت و وجاہت کا دروازہ بھی کھلتا تھا اسی بنا پر اس کی طرف ہر شخص لپکتا تھا اور اس کو باعث فخر سمجھتا تھا معاشرہ میں بھی ان کے حاملین کو ایک وقار حاصل ہوتا تھا مگر اب صورت حال یہ ہے کہ نہ صرف عربی اور فارسی پڑھنے والوں بلکہ بڑی بڑی درس گاہوں کے فارغین کے لئے بھی نہ معاش کے عام دروازے کھلے ہوئے نظر آتے ہیں اور نہ معاشرہ میں ان کو کوئی قابل ذکر مقام مل پاتا ہے اس لئے عربی پڑھنے اور عربی پڑھانے والوں میں ایک عام مایوسی اور دل شکستگی کی فضا پائی جاتی ہے اور اسی لئے بہت سے لوگ یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ عربی مدارس اور طبقۂ علماء ملک کے اوپر ایک بوجھ ہیں اور انسانی زندگی میں ان کی کوئی ضرورت محسوس نہیں ہوتی، ہمارے اوپر یہ ایک الزام اور بے اعتمادی ہے جسے ہم کسی وقت قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں مگر ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم ان اسباب پر ضرور غور کریں جن کی بنا پر ہمارے بارے میں یہ خیال پیدا ہو رہا ہے۔

میرے عزیزو! آپ میں سے جن کے والدین نے ان کے لئے علم دین کی راہ اختیار کی ہے اس میں انھوں نے نہ تو غلطی کی ہے اور نہ انھوں نے ناکامی کو دعوت دی ہے، جدید تعلیم کی تمام سہولتوں کے باوجود انھوں نے بظاہر پھولوں کی راہ چھوڑ کر اپنے نونہالوں کے لئے کانٹوں

کی راہ اختیار کی ہے تو اس میں دخل کسی مجبوری کو نہیں بلکہ انہوں نے یہ اقدام اپنے دینی احساس اور جذبہ خیر کی بنا پر کیا ہے اب ہمارا کام یہ ہے کہ ہم اپنے سرپرستوں اور معاشرہ کے اس احساس اور جذبہ کو ٹھیس نہ لگنے دیں اور اس سے بھی بڑھکر ہماری یہ ذمہ داری ہے کہ ان کے اور دینی تعلیم پلنے والوں اور اس کام میں لگنے والوں کے قلب و دماغ میں ہم یہ بٹھائیں کہ ان کے ذریعہ جو کام ہو رہا ہے وہ ملک کے کسی ادارہ یا اشخاص کے ذریعہ نہیں ہو رہا ہے، آج جبکہ ملک اخلاق و کردار کے اعتبار سے مفلس ہی نہیں بلکہ دیوالیہ ہو رہا ہے نوجوانوں کی بے راہ روی ملک کے لئے ایک مسئلہ بنی ہوئی ہے ایسے تاریک ماحول میں آپ کے ذریعہ ملک کو ایمان و اخلاق کی روشنی مل رہی ہے امن و سلامتی کا پیغام مل رہا ہے آپ باشندگانِ ملک کو ایثار و قربانی بے غرض خدمت اور ہمدردی اور امانت و دیانت کا سبق دے رہے ہیں، جنگِ آزادی کے دوران جن لوگوں کے تلوے میں ایک پھانس بھی نہیں چبھی تھی آزادی کے بعد وہ آزادی کا پھل کھا ہی نہیں رہے بلکہ وہ پھل لٹا رہے ہیں مگر یہ عربی مدارس کے بہت سے بوریہ نشیں علماء جن کی قربانیوں کی مثال دنیا کی تاریخ میں ملنی مشکل ہے اور یہاں کا ذرہ ذرہ اور تاریخ کا ہر صفحہ جن کی گواہی دے رہا ہے، آزادی کے بعد عام طور پر اس طبقہ نے داد و دہش سے بہت کم فائدہ اٹھایا بلکہ علماء میں بہت لوگوں کو ہندوستانی انقلاب کا اعزاز دینے کی کوشش کی گئی تھی تو ان کی غیرت ایمانی اور حمیت دینی اس کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوئی اس لئے اس راہ کے رہ روؤں کو اپنی قدر پہچانی چاہیئے مگر اپنی حیثیت اور مرتبہ کی اس بلندی کے ساتھ ہی عملی زندگی کے حقائق اور بدلے ہوئے حالات سے بھی صرف نظر نہ کرنا چاہیئے ۔

میرے عزیزو! میں نے اوپر جو کچھ عرض کیا ہے اگر یہ حقیقت ہے اور دینی تعلیم کی اہمیت کو ہم تسلیم کرتے ہیں تو ہمیں سب سے پہلے اپنے اندر اس سے زیادہ نشاط محنت اور لگن پیدا کرنی ہوگی جتنا کہ جدید تعلیم گاہوں کے فارغین اور ذمہ دار اپنے کاموں کے لئے محنت لگن کا مظاہرہ کرتے ہیں ہمیں ان سے زیادہ وقت کی قیمت کو سمجھنا ہوگا جتنا کہ وہ سمجھتے ہیں اس لئے کہ وہ ہوا کے رخ پر چل رہے ہیں اور ہم ہوا کے رخ کے خلاف چلنے کی کوشش میں مصروف ہیں ہمیں اپنے کام میں ان سے زیادہ خلوص اور ذوق و شوق پیدا کرنا ہوگا کیوں کہ ان کا بیشتر کام قانونی دفعات

اور معاشی توقعات سے پورا ہو جاتا ہے اور ہمیں محض اخلاقی و شرعی ذمہ داری کے تحت کام کرنا ہے۔

اس سلسلہ میں ہمیں جدید تعلیم گاہوں کے طریقۂ تعلیم، طریقۂ انتظام، پابندیٔ وقت اور دوسری قابلِ قبول خوبیوں کے اپنانے میں بخل سے کام نہیں لینا چاہیئے بلکہ خذ ما صفا دع ما کدر پر عمل پیرا ہونا چاہیئے۔

میرے عزیز نوجوانو اور علمائے کرام! اگر اس سے پہلے امت مسلمہ کو علماء اور دینی و عربی درس گاہوں کی ضرورت تھی اور ان سے امت کو دینی زندگی کے لئے کوئی غذا ملتی تھی تو اس دور میں اس کی ضرورت اور بڑھ گئی ہے غیر ملکی یا شخصی اقتدار کا دور جسے ہم ظالمانہ، جابرانہ اور غلامی کا دور کہتے ہیں اس میں ہم اپنے دین اپنی معاشرت و تہذیب اور اپنی زبان و قلم اور اپنی پسند کی درس گاہوں کے قائم کرنے میں زیادہ آزادی محسوس کرتے تھے مگر آج جبکہ ظالمانہ دور کے بجائے آزاد اور جمہوری دور میں سانس لے رہے ہیں تو اس میں ان تمام باتوں کے سلسلہ میں چاہے کوئی پابندی نہ ہو جب بھی پابندی کا احساس ضرور ہونے لگا ہے اس لئے گذشتہ جابرانہ دورِ حکومت میں علماء و صلحاء و ائمۂ دین نے وقت کے مفاسد سے امت کو بچانے کے لئے جس عزیمت و جرأتِ رندانہ سے کام لیا تھا اور حق و صداقت کا پرچم بلند رکھا تھا اس سے کہیں زیادہ ایمان سوز اور مخربِ اخلاق ہیں، یہ واقعہ ہے کہ ہمیں نہ تو پیش رووں جیسا اخلاق طاہر اور نہ ان کے جیسی بے پناہ قوتِ ایمانی میسر ہے مگر ہمیں یقین رکھنا چاہیئے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو اپنے دین کی حفاظت اور امتِ مسلمہ کی بقا منظور ہے اور ضرور منظور رہے تو ہم جیسے کمزوروں اور ناتواں اور بے سہاروں کی معمولی کوشش ہی کو اجر و ثواب اور نتائج کے اعتبار سے وہ بار آور کر سکتا ہے اور بہتر نتائج نکل سکتے ہیں۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

یہ بات ہمارے ذہن میں بیٹھنی ضروری ہے علماء اور جدید تعلیم یافتہ طبقوں کے درمیان جو تفریق پیدا ہو گئی ہے اسے ان دونوں طبقوں کے درمیان فکری و عملی خلیج نہ بننے دیا جائے بلکہ دونوں کو جہاں تک ممکن ہو قریب لانے کی کوشش کرنی چاہیئے جدید تعلیم یافتہ حضرات علمائے دین کے معلومات سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں اور علماء جدید تعلیم یافتہ حضرات سے جدید علوم میں فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں کسی طبقہ کو یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ ساری خوبیوں کا وہی طبقہ مالک ہے

بلکہ وہ دونوں طبقے ملت کے اعضاء وجوارح ہیں اور یکساں طور پر ملت کے لئے مفید بن سکتے ہیں۔

میرے عزیزو! آخر میں آپ کو برادرانہ اور عزیزانہ خیر خواہی کے تحت کچھ نیک مشورے دینا چاہتا ہوں امید ہے کہ آپ ان مشوروں کو سویدائے قلب میں جگہ دینے کی کوشش کریں گے ؎

اندازِ بیاں گرچہ بہت شوخ نہیں ہے — شاید کہ اتر جائے ترے دل میں مری بات

۱:- پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ اپنی زندگی زیادہ سے زیادہ سادہ اور قناعت پسندانہ رکھیں آپ اپنا مزاج سادہ مگر ایسا بلند بنائیں کہ آپ کو اسکول وکالج اور تہذیبِ جدید کی ٹیپ ٹاپ کی زندگی ہیچ نظر آئے آپ کی فکر و نظر میں بلندی ہو مگر کسی ادا سے کبر و نخوت ظاہر نہ ہو بلکہ آپ تواضع وخاکساری اور بے نفسی وکسرنفسی کا پیکر ہوں اور یقین کریں من تواضع للہ رفعہ اللہ جو تواضع اور انکساری اختیار کرے گا اللہ تعالیٰ اسے بلندی عطا کرے گا۔

تواضع یہ ہے کہ آدمی اپنی ذات اور اپنے علم پر ناز کرے اور اپنے کو دوسروں سے برتر نہ سمجھے۔

۲:- دوسری بات یہ ہے کہ آپ اپنے کو زیادہ سے زیادہ بااحساس وباشعور بنائیں بے حسی اور بے شعوری اپنے لئے بھی مصیبت ہوتی ہے اور دوسروں کے لئے بھی زحمت کا سبب بنتی ہے مگر آپ کے احساس وشعور کی تیزی دین کے کاموں، اس کی ضرورتوں اور معاشرتی تہذیب و آداب اور دوسروں کے حقوق کے ادائگی کی حد تک ہو اپنی زائد ذاتی ضرورتوں کے پورا کرنے میں آپ جتنے کم احساس ہوں گے اتنا ہی یہ دین ومعاشرہ کے لئے فال نیک ہے۔

۳:- تیسری بات یہ ہے کہ آپ موجودہ زمانہ کے تقاضوں اور اس کے تغیرات کو سمجھنے کی کوشش کریں اور ملک کے حالات میں اپنے اندر دعوت وتبلیغ کا جذبہ پیدا کریں اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت وبقا کے وسائل وذرائع پر غور کرتے اور سوچتے رہئے اور تعلیمی فرائض کا نقصان کئے بغیر اس میں حصہ لیجئے، دین وملت کے مسائل سے بے حس بن کر بالکل نہ رہئے موجودہ دور کا سب سے بڑا یہی تقاضہ ہے۔ ملت کے لئے فکر مندی ذکر واذکار اور نفل عبادتوں سے بھی بڑھ کر ہے۔

۴:- چوتھی بات یہ ہے کہ آپ حاملینِ علم کے ساتھ راسخین فی العلم بھی بنیں "راسخین فی العلم"

کا مرتبہ کن لوگوں کو ملتا ہے ان کے بارے میں چار اجلۂ صحابہ حضرت انس، حضرت ابوامامہ حضرت واثلہ بن الاسقع اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہم نبی امی محمد الرسول صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں:

سئل رسول الله علیه وسلم من الراسخون فی العلم؟ فقال من برت یمینه وصدق لسانه واستقام قلبه ومن عف بطنه وفرجه فذالك من الراسخین (درمنثور)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ راسخین فی العلم کون لوگ ہیں؟ تو آپ نے فرمایا جو اپنی قسم پوری کر دیں جو زبان کے سچے ہوں اور جن کے قلب میں استقامت ہو اور اپنے پیٹ اور شرم گاہ کے پاکیزہ اور عفیف ہوں۔

۵۔ پانچویں بات یہ ہے کہ آپ جس دینی یا ملی کام میں لگے ہیں اس کام کے سلسلے میں ایک بار اطمینان کر لیجئے، اور پھر اس کو مقصد بنا کر اس کے لئے کوشش شروع کر دیجئے آپ کے ذمہ صرف جدوجہد اور کوشش ہے نتیجہ کو اللہ تعالیٰ کی ذات پر چھوڑ دیجئے اگر نتیجہ کو سامنے رکھ کر کوئی کام کریں گے تو اپنے ذمہ وہ کام لینے کی کوشش کریں گے جو آپ کے اختیار سے باہر اور خدائے قدوس کے اختیار میں ہے، اس ذہن و فکر سے جب آپ کام کریں گے تو آپ کو کبھی مایوسی نہیں ہوگی اور اللہ تعالیٰ اس کے نتائج بھی جلد ظاہر فرما دے گا اس لئے آپ اپنے دائرۂ کار میں رہیں خدائے قدوس کے دائرۂ کار میں قدم رکھنے کی کوشش نہ کریں۔

میرے عزیزو! آخر میں ایک بات اور آپ کے ذہن میں بٹھانا چاہوں گا کہ آپ کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ ایک ہے علم نبوت اور دوسرا ہے نور نبوت جہاں تک علم نبوت کا تعلق ہے عربی زبان سے واقفیت کے ذریعہ اسے حاصل کیا جا سکتا ہے اور اس میں مسلم اور غیر مسلم دونوں برابر ہیں نہ جانے کتنے جرمن اور انگریز مصنفین نے علم نبوت کی جو خدمت انجام دی ہے وہ مسلمانوں سے بھی نہیں ہو سکتی ہے مگر اس علم کے اندر جو ایک باطنی نور اور روحانی اثرات ہیں وہ اس وقت تک حاصل نہیں

ہو سکتے جب تک ایمان ویقین کے ساتھ حرام و ناجائز ہی سے نہیں بلکہ مشتبہات سے بھی بچا نہ جائے اتباع سنت اور ذکر و عبادت کا اہتمام نہ کیا جائے محض علم نبوت سے علم کا پندار و غرور پیدا ہوتا ہے اور نور نبوت سے خاکساری بے نفسی اور دردمندی پیدا ہوتی ہے یہی کمی نے امام غزالی سے مدرسہ نظامیہ کی صدارت چھڑادی اور اسی کے پیدا ہونے کے بعد ان کے قلم سے احیاء العلوم جیسی لازوال کتاب نکلی جس سے لاکھوں آدمیوں کی زندگی میں انقلاب آیا اس کا اہتمام نہ ہونے کی وجہ سے ہمارا علم علم نافع نہیں بن پاتا اگر ہم پر اذا راٰوا ذکر اللہ کا ہلکا سا پرتو بھی پڑ جائے تو ہماری علمی زندگی کی دنیا بدل جائے

میرے محترم عزیزو! آپ میں سے اکثر لوگ دعوت و تبلیغ درس و تدریس یا افتار کے کام میں لگے ہوں گے اس لئے آخر میں دو ایک باتیں آپ کے سامنے بڑے ادب سے رکھنا چاہتا ہوں ایک بات تو یہ کہ آپ سے کوئی مسئلہ پوچھے یا درس دیتے وقت قرآن کی کسی آیت کا مفہوم یا کسی حدیث کا مطلب یا فقہ یا صرف و نحو کا کوئی مسئلہ یا کسی عبارت کا مفہوم اچھی طرح آپ کے ذہن میں نہ آسکا ہو یا جو مسئلہ آپ سے پوچھا جا رہا ہے آپ کو اس کے جواب پر پورا اطمینان نہ ہو تو اس عبارت یا مسئلہ کو چھوڑ دیجئے اور سائل و طلبہ کے سامنے اس کا اظہار کر دیجئے مخواہ مخواہ اپنے علم کے اظہار کے لئے غلط سلط طریقہ سے ان کو سمجھانے یا مسئلہ بتلانے کی کوشش نہ کیجئے جب پورا اطمینان ہو جائے پھر ان کو سمجھائیے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول یاد رکھئے لاادری نصف العلم یہ کہنا کہ میں نہیں جانتا آدھا علم ہے آپ کی یہ لاعلمی آپ کو علم والا بنا دے گی اور اگر آپ نے اس کا اعتراف نہ کیا تو اس آیت اس حدیث یا اس مسئلہ کے بارے میں ہمیشہ آپ جہل مرکب میں مبتلا رہیں گے میں نے بعض اساتذہ کے بارے میں سنا ہے کہ اثنائے درس میں اگر ان کو کسی مسئلہ میں شبہ ہو جاتا تھا تو طلبہ کے سامنے کتاب لیکر دوسرے استاذ کے یہاں پہنچ جاتے تھے اور اپنا شک رفع کر کے پھر آکر طلبہ کو پڑھاتے اور اس میں وہ کسی طرح کی شرمندگی محسوس نہیں کرتے تھے نہ تو علم کی کوئی حد ہے اور نہ اسکے حصول کا سلسلہ موت تک ختم ہوتا ہے اس لئے ہمہ دانی کا خبط ذہن سے بالکل نکال دیجئے۔

دوسری بات یہ کہ اوپر آپ کے منصب کے بارے میں جو باتیں لکھی گئیں ہیں اس کا تقاضہ ہے کہ آپ جس ادارہ جماعت یا جس مدرسہ میں کام کر رہے ہیں اس کو کسی معمولی شکایت یا تنخواہ کی تھوڑی سی کمی یا اضافہ کی بنا پر نہ چھوڑیں ہو سکتا ہے کہ دوسری جگہ اس سے زیادہ شکایت آپ کو پیدا ہو جائے اور جس جگہ آپ کو زیادہ معاوضہ مل رہا ہے وہاں آپ کو دوسری طرح کی تکلیفیں پیش آجائیں مثلاً آپ کو کہیں زیادہ روپیہ ملے اور اچھا علمی ماحول نہ ملے وہاں کے لوگ زیادہ خوش اخلاق نہ ثابت ہوں یا آپ کی وہ حیثیت باقی نہ رہ جائے جو پہلی جگہ تھی یا اور کوئی دقت پیش آجائے اس لئے جب تک کوئی بہت بڑی مجبوری نہ پیش آئے اپنا کام اور اپنی جگہ نہ بدلیں آدمی اپنی جگہ خود بناتا ہے دوسرا کوئی شخص اس کی کوئی جگہ نہیں بنا سکتا ہمیشہ یک گیر محکم گیر پر عمل پیرا رہیں اور **قل اللہ ثم استقم** کو اپنے پیش نظر رکھیں۔

ایک بات اور اپنی قلب کی گہرائی میں اتار لیں آپ میں سے بہت سے لوگوں نے بخاری شریف اور مشکوٰۃ شریف کی پہلی حدیث **انما الاعمال بالنیات** ضرور پڑھی یا سنی ہوگی اس کے بارے میں کوئی فنی بات تو اس وقت نہیں عرض کروں گا مگر اتنی بات ذہن میں ضرور رکھ لیں کہ ایک ہوتی ہے بدنیتی سے کوئی دینی کام کرنا جس کا ذکر اس حدیث میں صراحۃً موجود ہے مگر اس کے اندر یہ بھی شامل ہے کہ کوئی کام بے نیتی اور بے شعوری سے نہ کیا جائے تو ہو جاتا ہے بدنیتی تو کم لوگوں میں ہوتی ہے مگر بے نیتی اور بے شعوری عام طور پر ہم میں سرایت کئے ہوئے ہے حدیث میں آتا ہے کہ **انا عند ظن عبدی بی** اس کا مفہوم یہی ہے کہ جن بلند و پست مقاصد کے ارادے اور نیت سے بندہ کام کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتا ہے اس لئے آپ صرف بدنیتی ہی سے نہ بچیں بلکہ بے نیتی اور بے شعوری سے بھی بچیں ورنہ آپ کے دینی تعلیمی اور دعوتی کاموں میں نہ کوئی روح پیدا ہو سکے گی اور نہ اس سے کوئی پر شور اور متحرک زندگی پیدا ہو سکے گی۔ بدنیتی کا مطلب یہ ہے کہ دین کا کوئی کام کسی دنیاوی غرض یا فائدہ ہی کی نیت سے کیا جائے اور بے نیتی اور بے شعوری کا مطلب یہ ہے کہ کسی دینی کام کو بے سوچے سمجھے روایتی انداز میں محض قانونی خانہ پری کے لئے کیا جائے اس میں اپنے قلب و دماغ کا احساس اور اندرونی جذبہ کی اس میں کارفرمائی نہ ہو۔

یہ چند باتیں جو میں نے عرض کی ہیں وہ یہ سمجھ کر عرض نہیں کی ہیں کہ میں کچھ افضل ہوں اور آپ مفضول بلکہ یہ سمجھ کر کی ہیں کہ ہم سب ایک خانوادے کے فرد ہیں جس کے ہر فرد کو یہ حق ہوتا ہے کہ اس بات پر نگاہ رکھے کہ ہماری کوتاہی اور خامی کی وجہ سے پورے خانوادہ کے دامن پر کوئی بدنما داغ نہ لگنے پائے جو لوگ دینی تعلیم، دعوت و تبلیغ یا کسی دوسرے ملی کاموں میں لگے ہیں وہ سب ایک دینی خانوادہ کے فرد ہیں اس لئے ان کا فرض ہے کہ وہ ایک دوسرے کا احتساب کرتے رہیں اور اس احتساب کو اپنی توہین تصور نہ کریں انشاء اللہ اس احتساب سے ہم کو ہمیشہ نئی زندگی ملتی رہے گی، آخر میں میں ان عزیزوں اور خاص طور پر عزیزی محمد اویس فلاحی کا اس عزت افزائی کے لئے ممنون ہوں کہ انہوں نے آپ سے باتیں کرنے کا موقعہ عنایت کیا اگر ان کا محبت آمیز اصرار نہ ہوتا تو اپنی صحت کی خرابی کی بنا پر شاید میں آپ کی ملاقات کی سعادت سے محروم رہتا، میں صمیم قلب سے دعا کرتا ہوں کہ آپ سب لوگ ملت کے لئے زیادہ سے زیادہ مفید ثابت ہوں اور آپ کے ذریعہ اس خطہ میں دین کی روشنی ہر طرف پھیلے۔

۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

بقیہ صـ ۳۴ کا

پڑھی تھی اس کے بارے میں حفص کو ضابط اور حافظ کہتے ہیں[۱]

علامہ شاطبیؒ نے بھی انکو اعلیٰ درجہ کا ضابط اور ثقہ بتایا ہے ان کا مشہور مصرع ہے

وحفص بالاتقان کان مفضلا

حفص ضبط و اتقان میں ممتاز ترین ہیں۔

امام حفص کا خود بیان ہے کہ ضعف کے ضمہ کے علاوہ میں نے کسی حرف میں بھی امام عاصم کوفی کی مخالفت نہیں کی، لیکن بعض ائمہ نے مثلاً عثمان الدارمی اور ابن معین وغیرہ نے ان کو غیر ثقہ بتایا ہے[۲]

---

۱ ملا علی قاری شرح شاطبی ص ۴۳، بحوالہ علم قرأت اور قراء سبعہ ص ۴۰، تذکرہ قاریان ہند ج ۱ ص ۴۳ ۲ تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۴۰۰

امام ابوعمرو حفص بن سلیمان کوفیؒ

ولادت ۹۰ھ وفات ۱۸۰ھ

محمد الیاس الاعظمی ایم اے، ریسرچ اسکالر

قرن اول میں جن ائمہ کرام نے علم قرأت کے چراغ روشن کئے ان میں امام حفص بن سلیمان کا نام سرفہرست ہے انکا شمار اقلیم علم قرأت کے تاجداروں میں ہوتا ہے ان کی تگ ودو محنت وجانفشانی اور اخلاص وللّٰہیت سے ان کے طرز قرأت نے وہ قبول عام حاصل کیا کہ آج پورے عالم اسلام میں قرآن مجید انھیں کے طرز قرأت اور لب ولہجے سے پڑھا اور پڑھایا جاتا ہے مولانا قاری شاہ محمد حسین چشتی لکھتے ہیں:۔

"ان کی روایت بلاد مغرب کے علاوہ تمام ملک عرب وعجم میں خصوصیت کے ساتھ رائج ہے اور برصغیر ہند وپاک میں بھی یہی روایت پڑھی جاتی ہے اور یہ قبولیت خداداد ہے کہ صدیاں گزر گئیں مگر آج بھی مکاتب ومدارس میں صرف روایت حفص پڑھائی جاتی ہے اور روئے زمین پر ایک ہزار حفاظ میں سے تقریباً نوسو ننانوے کو صرف یہی روایت حفص یاد رہے ایسا شاید کوئی نہ ہو جس نے یہ روایت نہ پڑھی ہو"

امام حفصؒ نے اپنے عہد کے یکتائے روزگار تابعی اور امام القراء امام عاصم بن بہدلہ کوفی سے قرأت قرآن کی تحصیل وتکمیل کی اور مدۃ العمر اس کی ترویج وترقی اور نشر واشاعت میں مصروف رہے، محمد بن سعید العوفی کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد کو فرماتے ہوئے سنا کہ:۔

"حفص بن سلیمان لو رأیت لقرت عیناک فہما وعلما"[1]

امام حفص بن سلیمان کو اگر تم دیکھتے تو انکے علم وفہم کی وجہ سے تمہاری نگاہیں ٹھنڈی ہو جاتیں۔

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۴۰۰

نام ونسب حفص نام، ابوعمرو کنیت اور معلوم شجرہ نسب حسب ذیل ہے:۔
ابوعمرو حفص بن سلیمان بن المغیرۃ ابوعمر بن ابی داؤد اسدی کوفی[1]

اپنے نام حفص اور حفیص سے مشہور ہوئے[2] امام القراء امام عاصم کوفی کے پروردہ اور ان کی بیوی کے لڑکے ہیں استاذ اور شاگرد دونوں بنواسد کے آزاد کردہ غلام تھے[3]
قاری ابوالحسن اعظمی نے انھیں امام عاصم کا متبنی بتایا ہے[4] جو صحیح نہیں ہے بلکہ وہ ان کی بیوی کے پہلے شوہر کے لڑکے تھے جن کو امام عاصم نے پالا تھا جیسا کہ علامہ جزری اور صاحب معجم الادباء نے اس کی تصریح کی ہے وہ لکھتے ہیں:۔

"وکان ربیب عاصم ابن زوجتہ[5]" — امام حفص امام عاصم کی گود میں پلے تھے اور حفص ان کی بیوی کے پہلے شوہر کے لڑکے تھے۔

علامہ ذہبی لکھتے ہیں:۔

ابن زوجۃ عاصم[6] — امام عاصم کی بیوی کے لڑکے تھے۔

ولادت ووطن اور تعلیم امام حفص بن سلیمان سن ۹۰ ہجری میں کوفہ میں پیدا ہوئے[7] اور یہی کوفہ ان کا وطن بھی ہے۔

امام ابوعمرو حفص بن سلیمان نے امام عاصم بن بہدلہ کوفی سے قرأت قرآن کی تعلیم حاصل کی ابوحفص بن بہاری کا بیان ہے کہ حفص نے امام عاصم سے بار بار پڑھا اور اس فن میں بڑی مہارت وصلاحیت پیدا کی علامہ جزری فرماتے ہیں:

کان اعلم اصحاب عاصم — امام حفص امام عاصم کوفی کے تلامذہ میں قرأت

---

[1] غایۃ النہایہ فی طبقات القراء ج ۱ ص ۲۵۴ و معجم الادباء ج ۴ ص ۱۸ اور کتاب الاستکمال ص ۱۰۱ و تجوید معہ قرأت ص ۱۹ ـ [2] التیسیر ص ۶ و تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۴۰۰ و تقریب التہذیب ص ۷۷ [3] میزان الاعتدال ج ۱ ص ۲۶۱ [4] علم قرأت اور قراء سبعہ ص ۱۰۱ [5] نشر ص ۱۵۶ بحوالہ ماہنامہ دارالعلوم دیوبند مارچ ۱۹۷۳ء ص ۳۴ و معجم الادباء ج ۴ ص ۱۱۸ [6] غایۃ النہایہ ج ۱ ص ۲۵۴ و علامہ ذہبی معرفۃ القراء ج ۱ ص ۱۴۰ و معجم الادباء ج ۴ ص ۱۱۸ [7] معرفۃ القراء الکبار ج ۱ ص ۱۴۰

بقرائت عاصم[1] عاصم کے سب سے زیادہ واقف کار تھے۔

بعد ازاں بغداد[2] جانے اور تحصیل علم کے بعد مکہ معظمہ میں سکونت اختیار کرنے کا ذکر تذکروں میں ملتا ہے قیاس ہے کہ یہ سفر بھی حصول علم ہی کے سلسلے میں رہا ہوگا۔

پھر امام حفص بن سلیمان اپنے عہد کے ماحول و دستور کے مطابق علم حدیث کے حصول میں مشغول ہوئے بعد ازاں خود ان سے علم حدیث کا اکتساب طالبین نے کیا، حدیث میں انکے مقام و حیثیت پر مختلف آرار ہیں امام دانیؒ اور امام وکیع نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔

کان ثقۃ اخرج النسائی حدیثہ فی مسند علی متابعۃ[3] — امام حفص ثقہ تھے نسائی نے مسند علی میں ان کی حدیث تائیدًا نقل کی ہے۔

احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ انکی مرویات میں کوئی حرج نہیں ہے[4]

لیکن اور ائمہ حدیث کے نزدیک وہ قابل جرح ہیں چنانچہ امام بخاری و مسلم کا بیان ہے کہ حفص بن سلیمان محدثین کے نزدیک متروک الحدیث ہیں[5]

ان کی مروی احادیث کو ضعیف کہا گیا ہے حاکم نے ان کو ذاھب الحدیث اور ابن خراش نے متروک یضع الحدیث لکھا ہے ابن المدینی ابوذرعہ، ابن ابی حاتم امام نسائی اور امام دارقطنی نے بھی ضعیف الحدیث کہا ہے[6] امام نسائی فرماتے ہیں۔

لیس بثقۃ ولا یکتب حدیثہ[7] — ثقہ نہیں ہیں، اور ان کی حدیث نہیں لکھی جاتی۔

امام ابن حبان کا بیان ہے کہ:-

یقلب الاسانید و یرفع المراسیل — حفص سندوں میں الٹ پھیر کر دیتے ہیں اور

---

[1] ایضًا والنشر ص ۵۷ ا [2] کتاب التبصرہ ص ۸۳ او غایۃ النہایہ ج ۱ ص ۲۵۴ [3] علامہ دانی، التیسیر ص ۶ و تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۴۰۲ و تقریب التہذیب ص ۷۷۔

[4] معرفۃ القراء ج ۱ ص ۱۴۱ [5] ایضًا و تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۴۰۱۔

[6] تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۴۰۱ و میزان الاعتدال ج ۱ ص ۲۶۱۔

[7] تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۴۰۱

وحکی ابن الجوزی فی الموضوعات[1]

مرسل روایتوں کو مرفوع روایت کرتے ہیں یہ بات علامہ ابن الجوزی نے موضوعات میں بیان کی ہے۔

زکریا ساجی کا بیان ہے کہ:۔

حفص ممن ذہب حدیثہ عندہ مناکیر[2]

حفص ان لوگوں میں ہیں جنکے پاس حدیث کا سرمایہ نہیں ہے بلکہ قابل انکار روایتیں ہیں۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں:۔

یحدث عن سماك و غیرہ احادیث بواطیل[3]

حفص سماک وغیرہ سے باطل روایات نقل کرتے ہیں۔

صالح بن محمد کا بیان ہے کہ:۔

لایکتب حدیثہ واحادیثہ کلہا مناکیر[4]

ان کی بیان کردہ روایتوں کو محدثین کے یہاں ضبط تحریر میں نہیں لایا جاتا وہ سب منکر ہیں۔

علامہ ذہبی فرماتے ہیں:۔ کہ امام حفص فن قرأت میں ثقہ، ثبت اور ضابط تھے لیکن احادیث کے معاملہ میں یہ حال نہ تھا اور ان پر کلام کیا گیا ہے[5]۔

ان روایتوں کی وجہ سے طبقہ محدثین میں انکا مقام و مرتبہ متنازع ضرور ہوا مگر فن قرأت میں ان کے علوئے مرتبت پر سب متفق ہیں اور دراصل یہی فن ان کیلئے سرمایۂ افتخار ثابت ہوا۔

اساتذہ وشیوخ عاصم الاحول، عبدالملک بن عمیر، بن ابی سلیم، کثیر ابن مستطیر اسحاق السبیعی، کثیر بن زاذان، قیس بن مسلم، علقمہ بن مرثد، محارب بن دنار، ثابت بنانی اسماعیل السدی، وعاصم وغیرہ[6]

---

[1] ایضاً [2] ایضاً ص ۴۰۲ [3] ایضاً
[4] ایضاً [5] غایۃ النہایۃ ج ۱ ص ۲۵۴
[6] ایضاً ص ۴۰۰ وتقریب التہذیب ص ۷۷ ومعرفۃ القراء ج ۱ ص ۱۴۰

تلامذہ

امام حفص بن سلیمان کوفی نے ایک طویل مدت تک قرأت قرآن کا درس دیا[1] ان سے اکتساب فیض کرنے والوں کے نام یہ ہیں :۔

ابو محمد عبید بن صباح بن صبیح کوفی، ابو شعیب صالح بن محمد القواس، حفص بن غیاث، علی بن عیاش، آدم بن ابی ایاس، علی بن حجر، ہشام بن عمار، محمد بن حرب خولانی، علی بن یزید الصدائی، ہبیرۃ التمار، عمر بن الصباح، حسین بن محمد مروذی، حمزہ بن قاسم احول، سلیمان بن داؤد زہرانی، حمدان بن ابو عثمان دقاق، عباس بن فضل صفار، عبدالرحمن بن محمد بن واقد، محمد بن فضل زرقان، خلف الحداد، فضل بن یحییٰ بن شاہی بن فراس انباری، حسین بن علی الجعفی، احمد بن جبیر انطاکی، سلیمان الفقیمی۔[2]

فنِ قرأت میں علوئے کمال و قبولیت

امام حفصؒ اگرچہ مختلف النوع خصوصیات کے حامل تھے تاہم انکا اصل طغرائے امتیاز فن قرأت ہی تھا جیسا کہ اوپر گذرا دنیا بھر میں انہی کی قرأت پڑھی اور پڑھائی جاتی ہے امام اعظم ابو حنیفہؒ اور دیگر ائمہ کبار نے انہی کی قرأت کو اختیار کیا چنانچہ آج بھی اختلاف مسلک و مشرب کے باوجود بلاد اسلامیہ کی اکثریت اور بالخصوص برصغیر ہندوپاک کے مسلمان انہیں کی قرأت پڑھتے اور پڑھاتے ہیں۔

امام حفص کی قرأت کو مورخین اور تذکرہ نگاروں نے صحیح ترین روایت قرار دیا ہے اس سے فن قرأت میں ان کی بلند پائیگی کا اندازہ ہوتا ہے اور بحیثیت امام قرأت ان کے مرتبہ بلند کی شہادت ملتی ہے علامہ ذہبیؒ کا بیان ہے کہ" قرأۃ میں ثقہ ثبت اور ضابط تھے امام ابو ہاشم افائی کا بیان ہے کہ :۔

كان حفص اعلمهم بقرأة عاصم[3] امام حفص قرأت عاصم کے زیادہ واقف کار تھے۔

علامہ جزری فرماتے ہیں :۔

---

[1] غایۃ النہایہ ج ۱ ص ۲۵۴ [2] تہذیب التہذیب ۵۵ ص ۴۰۱ و میزان الاعتدال ج ۱ ص ۲۶۱ و غایۃ النہایہ ج ۱ ص ۲۵۴ و ۲۵۵ و معرفۃ القراء الکبار ج ۱ ص ۱۴۰ [3] غایۃ النہایہ ج ۱ ص ۲۵۴ و معرفۃ القراء ج ۱ ص ۱۴۱ کتاب التبصرہ ص ۱۸۳

واقرأ الناس دهرًا[1] — امام حفص اپنے زمانہ کے سب سے بڑے قاری تھے۔

امام وکیع فرماتے ہیں:۔

واما القرأۃ فهو فيها ثبت بالاجماع[2] — امام حفص فن قرأت میں متفقہ طور پر قابل اعتبار ہیں۔

صاحب دائرہ معارف اسلامیہ نے لکھا ہے:۔

ان کی شہرت کا دار و مدار اس قرأت پر ہے جو انھوں نے اپنے کوفی استاد (عاصم) سے جن کے وہ داماد تھے حاصل کی تھی مؤخر الذکر کی وفات اور بغداد کی تاسیس کے بعد وہ دار الخلافہ میں مقیم ہو گئے جہاں ان کے بہت سے شاگرد تھے پھر اپنے خسر کی قرأت کی ترویج و اشاعت کی جس میں شعبہ بن عیاش (م ۱۹۴ھ/ ۸۰۹ء) کا حصہ تھا لیکن حفص کو زیادہ مستند خیال کیا جاتا ہے اور ان کی مساعی سے جو سلسلہ قرأت منقول ہوتا چلا آیا ہے اسی کو قرآن مجید کے اس نسخے کے متن متعین کیلئے انتخاب کیا گیا جو ۱۳۴۲ھ/۱۹۲۳ء میں شاہ فواد کی سرپرستی میں قاہرہ میں شائع ہوا اور جسے عہد حاضر میں مستند ترین تصور کیا جاتا ہے (INTROD-AU-CORAN) R-BLACHERE پیرس ۱۹۴۷ء ص ۱۳۴ تا ۱۳۵) نے اس کی طرف خاص توجہ دلائی ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ مستقبل میں ملت اسلامیہ غالبًا صرف اسی قرأت کو تسلیم کرنے لگے جو حفص کے واسطے سے ہم تک پہنچی ہے[3]

حفظ و ثقاہت

امام ابوعمرو حفص بن سلیمان کی قوت حفظ و ضبط بے مثل تھی علامہ ذہبی فرماتے ہیں:۔

امام فی القرأۃ ثقة ثبت ضابط — امام حفص قرأت کے امام ثقہ ثبت اور ضابط تھے بخلاف حاله فی الحدیث[4] — البتہ حدیث میں یہ حال نہ تھا۔

امام ابوبکر خطیب فرماتے ہیں کہ متقدمین حضرات قرأت کے بارے میں حفص کو شعبہ سے زیادہ افضل اور قوی الحافظ سمجھتے تھے اور حفص نے جو قرأت امام عاصم سے

جاری ہے — بقیہ صفحہ ۴۸ پر

---

[1] غایۃ النہایہ ج ۱ ص ۲۵۴ [2] النشر ص ۱۵۶ [3] تقریب التہذیب ص ۷۷ ۔ [3] دائرۃ المعارف اسلامیہ ج ۸ ص ۲۹ [4] النشر ص ۱۵۶

اکابرین ملت کی خدمت میں چند گزارشات

(جولائی ۱۹۹۱ء)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
یہ ایک تحریر ہے جو ان اکابرین ملت کی خدمت میں پیش کی گئی تھی جو آل انڈیا ملی کونسل کی تشکیل سے پہلے اتحاد ملت کے طریق کار پر غور کرنے کے لئے جمع ہوئے تھے اس میں تقریباً وہ تمام اصولی باتیں عرض کرنے کی کوشش کی گئی ہے جن کی تکمیل وسیع پیمانہ پر آل انڈیا ملی کونسل کے ذریعہ کی جارہی ہے اسلئے اسے ایک دستاویزی تحریر کے طور پر شائع کیا جارہا ہے۔

بزرگو دوستو اور عزیزو!

آپ حضرات کو یاد ہوگا کہ اس سے پہلے ہم لوگ ۲۲ر اپریل ۱۹۹۱ء کو دلی میں انسٹی ٹیوٹ کے ہال میں جمع ہوئے تھے اس مجلس میں ملک کی صورت حال پر غور کیا گیا اور اس کی روشنی میں فوری طور پر کچھ فیصلے کئے گئے اور یہ بھی طے ہوا کہ الکشن اور نئی حکومت کے قیام کے بعد حالات کا جائزہ لینے کے لئے ہم پھر جمع ہوں گے اور ان حالات کی روشنی میں ہم ملت کو مفید و مناسب مشورے بھی دیں گے اور ان کے سامنے کچھ ایسے عملی پروگرام بھی رکھیں گے جو ہندوستان میں اسلام کو فروغ اور مسلمان کے وقار کو بلند کرنے کا سبب بھی بنیں اور ان کے اندر خدا اعتمادی اور خود اعتمادی بھی پیدا ہو ہم خدائے بزرگ و برتر کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے پھر ہمیں یہ موقع عنایت فرمایا ہم اس کی بارگاہ میں دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اس آیت کا مصداق بنائے۔

والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا۔ — جو لوگ ہمارے دین کیلئے پوری کوشش کرتے ہیں انکے لئے ہم بہت سے راستے پیدا کر دیتے ہیں

اس موقع پر راقم الحروف نے یہ تجویز کی تھی کہ آئندہ میٹنگ میں ملت کے اتحاد اور

اس کے لئے کچھ بنیادی وسائل پر غور کیا جائے جسے حاضرین نے منظور کر لیا تھا اس سلسلہ میں راقم الحروف کے ذہن میں جو چند باتیں آئی ہیں انہیں پیش کرنیکی جرأت کر رہا ہوں۔

بزرگو اور دوستو!

یوں تو آزادی کے بعد ہی سے مسلمانوں کے جان و مال اور عزت و آبرو سے کھیلا جا رہا ہے مگر ناخدایان سیاست کو اس ظلم و ستم سے بھی پوری تسکین نہیں ہوئی اب وہ ہماری زبان تہذیب اور دینی شعائر سب کو اس طرح نشانہ بنانا چاہتے ہیں کہ ہمارا کوئی تشخص اس ملک میں باقی نہ رہے اور آئندہ ہماری نسل اپنے سارے دینی و اخلاقی تشخصات سے بیگانہ ہو جائے۔ "ہندوتو" کے حامیوں کا اس وقت سب سے بڑا مقصد یہی ہے اور اسی مقصد کے تحت سارے پروگرام پورے ملک میں چل رہے ہیں۔

محترم حضرات!

یہ میں کوئی ایسی بات نہیں کہہ رہا ہوں جس کا آپ کو علم نہیں ہے یا حالات کی سنگینی سے آپ واقف نہیں ہیں بلکہ یہ بات تمہید کے طور پر اس لئے عرض کر دی ہے کہ ہم حالات کی سنگینی کو سامنے رکھ کر ان سے نبرد آزما ہونے اور ملت اسلامیہ کو ایک باعزت مقام دلانے کے لئے ہمارے بس میں جتنا ہے اس کے لئے اپنی جدوجہد کا رخ مقرر کریں راقم الحروف کے نزدیک ان حالات سے نبرد آزما ہونے کے لئے ہمیں دو طرح کی تدبیریں اختیار کرنی ہونگی ایک منفی دوسرے مثبت۔

منفی کا مطلب یہ ہے کہ فرقہ پرست طاقتوں اور انکی ان سازشوں کا ہم کو علم ہو جو ہمارے خلاف حکومتی، سیاسی یا عوامی سطح پر وہ اختیار کرتے رہتے ہیں۔

اس سلسلہ میں ہمیں دو کام کرنا چاہئے ایک تو یہ کہ ہر محاذ پر ہم کو ان کی جارحیت کا پر امن اور قانونی طریقہ سے مقابلہ کرنا چاہئے اور اگر کوئی ہنگامی ضرورت ہو تو اپنے دفاع کی دوسری تدبیروں پر بھی غور کرنا چاہئے۔

دوسرے منڈل کمیشن کے حامیوں کا ہم حکمت کے ساتھ، ساتھ دیں یہ جتنا مضبوط ہوگا فرقہ پرستی اتنی ہی مجروح ہوگی اس لئے کہ فرقہ پرستی بڑی ذات کے ہندوؤں کے ذریعہ

فروغ پارہا ہے یہ بات ہمارے لئے انتہائی قابل غور ہے کہ بی جے پی نے یوپی میں ۲۱۱ سیٹیں حاصل کی ہیں ان میں پچاسی سیٹیں ہریجنوں کی ریزرو سیٹیں ہیں جس میں انہوں نے اپنا ہریجن نمائندہ کھڑا کیا اور اسے کامیاب بنایا۔ گویا اس طرح انہوں نے منڈل کمیشن کے آواز کو کمزور کرنے اور ان میں اپنا رسوخ پیدا کرنا شروع کر دیا ہے وہ اپنی حکمت عملی سے اس طبقہ کو یقین دلا رہے ہیں کہ بڑی ذات کے ہندو بھی ان کو برابر کے حقوق دینے کے لئے تیار ہیں اس لئے کہ ان کی کامیابی میں بڑی ذات کے ہندوؤں سناروں۔ بنیوں اور اگروالوں کا ووٹ شامل تھا افسوس ہے کہ ہم ان حالات سے فائدہ اٹھانے لئے کوئی حکمت عملی نہ اپنا سکے مگر اب بھی اس کا وقت گیا نہیں ہے ہمیں ان حالات سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرنی چاہیئے ان منفی تدبیروں کے ساتھ ہمیں کچھ مثبت تدبیریں بھی اختیار کرنی ہونگی۔ آپ کے واسطہ سے ہم یہ آواز ملت کے تمام افراد تک پہنچانے کی جرأت کر رہے ہیں۔

۱:۔ سب سے پہلے ہم کو اپنے ایمان کو درست کرنا ہوگا اور فرض عبادات کی پابندی کرنی ہوگی ساتھ ہی ساتھ بندوں کی حق تلفی سے باز رہنا ہوگا مسلمانوں کو اپنے ذہن میں یہ بات اچھی طرح بٹھا لینی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت اور غیبی مدد ہمارے ایمان و یقین اور بندوں کے حق کی ادائیگی کے اعتبار ہی سے ہوگی۔ گو ہمارے اندر جابروں اور ظالموں سے نمٹنے کی طاقت نہیں ہے لیکن خدا کی طاقت بہت بڑی ہے وہ اپنے بندوں۔ مچھروں اور مکھیوں سے وہ کام لے لیتا ہے جو بڑے بڑے ایٹم بموں سے بھی نہیں ہو پاتا اس لئے ایمان و یقین کی درستگی اور بھائی چارہ کے جذبے کے ساتھ اگر ہم اس سے نصرت طلب کریں گے تو وہ ہمیں بے یار و مددگار نہیں چھوڑیگا۔

۲:۔ دوسری یہ بات ذہن میں رکھنی ہوگی کہ موت و حیات اور عزت و ذلت سب اسی کے ہاتھ میں ہے وہ دینا چاہے تو کوئی چھین نہیں سکتا اور اگر چھین لینا چاہے تو کوئی دے نہیں سکتا اس لئے ہمیں خدائے بزرگ و برتر کی ذات واحد ہی سے خوف و امید رکھنا چاہیئے۔

ا۔ سنہ ۱۹۹۱ء کے حالات کے پیش نظر یہ بات کہی گئی ہے۔

دنیا کے تھوڑے سے ذاتی فائدے کی امید میں دوسروں کے سامنے اپنے کو ذلیل نہ کرنا چاہئے اور نہ ملت کے وقار کو مجروح کرنیوالا کوئی طرز عمل اختیار کرنا چاہئے۔

۳:۔ ایمان ویقین کی درستگی اور عبادت کی پابندی کے ساتھ ہم کو آپس میں ایک مضبوط اتحاد پیدا کرنا ہوگا مسلمانوں کے ذہن میں یہ بات اتارنی ہوگی کہ جو بھی خدا کی وحدانیت اور رسول کی رسالت کا قائل ہے اور قرآن پاک کو خدا کی کتاب مانتا ہے ہم کو اس کے ساتھ ایک دینی بھائی جیسا معاملہ رکھنا چاہئے فقہی مسلک یا دینی مسائل کی تعبیر میں ہمارے اندر جو اختلافات ہیں ان سب کے پیچھے ایک تاریخ ہے اس تاریخ کو نہ ہم اب بدل سکتے ہیں اور نہ نفرت وحقارت کے ذریعہ اس کی اصلاح کر سکتے ہیں اس لئے مزید انتشار واختلاف سے بچنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم اجتماعی مفاد کی خاطر انہیں برداشت کرلیں اپنے اپنے مسلک پر مضبوطی سے عمل کریں مگر دوسروں کے مسلک وعقیدہ کے بارے میں کوئی جارحانہ طرز عمل اختیار نہ کریں خاص طور پر اس وقت ہمارے علماء اور رہنما حضرات اپنی ذاتی شخصیت، مسلکی عصبیت اور سیاسی ومعاشی مفاد کے مقابلے میں ملی مفاد کو ترجیح دیں اگر وہ ایسا نہیں کرتے ہیں تو عوام کا شعور ہمیں اتنا بیدار کر دینا ہے کہ وہ شخصی رہنمائی کے منصب سے صرف نظر کرکے ملی حیثیت وعظمت رکھنے والی ایک اجتماعی قیادت ورہنمائی کو وجود میں لانیکی کوشش کریں ہم سب کو پوپ پال ششم کی اس بات سے سبق لینا چاہئے جو انہوں نے پوری دنیا کے عیسائیوں سے مخاطب ہوکر کہی تھی چند سال پہلے ۷۵ کروڑ کیتھولک عیسائیوں کے رہنما پوپ پال ششم نے ویٹکن سٹی اٹلی میں عیسائی اتحاد کے لئے ایک کانفرنس بلائی تھی جس میں کیتھولک اور دونوں فرقوں کے پادریوں سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا تھا کہ اگر عیسائی اتحاد کے لئے پوپ پال کے عہدے کو ہمیشہ کیلئے ختم کر دینا پڑے تو میں اس کے لیے تیار ہوں ہم بھی اپنے مذہبی اور سیاسی رہنماؤں سے اجتماعیت میں گم کر دینے والی یہی آواز سننا چاہتے ہیں۔

۴:۔ چوتھی بات یہ ذہن میں ڈالنی ضروری ہے کہ چالیس برس تک ہم سیکولر جماعتوں میں اپنے زخموں کا مداوا ڈھونڈھتے رہے ہیں مگر مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی اس لئے اب

ہم کو اس ملک میں مستقل طور پر ملی اتحاد اور اپنے ملی اور سیاسی امتیاز کی صورتوں پر غور کرنا چاہئے ہم اپنی امتیازی حیثیت کے ساتھ مخالف سیاسی جماعتوں کا تعاون بھی کریں اور ان سے تعاون لیں بھی خاص طور پر ہر جن طبقہ میں جو نئی سیاسی بیداری پیدا ہوئی ہے اس سے ہمیں پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کرنی چاہئے مگر ذاتی مفاد یا چند سیٹوں کے لالچ میں ملت کے وسیع مفاد کا سودا نہ کرلیں ہم کو ایک انگریز ڈاکٹر مورلے کے واقعہ سے سبق لینا چاہئے ڈاکٹر مورلے کی قیادت میں ایک وفد مغل بادشاہ فرخ سیر کے دربار میں بنگال کے گورنر کی یہ شکایت لیکر آیا کہ انہوں نے کمپنی کی تجارت میں بہت سی رکاوٹیں کھڑی کر دی ہیں جب یہ وفد دلی پہونچا تو فرخ سیر بیمار تھا ڈاکٹر مورلے نے دربار شاہی کے ذمہ داروں سے علاج کی اجازت چاہی اور ان کو اجازت مل گئی اور بادشاہ چند دنوں میں ان کے علاج سے اچھا ہوگیا خوش ہوکر بادشاہ نے ڈاکٹر مورلے سے کہا کہ آپ جو کچھ مانگنا چاہیں مانگ لیں میں اسے پورا کروں گا اگر ڈاکٹر مورلے چاہتے تو ذاتی طور پر بہت کچھ حاصل کرسکتے تھے مگر انہوں نے بادشاہ سے کہا کہ میری اتنی خواہش ہے کہ بنگال میں کمپنی کی تجارت میں جو رکاوٹیں ہیں وہ دور کر دی جائیں چنانچہ بادشاہ کے حکم سے انکو تمام تجارتی سہولتیں مل گئیں اور یہی سہولتیں ایک صدی کے اندر پورے ملک پر انگریزوں کے تسلط کا سبب بن گئیں کاش ہم ذاتی مفاد کے مقابلہ میں ملی مفاد کو ترجیح دینے میں اس واقعہ سے کوئی سبق حاصل کرتے۔

۱۵۔ پانچواں ایک اور اہم کام ہم کو یہ کرنا ضروری ہے کہ ہم زیادہ سے زیادہ ذرائع ابلاغ پیدا کرنے کی کوشش کریں شاید آپ کے علم میں یہ بات ہو کہ اس وقت پوری دنیا میں ذرائع ابلاغ میں مسلمان سب سے پیچھے ہیں ذرائع ابلاغ پر پی۔ایچ۔ڈی کرنے والے مسلمانوں کی تعداد پوری دنیا میں ایک درجن سے زیادہ نہیں ہے جبکہ یہودیوں اور مغربی قوموں نے ان کے لئے کیمپ کی کیمپ تیار کر رکھی ہے اور ساری بین الاقوامی نیوز ایجنسیوں پر انہیں کا قبضہ ہے خود ہندوستان میں ہمارے ذرائع ابلاغ صفر کے برابر کہے جا سکتے ہیں ذرائع ابلاغ۔ یہ کہ تنہا اتحاد نو ہمارا قدم اور بلٹز وغیرہ جیسے ملکی اخبارات

ہیں جو ذرائع ابلاغ کی دنیا میں کوئی مقام نہیں رکھتے خلیج میں جو جنگ چند مہینے پہلے لڑی گئی وہ اسلحہ سے زیادہ ذرائع ابلاغ کی جنگ تھی اور یہودی ذرائع ابلاغ ہی تھا جس نے سعودی حکومت کو امریکی اور اتحادی فوجوں کو بلانے پر مجبور کر دیا اور عراقی فوجوں میں ذہنی انتشار پیدا کر کے انکو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا اس لئے جلد سے جلد نہ صرف ملکی طور پر بلکہ بین الاقوامی طور پر ہم کو اس کی فکر کرنی چاہئے۔

۶:۔ چھٹی چیز جسے ہمیں جلد از جلد کر لینا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ ہمارے پاس ایک ایسا سکریٹریٹ ہو جسمیں پورے ہندوستان کے مسلمانوں کے ہونیوالے علمی اور عملی کاموں اور قابل ذکر اداروں کا ریکارڈ موجود ہو اور ساتھ ہی اگر ممکن ہو تو بیواؤں اور یتیموں کا ریکارڈ بھی مہیا کرنے کی کوشش کی جائے فی الحال سکریٹریٹ حسب ذیل کام کرے۔

۱:۔ ہم ایک ایسا ٹرسٹ قائم کریں جو ان غریب اور بے سہارا طلبہ کو وظیفہ دے جو اچھے نمبروں سے پاس ہوئے ہوں اور اپنی غربت یا کسی اور سبب سے اعلیٰ تعلیم نہ حاصل کر سکتے ہوں خاص طور پر سائنس اور ٹکنالوجی کے طلبہ کو یا عربی درسگاہوں کے ان فارغ لائق طلبہ کو جو انگریزی کی تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہوں اور عربی مدارس کے ان غریب طلبہ کو بھی وظیفہ دے جو کسی خاص فن مثلاً قرآن پاک۔ حدیث۔ فقہ یا صرف و نحو میں اعلیٰ درجہ کی تیاری کرنا چاہتے ہوں اور ان کے لئے مدرسہ کے منتظمین سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی جائے۔

۲:۔ یہ سکریٹریٹ ان بستیوں کے مسلمان بچوں کا ایک علیحدہ ریکارڈ رکھے گا جو کسی غیر مسلم آبادی میں دو دو چار چار کی صورت میں آباد ہوں اور ان کے بچوں کے دینی اور دنیاوی تعلیم کا کوئی معقول انتظام نہ ہو یہ ایک بہت ہی بنیادی کام ہے۔

۳:۔ یہ سکریٹریٹ ایک چار صفحہ پر مشتمل معلوماتی پندرہ روزہ یا ماہانہ بلوٹن شائع کرے جس میں پورے ہندوستان میں مسلمانوں کے ہونیوالے کاموں کا اجمالی ذکر ہو اور ساتھ ہی گورنمنٹ کی چھوٹی چھوٹی معاشی اسکیموں سے بھی مسلمانوں کو آگاہ کرے۔

۴:۔ یہ سکریٹریٹ فرقہ پرست جماعتوں کی جارحانہ سرگرمیوں پر نظر رکھے اور ان سے

مسلمانوں کو آگاہ کرتا رہے اور ان کے دفاع کی تدبیروں کو سوچے گذشتہ ۱۹۸۴ء کے الکشن میں آر ایس ایس کی طرف سے کانگریس آئی کی حمایت اور حکومت کے اندر اس کے نفوذ نے بڑی سنگین صورت پیدا کر دی تھی اس کا خمیازہ ہم اب تک اٹھا رہے ہیں اسی کے نتیجہ میں جنتا دل حکومت نے بھی کمزور پالیسی اختیار کی جس کے نتیجہ میں یو پی میں بی جے پی کی حکومت قائم ہوئی اور اس کے ۱۱۷ ایم - پی پارلمنٹ میں پہنچ گئے ہیں ۔ اس پر بھی ہماری نظر ہونی چاہئے ۔

۵ :۔ آخر میں ایک بات اور ہم مسلمانوں کے ذہن میں اچھی طرح بٹھا دینا چاہتے ہیں کہ فرقہ پرست جماعتیں اور حکومت کے اندر جو فرقہ پرست افراد ہیں وہ مسلمانوں کے خلاف جو جارحانہ اقدامات کرتے رہتے ہیں اس میں بعض سیاسی اور معاشی اسباب و محرکات کے ساتھ ایک بڑا محرک اور سبب یہ بھی ہے کہ وہ مسلمانوں سے نہیں بلکہ اسلام کی اخلاقی قوت سے خوفزدہ ہیں ان کے ذہن میں یہ بات بیٹھی ہوئی ہے کہ نفرت اور منفی جذبات کے ذریعہ ہندوں کو اسلامی تعلیمات اور مسلمانوں سے دور نہ رکھا گیا تو ہندؤں کا ایک اچھا خاصہ طبقہ اسلام کی اخلاقی قوت سے متاثر ہو جائے گا اس لئے وہ اسلام اور مسلمانوں کی تصویر کو خراب کر کے پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں اس صورتحال میں ہمیں یہ بھی سوچنا ہے کہ اگر اسلام کی اخلاقی قوت کے ساتھ ہمارے معاشرہ کی اخلاقی بلندی اور خدمت خلق اور رفاہی کاموں کی کوششوں کی قوت بھی شامل ہو جائے تو ہندوتو کے حامیوں کی جارحانہ سرگرمیوں کے باوجود ہندؤں کے ایک بڑے طبقہ کو اسلام کے حلقہ بگوش ہونے سے کوئی روک نہیں سکتا جیسا کہ ہماری اور ہمارے معاشرہ کی اخلاقی حالت کی پستی کے باوجود اسلام کی روشنی لوگوں کے دلوں کو برابر منور کرتی جارہی ہے ۔

اس لئے مذکورہ بالا منفی اور مثبت تدبیروں کے ساتھ ہمکو اپنی اخلاقی حیثیت کی اصلاح پر سب سے زیادہ زور دینے کی ضرورت ہے ہم دوسروں سے ظلم و حق تلفی کی شکایت کرتے ہیں مگر ہم خود اپنے بھائیوں پر غیروں سے زیادہ ظلم کرتے رہے ہیں اور آج بھی ان کی حق تلفی کر رہے ہیں چھوٹی چھوٹی باتوں پر ان کا خون بہا رہے ہیں انکو ذلیل کر رہے

ہر ممکن کوشش کر رہے ہیں ان کی خوشی اور ترقی سے ہمیں خوشی کے بجائے حسد پیدا ہو رہا ہے یہی وجہ ہے کہ ہر شخص ایک دوسرے سے بدگمان ہے، کوئی کسی پر پورا اعتماد کرنے کے لئے تیار نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کی کوئی بستی کوئی محلہ ایسا نہیں ہے جہاں لڑائی جھگڑے مقدمہ بازی اور قتل وخونریزی اور فتنہ وفساد اور جہالت کا بازار گرم نہ ہو ایسی صورت میں ہم دوسروں سے ظلم وزیادتی اور حق تلفی کی شکایت کیسے کر سکتے ہیں اور خدا کی نصرت ہمارے شامل حال کیسے ہو سکتی ہے؟ اس لئے مسلمانوں کی تمام جماعتوں کو مل کر گاؤں گاؤں شرعی پنچائتیں قائم کرنے کی کوشش کرنی چاہئے تاکہ ان کے آپس کے جھگڑے شریعت کی روشنی میں چکائے جائیں اور ان کے مقدمات کم سے کم عدالتوں تک جائیں ان کے کروڑوں روپے جو ہر سال برباد ہوتے ہیں وہ پیسے انکی تعمیر وترقی میں صرف ہوں، یہ بات ہمارے لئے قابل عبرت ہے کہ آج بیس پچیس برس پہلے کہیں اگر جھگڑا لڑائی اور زیادہ شور شرابا ہوتا تھا تو ہم کہتے تھے کہ "کیا چمروٹی بنا رکھا ہے" مگر اب چمروٹیوں سے یہ صورت حال ختم ہو گئی ہے اب وہ کیفیت ہماری آبادیوں میں پیدا ہوتی جارہی ہے، ان کے بچے تعلیم کی طرف بھاگ رہے ہیں اور ہمارے ۷۰ فی صد بچے جہالت اور آوارہ گردی کی طرف جارہے ہیں ان کے ۷۰ فیصد بچے اپنے گھروں میں پڑھتے نظر آتے ہیں اور ہمارے ۷۰ فیصد بچے جوا اور گولی کھیلتے اور پتنگ اڑاتے اور گالی گفتار کرتے نظر آتے ہیں اس لئے ہمیں اپنے معاشرہ کی داخلی خرابیوں کے دور کرنے کی فکر بہت زیادہ ہونی چاہئے ورنہ ہم معمولی سے معمولی خارجی خطرہ کا بھی مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ایک بات آپ حضرات ذہن نشین کرلیں کہ اتحاد ملت کا جو کام ہم کرنے کا پروگرام بنا رہے ہیں وہ کہنے اور سننے میں بڑا دلکش اور سحر انگیز معلوم ہوتا ہے مگر عملاً جب ہم اس کام کو شروع کریں گے تو قدم قدم پر ہمکو دشواریوں، بدگمانیوں اور نقصان مایہ اور شماتت ہمسایہ سے واسطہ پڑیگا لیکن اگر خیر امت کی حیثیت سے ہم پر اس کام کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے تو ہم کو یہ سب کچھ برداشت کرتے ہوئے آگے بڑھتے رہنا ہے ہم کو اللہ تعالیٰ کے بے پایاں کرم سے امید ہے کہ ہم کمزوروں کی سعی پیہم کو وہ رائیگاں نہیں کریگا، بس ضرورت ہے کہ ایک بار ہم اس کام کے بارے میں پورا اطمینان قلب حاصل کرلیں اور پھر نتائج سے بے پرواہ ہو کر دل وجان سے اس کام میں پوری یکسوئی سے لگ جائیں اور برابر لگے رہیں

فی الحال یہ چند باتیں متفکرین ملت کے سامنے پیش کی جارہی ہیں اس سلسلہ میں دوسرے دردمند اور اہل فکر حضرات مزید مفید صورتیں سامنے لا سکتے ہیں۔

الرشاد کی ڈاک

مخدومی مکرم حضرت علامہ مجیب اللہ ندوی دامت برکاتہم ناظم جامعۃ الرشاد اعظم گڈھ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید قوی ہے مزاج گرامی بخیر وعافیت ہو

عرض ہے ۲۸ تا ۳۰ اکتوبر ۱۹۹۳ء کو نیپال کے شہر، بیرگنج میں منعقد "آل نیپال علماء سمینار" تمام نیپالی مسلمانوں کے لئے سعادت مند موقع تھا، اور علماء ودانشوروں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو کر امت کے مسائل پر سر جوڑ کر غور وفکر اور اس کو حل کرنے کیلئے پہلا قدم تھا، اور نیپال کی اسلامی تاریخ میں ایک نیا باب کا اضافہ تھا، اس قدم کو مضبوط ومستحکم بنانے کے لئے اس تحریک کو مسلسل ومتواتر جاری رکھنا بہت ضروری ہے اسی فکر کی بنیاد پر آئندہ سال "آل نیپال علماء سمینار" کی دعوت وضیافت کی ذمہ داری دار التعلیم والتربیہ نے اپنے ضعیف کاندھے پر اٹھالی ہے اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ کامیابی کی توفیق عطا فرمائے آمین، نیز تمام امت کے درد رکھنے والے حضرات سے کامیابی کے لئے دعا کرنے کی درخواست ہے۔

نیز یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ اس موقر سمینار میں آپ کی شرکت بے حد مفید، سعادت بخش اور انتہائی بابرکت رہی اور آپ کی تحریری گذارشات اور تقریری تبصرے زیر بحث موضوع کو صحیح رخ دینے کیلئے رہنما اصول کی حیثیت ثابت ہوتے رہے۔ اسی لئے میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ آپ کے مختصر قیام کی وجہ سے ہم لوگ تشنہ طلب ہیں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ کی ذات تادیر قائم رہے تاکہ امت کو زیادہ سے زیادہ استفادہ کا موقع فراہم ہو۔

وما ذالک علی اللہ بعزیز

والسلام — طالب دعا

عبدالقیوم۔ اسحاق الرحمٰن

صدر مدرس دار التعلیم والتربیہ۔ مانپور سرہا۔ نیپال

برادر گرامی

السلام علیکم

دعا ہے کہ تمام متعلقین سمیت آپ کا مزاج گرامی بخیر ہو۔ ہم دونوں میاں بیوی تو دل کے ہاتھوں مجبور ہیں باقی سب خیریت ہے۔ ریٹائر ہوئے ایک سال سے زیادہ ہو گیا لیکن اللہ کا شکر ہے کہ اب تک ٹائر نہیں ہوا (تھکا نہیں) جس کا ثبوت یہ مجموعہ ہے۔ ظاہر ہے اس مجموعہ کا الرشاد سے کوئی تعلق نہیں بنتا لیکن میری خواہش تو یہ ہے کہ آپ ان مضامین کا مطالعہ کر لیں اور ممکن ہو تو چند سطور میں اپنی قیمتی آرا سے مجھے سرفراز کریں۔

علی پور (سرسینہ) میں میرے دو خالو تھے جو آپس میں سگے بھائی تھے۔ بڑے بھائی (عبدالوہاب خالد مرحوم) ایک طویل مدت تک حیدر آباد دکن کی کسی عدالت خفیفہ میں ایک معمولی سے اہلکار تھے۔ ایک بار انہوں نے کسی مقدمہ کی مسل تیار کی تو اس میں مقدمہ سے متعلق ہر دس دس بارہ بارہ صفحوں کے بعد الف لیلہ یا قصہ حاتم طائی کے کسی پھٹے ہوئے نسخہ سے نکال کر چار چار، پانچ پانچ صفحات لگاتے گئے۔ جج صاحب نے پہلی بار تو سہو سمجھ کر معاف کر دیا لیکن جب تھوڑی تھوڑی دور پر بالالتزام یہ حرکت نظر آئی تو انھیں طیش آگیا اور انہوں نے وہاب خالو کو بلا کر بر سر عدالت اس حرکت مذبوحی کا سبب دریافت کیا۔ انھوں نے سوکھے منہ سے جواب دیا کہ یہ مقدمہ اس قدر خشک ہے کہ مسل تیار کرتے وقت مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ شاید آپ اکتا جائیں لہٰذا میں نے یہ غیر متعلق لیکن دلچسپ ادبی صفحات بھی لگا دیے ہیں تاکہ آپ کا دل بہلتا رہے۔

آپ بھی ایک زمانہ سے اتنے خشک کاموں میں مشغول ہیں جن کا دباؤ ان دنوں کچھ زیادہ ہی بڑھ گیا ہے کہ تبدیل ذائقہ کے لیے کھٹے میٹھے انا رکا ما کولاتی مطالعہ بہت ضروری ہے۔ خدا کرے اس ضمن میں یہ مضامین میری توقع کے مطابق آپ کے لئے صحیح ذہنی نقل ثابت ہوں۔

میں آپ کی آزادانہ، منصفانہ، غیر جانب دارانہ اور "شفاف" آرا کا بے چینی سے منتظر ہوں کہ انھیں توصیفات سے متصف انتخابات سے پاکستان ان دنوں گزر رہا ہے اور ۱۶ اور ۹ اکتوبر کو مجھے ان تمام خوبیوں سے پُر اپنی رائے کسی ایک کے حق میں اور اس کے دیگر

مخالفین کے خلاف دینی ہے لہٰذا اگر اس درمیان میں مجھے آپ کی آرا مل گئیں تو مجھے معلوم ہوجائیگا کہ آزاد، غیر جانب دار، منصفانہ اور شفاف رائے کیا ہوتی ہے اور اس طرح مجھے بھی رائے قائم کرنے کا صحیح اصول معلوم ہوجائیگا۔

آپ کی دعاؤں کا محتاج

شاہ محی الحق فاروقی۔ ۵۔ اے ۱۸۱ ناظم آباد کراچی ۱۸ پاکستان

خط مکمل ہونے کے بعد الرشاد کا تازہ شمارہ ملا۔ مولوی عبدالباری صاحب کی وفات کی خبر پڑھ کر صدمہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے میں تو آپ ہی سے تعزیت کرسکتا ہوں ان کے کوائف بیان کرتے ہوئے آپ نے اچھا کیا کہ کانگریس اور لیگ کے ابو علی ترکی مناقشات کا وہ ذکر نہیں دہرایا جس کے بارے میں کسی شاعر نے ابوعلی کی تائید اور ترکی کی تردید میں کہا تھا کہ

ہے ناشر باطل اگر اخبار مدینہ　　　تو حق کے لئے وقف ہیں منشور کے صفحات

الرشاد اگست کے تازہ اداریہ سے کچھ تیر مردگی، دل گرفتگی، اور شکست خوردگی کا احساس ہوا اور وہ جولانی طبع مفقود نظر آئی جو اس کا طرہ امتیاز تھی۔ خدا کرے میرا تاثر غلط ہو۔

محترمی و مکرمی جناب مولانا مدظلہ العالی

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ یہاں سب خیریت ہے۔

کچھ دنوں قبل آنجناب کا مکتوب موصول ہوا تھا۔ کچھ کتابوں پر تبصرہ بھیج رہا ہوں۔ اب میرے پاس صرف دو کتابیں رہ گئی ہیں۔ تبصرہ کے لئے تو اور کتابیں آگئی ہوں گی۔ کسی کے ذریعہ انھیں بھجوانے کا انتظام فرمائیں گے۔

ان دنوں بشمول یوپی پانچ ریاستوں میں الیکشن کی ہمہ ہمی ہے۔ دہلی میں پولنگ ہوچکی ہے۔ دیکھیے نتائج کیا رخ اختیار کرتے ہیں؟ آپ نے مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر لانے اور ان کے ووٹوں کا وزن محسوس کرانے کی بہت کوشش کی ہے اپنے اداریوں، تحریروں اور تقریروں کے ذریعے۔ مگر یہ کوششیں بظاہر اب تک تو ثمر بار نہیں ہوئی ہیں۔ مسلمانوں

کے نام نہاد لیڈروں کی وجہ سے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی کوششوں کو شرف قبولیت سے نوازے۔ آپ سے دعاؤں کی پرخلوص درخواست ہے

والسلام محمد رضی الاسلام ندوی

بگرامی خدمت حضرت مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اس سے قبل ایک عریضہ ارسال کرچکا ہوں امید ہے کہ موصول ہوگیا ہوگا سیمینار کے لئے مقالہ ارسال کرنے کے لئے گذارش کی تھی جو کہ دہلی میں تنظیم ائمہ پنجاب وقف بورڈ انبالہ کی جانب سے ۳۰ر دسمبر ۱۹۹۳ء کو کر رہے تھے مگر اب سمینار کی تاریخ تبدیل کردی گئی ہے اب یہ سیمینار چند مجبوریوں کی بنا پر مورخہ ۸ر جنوری ۱۹۹۴ء کو ہو رہا ہے اب کافی وقت مل گیا ہے، دسمبر میں ملی کونسل کا اجلاس بمبئی میں ہو رہا ہے احقر بھی اس میں شریک ہوگا وہاں ملاقات ہوجائیگی یہ خط اطلاعاً ارسال کر رہا ہوں کہ اب مقالہ اسی پتہ پر ارسال فرمائیں تاکہ انتظام میں سہولت ہوسکے۔ آپ ۷ر جنوری ۱۹۹۴ء کو دہلی تشریف لے آئیں، دعاؤں کی درخواست ہے۔

والسلام مع الاحترام
ممتاز احمد قاسمی دفتر مرکزی جمعیۃ علماء ہند
میر درد روڈ پوسٹ بکس ۷۰۰۵۔ نئی دلی۔

مخدومی ومحترمی حضرت مولانا مجیب اللہ صاحب ندوی دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے مزاج گرامی بخیر وعافیت ہو۔

کافی عجلت میں ہوں اور ایک اہم کام کے سلسلہ میں پابہ رکاب ہوں لیکن آپ کا حکم بہرحال اہمیت رکھتا تھا اس لئے عجلت کے باوجود سادہ کاغذ پر ہی یہ خط لکھ

رہا ہوں۔

اس ماہ کا الرشاد۔ جو آپ کے مبارک ہاتھوں سے ملا تھا۔ پڑھا، رشحات کے مندرجات کافی پسند آئے، خصوصاً آپ کا وہ نقطۂ نظر جو آپ نے فلسطین، اسرائیل سمجھوتہ کے بارے میں اپنایا ہے وہ صد فیصد درست ہے، اور میں نے محسوس کیا ہے کہ عام پڑھے لکھے اور دانشور طبقہ کی بھی رائے ہے جو آپ کی ہے، اور وہ اس معاہدہ کو بدترین شکست سمجھتے ہیں!

حسب ہدایت اپنا مقالہ "ملی اتحاد دیکھتی کیوں؟" ارسال کر رہا ہوں، الرشاد کے معیار پر اترے تو شائع کر دیں گے، ورنہ اصلاح فرما کر بھیج دیں گے۔

سماج کلیان سمیتی کی جانب سے انشاء اللہ اگلے ماہ سے ایک ماہنامہ رسالہ نیپالی زبان میں نکلا کریگا، یوں تو آپ نے اپنی تحریروں کے سلسلہ میں اجازت مرحمت فرماہی دی ہے کہ اس کا ترجمہ کرا سکتے ہو۔ درخواست ہے کہ الرشاد میں شائع ہونے والے آپ کے رشحات قلم کے ساتھ ساتھ دوسری تحریروں کی اشاعت کی بھی اجازت عنایت فرمادیں۔

امید کہ آپ اپنی نیک دعاؤں میں اپنے ان عزیزوں کو ضرور یاد رکھیں گے جو آپ سے دور تو ہیں لیکن آپ حضرات سے متعلق کو مایۂ افتخار سمجھتے ہیں۔

والسلام

طالب دعا محمد خالد

ز سماج کلیان سمیتی نیپال مرکزی آفس پوسٹ بکس ۸۳۶۲ کاٹھمنڈو ۔ ۴؍۱۱؍۹۳ء

نئی کتابیں

محمد رضی الاسلام ندوی

نام کتاب: المصادر من القرآن الکریم:
مؤلف: مولانا عزیز الحق کوثر ندوی:
ناشر: مکتبہ سراجیہ ۸۷/۳۱ ج کچی باغ وارانسی: صفحات ۶۴
طبع دوم ۱۹۸۶ء قیمت درج نہیں

قرآن کریم کی تعلیمات سے آگاہ ہونے کیلئے اگرچہ مختلف زبانوں میں بیشمار تراجم موجود ہیں۔ مگر براہ راست عربی زبان میں اسے پڑھنے کا لطف ہی کچھ اور ہے۔ عربی زبان کی تعلیم وتدریس کیلئے قواعد کی چھوٹی بڑی بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ مگر بقول مصنف ضرورت ہے کہ قرآن مجید کی زبان سیکھنے کے لئے ایسا نصابِ تعلیم تیار کیا جائے جو کم سے کم وقت میں زبان سکھا دے اور اس کے متعلم میں تراجم قرآنی سے مدد لئے بغیر براہِ راست قرآن حکیم سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے (ص ۶) اسی ضرورت کی تکمیل کے لئے پیشِ نظر کتابچہ لکھا گیا ہے۔ اس کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں صرف قرآن میں وارد مصادر بیان کئے گئے ہیں۔ مصنف نے ثلاثی مجرد اور ثلاثی مزید کے مختلف ابواب کے تحت مصادر ان کے معانی اور ماضی، مضارع، امر، اسم فاعل وغیرہ کے صیغے درج کئے ہیں۔ یہ کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے۔ اس وقت اس کا پہلا حصہ پیشِ نظر ہے جس میں صرف وہ مصادر ذکر کے گئے ہیں جو اردو میں مستعمل ہیں یا ان کا کوئی مشتق مستعمل ہیں۔

جو لوگ قرآن کریم سمجھنے کے لئے عربی زبان کے قواعد سے واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہیں ان کے لئے یہ کتاب ایک نعمتِ غیر مترقبہ ہے۔ اس کی پہلی اشاعت ۱۹۶۰ء میں ہوئی تھی۔

نام کتاب نورمبین ترجمہ وشرح عدۃ الحصن الحصین (امام ابن الجزریؒ)
ترجمہ: مولانا عزیز الحق کوثر ندوی ؛ ناشر: مکتبہ سراجیہ کچی باغ وارانسی۔
سن طباعت: ۱۹۸۹ء صفحات ۴۰۸ قیمت درج نہیں۔

امام ابن الجزریؒ آٹھویں صدی ہجری کے مشہور محدث اور ماہر علم القرأت گزرے

ہیں۔ آپ کی ایک مشہور تالیف حصن حصین ہے جو حضور انور صلی اللہ علیہ کے اذکار اور دعاؤں کا مقبول عام مجموعہ ہے۔ اس میں انھوں نے ہر موقع کے مسنون اذکار اور ہر ضرورت کی مسنون دعائیں جمع کر دی ہیں۔ انہوں نے خود ہی اس کا ایک خلاصہ عدۃ الحصن الحصین کے نام سے تیار کیا تھا۔ یہ خلاصہ ترتیب اور تحقیق دونوں اعتبار سے اصل پر سبقت لے گیا ہے۔ نورمبین کے نام سے مولانا عزیز الحق کوثر ندوی نے اس کا اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ انھوں نے حسب ضرورت تشریحی نوٹ بھی دیے ہیں۔

مسنون دعاؤں کے سلسلہ میں یہ ایک قابل قدر مجموعہ ہے

نام کتاب: میری زندگی اور قومی اعزاز: مصنف اوم پرکاش کٹاریل۔
پتہ: ۶۳۵ وکاس کنج نئی دہلی ۱۸: صفحات: ۳۷۰: قیمت پڑھئے اور پڑھایئے۔ وطن عزیز کو اونچا اٹھایئے

یہ کتاب جناب اوم پرکاش کٹاریل صاحب کی آپ بیتی ہے۔ ایک طویل عرصہ انہوں نے ملازمت میں گزارا ہے۔ اپنی اس آپ بیتی میں انہوں نے اپنی قومی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے حکومت کی جانب سے اس کا معقول صلہ نہ ملنے کا شکوہ کیا ہے۔ ان کو امید تھی کہ وزارت فلاح عامہ حکومت ہند انکی خدمات کے صلے میں انھیں قومی اعزاز سے نوازے گی۔ مگر خود انھیں کے الفاظ میں تین بار لب بام دو چار ہاتھ ہی رہ گیا۔ مطالعہ کے خواہشمند براہ راست مصنف سے رجوع کر سکتے ہیں۔

نام کتاب: صحرائے اعظم مصنفہ و ناشرہ: پروفیسر زاہدہ زیدی۔
پتہ: آبشار ۴۰ - ایچ آئی جی فلیٹ سرسید نگر علی گڑھ۔ طبع اول ۱۹۹۱ء صفحات ۲۲۵
قیمت: عوامی ایڈیشن ۴۰ روپے لائبریری ایڈیشن ۹۰ روپیے۔

پروفیسر زاہدہ زیدی شعر و ادب کے میدان میں کافی شہرت رکھتی ہیں۔ اردو میں ان کے کئی شعری مجموعے اور ڈرامے شائع ہو چکے ہیں۔ انگریزی اور اردو دونوں زبانوں میں لکھتی ہیں ان کا ڈرامہ صحرائے اعظم عراق اور امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے درمیان ہونے والی خلیجی جنگ کے پس منظر میں لکھا گیا ہے۔ اس کا انتساب انھوں نے یوں کیا ہے: "عراق کے ان حسین اور

پروقار شہروں کے نام جو امریکہ اور اسکے ساتھیوں کی وحشیانہ بمباری سے تباہ و مسمار ہوئے اور ان بہادر اور مظلوم لوگوں کے نام جو سامراجی بربریت کا شکار ہوئے" پیش لفظ میں مصنفہ نے اس ڈرامہ کی تکنیک اور خصوصیات پر روشنی ڈالی ہے۔

غیاث احمد گدی کے افسانے۔ تعارف و انتخاب — مرتب جمشید قمر

ناشر: ایمن پبلیکیشنز رانچی۔ تقسیم کار تاج بکڈپو مین روڈ رانچی (بہار) صفحات ۲۴۰
سن اشاعت: ۱۹۹۱ء قیمت ۹۰ روپیے

غیاث احمد گدی بقول مرتب افسانہ نگاروں کے اس گروہ سے تعلق رکھتے ہیں جس نے آزادی کے بعد اردو افسانے کی دنیا میں اپنی انتھک فنی عرق ریزی اور بے پناہ تخلیقی لگن کا ثبوت دیتے ہوئے اس کے سرمایہ میں بیش بہا اضافے کئے (ص۷) اس کتاب میں انہیں کے افسانوں کا انتخاب پیش کیا گیا ہے۔ کتاب کے دو حصے ہیں پہلے حصے میں ایسی تحریریں شامل ہیں جو گدی کے مطالعہ کیلئے زمین فراہم کرتی ہیں۔ دوسرے حصے میں چند افسانے نقل کئے گئے ہیں۔ گدی کے افسانوں کے کئی مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ انکی شخصیت اور فن پر ادبی رسائل میں انکی زندگی میں بھی بہت سے مضامین شائع ہوئے تھے اور بعد از مرگ بھی۔ کتاب کے آخر میں مرتب نے ببلیوگرافی بھی مرتب کر دی ہے۔ جس سے گدی پر تحقیقی کام کرنے والے استفادہ کر سکتے ہیں۔

نام کتاب: رنج میرٹھی حیات شخصیت اور کارنامے — مرتب ڈاکٹر مقصود حسن،

ناشر: ڈاکٹر سراج الدین کاشانہ محمود نبی سرائے میرٹھ۔ سن اشاعت ۱۹۹۱ء
صفحات ۱۴۴ قیمت ۶۰ روپیے۔

کلیم فصیح الدین رنج میرٹھی انیسویں صدی عیسوی میں میرٹھ کے ایک ممتاز شاعر اور تذکرہ نگار گزرے ہیں جنھیں غالب سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ ان کے تفصیلی حالات نہیں ملتے۔ اس کتاب کے ذریعے مرتب نے انھیں ادبی دنیا میں متعارف کرانے کی کوشش کی ہے۔ یہ چار ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں حالات زندگی پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ دوسرے باب میں ان کا تعارف بحیثیت تذکرہ نگار کر دیا گیا ہے۔ تیسرے باب میں ان کی شاعری

اور تصنیفی خدمات کا بیان ہے اور چوتھے باب میں ان کے کلام کا انتخاب پیش کیا گیا ہے۔
تلامذۂ غالب پر کام کرنے والوں کے لئے یہ کام کی چیز ہے۔

نام کتاب میری بستی میرے لوگ مصنف شہر امام ملنے کا پتہ:
سید جعفر امام پالی کالونی پٹنہ۔ ۸ صفحات ۲۲۰ سن اشاعت ۱۹۹۲ء قیمت ۵۰ روپیے

بہار کے دو قدیم شہروں پٹنہ اور گیا کے درمیان ایک بستی "پالی" نام کی واقع ہے زیر تبصرہ کتاب میں اسی کی تاریخ بیان کی گئی ہے۔ مصنف کا دعویٰ ہے کہ یہ بستی بہت زرخیز رہی ہے اور یہاں بہت سی اہم شخصیتیں پیدا ہوئی ہیں جنہوں نے مختلف میدانوں میں اہم خدمات انجام دی ہیں۔ مگر انہیں شکایت ہے کہ اتنی اہم بستی کی تاریخ اور ان کے فرزندوں کا تذکرہ اب تک نہیں مرتب کیا گیا ہے اس ضرورت کو پورا کرنے کی مصنف نے کوشش کی ہے۔ انہوں نے اس بستی کی تاریخ پر روشنی ڈالنے کے ساتھ ساتھ قدیم و جدید عہد میں اس سے وابستہ قابل ذکر شخصیتوں کا تعارف کرایا ہے۔ مصنف نے اس میں نہ صرف اپنے آباء و اجداد کا تذکرہ شامل کیا ہے بلکہ اپنی آل و اولاد کا بھی ذکر نہیں فراموش کیا ہے۔

بقیہ ص ۱۳ کا

علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون وفی الصلوٰۃ إن الصلوٰۃ تنھیٰ عن الفحشاء والمنکر وفی القصاص ولکم فی القصاص حیاۃ یا أولی الالباب۔ لہ۔

ترجمہ: شریعتوں کی وضع دنیا و آخرت میں انسانوں کی مصلحتوں اور فائدوں کے لئے ہے مثلاً آیت وضو کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تم پر حرج اور تنگی نہیں کرنا چاہتا بلکہ وہ تمہیں پاک کرنا چاہتا ہے اور تم پر اپنی نعمتوں کو مکمل کرنا چاہتا ہے۔

اور روزے کی آیت میں فرمایا کہ تم پر روزہ فرض کیا گیا جیسے کہ تم سے قبل امتوں پر فرض کیا گیا تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔ اور نماز کی آیت میں فرمایا کہ نماز برائیوں اور بے حیائیوں سے روکتی ہے اور قصاص میں فرمایا کہ تمہارے لئے قصاص میں زندگی ہے اے عقل والو۔

لہ الشاطبی: موافقات۔ ج ۲۔ ص ۲۔

محترم مرتب الرشاد مدظلہ کی وہ قابل قدر علمی و دینی تصانیف

جو دار التالیف والترجمہ جامعۃ الرشاد یا دوسرے مکتبوں سے شائع ہوئی ہے

۱۔ اسلامی فقہ اول دوم

محترم مولانا مجیب اللہ ندوی کی تصنیف کردہ فقہ کو بحمد اللہ ملک میں قبول عام حاصل ہے اس مقبولیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اب تک اس کے سات ایڈیشن شائع ہو ہیں مصنف موصوف نے اس میں غیر معمولی اضافہ کر دیا ہے خاص طور پر معاشرتی و معاملاتی والے حصہ میں سیکڑوں جدید مسائل مثلاً خون چڑھانا، پوسٹ مارٹم، نسبندی اور ملکی انسانی اعضا کی پیوندکاری وغیرہ کے احکام کا اضافہ کر دیا گیا ہے گویا شریعت اسلامی ' گوشہ ایسا نہیں ہے جس پر اس کتاب میں روشنی نہ پڑ گئی ہو یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا اسلا کے موضوع پر اردو زبان میں اس سے زیادہ مفصل کوئی کتاب موجود نہیں ہے تمام اہ میں ائمہ اربعہ کے مسلک کا متن یا حاشیہ میں ذکر کر دیا گیا ہے تاکہ شریعت اسلامی کی وسعہ پورا اندازہ ہو سکے اب اس کی ضخامت صفحات سے زیادہ ہو گئی ہے اس لئے دو میں کر دی گئی ہے یہ کتاب نہ صرف عام پڑھے لکھے لوگوں کے لئے مفید ہے بلکہ عربی کے طلبہ و اساتذہ کے لئے بھی ایک نادر تحفہ ہے۔ یہ کتاب ہر گھر ہر لائبریری اور ہر مدا رکھے جانے کے قابل ہے۔

قیمت حصہ اول ۶۵ حصہ دوم ۵۵

۲۔ اسلامی فقہ کا سرقہ

اسلامی فقہ پہلے مکتبۃ الحسنات سے ہوئی تھی اس کے موجودہ مالک نعیم صاحب کی بدمعاملگی کی وجہ سے انہیں شائع کرنے دیا گیا، اس انتقام میں انہوں نے اصل کتاب میں تھوڑی سی عبارت کی تبدیلی کر کے اسے ایک غیر معر کے نام سے شائع کر دیا مگر انشاء اللہ وہ اصل اسلامی فقہ کی جگہ نہ لے سکے گی لیکن بڑا افسوس ہ اقامت دین کے داعی لوگ اس کی تائید کر رہے ہیں اور اپنے مکتبوں میں بیچ رہے ہیں۔

۳۔ قرآن پاک کی تعلیم اور اسکی عظمت

اس میں قرآن پاک کی تعلیم اور اس کی عظمت کو بڑے مؤثر انداز میں پیش کیا گیا ہے اور ساری مثالیں قرآن پاک کی آیات اور احادیث نبوی سے دی گئی ہیں جس سے تلاوت قرآن اور اسکے سمجھنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ قیمت صہ

۴۔ اہل دل کی باتیں

یہ حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڈھی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے جس کے پڑھنے سے ایمان میں تازگی، آخرت کی یاد اور عمل کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اس کا نیا ایڈیشن کچھ اضافہ کے ساتھ چھپ گیا ہے۔ قیمت صہ ۲۵

۵۔ خطبۂ نکاح

جو خطبۂ نکاح کے وقت پڑھا جاتا ہے وہ ایک زبردست معاشرتی ہدایت ہے مصنف نے اس کی بڑی مؤثر تشریح کی ہے ہر نکاح کے وقت تقسیم کرنے کے قابل ہے۔ قیمت ۳ صہ روپے

۶۔ مسئلۂ کفاءت

شادی بیاہ میں برابری کا خیال کرنا صحیح ہے مگر یہ برابری دین و تقویٰ میں ہونی چاہیئے مسلمانوں میں جو پیشہ کے اعتبار سے مستقل طور پر برادریاں قائم ہوگئی ہیں ان کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے بلکہ یہ ہندو تہذیب کے اثر سے ہے اس مسئلہ پر مصنف نے سیر حاصل بحث کی ہے۔

قیمت صہ ۵ روپے

۷۔ جہیز کی شرعی حیثیت

اس وقت شادی بیاہ میں جہیز کے مطالبہ نے ایک فتنہ کی صورت اختیار کر لی ہے جس سے لڑکیوں کی شادی عام آدمی کے لئے ایک مصیبت بن گئی ہے اس پر ایک عالم نے بہت تحقیقی بحث کی ہے جس پر مولانا ندوی کے قلم سے ایک دیباچہ بھی ہے۔

قیمت صہ ۶ روپے

یہ تینوں کتابیں اصلاح معاشرہ کے لئے بہترین تحفہ ہیں۔

۸۔ دینی مدارس اور انکی ذمہ داریاں

اس میں دینی مدارس کی ذمہ داریوں کو بڑے پر اثر اور پرسوز انداز میں بیان

کیا گیا ہے اس کے بعض مضامین کو شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے کئی سو کے مجمع میں پڑھ کر سنوایا اور فرمایا کہ اس کو ہر استاذ اور طالب علم کو پڑھنا چاہیئے۔

قیمت صرف عنہ روپئے

۹۔ عبادت و خدمت

اس میں خدمت خلق پر اس نقطۂ نظر سے بحث کی گئی ہے کہ خدمت خلق بھی عبادت ہے اس کا انگریزی اور عربی ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔

قیمت عہ/ روپئے

۱۰۔ سرمد اور ان کی رباعیاں

اس میں سرمد کے حالات زندگی اور ان کی رباعی گوئی اور ان کے قتل کے اسباب پر مفصل روشنی ڈالی گئی ہے اور آخر میں ان کی رباعیاں ترجمہ کے ساتھ شامل کر دی گئی ہیں اس سے پہلے کسی نے اتنی تفصیل سے اس موضوع پر کوئی چیز نہیں لکھی ہے یہ کتاب اردو اکیڈمی یوپی کی مدد سے شائع ہو گئی ہے۔

۱۱۔ خواجہ میر درد اور انکی شاعری

عام طور پر خواجہ میر درد کو ایک شاعر سمجھا جاتا ہے لیکن شاعری میں ایک بلند مقام رکھتے ہوئے یہ ان کی قانونی حیثیت ہے وہ ایک زبردست عالم اور صاحب سلسلہ شیخ اور صاحب دل بزرگ تھے مصنف نے ان کی کتابوں کی روشنی میں ان کی زندگی اور شاعری کی والہانہ انداز میں تفصیل کی ہے۔ کتاب زیر ترتیب ہے اس کا کچھ حصہ الرشاد میں شائع ہو چکا ہے۔

۱۲۔ ریاض الحدیث

یہ احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا مختصر مجموعہ ہے جس میں ایمان و عقیدہ اور عبادات سے زیادہ معاملات معاشرت اور اخلاق سے متعلق حدیثیں جمع کر دی گئی ہیں اور محترم مرتب مدظلہ نے حدیث کی مختصر مگر جامع اور دلنشیں تشریح کر دی ہے۔ جس سے اس کی افادیت میں مزید اضافہ ہو گیا ہے مشغول سے مشغول آدمی بھی اس سے سفر و حضر ہر جگہ فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

قیمت بیس۲۰/ روپئے

۱۳۔ وقت ایک دولت ہے

وقت اللہ کی عطا کی ہوئی کتنی قیمتی نعمت ہے اس کی اہمیت کو اس میں بڑے موثر انداز میں

بیان کیا گیا ہے یہ بقامت کہتر اور بقیمت بہتر کا مصداق ہے اسے ہر مسلمان کو نہ صرف پڑھنا چاہیئے بلکہ ہر وقت اپنے پاس رکھنا چاہیئے۔ قیمت ۱۲/۵۰ روپیئے

۱۴۔ اسلامی قانون اجرت

اس کتاب میں مزدوروں کے مسائل پر اسلامی نقطۂ نظر سے بحث کی گئی ہے اس کا ملیالم میں ترجمہ بھی ہو چکا ہے اس کا پہلا ایڈیشن لاہور سے شائع ہوا ہے اب یہ کتاب تاج کمپنی دلی سے بھی شائع ہو گئی ہے۔

۱۵۔ تبع تابعین

اس کتاب میں انتیس ۲۹ اکابر تبع تابعین اور اکابر امت کے علم و فضل کا مفصل ذکر ہے جس میں امام ابو یوسف، امام محمد اور عبداللہ بن مبارک، امام ظفر، فضیل بن عیاض، سفیان ثوری وغیرہ جیسے اکابر امت شامل ہیں۔ قیمت ۵۰/ روپیئے

۱۶۔ اہل کتاب صحابہ و تابعین

اس کتاب میں ان ترانوے صحابہ صحابیات اور تابعین کا ذکر ہے جو اسلام سے پہلے یہودی یا نصرانی تھے اور پھر مسلمان ہوئے دنیا کی کسی زبان میں اس موضوع پر کوئی کتاب نہیں۔

قیمت ۲۵/ روپیئے

۱۷۔ اجتہاد اور تبدیلیٔ احکام

اس کتاب میں ان نئے مجتہدین کا مدلل اور مفصل جواب دیا گیا ہے جو کہتے ہیں کہ قرآن و سنت کے صریح احکام کو بھی اجتہاد کے ذریعہ بدلا جا سکتا ہے۔ قیمت ۲۰/ روپیئے

۱۸۔ فتاویٰ عالمگیری اور اسکے مولفین

عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے فتاویٰ عالمگیری کو علماء کی ایک پوری جماعت نے مرتب کیا تھا مگر اب تک اس کے مصنفین کے نام سے لوگ ناواقف تھے مصنف نے بڑی تلاش جستجو سے ان کے حالات جمع کر دیئے ہیں اور اس میں فقہ کی جن کتابوں سے مدد لی گئی ہے اسکی تفصیل بھی کر دی ہے۔ قیمت ۳۵

۱۹۔ اسلام کے بین الاقوامی اصول و تصورات

اسلام نے بین الاقوامی تعلقات کے سلسلہ میں جو

اصول دیئے ہیں ان پر اس میں مفصل بحث کی گئی ہے یہ مقالہ تھا جو ۱۹۵۷ء میں مسلم یونیورسٹی علیگڑھ میں پڑھا گیا تھا اب اضافہ کرکے اسے کتابی شکل دے دی گئی ہے یہ تینوں کتابیں دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری نسبت روڈ لاہور سے شائع ہوئی ہیں ہندوستان میں بھی اسکے چھاپنے کی کوشش کیجارہی ہے۔ قیمت ۶۵/

۲۔ فقہ اسلامی اور دور جدید کے مسائل

ان میں ان بنیادی اصولوں کا تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے کہ جن کی بنیاد پر نئے پیش آمدہ مسائل میں ایک مفتی غور کرکے ان کے جوابات دے سکتا ہے یہ کتاب مکتبہ جامعہ نئی دلی سے شائع ہوئی تھی اب دوبارہ یہ کتاب دارالتالیف والترجمہ سے شائع ہوئی ہے۔

۲۔ اسلامی تعلیم حصہ اول، دوم، سوم، چہارم

اس میں اسلامی مسائل کو بڑے سلیس اور دلچسپ انداز میں بچوں کے ذہن نشین کرانے کی کوشش کی گئی ہے یہ سیکڑوں مکاتب اسلامیہ کے نصاب میں داخل ہے پورے سیٹ کی قیمت ۲۰ روپیے ہے۔

۲۱۔ ان کتابوں کے علاوہ ابھی مصنف مدظلہ کے درجنوں مضامین الرشاد کے قیمتی اداریئے ہیں۔ جن کو کتابی شکل دینے کی کوشش کیجارہی ہے۔ مثلاً خدمت حدیث میں عورتوں کا حصہ، قرآن پاک میں رحم، نماز اور خشوع، تواضع وخاکساری، مسلمان بادشاہوں کی تصانیف ذرائع آمدنی اور تقسیم ملکیت کا مسئلہ وغیرہ،

مکتبہ الرشاد

دارالتالیف والترجمہ کے علاوہ دوسرے مکتبوں سے شائع شدہ اردو عربی کتابیں بھی مکتبہ سے مناسب قیمت پر دستیاب ہیں۔

پتہ

مہتمم مکتبہ الرشاد۔ رشاد نگر۔ اعظم گڈھ

مدینہ یونیورسٹی جامعۃ الرشاد کی انہیں خصوصیات کی بنا پر الجامعۃ الاسلامیہ مدینہ منورہ نے اس کا الحاق منظور کر لیا ہے اور اس کے بعض طلبہ وہاں داخل ہو کر فارغ ہو چکے ہیں اور بعض زیر تعلیم ہیں۔

جامعہ ملیہ مسلم یونیورسٹی اور لکھنؤ یونیورسٹی میں داخلہ

جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی مسلم یونیورسٹی علیگڑھ اور لکھنؤ یونیورسٹی میں یہاں سے عالمیت کرنے کے بعد بی۔ اے سال اول میں اور طبیہ کالج میں اور فضیلت کے بعد ایم اے میں داخلہ ہو جاتا ہے کئی طلبہ فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

ادارہ کے شعبے (۱) عربی درسگاہ تعلیم دورہ تک مدت تعلیم سات سال (۲) درجہ حفظ قرأت (۳) مکتب درجہ پنجم تک (۴) اردو میڈیم جونیئر ہائی اسکول (۵) جامعۃ الطیبات شعبہ نسواں (۶) شعبہ کتابت، جلد سازی و دستکاری (۷) شعبہ نشر و اشاعت (۸) الجماعۃ الشرعیہ جس کے ذریعہ طلاق اور فسخ نکاح وغیرہ کے فیصلے کئے جاتے ہیں (۹) رشاد نرسری اسکول کی دو شاخیں ہیں ایک شہر میں دوسرے موضع بکھرا میں اس کی ڈو شاخیں جلد ہی کھلنے والی ہیں ان تمام شعبوں میں تقریباً ڈیڑھ ہزار سے زیادہ طلبہ تعلیم حاصل کر رہے ہیں کتابت سیکھنے والے طلبہ کو وظیفہ بھی ملتا ہے۔

داخلہ درجہ عربی وحفظ و مکتب و شعبہ نسواں میں داخلہ ۱۰ شوال سے شروع ہوتا ہے اور نرسری اسکول میں داخلہ ۲۵ جون سے شروع ہوتا ہے عربی اور حفظ اور مکتب شعبہ نسواں میں جو حضرات اپنے بچوں کا داخلہ چاہتے ہوں وہ ۲۰ رمضان تک درخواستیں بھیج دیں مکتب اور نرسری کے بچاس بچوں کے لئے دارالاقامہ میں رکھنے کی گنجائش ہے شعبہ نسواں میں کچھ بچوں کو دارالاقامہ میں رکھنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

وظیفہ اس سال زیادہ عربی اور حفظ کے سوا سو غریب طلبہ کو وظیفہ دیا جائے گا مکتب اور شعبہ نسواں اور نرسری اسکول کے بچوں کے لئے کوئی وظیفہ یا رعایت نہیں ہے

سالانہ خرچ اسکا سالانہ خرچ ۹۔۱۰ لاکھ کے درمیان ہے تعمیری اخراجات اسکے علاوہ مدرسہ اور مسجد کا کھاتہ پنجاب بینک میں ہے۔

رقم بھیجنے کا پتہ:۔ سکریٹری جامعۃ الرشاد اعظم گڈھ

Regd. No Azm N. I 42/84
Regd. N. R. N 34937/81
MONTHLY JAMETUR RASHAD
AZAMGARH—276001 (U.P.) INDIA

Printed at Nishat Offset Press Tanda Faizabad